یا اللہ جل جلالہ

یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ وَ سلَّم

علمِ تصوف و طریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد شانزدہم

از رشحات فیض قلم

قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل

الشیخ الاستاذ المفتی

سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک، جلد شانزدھم

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: ستمبر ۲۰۲۵ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۴۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست مکتوبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۲۴۸

[عالی جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو ان کے تمام کمالات سے بطریقِ تبعیت کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔ اور اس بیان میں کوئی ولی نبی علیہ السلام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس اَمر کی تحقیق میں کہ تجلی ذاتی جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مخصوص ہے کس معنی سے ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہٗ سُبْحَانَہٗ عَلَیْھِمْ وَعَلٰی اَتْبَاعِھِمْ وَاَنْصَارِھِمْ وَاَعْوَانِھِمْ وَخَزَنَۃِ اَسْرَارِھِمْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس طرف ہدایت کی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حق کے ساتھ آئے ہیں، اُن پر اور ان کے تابعداروں اور مددگاروں اور ان کے اسرار کے خزانچیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کمال متابعت اور زیادہ محبت کے باعث بلکہ محض عنایت وبخشش سے اپنے متبوع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور پورے طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ تابعوں اور متبوعوں کے درمیان سوائے اصالت اور تبعیت اور اَولیت اور آخریت کے کچھ فرق نہیں رہتا۔ باوجود اس اَمر کے کوئی تابعدار اگرچہ افضل الرسل کے تابعداروں سے ہو۔ کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ کو اگرچہ وہ تمام

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کم درجہ کا ہو نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر علیہ السلام کے نیچے رہتا ہے جو تمام پیغمبروں سے نیچے درجے کا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کامل تابعدار کمال متابعت اور زیادہ محبت کے باعث بلکہ محض عنایت و بخشش سے اپنے متبوع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں، الخ" یعنی عارفِ کامل اطاعت کے ذریعہ اپنے نبی علیہ السلام کے کمالات کو حاصل کرتا ہے مگر اس نبی علیہ السلام کے منصب تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ منصبِ نبوت بذاتِ خود حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا خاصہ ہے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ عارف اپنے متبوع (جس کی پیروی کی جائے) کی کامل اطاعت سے بھی مشرف ہو جاتا ہے اس کے باوجود اپنے متبوع پیغمبر کے ثواب و مرتبہ اور فضیلت ورُتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ متبوع پیغمبر اپنے اصلی مرتبہ اور اپنے مخصوص کمالات کے علاوہ اپنے تابعداروں کے کمالاتِ ثواب میں شریک ہوتے ہیں۔ پس کوئی بھی تابع اپنے متبوع پیغمبر کی فضیلت وثواب کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ متبوع پیغمبر ایک طرف تو اپنے فضائل کا حامل ہوتا ہے اور دوسری طرف ساری اُمت کے فضائل اس متبوع پیغمبر کی طرف راجع ہوتے ہیں تو اس لئے عارف اپنے متبوع کی کامل اطاعت سے بھی مشرف ہو کر بھی اپنے متبوع پیغمبر علیہ السلام کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ تابعدار جس قدر بھی کامل ہوں وہ اس پیغمبر علیہ السلام جس کا ایک اُمتی بھی نہ ہو اس کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ پیغمبر علیہ السلام مدعوئے اولیٰ ہے جو بالذات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے

مقرر فرمایا گیا ہے جبکہ تابع کامل کو پیغمبر علیہ السلام کے واسطہ سے مقرر فرمایا گیا ہے یعنی اسے پیغمبر علیہ السلام کی طرح بالذات مقرر نہیں فرمایا گیا۔ لہٰذا ان دونوں مقرر کردہ احباب (تابع اور متبوع) میں بہت ہی زیادہ فرق ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مکتوب میں حالتِ استدلال کو کشف کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

آپ نے اس مکتوب میں حقیقتِ ولی، حقیقتِ نبی اور حقیقتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بیان فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعدار بعض صوفیاء کرام پر کبھی کبھی عشق کے غلبہ کی وجہ سے شوق وذوق کی کیفیت آجاتی ہے تو اس کیفیت میں ان صوفیاء کرام سے بعض باتیں صادر ہو جاتی ہیں جن میں سے چند ایک اس مکتوب میں بیان ہوئی ہیں کہ بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ ولایت نبوت سے افضل ہے جبکہ عقائد کی رُو سے اس طرح کہنا کفر ہے اور اگر کشفی حالت کی وجہ سے اس طرح کہے تو اس پر کفر کا فتویٰ جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ سالک سے عشق ومحبت کے غلبہ کی وجہ سے یہ الفاظ صادر ہو جاتے ہیں۔ دوسری بات بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ جب ہم ذِکر یا مراقبات کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہم ہوبہو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کیفیات پا لیتے ہیں۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اگر ساری دُنیا کے اولیاء کرام جتنی بھی کوشش کریں تو یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام تک بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

کیونکہ عقائد کی کُتب میں فرمایا گیا ہے کہ:

أفضل البشر بعد نبينا أبو بكر الصديق والأحسن أن يقال: بعد الأنبياء الذي صدق النبي صلى الله عليه وسلم في النبوة من غير تلعثم وتردد وفي المعراج بلا تردد۔

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور زیادہ بہتر ہے کہ بعد الانبیاء علیہم السلام کہا جائے جنہوں نے نبوت کے بارے میں بغیر توقف کے اور معراج کے بارے میں تردد کے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تصدیق کی۔[1]

بعض اوقات سالک پر عشق و محبت کے غلبہ کی وجہ سے ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس میں سالک سے یہ الفاظ صادر ہو جاتے ہیں کہ میں نے کمالاتِ نبوت کو حاصل کر لیا ہے اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں تصوف میں بھی مراقبۂ کمالاتِ نبوت، مراقبۂ کمالاتِ رسالت اور مراقبۂ کمالاتِ اولوا العزم موجود ہیں۔ لیکن سالک کو چاہیئے کہ یہ عقیدہ نہ رکھے کہ میں ان مراقبات کے ذریعے سے نبی علیہ السلام کے درجہ کو پہنچ گیا ہوں کیونکہ یہ سراسر غلطی ہے بہرحال ایک کامل سالک کسی نبی علیہ السلام کا کمال تو حاصل کر سکتا ہے مگر نبی علیہ السلام کا درجہ حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی فضیلت اوپر بیان ہو چکی ہے اور احادیثِ مبارکہ میں بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بہت فضائل موجود ہیں اس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی نبی علیہ السلام کے اس ابتدائی درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکے تو دوسرے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس درجہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

تو اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ نبی علیہ السلام کا مقام اصل ہے اور ولی کا مقام ظل، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اصل اور ظل میں بہت ہی زیادہ فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بلا واسطہ تمام مخلوقات

---

[1] (شرح العقائد النسفیة، ج ۱، ص ۸۵، مکتبة أهل السنة والجماعة)

سے بہترین مخلوق کی صُورت میں چُناہے جبکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو قُرب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یااپنے شیخ کے واسطہ سے حاصل ہوتاہے۔

جس شخص نے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری میں زندگی گزار دی ہو اس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تجلّیٔ ذاتی سے مشرف فرمادیتاہے۔ مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ جس طرح سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تجلّیٔ ذاتی پر مشرف تھے یہ (تابعدار بھی) اسی طرح تجلّیٔ ذاتی پر مشرف ہے سراسر غلط اور باطل عقیدہ ہے۔ کیونکہ اس (تابعدار) پر تجلّیٔ ذاتی ظلی طور پر پڑتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک آئینہ کمرے سے باہر ہو اور دوسرا آئینہ کسی اندھیرے کمرے کے اندر اور اس باہر والے آئینے پر روشنی کی شعاع پڑ کر انعکاسی طریقے سے اندھیرے کمرے میں پڑے ہوئے آئینے پر روشنی لگنے کی وجہ سے کمرہ روشن ہو جائے۔ باہر پڑے ہوئے آئینہ پر روشنی براہِ راست پڑتی ہے جبکہ اندر والے آئینہ پر روشنی کا انعکاس پڑتاہے، پس دونوں برابر نہ ہوئے۔ یہی حال ایک نبی علیہ السلام اور ولی پر پڑنے والی تجلّیٔ ذاتی کاہے۔ پس اس صورت میں دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی بھی نبی علیہ السلام کا معاملہ ظلی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ظل سے مبرّا اور پاک ہے۔ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے قبل جتنے بھی حضراتِ انبیاء علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات گزرے ہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان سب کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے تجلّیٔ ذاتی سے مشرف فرمایاہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے اتباع میں سے بہت ہی کم لوگوں کو اس تجلّیٔ ذاتی ظلی سے مشرف فرمایاگیاہے۔

بلکہ اگر ساری دُنیا کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مل کر بھی عبادت کریں تب بھی یہ ایک ادنیٰ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے اور اسی طرح اگر سب حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوشش کریں تو وہ ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جس کا ایک بھی اُمتی نہ ہو اس کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح اگر پیر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تابعدار ہو تو مُرید اگر ساری عمر بھی کوشش کرتا رہے اپنے پیر کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر تا قیامت بمعہ دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے جتنی بھی مخلوق ہے انہوں نے جتنے بھی نیک اعمال (نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ، جہاد، تبلیغات، درس و تدریس، صدقات و خیرات وغیرہ) کئے ہیں یا کرتے رہیں گے ان سب نیک اعمال میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شریک اور حصہ دار ہیں۔ کیونکہ تمام حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے ہی تجلیٔ ذاتی پر مشرف فرمایا گیا ہے۔ اس لئے تمام نیک اعمال میں یہ حصہ خود بخود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ملتا ہے۔ اسی طرح پیر یا ولی اللہ بھی اپنے مُریدین کو نیکی کی طرف دلالت کرتے ہیں تو مُریدین جو بھی نیک اعمال کریں ان میں پیر یا ولی اللہ کا حصہ خود بخود جُدا ہو جاتا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقام تک نہ تو کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ ہی کبھی پہنچ سکے گا اور اسی وجہ سے کہ ساری مخلوقات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مقام بلند واعلیٰ اور برتر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی قرآن عظیم الشان کا ختم یا خیرات وصدقات کرے تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کا ثواب کسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ایک ولی کے لئے معین کرے اس طرح نہ کہے کہ میں اس کا ثواب سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے پیش کرتا ہوں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قاسم ہیں اور تقسیم کرنے والے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حصہ اس میں سے خودبخود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پہنچ جاتا ہے۔

کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے حضرت ابی مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔

ترجمہ: جو شخص کسی کو نیکی کی طرف دلالت کرے (یعنی نیکی کی طرف بُلائے تو) اس کے لئے (بھی) نیکی کرنے والے کے جیسا اَجر ہے۔[1]

جو نیکی کا طریقہ جاری کرے اس کے لئے حسنات کے سلسلے کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس کے بالمقابل جو بدبخت بُرائی کا آغاز کر بیٹھے اس کے نامۂ اعمال میں ان تمام لوگوں کی سیاہ کاری درج ہوتی ہے، جنہوں نے اس کے بُرے طریقے پر عمل کیا یعنی یہ گناہِ جاریہ بن جاتا ہے۔

[1] (صحیح مسلم، ج ۹، ص ۴۸۶، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت منذر بن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اس کے لئے اس کا (اپنا بھی) اَجر ہے اور ان کے جیسا اَجر بھی جنھوں نے اس کے بعد اس (طریقے) پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے اَجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام میں کسی بُرے طریقے کی ابتداء کی اس کا وبال (بوجھ) اسی پر ہے اور ان کا بوجھ بھی جنھوں نے اُس کے بعد اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی ہو۔ [1]

قابیل نے پہلا قتل کیا تھا حدیثِ مبارکہ کے مطابق تا قیامت جو انسان قتل ہو گا قاتل کے گناہ میں قابیل کا بھی حصہ ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا وَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج۵، ص ۱۹۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: کسی ذی روح (انسان) کو ظلم سے قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون (گناہ) کا ایک حصہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) پر پڑتا ہے کیونکہ وہی سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔[1]

سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں ایمان واسلام اور تقویٰ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ ایسا ہے جیسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ اعمال بذاتِ خود کئے ہوں اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقامِ اَقدسہ کے ساتھ کسی کی برابری کی گنجائش نہیں ہے۔ اب اگر کوئی اس طرح کہے کہ فلاں ولی کا مقام فلاں نبی علیہ السلام کے برابر ہے تو یہ سراسر غلط بات ہے اور عقائد کے خلاف ہے کیونکہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے دُنیا سے رُخصت ہونے کے بعد بھی درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

جو سالک سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کرے اور اپنے شیخ کا احترام بھی اس وجہ سے کرے کہ یہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعدار ہیں نہ کہ مال اور دُنیا کی خاطر۔ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تجلیٔ ذاتی ظلی سے اس سالک کے لئے بھی حصہ مقرر فرما دیتا ہے اور وہ حصہ اسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کے طفیل مل کر رہے گا اور اگر شیخ وسالک دونوں سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعدار نہ ہوں تو وہ یہ تمنا نہ رکھیں کہ یہ تجلیٔ ذاتی ظلی پر مشرف ہوں گے۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۵، ص ۳۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بعض سالکین مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ اکثر درس وتدریس میں مصروف ہوتے ہیں اورذِکرواذکار کی مجلس کم ہوتی ہے اور اس طرح ہم لوگ آپ کی توجہاتِ عالیہ سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ زیادہ وقت درس و تدریس ہی میں صرف ہو جاتا ہے تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر پیر شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا پابند ہو تو سالکین کو چاہیئے کہ جب اپنے پیر کی مجلس میں بیٹھیں تو فضول حرکات سے گریز کریں کیونکہ اس میں ریاکاری کا اَشد خدشہ موجود رہتا ہے اور ذِکر ان حرکات کے بغیر بھی کیا جاسکتا ہے کسی قسم کی حرکات وسکنات کئے بغیر اپنے باطن کی طرف متوجہ ہوں، پیر چاہے درس و تدریس میں مصروف ہو یا کسی اور کام میں۔ تو پھر دیکھیں کہ پیر کے سینۂ اقدسہ سے فیوض وبرکات سالک کے سینہ میں منتقل ہوتے ہیں یا نہیں؟ مگر اکثر سالکین جب پیر کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو وہ خود ذِکرواذکار میں مصروف ہوتے ہیں یا اپنے لطائف کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تو ان کے باطن کی کیا خاک اصلاح ہوگی اور پیر کے سینۂ اقدسہ سے ان کے لئے فیوض وبرکات کیسے منتقل ہوں گے؟ بلکہ وہ جیسے آئے تھے ویسے ہی خالی واپس چلے جائیں گے۔ بعض لوگ یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ سالک کی محبت تو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ ہوتی ہے تو پھر سالک اپنے پیر کے ساتھ محبت کیوں کرتا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پیر سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حقیقی تابعدار ہوتا ہے اس لئے سالک اپنے پیر کے ساتھ محبت اور ان کا احترام سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کی بناء پر ہی کرتا ہے۔

[اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں، اور تمام اعلیٰ و اسفل اُمتوں اور ان کے ارباب کے مبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجہ کے موافق ہیں۔ پھر اصل و ظل کے درمیان کس طرح مساوات ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ (۱۷۱) إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ (۱۷۲) وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات ۱۷۳)

ترجمہ: اور بے شک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے، کہ بے شک انہیں کی مدد ہو گی، اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ تجلیٔ ذاتی جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مخصوص ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ حاصل ہے۔ وہ اس معنی کے لحاظ سے نہیں ہے کہ تجلیٔ ذات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نصیب نہیں ہے۔ اور تابعداری کے سبب ان کے کاملوں کو نصیب ہے۔ حاشا وکلّا کہ کوئی اس سے یہ مطلب تصور کرے کیونکہ اس میں اولیاء کی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر زیادت ہے بلکہ اس تجلی کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مخصوص ہونا اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ دوسروں کو اس کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل اور تبعیت سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل اور تبعیت سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل ہے۔

اور اس اُمت کے کامل اولیاء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کے سبب سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نعمتِ عظمیٰ کے دستر خوان پر ان کے طفیلی اور جلیس ہیں۔ اور اولیاء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خادم پس خوردہ کھانے والے۔ اور جلیس طفیلی اور خادم پس خوردہ کھانے والے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام پر قدم لغزش کھاجاتا ہے۔

اس شبہ کی تحقیق میں اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسالوں میں کئی قسم کی وجہیں ذکر کی ہیں، اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مسودہ میں تحقیق کیا ہے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگرچہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل اس تجلی سے کامل حصہ حاصل ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ولایتِ خاصہ نے ان کی اُمتوں کے اولیاء میں اثر نہیں کیا ہے، اور اس تجلی سے وافر حصہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ جب ان کی اصلوں میں یہ دولتِ طفیلی اور انعکاسی ہو تو فروع میں عکس العکس کے طریق پر کیا پہنچے۔ اس معنیٰ کا مصداق کشفِ صریح ہے نہ استدلالِ عقلی۔

اور یہ جو پہلے مذکور ہوا ہے کہ کامل تابعدار کمالِ متابعت کے سبب اپنے متبوعوں کے کمالات جذب کر لیتے ہیں، مراد ان سے متبوعوں کے اصلیہ کمالات ہیں نہ کہ مطلقاً تاکہ تناقض پیدا نہ ہو۔ بلکہ یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے اپنے ہر ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخصوصہ ولایت سے بہرہ ور ہوئے ہیں، اور سب اُمتوں کے درمیان یہی اُمت تابعداری کے سبب اس تجلی سے مخصوص ہے۔ اور اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ اُمت خیر الامم ہے، اور اس اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہیں۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اَرباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں۔ اور تمام اعلیٰ و اسفل اُمتوں اور ان کے ارباب کے مُبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے، الخ" یعنی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبادی فیضِ صفاتِ ثمانیہ ہے جبکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مبادی فیوضِ صفاتِ ثمانیہ کا ظلال ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض صفتِ تکوین، حضرت نوح وابراہیم علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبدأ فیوضات صفت العلم، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا مبدأ فیض صفت الکلام، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض صفت القدرت اور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان العلم ہے۔ اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبادی فیوض مندرجہ ذیل ہیں۔ اگر ولی آدم المشرب ہو تو اس کا مبدأ فیض ظلالِ تکوین، اگر نوحی المشرب وابراہیمی المشرب ہو تو اس کا مبادیٔ فیوض ظلالِ صفت العلم، اگر موسوی المشرب ہو تو اس کا مبدأ فیض ظلالِ صفت الکلام، اگر عیسوی المشرب ہو تو اس کا مبدأ فیض ظلالِ صفت القدرت اور اگر ولی محمدی المشرب ہو تو اس کا مبدأ فیض ظلالِ شان العلم ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ظلالِ صفات، تعلقاتِ صفات یا تمثیلاتِ صفات سے عبارت ہے۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ایک کامل عارف حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ اولوالعزم اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالاتِ محبوبیت تک متابعت کے ذریعے پہنچتا ہے۔ جبکہ دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات حضراتِ انبیاء اولوالعزم علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے اور حضراتِ انبیاء اولوالعزم علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے ان کمالات تک پہنچے ہیں۔

متابعت اور طفیل میں مندرجہ ذیل فرق ہے:

متابعت: اس سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کی متابعت کرنا ہے۔

طفیل: اس سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کی متابعت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کی اتباع کئے بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے واسطہ سے اس کمال تک پہنچنا ہے۔ چنانچہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت پر عمل کئے بغیر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے واسطہ سے بطورِ طفیلی تجلیاتِ ذاتی تک پہنچے ہیں تو اسی وجہ سے تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے تجلیٔ ذاتی پر مشرف ہیں۔ اگرچہ تجلیٔ ذاتی بالاصالہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خاصہ ہے اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کی وجہ سے تجلیٔ ذاتی پر مشرف ہوتے ہیں۔ اس اُمت کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ اس (اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لوگ) تجلیٔ ذاتی پر مشرف

ہوتے ہیں جبکہ دیگر اُمم تجلّیٔ ذاتی کی اس عظیم نعمت سے محروم تھے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات متبوع بطورِ طفیلی اس مقام تک پہنچے ہیں لہٰذا ان (حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات) کی اُمتیں اس عظیم نعمت پر مشرف ہونے سے محروم ہیں۔

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اُمتیوں میں سے کاملین کی متابعت کی وجہ سے تجلّیٔ ذاتی تک پہنچنے اور دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل اس دولتِ عظمیٰ تک پہنچنے میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اگرچہ اپنے پیغمبر علیہ السلام کی اتباع کی وجہ تجلّیٔ ذاتی پر مشرف ہوتے ہیں اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل تجلّیٔ ذاتی پر مشرف ہوئے ہیں پھر بھی یہ دونوں قسم کے لوگ مساوی نہیں اس لئے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات قریب و نزدیک سے اس تجلّی پر مشرف ہوئے ہیں جبکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بعید فاصلہ سے اس تجلّی سے مشرف ہوتے ہیں، لہٰذا یہ قُرب و درجہ میں باہم مساوی نہیں ہوسکتے۔

ہر عارف کے دو مقام ہوتے ہیں:

اول: مقامِ عروج ہے اور دوم: مقامِ استقرار

اول: مراتبِ وجوب میں مقامِ عروج عارف کی سَیر ہے، یہ عارف ہر اس مرتبہ تک پہنچتا ہے جو اس کے حال کے مناسب ہو۔

دوم: مقامِ استقرار ہے جو کہ اس عارف کا مبدأ فیض ہے۔

الف: حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مقامِ استقرار ہے یعنی صفاتِ ثمانیہ کا اصل مقام ہے اور مراتبِ وجوب میں ان کا مقامِ سَیر غیر متناہی اور عارف کے اِدراک سے خارج ہے۔

ب: عرفاء کا مقامِ استقرار ظلال ہے یعنی تعلقاتِ صفات ہے نیز ان کا مقامِ سیر درجات کے تفاوت واستعداد کے مراتبِ وجوب میں متفاوت ہے، حتٰی کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات مقامِ استقرار سے نیز شیونات واعتبارات سے بلند تر ذاتِ بحت تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں۔ جبکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ دورانِ سیر اسماء وصفات سے آگے گزر تو سکتے ہیں مگر ان کا مقامِ استقرار حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقامِ استقرار سے نیچے ہوتا ہے اور ظلالِ صفات تک ہوتا ہے۔ یعنی دورانِ سَیر اسماء وصفات تک پہنچنے کے بعد اپنے مقام میں واپس آجاتے ہیں۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سُنت کی اتباع اور ان اولیاء کرام کی توجہاتِ مبارکہ سالک کی ترقیات کا سبب بنتی ہیں چاہے یہ توجہات زندہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہوں یا دُنیا سے پردہ فرما جانے والے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی۔ اور عارف کا اپنے مبدأ فیض سے نزول نیز عوارض پر مبنی ہوتا ہے اور یہ عوارض عارف کی غفلت سے عبارت ہیں جو کہ اپنے آپ کو اُمورِ مباحات اور اُمورِ دُنیوی میں مشغول کرتا ہے اور دعوت کے لئے نزول کرتا ہے۔

[دِل نے چاہا کہ اس ولایتِ خاصہ کے کچھ فضائل وخصائص لکھے۔ لیکن وقت کی تنگی نے مدد نہ کی اور کاغذ نے کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علوم و معارف بھاری بادل کی طرح بَرس رہے ہیں۔ اور عجیب وغریب اسرار پر اطلاع بخش رہے ہیں۔ اس راز کے محرم اپنی اپنی استعداد کے موافق

میرے بزرگوار فرزند ہیں۔ اور دوسرے دوست چند روز حضور میں ہیں اور چند روز غیبت میں۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ ولی ہر چند ولی ہو، صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حق سے بڑھ کر ہے، صحیفہ گرامی جو اس حقیر کے نامزد فرمایا تھا اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا۔ اعمال کو قاصر دیکھنا بڑی بھاری نعمت ہے لیکن توسطِ احوال تمام اُمور میں اچھا ہے، افراط تفریط کی طرح حدِ اعتدال سے باہر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت پر چلے اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کہ ولی ہر چند ولی ہو، صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجے کو نہیں پہنچتا، الخ" یعنی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت اقدسہ کے فضائل تمام فضائل سے فوق تَر ہیں۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (المائدۃ ۱۱۹)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

یہ آیتِ مبارکہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہی شان میں نازل ہوئی ہے، جو ان مبارک ہستیوں کے بلند مقامات کی قوی دلیل ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۴۹

[میر زاداراب کی طرف صادر فرمایا:

حضرت سیّد المرسلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت پر وابستہ ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی متابعت سے تجلّیٔ ذات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت میں جو کمال کے مراتب سے اوپر اور مقامِ محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں، اور اولوالعزم پیغمبر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں۔ اور اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی تابعداری کرتے اور عیسیٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور حضرت حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کرنے کا قصہ مشہور و معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے سبب خیر الاُمم ہوئی، اور اس میں اکثر اہل جنت ہیں۔

قیامت کے دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری کی بدولت تمام اُمتوں سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اُمتی بہشت میں جائیں گے، اور ناز ونعمت حاصل کریں گے۔ کذا و کذا ثم کذا و کذا پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ اخوانہٖ وسلم کی متابعت اور سُنت کو لازم پکڑیں اور شریعتِ حقہ کے موافق اعمال بجالائیں۔

دوسرے یہ کہ شیخ اسماعیل سفارش کرتا ہے جو معارف آگاہ حاجی عبدالحق کے دوستوں میں سے ہے۔وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجددالف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ مکتوب آسان فہم ہے، مگر موجودہ زمانہ کے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس پر سیر حاصل بحث بے حد ضروری ہے کیونکہ آج کل اکثر صوفیاء خود اور مُریدین کو صرف ذِکر واذکار کرنے پر زور دیتے ہیں مگر سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں کا کوئی خیال نہیں رکھتے اور نہ ہی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَمر و نہی کے احکامات جو کہ قرآن عظیم الشان کے عین مطابق ہیں ان پر عمل کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں حالانکہ وہ صوفی نہیں بلکہ مستدرج اور زندیق ہیں یعنی خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت سے پہلے دوسری جتنی بھی اُمتیں گزری ہیں ان میں کوئی بھی شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے موجود نبی علیہ السلام کی اطاعت کے بغیر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دوستی تک نہیں پہنچا اور نہ ہی اس کی مثال

قرآن وحدیث میں کہیں ملتی ہے بلکہ ان حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی اُمتوں میں ان کے جتنے بھی حواری یا اُمتی تھے اُن میں سے جس جس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور ان حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی تابعداری کی وہ ولایت کے مقام سے سرفراز ہوئے۔ مثلاً حضرت آصف برخیارضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔ اور جنھوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے نبی علیہ السلام کی تابعداری نہیں کی جیسا کہ بلعم بن باعوراء وغیرہ وہ ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں جاگرا۔ آج کل مروجہ صوفیت کے علمبردار جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت جُدا ہے اور صوفیت جُدا، وہ سب ضال و مضل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بڑے مؤدبانہ انداز میں سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات کی تشریح فرمائی ہے کیونکہ وَ الْأَدَبُ هُوَ الدِّيْنُ كُلُّهُ مگر اس زمانے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے ان الفاظ کی تشریح صاف اور واضح الفاظ میں کریں۔

حضرت سید ابوالحسن بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں جہاں کافر کی بات آئے وہاں آداب کی وجہ سے یوں لکھتے ہیں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی مسلمان نہیں ہے۔ مگر دورِ حاضر میں اگر کوئی سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلاف ورزی کرے اور ہم اس طرح آداب کو ملحوظِ نظر رکھ کر کہیں کہ یہ ہم سے نہیں ہے یعنی صوفیت میں داخل نہیں ہے تو عام سمجھنے والے اس طرح کہیں گے کہ یہ ابھی تک شریعت ہی میں پھنسا ہوا ہے، اور اس نے ویسے ہی آداب سے بات کر دی ہے کیونکہ عام لوگوں کے

ذہنوں میں بعض گمراہ صوفیوں کالبادہ اوڑھنے والوں نے یہ بات ڈال رکھی ہے کہ شریعت جُدا ہے اور تصوف جُدا۔ تو اس لئے عصرِ حاضر میں واضح اور کھلی بات کرنے کی ضرورت ہے کہ جو شخص سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں کے خلاف عمل کرے اور ان سے منکر ہو تو وہ زندیق ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ اولوالعزم پیغمبر ہیں اپنے آپ کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعداروں میں شامل کرنے کی تمنا کرتے تھے کہ کاش میں سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت میں شامل ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو دوبارہ نزول کی وجہ سے اپنے آپ کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت میں گویا شامل کر لیا ہے جو کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے اقتداء کریں گے۔ اور بعض زندیق صوفی کہتے ہیں کہ شریعت کیا ہے؟ ہم تو اس سے آزاد ہیں تو اسی لئے ہم آداب کو چھوڑ کر ان کو کھلم کھلا کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسے صوفی زندیق، مستدرج اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دُشمن ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں۔" کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمان بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی تابعداری کرتے اور عیسیٰ روح اللہ کے نازل ہونے، الخ"۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكِتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكُتُبِ، فَقَرَأَهُ عَلَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ وَقَالَ: "أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوا بِهِ، أَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى كَانَ حَيًّا، مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي"۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں ایک کتاب (انجیل) لے کر آئے جو انہیں کسی کتابی (کافر) سے ہاتھ لگی تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے اس کو پڑھنا شروع کر دیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو غصہ آگیا اور فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس میں گھسنا چاہتے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک ایسی شریعت لے کر آیا ہوں جو روشن اور صاف سُتھری ہے، تم ان اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں صحیح بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کر دو اور وہ غلط بتائیں تو

تم اس کی تصدیق کر دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر حضرت موسٰی بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے سبب خیر الاُمم ہوئی ہے"۔

کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ فِي قَوْلِهِ (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) قَالَ: إِنَّكُمْ تُتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللَّهِ۔

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے قول (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) کی تفسیر کرتے ہوئے سُنا: تم ستر اُمتوں کا تتمہ (وتکملہ) ہو، تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باعزت ہو۔[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اس میں سے اکثر اہلِ جنت ہیں۔"

کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الأُمَمِ۔

---

[1] (مسند احمد، ج ۲۳، ص ۳۴۹، الناشر: مؤسسة الرسالة)

[2] (سنن الترمذی، ج ۱۱، ص ۲۴۱، المكتبة الفاروقية)

ترجمہ: جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جس میں سے اسّی صفیں اس اُمت کی اور چالیس دوسری اُمتوں کی ہوں گی۔[1]

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے لے کر پاک وہند کے اکابرینِ اُمت تک ہر فرد اتباعِ سُنت کا شیدائی تھا۔ ان کا اوڑھنا، بچھونا، دِل کا سکون، آنکھوں کا نور اور سینہ کی ٹھنڈک اتباعِ سُنت میں تھی۔ ان کے شب وروز کا ایک ایک عمل، زبان کا ایک ایک قول اور زندگی کا ایک ایک معمول سُنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا۔ معاملات سے لے کر عبادات تک اور اخلاق وعادات سے لے کر معاشرت تک ہر ہر شعبے میں ان کی زندگی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کا نمونہ تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، ملتے جلتے، آتے جاتے، اور اسی طرح بے شمار طبعی اُمور میں بھی نہ صرف سُنتوں کا خیال رکھتے تھے بلکہ پابندی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے تھے۔

مسلمانوں کو دُنیا وآخرت میں کامیاب ہونے کے لئے سُنت کی پیروی کرنا ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیروی کرنا اللہ عزّوجلّ کی پیروی کرنا ہے۔

سُنت کی پیروی کرنے کی فضیلت، سُنت پر عمل اور اس کی پیروی کرنے والوں پر بہت ساری آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مخلصین مؤمنین کے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہی لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حکم کو تسلیم کرنے، تواضع اختیار کرنے اور اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم وواجب گردانتے ہیں۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۸۳، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

یہ دلائل ان لوگوں کے لئے ہیں جو احادیثِ مبارکہ اور سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو صرف قرآن عظیم الشان کو ماننے والوں میں سے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

"وَمَنْ يُطِعْ اللّهَ وَرَسُولَه فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا" وَذَلِکَ أَنَّهُ يُجَار مِنْ نَار الْجَحِيم وَيَصِير إِلَى النَّعِيم الْمُقِيم بِأَنْ يُصْلِح لَهُمْ أَعْمَالهمْ أَيْ يُوَفِّقهُمْ لِلْأَعْمَالِ الصَّالِحَة وَأَنْ يَغْفِر لَهُمْ الذُّنُوب الْمَاضِيَة وَمَا قَدْ يَقَع مِنْهُمْ فِي الْمُسْتَقْبَل يُلْهِمهُمْ التَّوْبَة مِنْهَا۔

ترجمہ: "اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کرے گا سو یقیناً وہ بہت بڑی کامیابی کو پہنچے گا" اس طرح کہ وہ جہنم کی آگ سے بچایا جائے گا اور ہمیشہ کے لئے جنت کی نعمتوں کی طرف جائے گا۔ یوں کہ ان کے اعمال کو درست کرے گا یعنی ان کو نیک اعمال کی توفیق دے گا اور ان کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا اور جو (گناہ) ان سے مستقبل میں واقع ہونے والے ہیں ان کو ان گناہوں سے توبہ کرنے پر الہام کرے گا۔[1]

نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

"وَمَنْ يُطِعِ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِکَ رَفِيقًا" مَنْ عَمِلَ بِمَا أَمَرَهُ اللّهُ بِهِ وَرَسُوله وَتَرَکَ مَا نَهَاهُ اللّهُ عَنْهُ وَرَسُوله فَإِنَّ اللّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُسْكِنهُ دَار كَرَامَته وَيَجْعَلهُ مُرَافِقًا لِلْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ لِمَنْ بَعْدهمْ فِي الرُّتْبَة وَهُمْ الصِّدِّيقُونَ ثُمَّ الشُّهَدَاء ثُمَّ عُمُوم الْمُؤْمِنِينَ وَهُمْ الصَّالِحُونَ الَّذِينَ صَلَحَتْ سَرَائِرهمْ وَعَلَانِيَتهمْ۔

---

[1] (تفسیر ابن کثیر، ج ۱ ۱، ص ۲۴۹، دار النشر: مؤسسة قرطبة، مكتبة أولاد الشيخ)

ترجمہ: ”اور جو اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے (بڑا) انعام فرمایا ہے (جیسے) نبیوں کے ساتھ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں“ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حکم پر عمل کیا اور ان چیزوں کو ترک کیا جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے تو اللہ عزّوجلّ دارِ کرامت کو اس کا مسکن بنا دے گا اور اس کو حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے رُفقاء میں سے کر دے گا پھر ان کے بعد اُن لوگوں کا مرتبہ ہو گا جو صدیقین ہیں، پھر شہداء، پھر عامۃ المؤمنین اور یہ وہ صالحین ہیں جن کے ظاہری اور باطنی اعمال اچھے ہوں۔ [1]

اور اسی طرح احادیثِ نبویہ مطہرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو اتباعِ سُنت کے فضائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں لاتعداد ولا تحصٰی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

يَا بُنَيَّ، إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ۔ ثُمَّ قَالَ لِي: يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: میرے بیٹے اگر تم سے ہو سکے کہ صبح و شام تم اس طرح گزارو کہ تمہارے دِل میں کسی کے لئے بھی کھوٹ (بغض، حسد، کینہ وغیرہ) نہ ہو تو ایسا کرو، پھر آپ نے فرمایا: میرے بیٹے! ایسا کرنا

---

[1] (تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص ۱۴۹، دار النشر: مؤسسة قرطبة، مکتبة أولاد الشیخ)

میری سُنت (اور میرا طریقہ) ہے، اور جس نے میری سُنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں رہے گا۔[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو ایک عمدہ مثال بنایاہے اور اس کا مقصد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوری سنجیدگی، تندہی، محبت اور اخلاص کے ساتھ اسے مضبوطی سے تھامے رکھااور اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل پیرا رہے۔ اگر ان کو کوئی حادثہ پیش آتاتو غمگین ہوتے اور سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ جانتے تھے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع لازم اور واجب ہے۔ اس لئے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو جیسا کرتے دیکھتے یہ احباب ویسا ہی عمل کرتے اور ہر اس کام سے اپنے آپ کو دور رکھتے جس سے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے منع فرمایاہے یہاں تک کہ وہ اس عمل کی حکمت کے بارے میں پوچھے بغیر اور اس کی وجہ جانے بغیر بھی اس کی پیروی کرتے رہتے۔

قرآن عظیم الشان کی کافی آیات مجمل، غیر مفصل یا مطلق غیر مقید نازل کی گئی ہیں۔ جیسے نماز پڑھنے کا حکم، اس کی رکعات کی تعداد، اس کی کیفیت، اور اس کے اوقات مجمل ہیں اور قرآن عظیم

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۴۶، الناشر: شرکة مکتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

الشان میں ان کو بیان نہیں کیا گیا، جیسے مطلق زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر اس کی کم سے کم مقدار کو مقرر نہیں کیا گیا جس پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ ہی اس کی مقدار یا شرائط کو بیان کیا گیا ہے، اور چونکہ اس اجمال کی درست اور کامل تفصیل صرف سُنتِ مطہرہ سے ہی معلوم ہوتی ہے اس لئے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سارے اعمال وعبادات اور معاملات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تقلید وپیروی کی۔

اس کی چند مثالیں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ:

اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي اتَّخَذْتُ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَنَبَذَهُ وَقَالَ إِنِّي لَنْ أَلْبَسَهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تو دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھی بنوالی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا، تب دوسرے لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔[1]

حضرت سیدنا ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهِ فَلَمَّا رَأَى ذَلِکَ الْقَوْمُ أَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاتَهُ قَالَ: مَا

[1](صحیح البخاری، ج ۲۲، ص ۲٦۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حَمَلَكُمْ عَلَى إِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ. قَالُوا رَأَيْنَاکَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْکَ فَأَلْقَيْنَا نِعَالَنَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه و سلم إِنَّ جِبْرِيلَ صلی الله علیه و سلم أَتَانِی فَأَخْبَرَنِی أَنَّ فِيهِمَا قَذَرًا۔

ترجمہ: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے (دورانِ نماز میں) اپنے جوتے اُتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لیئے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اُتار دیئے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم لوگوں نے اپنے جوتے کیوں اُتارے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اُتارے ہیں تو ہم نے بھی اُتار دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا بے شک جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ آپ کے جوتوں کے ساتھ گندگی لگی ہوئی ہے۔[1]

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا: كِتَابَ اللهِ, وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ"۔

ترجمہ: بتحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تمہارے اندر وہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے (وہ) کتاب اللہ اور اُس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت ہے۔[2]

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۴۷، الناشر: دار الکتاب العربي-بيروت)

[2] (سنن الکبریٰ للبیهقی، ج ۱۰، ص ۱۹۴، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

حضراتِ صحابہ کرام اور حضراتِ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کتاب اللہ اور سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت میں شامل ہیں کیونکہ یہ تمام حضرات اطاعت میں ایک جیسے ہیں۔

حضراتِ محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے سُنت کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام ابوزناد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

إن السنن ووجوه الحق لتأتي كثيرا على خلاف الرأي فما يجد المسلمون بدا من اتباعها۔

ترجمہ: سُنتیں حق کی راہیں ہیں جو اکثر رائے کے خلاف آتی ہیں، پس مسلمانوں کے لئے اس کی اتباع کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ:

ان أول ذهاب الدين ترك السنة يذهب الدين سنة سنة كما يذهب الحبل قوة قوة۔

ترجمہ: دین اُس وقت جانے لگتا ہے جب سُنت کو چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر ایک ایک سُنت کرکے سارا دین چلا جاتا ہے، جیسے رَسی کا ایک ایک بَٹ نکالنے سے رَسی ختم ہو جاتی ہے۔[2]

حضرت امام ابو حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من لَمْ يزن أفعاله وأحواله فِي كُل وقت بالكتاب والسنة وَلَمْ يتهم خواطره فلا نعده فِي ديوان الرجال۔

---

[1] (عمدۃالقاری شرح صحیح البخاری، ج ۱۱، ص ۵۲، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

[2] (سنن الدارمی، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

ترجمہ: جس نے افعال واحوال کو ہر وقت سُنت پر نہ پرکھا اور نہ ہی اس کے نفس نے اس کا اہتمام کیا، تو اس کو مَردوں کی صف میں شمار نہ کرو۔[1]

حضرت امام ابو بکر ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يَجِدْ أَحَدٌ تَمَامَ الْهِمَّةِ بِأَوْصَافِهَا إِلَّا أَهْلُ الْمَحَبَّةِ، وَإِنَّمَا أَخَذُوا ذٰلِكَ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَمُجَانَبَةِ الْبِدْعَةِ۔

ترجمہ: صرف اور صرف اہلِ محبت ہی تمام اوصاف میں بلند ہمت ہوتے ہیں اور وہ یہ بلند ہمتی سُنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔[2]

حضرت امام ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَالصُّحْبَةُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاتِّبَاعِ سُنَّتِهِ۔

ترجمہ: اگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت کو اختیار کرنا چاہتے ہو تو سُنت کی اتباع کرو۔[3]

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وقال اللّٰه تعالىٰ: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) رحمك اللّٰه أن محبة العبد للّٰه ولرسوله طاعته لهما وإتباعه أمرهما ومحبة اللّٰه للعباد وإنعامه عليهم بالغفران۔

قيل العبد إذا علم أن الكمال الحقيقي ليس إلا للّٰه وأن كل ما يرىٰ كمالًا من نفسه أو من غيره فهو من اللّٰه وباللّٰه لم يكن حبه إلا للّٰه وفي اللّٰه وذلك يفتضي إرادة طاعته والرغبة فيما يقربه

---

[1](الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۲۹، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

[2](الاعتصام، ج ۱، ص ۱۲۳، الناشر: دار ابن عفان، السعودية)

[3](الاعتصام، ج ۱، ص ۱۲۸، الناشر: دار ابن عفان، السعودية)

إليه فلذلک فسرت المحبة بإرادة الطاعة وجعلت مستلزمة لإتباع الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وأله وسلم في عبادته والحثّ علی طاعته۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "کہہ دیجیئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا" اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے بندے کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ محبت ان کی اطاعت اور ان کے احکامات کی تعمیل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت اور ان پر انعام کرنا اور ان کی مغفرت کرنا ہے۔

بندے کو بتایا گیا ہے کہ اگر وہ جانتا ہے کہ حقیقی کمال اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے اور وہ سب کچھ کمال جسے وہ اپنے آپ میں یا دوسروں میں دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی قسم! اس کی محبت صرف لِلّٰہِ فی اللہ ہے، اور اس کے لئے اس کی اطاعت کے ارادے کی خواہش کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اپنے قریب لائے۔ پس اسی لئے محبت کی تفسیر اطاعت کے ارادے کے ساتھ کی گئی ہے اور اس کی عبادت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیروی کرنا اور اس کی اطاعت کی تاکید کرنے کو لازمی بنادیا گیا ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ میں ہر وقت اپنے اور دوسروں کے لئے یہ دُعا کرتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِیْ مُتَّبِعًا لِلّسُنَّةِ وَأَمِتْنِیْ مُتَّبِعًا لِلّسُنَّةِ وَاحْشُرْنِیْ عَلیٰ اِتِّبَاعٍ لِلّسُنَّةِ۔

ترجمہ: اے اللہ مجھے سُنت کی پیروی کرنے کے لئے زندہ رکھ اور مجھے سُنت کی پیروی میں موت عطا فرما اور میرا حشر ایسی حالت میں فرما کہ جس میں میں سُنت ہی کی اطاعت کرنے والا ہوں۔

---

[1] (مکاشفة القلوب المقرب الی حضرة علام الغیوب، الباب الحادی عشر فی طاعة اللہ ومحبته ومحبة رسول اللہ ﷺ)

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ جِبْرِيلُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ۔

ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام سُنت کا حکم لے کر اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جیسے وہ قرآن لے کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔[1]

حضرت سہیل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

علامة حُبِّ الله حُبّ القرآن, وعلامة حب القرآن حبّ النبي, وعلامة حب النبي صلى الله عليه وسلم حب السنة, وعلامة حب السنة, حب الآخرة, وعلامة حب الآخرة, أن لا يحب نفسه, وعلامة أن لا يحب نفسه أن يبغض الدنيا, وعلامة بغض الدنيا أن لا يأخذ منها إلا الزاد والبُلْغَة إلى الآخرة وقال إبن مسعود لا يسأل أحد عن نفسه إلا القرآن فإن كان يحب القرآن فهو يحب الله ورسوله۔

ترجمہ: حُبِ الٰہی کی علامت یہ ہے کہ قرآن کریم سے محبت رکھے اور قرآن کریم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ قرآن یعنی نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے محبت رکھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے محبت کرے (یعنی اس کی اتباع کرے) اور سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کو آخرت یاد ہو اور اس کو محبوب رکھتا ہو، اور آخرت کی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ دُنیا کو مبغوض رکھے اور اس کو پسند نہ کرے اور دُنیا کو مبغوض رکھنے کی علامت یہ ہے کہ قوت لایموت اور توشۂ آخرت کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ کرے۔

---

[1] (سنن الدارمی، ج۲، ص ۱۴۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص قرآن کے علاوہ اور کسی بارے میں دوسرے سے سوال نہ کرے جو قرآن کو دوست رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بھی دوست رکھے گا۔[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ارمغانِ حجاز کے آغاز میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

مقامِ خویش اگر خواہی درین دِیر
بحق دل بند وراہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو

ترجمہ: اے مسلمان! اگر تجھے دُنیا میں اپنی جگہ بنانی ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بسا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چل۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

---

[1](تفسیر اللباب، ج ۱، ص ۱۰۳۷، دار النشر / دار الکتب العلمیۃ۔بیروت)

مکتوب نمبر ۲۵۰

[بعض استفساروں کے حل میں مُلّا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ ودعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی عافیت حق تعالیٰ سے مطلوب ومسئول ہے۔

آپ کا مکتوب شریف صادر ہوا، آپ نے لکھا تھا کہ وہ ذوق وشوق جو اوّل حاصل تھی، اب اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ اور اس بات کو اپنا تنزل جانتا ہے، سو میرے بھائی کو معلوم ہو کہ پہلی حالت اہلِ وجد وسماع کی طرح تھی۔ جس میں جسد کو کامل دَخل تھا۔ اور جو حالت اس کو اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں ہے اس کا زیادہ تر تعلق قلب ورُوح کے ساتھ ہے۔ اس معنیٰ کا بیان کرنا تفصیل چاہتا ہے، حاصل یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی مرتبہ بڑھ کر ہے، اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا ذوق وخوشی کے پانے سے بَرتر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وہ ذوق وخوشی جو اوّل حاصل تھی، اب اپنے آپ میں نہیں پاتا، الخ" یعنی ابتداء میں سالک جتنا عبادات میں مشغول ہوتا ہے، اسی اندازے سے سالک کے وجود میں اس کے اثرات وارد ہوتے ہیں اور یہ اثرات ظلی تجلیات کی صورت میں وارد ہوتے ہیں جس سے سالک کے بدن میں کانپنے، دل کی دھڑکن تیز ہونے، رنگ زرد ہونے، رونے، خوش ہونے اور وجدانی حالت پیدا ہونے کی سی کیفیات شروع ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے برعکس جس سالک کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب اور محبت زیادہ نصیب ہونے لگتی ہے اتنا ہی

سالک اپنے جسم سے دُور ہونے لگتا ہے تو اس سالک کی وجد وحال کی کیفیت باقی نہیں رہتی اور اس کے ظاہری حواس باطن سے ناواقف ہو جاتے ہیں یعنی ابتدائی حالت میں تو سالک اپنے جسم پر وارد ہونے والے حالات سے واقف ہوتا ہے مگر درمیان اور انتہاء کی حالت میں یہ ان سے واقف نہیں رہتا۔ سالک یہ نہیں سمجھتا کہ میرے باطن میں کیا کیفیات ہیں؟ کیونکہ اس کا جسم اور باطن ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں جبکہ ابتدائی حالت میں سالک کے سارے لطائف ممتزج ہوتے ہیں۔ ابتداء میں جس وقت سالک شیخ سے بیعت کر لیتا ہے تو شیخ کی توجہاتِ عالیہ سے مُرید پہلے دِن اپنے لطیفۂ قلب میں، پھر لطیفۂ روح، لطیفۂ سِر، لطیفۂ خفی، لطیفۂ اخفٰی اور اسی طرح ہوتے ہوتے لطیفۂ نفسی میں ذکر محسوس کرنے لگتا ہے تو سالک سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں بزرگ ہو گیا ہوں جبکہ یہ ظلی کیفیت ہوتی ہے جو کہ اس کے شیخ کی توجہاتِ عالیہ کی وجہ سے اس کے جسم کے ہر عنصر پر اثر انداز ہوئی ہے اسی لئے اس کا جسم اس سے واقف ہوتا ہے لیکن سالک کو اس کیفیت پر نہ تو مغرور ہونا چاہیئے اور نہ ہی اس پر اکتفاء کر کے بیٹھے رہنا چاہیئے بلکہ دن رات شریعتِ غراَ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سختی سے پابندی، عجز وانکساری اور مزید کوشش کرتے رہنا چاہیئے تا کہ اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب اور محبت نصیب ہو جائے۔

[کیونکہ نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دُور تَر ہو، اسی قدر اصل اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تَر ہے، اس لئے کہ اس مقام میں عجز وجہل کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے، جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں، اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی۔ ہاں تاثیرِ جسدی نہیں رہی، لیکن تاثیرِ روحی زیادہ تر حاصل ہو گئی ہے۔ لیکن ہر ایک شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لیکن

کیا کیا جائے آپ کی صحبت اس فقیر کے ساتھ بہت کم ہوئی ہے، اور علوم و معارفِ خاصہ بہت کم مذکور ہوئے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا کہ دوبارہ صحبت حاصل ہو، اور پھر چند روز باہم اکٹھے رہیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ باوجود زاد وراحلہ کے اس زمانہ میں مکہ معظمہ جانا فرض ہے یا نہیں؟

میرے مخدوم! اس بارہ میں فقہ کی روایتوں میں بہت اختلاف ہے، اور اس مسئلہ میں مختار فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ ہے، جو اُس نے کہا ہے کہ اگر راستہ میں امن اور عدم ہلاک کا ظن غالب ہے تو اُس کی فرضیت ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ لیکن یہ شرط وجوبِ ادا کی شرط ہے نہ کہ نفسِ وجوب کی۔ کماھو الصحیح پس اس صورت میں حج کی فرضیت واجب نہیں ہوتی۔ چونکہ وقت نے موافقت نہ کی، اس لئے آپ کے دوسرے استفساروں کے جواب کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف رکھا۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کیونکہ نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دُور تر ہو؟ اسی قدر اصل اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تَر ہے، الخ" یعنی مراتبِ ظلال میں معرفت اور ادراک ہوتا ہے جبکہ مراتبِ اصول میں حیرت اور جہالت طاری ہوتی ہے کیونکہ یہ مرتبہ ُمقدسہ عارف کے ادراک سے بلند تَر ہوتا ہے اور نیز سلوک کی ابتداء میں لطائف باہم ممتزج ہوتے ہیں اور باطنی مواجید ظاہر کے ساتھ سرایت کر لیتے ہیں جبکہ وسط اور انتہاء میں لطائف بتدریج ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں اور ظاہر، باطن کے ذوق سے بے خبر ہو جاتا ہے تو اس وجہ سے عارف کی نسبت جتنی بھی بلند تر ہو جائے عارف کا ظاہر اس

کے باطن کے مواجید سے بے خبر رہتا ہے۔ اس قسم کی کیفیت اور احوال عالمِ خلق کے کمالات کے آغاز سے قبل ہوتے ہیں اور اگر عالمِ خلق کے کمالات کا آغاز ہو جائے تو اس وقت عارف اذواق و مواجید کے دائرے سے بلند ہو جاتا ہے کیونکہ عالمِ خلق کے کمالات عالمِ اَمر کے کمالات سے اُوپر ہیں۔ یعنی اس مرحلہ میں عارف کا ظاہر اس مرتبۂ مقدسہ کی تجلیات سے محظوظ ہو جاتا ہے، یہ معارف خواصِ اولیاء سے ہیں جو کہ حظِ ظاہر پر مشرف ہوئے ہیں اور ان کا یہ حظ مرتبۂ مقدسہ بیچون ہے یعنی عارف کے ادراک سے بلند ہے، مگر عارف چونکہ خود بیچون ہو جاتا ہے تو اس وقت فی الجملہ بیچون کے ادراک سے محظوظ ہو جاتا ہے، یعنی جب عارف اس مقام پر مشرف ہو جاتا ہے تو بیچون ہو جاتا ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ عارف کس طرح بیچون ہو جاتا ہے جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بیچونی صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خاصہ ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیچون کی دو اقسام ہیں: ایک بیچونیٔ مطلق اور دوسری بیچونی فی الجملہ۔ لہٰذا بیچون تا بیچون بہت ہی زیادہ فرق ہے۔ چنانچہ عالمِ اَرواح اور عالمِ اَمر بیچون ہیں لیکن ان کو بیچونِ مطلق قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین

اٰمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اٰلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۱

[مولانا محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا:

خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض خاصوں اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی تعظیم وتوقیر اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کو محملِ صحیح کرنے اور اُس کے متعلق بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ ودعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علومِ غریبہ اور اسرارِ عجیبہ اور مواہبِ لطیفہ اور معارفِ شریفہ جن میں سے اکثر حضراتِ شیخین وذی النورین وحیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل وکمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے موافق لکھتا ہے، گوشِ ہوش سے سُنیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کمالاتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حاصل ہونے اور ولایتِ مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والسلام کے درجوں کو پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان جانبِ ولایت میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جانبِ دعوت میں جو مقامِ نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ذی النورین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں طرف میں حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب سے

ولایت کی جانب ان میں غالب ہے، اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی مناسبت کے باعث ولایت کی جانب غالب ہے۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضراتِ شیخین (یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل تابعداری کی وجہ سے کمالاتِ نبوت پر فائز فرمایا ہے۔ سب سے پہلے ان دونوں کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ کوئی اس غلطی میں پڑ جائے کہ (نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے۔ ہر نبی علیہ السلام کو بنیادی طور پر دو کمالات دیئے گئے ہیں، ایک تو درجۂ نبوت اور دوسرا نبوت کے کمالات۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ درجۂ نبوت تک کوئی بھی نہ تو پہنچ سکا ہے اور نہ ہی پہنچ سکے گا جبکہ کمالاتِ نبوت کو خواص اولیاء حاصل کر سکتے ہیں یعنی نبی علیہ السلام کے مقام تک کوئی صحابی یا ولی نہیں پہنچ سکتا مگر اس نبی علیہ السلام کے کمالات سے حصہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے ہو جاتی ہے کہ ہر یونیورسٹی میں ایم۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد طالب علم فارغ ہو جاتے ہیں مگر ان طالب علموں میں سے بعض تو صدر یا وزیر اعظم کے عہدے تک رسائی پا کر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور ان کے باقی ہم جماعت مختلف دفاتر میں کام کر کے عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ حالانکہ ایم۔ اے کا جو کمال صدر یا وزیر اعظم میں موجود ہے وہی کمال ان بقیہ سب ہم جماعت میں بھی بکمالہٖ پایا جاتا ہے۔ مگر ان ہم جماعتوں کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے صدارت یا وزارتِ عظمیٰ تک رسائی نہیں دی ہوتی۔ بعینہٖ نبوت کے کمالات کچھ خواص بندوں میں پائے جاتے ہیں لیکن نبوت کے مقام پر چند خوش نصیب ہی مشرف

کئے گئے ہیں جنہیں حضراتِ انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے اور دوسروں کو اس مقام پر تو فائز نہیں کیا جاتا البتہ مقامِ نبوت کے کمالات عنایت کر دیئے جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالات حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنتوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو قرآن عظیم الشان میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (النحل ۱۲۳)

ترجمہ: پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو۔

جو لوگ تقلید سے منکر ہیں تو ہم دلیل کے طور پر اُن کے لئے اوپر بیان شدہ آیت مبارکہ سے جواب دیتے ہیں جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے تو اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ساری اُمت بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی ملت پر ہے اور اسی کا اقرار کرتے ہیں اور اس سے کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ غور طلب بات ہے کہ حکم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا اور ماننے والے امام الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو کہ افضل الانبیاء علیہم السلام اولین وآخرین ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کرتے ہیں، مگر افسوس صد افسوس کہ روافض کا فرقہ اس عقیدہ پر ہے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مقامات پر بہت بڑے بڑے جھوٹ بولے ہیں اور اس طرح آپ علیہ السلام کی ملت سے ہونے انکار کرکے لعن طعن کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جبکہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے کتنے خوبصورت انداز میں اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کے عین مطابق حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی تابعداری کے بارے میں توجیہ فرما کر ہمیں ان گمراہ فرقوں کے گمراہ عقائد سے آگاہی فرمائی ہے۔

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین باتیں خلافِ واقعہ کہیں ان میں سے دو کا ذکر قرآن عظیم الشان میں موجود ہے جبکہ ایک کا ذکر حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُنَّ فِي ذَاتِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَوْلُهُ { إِنِّي سَقِيمٌ } وَقَوْلُهُ { بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا } وَقَالَ بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنْ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَاهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَقَالَ مَنْ هَذِهِ قَالَ أُخْتِي فَأَتَى سَارَةَ قَالَ يَا سَارَةُ لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرَكِ وَإِنَّ هَذَا سَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي فَلَا تُكَذِّبِينِي فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ فَقَالَ ادْعِي اللَّهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتْ اللَّهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللَّهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتْ فَأُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ إِنَّكُمْ لَمْ تَأْتُونِي بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتُمُونِي بِشَيْطَانٍ فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مَهْيَا قَالَتْ رَدَّ اللَّهُ كَيْدَ الْكَافِرِ أَوْ الْفَاجِرِ فِي نَحْرِهِ وَأَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف تین مرتبہ خلاف واقعہ بات کی ہے۔ ان میں سے دو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عزّوجلّ کے متعلق تھیں۔ پہلے آپ کا یہ کہنا: میں بیمار ہوں۔ دوسری بات ان کا کہنا: بلکہ یہ ان کے بڑے بُت نے کیا ہے۔ اور آپ نے فرمایا: (تیسری بات یہ ہے کہ) ایک

دن وہ اور (ان کی بیوی) سارہ (سفر کرتے کرتے) ایک ظالم بادشاہ کے پاس سے گزرے تو اس (بادشاہ) سے کہا گیا: یہاں ایک مرد آیا ہے۔ اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے، چنانچہ اس بادشاہ نے ان کے پاس ایک آدمی بھیجا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) جواب دیا: یہ میری بہن ہے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام سارہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: اے سارہ! میرے اور تیرے سوا اس سرزمین میں کوئی مؤمن نہیں ہے، اس ظالم بادشاہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا کہ تو میری بہن ہے، لہٰذا تو نے مجھے جھٹلانا نہیں۔ اس دوران اس ظالم نے سارہ کی طرف آدمی بھیجا۔ جب آپ اس کے پاس گئیں تو اس نے اپنے ہاتھ سے سارہ کو پکڑنا چاہا لیکن فوراً ہی پکڑ لیا گیا۔ اس نے (سارہ سے) کہا: میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو، میں تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ چنانچہ انہوں (سارہ) نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو اسے نجات مل گئی۔ پھر اس نے دوبارہ حضرت سارہ کو پکڑنا چاہا تو پہلے سے زیادہ گرفت میں آگیا۔ اس نے دوبارہ (سارہ سے) کہا: میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو، میں اب تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ چنانچہ انہوں (سارہ) نے دُعا کی تو اس کی خلاصی ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے کسی خادم کو بلایا اور کہا: تم لوگ میرے پاس کسی انسان نہیں بلکہ کسی سرکش جِن کو لائے ہو۔ (جاتے ہوئے) اس نے سارہ کو بطورِ خدمت ہاجرہ دے کر واپس بھیج دیا۔ وہ (حضرت سارہ) ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے پاس واپس آئیں تو آپ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کرکے پوچھا: تمہارا حال کیسے رہا؟ سارہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر یا فاجر کی تدبیر کو اُلٹا

اس کے خلاف کر دیا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ بھی دی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے آسمانی پانی کی اولاد! تمہاری والدہ یہی ہاجرہ ہیں۔ [1]

منکرینِ حدیث یہاں اس بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان باتوں کی جو اصل حقیقت ہے قرآن عظیم الشان کے بیان میں اسے اختیار کر لیتے ہیں اور حدیث کے بیان میں اسے حدیث پر طعنہ بنا دیتے ہیں کہ قرآن عظیم الشان کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سچے نبی تھے اور حدیث کہتی ہے کہ انہوں نے جھوٹ بولے۔ اس لئے یہ حدیث قرآن عظیم الشان کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس تحریر میں ہم قرآن وحدیث کے بیان کا جائزہ پیش کریں گے لیکن اس سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں جن سے ان آیاتِ قرآنی، حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

کذب کی لغوی تحقیق

ا۔ کذب کا معنی ترغیب دلانا بھی مستعمل ہے، **كذبته نفسه** کے معنی ہیں: اس کے دل نے اسے ترغیب دلائی۔

۲۔ کذب وجوب کے معنی میں آتا ہے:

قال الجوهري: كَذَب قد يكون بمعنى وجَب، وقال الفراء: كَذَب عليك أي وَجَب عليك۔

ترجمہ: جوہری فرماتے ہیں کہ کذب وجوب کے معنی میں بھی آتا ہے اور فراء فرماتے ہیں کہ کذب واجب کے معنی پر ہے۔ [2]

---

[1] (صحيح البخارى، ج ۱۱، ص ۱۴۵، المكتبة الفاروقية)

[2] (النهاية في غريب الأثر، ج ۴، ص ۲۸۲، الناشر: المكتبة العلمية-بيروت)

۳۔ کذب، لزم کے معنی میں آیا ہے:

كَذَب عليكم الحجُّ كذَب عليكم العُمْرة۔

ترجمہ: تم پر حج اور عمرہ لازم ہو گیا ہے۔[1]

۴۔ غلطی یا خطا کے معنی میں بھی یہی لفظ کذب استعمال ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ۔

ترجمہ: ابو محمد نے غلطی کی۔[2]

اور ذوالرمہ شاعر نے کہا:

مافي سَمْعِه كَذِبُ۔

ترجمہ: اس کے سماع میں غلطی نہیں۔[3]

اسی طرح خطا بھی کئی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

۵۔ اجتہادی غلطی پر بھی کذب کا لفظ بولا جاتا ہے۔ صحیح البخاری میں نوف بقالی کے متعلق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ۔ نوف نے غلطی کی (اللہ تعالیٰ کے دُشمن نے غلطی کی)۔

اسی طرح راغب نے مفردات الفاظ القرآن، ج۲، ص۲۸۸ میں فرمایا، اور دیگر کُتب لغات میں بھی اسی قسم کی تفصیل موجود ہے۔

---

[1] (النهاية في غريب الأثر، ج۴، ص ۲۸۲، الناشر: المكتبة العلمية-بيروت)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۱۶۳، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[3] (النهاية في غريب الحديث والاثر، ج۴، ص ۱۵۹، الناشر: المكتبة العلمية-بيروت)

مثال کے طور پر:

لسان العرب لابن منظور، ج ا، ص۷۰۸، الفائق للزمحشری، ج۳، ص ۲۵۰، القاموس المحیط للفیروز آبادی، ج ا، ص۱٦٦ ا، تاج العروس من جواھر القاموس للزبیدی، ج ا، ص۸۹۷۔

درج بالا لغوی تحقیق یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ جس ایک لفظ کی بنیاد پر احادیث، آئمہ حدیث اور راویانِ حدیث پر سبّ و شتم کی ساری لغو وبیہودہ باتوں کو پھیلا دیا گیا ہے، اس سے استدلال میں لازمی طور پر محض جھوٹ ہی کا معنی لینا، بجائے خود کتنی کمزور دلیل اور ذہنی فتور ہے۔

٦۔ کذب بمعنی تعریض اور توریہ: حافظ ابن قیم نے نہایت عمدہ وضاحت کی ہے کہ سچ اور جھوٹ کی تشخیص میں نفس الامر اور متکلم کے قصد اور ارادہ کو بھی دخل ہے۔

اس لحاظ سے اس کی تین صورتیں ہوں گی:

ا۔ متکلم صحیح اور واقعہ کے مطابق کہے اور مخاطب کو وہی سمجھانا چاہے جو فی الحقیقت ہے۔ یہ دونوں لحاظ (واقعہ اور ارادہ) سے سچ ہے۔

۲۔ متکلم خلافِ واقعہ کہے اور مخاطب کو اپنے مقصد سے آگاہ نہ کرنا چاہے بلکہ ایک تیسری صورت پیدا کر دے جو نہ صحیح ہو اور نہ ہی متکلم کا مطلب اور مراد ہو۔ یہ واقعہ اور ارادہ دونوں لحاظ سے جھوٹ ہو گا۔

۳۔ لیکن اگر متکلم صحیح اور نفس الامر کے مطابق گفتگو کرے لیکن مخاطب کو اندھیرے میں رکھنا چاہے اور اپنے مقصد کو اس پر ظاہر نہ ہونے دے اسے تعریض اور توریہ کہا جاتا ہے۔ یہ متکلم کے لحاظ سے صدق ہے اور تفہیم کے لحاظ سے کذب ہے۔

صدق اور کذب میں جس طرح واقعے کو دخل ہے، اسی طرح ارادے کو بھی دخل ہے۔ صدق اور کذب کا معنی سمجھ لینے کے بعد ایک تیسری چیز بھی ذہن میں آجانی چاہیئے۔ جب متکلم خبر واقع اور مخبر عنہ کے مطابق دے، لیکن اس واقع اور حقیقت کو مخاطب سے مخفی رکھنا چاہے، تو اسے تعریض یا توریہ کہتے ہیں۔ یہ حقیقت میں سچ ہوتا ہے لیکن ایک لحاظ سے اسے جھوٹ بھی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

والتَّعْرِيضُ: كلامٌ له وجهان من صدق وكذب، أو ظاهر وباطن. قال: وَلا جُناحَ عَلَيْكُمْ فِيما عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّساءِ (البقرة ۲۳۵)، قيل: هو أن يقول لها: أنت جميلةٌ، ومرغوب فيک ونحو ذلک۔

ترجمہ: تعریض (پہلو وار بات کرنا) جو سچ و جھوٹ اور ظاہر و باطن دونوں معنی پر محمول ہو سکتی ہے اور آیت: اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر تم اشارے (کنایہ) میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو۔ میں بعض نے کہا ہے کہ نکاح کے پیغام میں تعریض کی صورت یہ ہے کہ مثلاً عورت سے کہا جائے تم بہت خوبصورت ہو، پسندیدہ نظر ہو وغیرہ۔[1]

آگے ہم قرآن وحدیث کے الفاظ کی بحث میں دیکھیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جن واقعات پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ توریہ اور تعریض کی شرط پر پورا اُترتے ہیں یا کہ جھوٹ کی شرط پر۔

---

[1] (مفردات القرآن للراغب، ج ۱، ص ۵۶۰، الناشر: دار العلم الدار الشامية)

قرآن عظیم الشان سے مثال: قرآن عظیم الشان سے بھی اس کی مثال پیش ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے منافقین کے تذکرہ میں فرمایا:

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (المنافقون ١)

ترجمہ: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

یہاں منافقین کی صحیح بات کی بھی تصدیق نہیں فرمائی، اس لئے کہ یہ ان کے ضمیر کی آواز نہیں، بلکہ ضمیر کی آواز اس کے خلاف ہے۔ اگرچہ ان کی بات در حقیقت سچ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول ہیں۔ لیکن ان کا ضمیر اس حقیقت کو قبول کرنے میں مانع ہے، لہٰذا فقط غلط ارادے کی بنیاد پر ان کی مکمل بات ہی کی تغلیط کر دی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فقط حقیقت واقعہ کی اہمیت نہیں، بلکہ اس پر جھوٹ کا اطلاق کرنے کے لئے متکلم کے ارادے کا ہونا بھی از حد ضروری ہے۔

حدیث سے مثال: اور یہی تعریض یا توریہ بہت سی جگہوں پر ثابت ہے۔ مثلاً سفر ہجرت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب پوچھا جاتا کہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ تو فرماتے: رجل یھدینی السبیل، کہ میرے رہبر ہیں۔ یہ مکمل صدق بھی نہیں کہ مخاطب اس سے دُنیاوی رہبر سمجھتا تھا۔ اور مکمل جھوٹ بھی نہیں کہا کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بہر حال دینی اور دُنیاوی لحاظ سے تو رہبر ہی ہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام پہلے دن سے حدیث میں کذب کے لفظ سے توریہ وتعریض ہی مراد لیتے رہے ہیں جیسا کہ اوپر پیش کی گئی تحقیق اور علماء کے اقوال سے واضح ہے۔ حتّٰی کہ حضرت امام اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنہیں اس حدیث کے نقل کرنے کی وجہ سے مطعون کیا جاتا ہے، نے بھی دوسرے موقع پر ایک باب خاص اسی مسئلۂ تعریض کے متعلق باندھا ہے اَلْمَعَارِیْضُ مَمْدُوْحَۃٌعَنِ الْکِذْبِ۔[1] یعنی تعریضات حقیقتاً جھوٹ نہیں ہوتیں۔ منکرین حدیث کی چالاکی یہ ہے کہ اس لفظ "کذب" سے خود جھوٹ مراد لیتے ہیں اور اسے علماء ومحدثین کے سَر تھونپ دیتے ہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نیچے سے فیوض وبرکات اور انوارات اُسی طرح آتے ہیں جس طرح کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقامات سے آتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "گوشِ ہوش سے سُنیں، الخ" یعنی حضراتِ شیخین ولایت وقُرب کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور مقامِ خُلت (یعنی انتہائی گہری دوستی) کے مقام پر مشرف ہیں جبکہ دعوت کی طرف سے حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں یعنی قرآن عظیم الشان کے بعد کُتبِ سماوی میں تورات شریف جامع ترین کتاب ہے اور حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے زیادہ عام اور جامع تَر ہے۔

---

[1] (کتاب الادب، ص ۹۱۵)

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وجود میں کمالاتِ نبوت بہ نسبت کمالاتِ ولایت کے بہت زیادہ موجود تھے تو ان کمالات کے حصول کی نشانی اور کیفیت کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر انسان عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کا حامل ہوتا ہے مگر کچھ لوگوں کا عالمِ اَمر غالب ہوتا ہے اور کچھ میں عالمِ خلق۔ عالمِ خلق کا غلبہ عالمِ اَمر کی بہ نسبت بہتر ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ عالمِ خلق کا قُرب بہ نسبت عالمِ اَمر کے بیشتر ہے کیونکہ معارفِ اصلی عالمِ خلق کی وجہ سے نصیب ہوتے ہیں اور معارفِ ظلی عالمِ اَمر کی وجہ سے نصیب ہوتے ہیں اسی لئے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ملائکہ پر فضیلت بہ نسبت قُربِ عنصرِ خاکی ہے۔ مختصر یہ کہ اگر ابتداء میں سالک کا عالمِ خلق عالمِ اَمر پر غالب ہو جائے تو چونکہ یہ سالک دُنیا میں ملوث ہوتا ہے اس لئے اس کو کمالاتِ نبوت حاصل نہیں ہوتے مگر انتہاء میں جس سالک کا عالمِ خلق عالمِ اَمر پر غالب ہو جائے تو وہ کمالاتِ نبوت کو حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہر فعل ظاہری طور پر یوں لگتا تھا جیسے عام لوگ فعل کرتے ہیں مگر ان حضرات کا باطن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف میں حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں" یعنی حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجودِ پاک میں کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ ولایت مساوی تھے چنانچہ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت نیز برزخ صفت العلم کی اجمال و تفصیل ہے تو اس وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت اور ولایت کی طرف سے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشرب پر ہیں اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجود میں کمالاتِ نوت اور کمالاتِ ولایت مساوی ہیں جبکہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وجود میں کمالاتِ نبوت بہ نسبت کمالاتِ ولایت کے زیادہ موجود ہیں اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو کہ شاہِ ولایتِ مآب ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجود میں کمالاتِ ولایت بہ نسبت کمالاتِ نبوت کے زیادہ ہیں یعنی کمالاتِ ولایت غالب اور کمالاتِ نبوت مغلوب ہیں اور عینِ حال میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے وجود میں عالمِ اَمر بہ نسبت عالمِ خلق کے غالب ہے۔ اسی لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خارقِ عادات افعال ظاہر ہوتے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا عالمِ اَمر بہ نسبت ان کے عالمِ خلق کے زیادہ قوی ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ولایت اور کمالاتِ نبوت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔

[اور خلفائے اربعہ کے تعینات کے مبادی جہات کے اختلاف کے موجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے، اور وہ صفت باعتبارِ اجمال حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ربّ ہے۔ اور باعتبارِ تفصیل کے حضرت خلیل علیہ السلام کا ربّ اور اجمال و تفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کا ربّ ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ربّ صفت الکلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ربّ صفت القدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا ربّ صفت التکوین ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بوجھ کو اُٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانبِ ولایت کے غلبہ کے باعث ولایتِ محمدی کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورین کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں اور چونکہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بارِ نبوت کے اُٹھانے والے ہیں۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مقامِ دعوت جو مرتبۂ نبوت سے پیدا ہوا ہے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے درمیان ان (حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں اَتم واَکمل ہے اور قرآن مجید کے بعد تمام نازل شدہ کُتب سے ان کی کتاب (تورات) بہتر ہے۔ اسی واسطے ان کی اُمت گزشتہ اُمتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جائے گی۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل واکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں علیہم السلام میں سے افضل پیغمبر علیہ السلام کو ان کی ملت کی متابعت کا امر کیا گیا ہے۔ آیتِ کریمہ:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْکَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (النحل ۱۲۳)

ترجمہ: پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو۔

اس مضمون کی شاہد ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، الخ" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجودِ مبارک میں عالمِ اَمر غالب ہے اور عالمِ اَمر کا غلبہ کمالاتِ ولایت کے عوامل کو زیادہ کرنے والا ہے جبکہ عالمِ خلق کا غلبہ کمالاتِ نبوت کو زیادہ کرنے کا سبب ہے۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بوجھ کو اُٹھانے والے ہیں" یعنی ان حضراتِ شیخین کے وجودِ مبارکہ میں کمالاتِ نبوت غالب ہے اگرچہ ان حضراتِ شیخین کے کمالاتِ نبوت کے مابین مراتب کا اختلاف ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد باقی انبیاء علیہم السلام کے درمیان (مقامِ دعوت) ان (حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں اَتم واَکمل ہے اور قرآن مجید کے بعد تمام نازل شدہ کُتب سے ان کی کتاب (تورات شریف) بہتر ہے، الخ" یعنی حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب تورات شریف تفصیل کے لحاظ سے وسیع تَر ہے، لہٰذا آپ علیہ السلام کی اُمت دوسرے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بہ نسبت پہلے جنت میں داخل ہونی تھی۔ معراج کی حدیث میں موجود ہے کہ حضور نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عروج کے وقت راستے میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان علیہ السلام کے قریب سے گزرتے ہوئے ان کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام رونے لگے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رونے کی وجہ دریافت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رونے کا سبب کیا ہے؟ تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ رہے ہیں کہ جو پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں ان کی اُمت میری اُمت کی بہ نسبت سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام رشک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل واَکمل ہے، الخ" یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو کلماتِ توحید اور اصولِ اسلام عنایت فرمائے گئے تھے وہ افضل ترین معارف ہیں مگر تورات شریف میں مقامِ دعوت عام اور نہایت جامع ہے اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور سردارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر مامور ہوئے اور ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت نیز حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ملت ٹھہرے اور ہم ان ہی کی سُنتوں کے پیروکار ہیں۔

[اور حضرت مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ان کا ربّ بھی صفت العلم ہے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سَر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سَر پر ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی ولایت ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایتِ عیسوی علیہ السلام اس ولایت کے بائیں طرف اور چونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حامل ہیں اس لئے مشائخ واولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عظام پر جو کمالاتِ ولایت سے مخصوص ہیں، زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت پر اہلِ سُنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عظام کا کشف حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا حکم کر دیتا۔ کیونکہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کمالات کے مشابہ ہیں۔ اور صاحبانِ ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے۔ اور اہلِ کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث راہ میں ہے۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالات کے مقابلہ میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت تک پہنچنے کے لئے بمنزلہ زینہ کے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے، اور مطالب کو مبادی سے کیا شعور۔ آج یہ بات عہدِ نبوت کے بُعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دُور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اس کارب بھی صفت العلم ہے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں، الخ" یعنی حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجودِ مبارک میں عالمِ اَمر کا غلبہ بہ نسبت عالمِ خلق کے بیشتر ہے تو اس وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوارق بھی زیادہ ہیں۔ کیونکہ عالمِ اَمر کا غلبہ کمالاتِ ولایت کے غلبہ کا سبب ہے، اسی طرح عرفاء میں سے جس عارف کا عالمِ اَمر عالمِ خلق پر غالب ہو تو اس عارف سے خوارق زیادہ صادر ہوتے ہیں تو اسی بناء پر اکثر اولیاء کرام حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتسب ہوئے ہیں اور اولیاءِ عزلت (خلوت پسند اولیاء کرام) کے کشف جو کہ کمالاتِ نبوت کی خبر نہیں رکھتے وہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا حکم کرتے ہیں چونکہ یہ اولیاءِ عزلت کمالاتِ نبوت تک نہیں پہنچے ہوتے تو اس بناء پر وہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا حکم کرتے ہیں۔ شاید کہ اولیاءِ عزلت کا یہ طائفہ ولایت کو نبوت کی بہ نسبت افضل سمجھتا ہے اور حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کمالات سے مشابہ ہیں، لہٰذا دستِ اَربابِ ولایت ان کمالات کے دامانِ درک سے دُور ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کمالاتِ نبوت مقاصد ہیں اور کمالاتِ ولایت اس کے مبادی (ابتداء اور بنیاد) ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایتِ عیسوی علیہ السلام اس ولایت کے بائیں طرف" یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

وسلم کی ولایت مرکز میں واقع ہے، دوسری تمام ولایات کا اس مرکز سے اتنا تعلق نہیں ہے مگر تمام ولایات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل تجلیات کے مرکز سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔ اس مکتوب کی عبارت میں دائیں اور بائیں کے الفاظ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات سے کنایہ ہیں اور مرکز مرتبۂ ذاتِ مقدس سے کنایہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "چونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حامل ہیں، اس لئے مشائخ واولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں، الخ" یعنی چونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجودِ مبارک میں کمالاتِ ولایت، کمالاتِ نبوت کی بہ نسبت زیادہ ہیں تو اسی بناء پر اولیاء عزلت جو کہ کمالاتِ نبوت تک نہیں پہنچے ہوتے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالاتِ ولایت سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں اور ان اولیاء عزلت پر حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات ظاہر نہیں ہوئے ہوتے اس لئے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کمالات سے مشابہ ہیں اور دستِ اَربابِ ولایت ان کمالات سے دور ہیں۔ یعنی صاحبانِ ولایتِ صغریٰ اور اربابِ عزلت ان کمالات تک نہیں پہنچے ہوتے، چنانچہ قطبِ مدار، ابدال اور اوتاد جن کا کام امدادِ غیبیہ ہے ان کا طالبانِ راہِ حق کی عشرت وارشاد کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہوتا اور ان کا کام صرف اور صرف امداداتِ غیبیہ ہی ہوتا ہے اور یہ امداداتِ غیبیہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہیں جیسا کہ ملائکہ کراماً کاتبین کو حکم ہوتا ہے جبکہ اولیاء عشرتی قطبِ ارشاد، امام، قطبِ فَرد اور خلیفہ سے عبارت ہے جن کا کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو ارشاد وہدایت دینا ہوتا ہے۔

قطبِ فرد کا عروج، قطبِ ارشاد کے عروج کی بہ نسبت بلند تَر ہوتا ہے مگر قطبِ فَرد اکثرًا عروج ہی میں رہتے ہیں نزول نہیں کرتے جبکہ قطبِ ارشاد صاحبِ نزول ہوتے ہیں ان کی دعوت خلائق کی مناسبت کی وجہ سے زیادہ مفید ہوتی ہے اور اگر قطبِ فَرد نزول کرے تو اس کی دعوت قطبِ ارشاد کی بہ نسبت عالی تَر اور زیادہ مفید ہوتی ہے اس لئے کہ اس کے وجود میں کمالاتِ اصلیہ بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

؎ در پسِ آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند
ہر چہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

ترجمہ: مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیا ہے، جو کہ اُستادِ ازل نے کہا میں وہی کہتا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس گفتگو میں علمائے اہلِ سُنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ موافق ہوں۔ اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کیا ہے۔ اس فقیر کو جب تک کہ مقامِ نبوت کے کمالات تک اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت میں نہ پہنچایا۔ اور کمالات سے پورا حصہ عطا نہ فرمایا تھا۔ تب تک شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی، اور تقلید کے سوا کوئی راہ نہ دکھائی تھی۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (الأعراف ۴۳)

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ نہ دکھاتا بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں گزرا کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس اُمت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہو گا گویا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور لوگوں کو داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں، اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نُور سے بھرا ہوا ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضراتِ شیخین کے لئے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان علیحدہ شان اور الگ درجہ ہے، گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف علو و سفل یعنی بلندی اور پستی کا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اولیائے اُمت کا وہاں کیا دخل ہے۔

این بس کہ رسد زدُور بانگ جرس

ترجمہ: یہی کافی ہے کہ دُور سے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی رہے۔

یہ لوگ کمالاتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا حاصل کریں۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی وکلانی کی وجہ سے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔

حضرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے:

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔

ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتاتو البتہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتا۔[1]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھاہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتم پُرسی کے دِنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس میں کہا کہ:

مَاتَ تِسْعَةُ أَعْشَارِ الْعِلْمِ۔

ترجمہ: آج نو حصے علم فوت ہوگیا۔[2]

جب بعض میں اس معنی کے سمجھنے میں توقف دیکھاتو کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے نہ علم حیض ونفاس۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ:

در پس آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند
ہر چہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

ترجمہ: مجھے آئینے کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیاہے، جو کہ اُستادِ ازل نے کہامیں وہی کہتاہوں۔

یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جو بھی بات کہتے ہیں وہ الہام اور کشف وشہود کے ذریعے سے کہتے ہیں۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج۳، ص ۹۲، الناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج۹، ص ۱۶۳، دار النشر: مکتبة ابن تیمیة-القاھرة)

بخود راہ نیست در کوئے تو مشتاقان شیدا را

خم زلفت بقلاب محبت می کشد مارا

ترجمہ: عشق کے خواہشمندوں کی آپ کی گلی کی طرف راہ تو نہیں ہے، مگر آپ کی زلفوں کا حلقہ (عشق) مجھے اپنی محبت کی جانب نزدیک کرنے کے لئے آپ کی طرف کھینچتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ دونوں بزرگوار (حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنی بزرگی وکلانی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام میں معدود، الخ" یعنی حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کمالات سے مشابہ ہیں۔

[حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ جیسے کہ مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس انحطاط و کمی سے زیادہ ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیئے کہ دوسروں کا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انحطاط کس قدر ہو گا۔ اور حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما موت کے بعد بھی پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جُدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی یکجا ہو گا۔ جیسے کہ فرمایا ہے، پس ان کی فضیلت اَقربیت کے باعث ہو گی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سر وسامان ان کے کمالات کو کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے ذرہ کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے، اور قطرہ کی کیا مجال کہ بحرِ عمان کی بات زبان پر لائے۔

اُن اولیاء نے جو دعوتِ خلق کی طرف راجع ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے حصہ رکھتے ہیں، اور تابعین اور تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشفِ صحیح کے نُور اور اخبارِ صادقہ اور آثارِ متتابعہ سے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کو پہچان کر ان کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور اس پر اجماع کیا ہے اور اُس کشف کو جو اس اجماع کے بر خلاف ظاہر ہو، غلط خیال کر کے اُس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے، اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جائے جب کہ صدرِ اول میں ان کی افضلیت صحیح ہو چکی ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے:

قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ میں کسی کو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چھوڑ دیتے تھے، یعنی اُن کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔[1]

[1](صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۳۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اور ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت میں ہے:

قَالَ كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم حَيٌّ أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَعْدَهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رضى الله عنهم أَجْمَعِينَ۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد سب اُمت میں سے افضل ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[1]

اور جنہوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے وہ اربابِ سُکر اور اولیائے غیر مرجوع میں سے ہیں۔ جن کو کمالاتِ نبوت سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہے۔ اور آپ کی نظر میں آیا ہو گا کہ فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی علیہ السلام کی ولایت ہو۔ اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے برخلاف کہا وہ مقامِ نبوت کے کمالات سے جاہل ہے، جیسے کہ اوپر گزر چکا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں، جیسے کہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کی نسبت خبر دی ہے، الخ"۔

---

[1](سنن ابی داؤد، ج۴، رقم الحدیث: ۴۶۳۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

ذُكِرَ عِنْدَهُ أَبُوْ بَكْرٍ فَبَكَى وَقَالَ وَدِدْتُ أَنَّ عَمَلِي كُلَّهُ مِثْلُ عَمَلِهِ يَوْمًا وَاحِدًا مِنْ أَيَّامِهِ وَلَيْلَةً وَاحِدَةً مِنْ لَيَالِيْهِ أَمَّا لَيْلَتُهُ فَلَيْلَةٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إِلَى الْغَارِ، إلخ۔

ترجمہ: ان کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ہوا تو وہ رو پڑے اور فرمانے لگے میں چاہتاہوں کہ کاش میری پوری زندگی کے اعمال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صرف ایک دن کے عمل کے برابر ہو جاتے۔ یا ان کی ایک رات کے عمل کے برابر ہو جاتے یہ ان کی اس رات کا ذکر ہے جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اور غارِ ثور ان کی پہلی منزل بنا تھا، الخ۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

قالت: بینا رأس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حجری فی لیلة ضاحیة إذ قلت: یا رسول اللہ هل یکون لأحد من الحسنات عدد نجوم السماء؟ قال: نعم عمر، قلت: فأین حسنات أبی بکر؟ قال: إنما جمیع حسنات عمر کحسنة واحدة من حسنات أبی بکر۔

ترجمہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کیا کسی کی اتنی نیکیاں ہوں گی جتنے آسمان پر ستارے ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ہاں وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں (جن کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں) پھر میں نے عرض کیا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟

---

[1] (تجرید الصحاح لرزین بن معاویہ العبدری، کتاب المناقب، باب فضائل ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں کے مقابلہ میں ایک نیکی کی مانند ہیں۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جیسے کہ فرمایا ہے پس ان کی فضیلت اقربیت کے باعث ہوگی"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ وَهُوَ آخِذٌ بِأَيْدِيهِمَا، وَقَالَ: هَكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک دن (حجرۂ اقدسہ سے) نکلے اور مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دائیں جانب تھے، اور دوسرے بائیں جانب اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اسی طرح ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔[2]

[اور آپ کو معلوم ہے کہ اولیاء کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلۂ عُلیہ نقشبندیہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی اور ان کی دعوت اَتم ہوگی۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات ان پر ظاہر ہوں گے۔ ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ دوسروں کو ان کے کمالات کا کیا پتہ اور ان کے معاملہ کی حقیقت کی کیا خبر۔ میں نہیں کہتا کہ تمام مشائخِ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں۔ ہرگز ایسا

---

[1] (تجرید الصحاح لرزین بن معاویہ العبدری، کتاب المناقب، باب فضائل ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

[2] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۶۱۲، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفتِ کامل جائے تو غنیمت ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ولایت کی اکملیت کے لئے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی۔ اور اس سلسلۂ عُلیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے۔ کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت عُلیہ سے نیچے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب ولایتوں کو مرتبۂ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے، اور یہ ولایت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

ترجمہ: دیکھو دونوں راستوں میں کس قدر فرق ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "آپ کو معلوم ہے کہ اولیاء کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلۂ عُلیہ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، الخ" یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ تمام طرق حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منسوب ہیں اور تمام طرق کے مشائخ عظام حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں تو پھر صدیقیت کی نسبت اور علویت کس طرح باقی رہے گی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وجودِ مبارکہ میں دونوں نسبتیں جُداگانہ صورتوں میں جاگزین ہیں اور یہ دونوں نسبتیں ایک دوسرے کے ساتھ امتزاج نہیں رکھتیں۔ تو اس بناء پر بعض مشائخ عظام حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے

نسبتِ صدیقی کی مناسبت کی وجہ سے فیض اخذ کرتے ہیں اور بعض مشائخ عظام ان سے نسبتِ امیری کی مناسبت کی وجہ سے فیض اخذ کرتے ہیں، کیونکہ ان کی استعدادیں الگ الگ ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

ہر کسے را بہرِ کامل ساختند

مہر آنرا در دلش انداختند

ترجمہ: ہر کسی کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جملہ درج ذیل حضرات بارہ اماموں میں سے ایک ہیں:

اول: حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دوم: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سوم: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چہارم: حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پنجم: حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ششم: حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہفتم: حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہشتم: حضرت امام علی رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نہم: حضرت امام محمد تقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دہم: حضرت امام علی النقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یازدہم: حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دوازدہم: حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت سے مکمل طور پر فیض اخذ کیا ہو۔ اور خلیفہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کمالاتِ ولایت سے مکمل طور پر فیض اخذ کیا ہو مگر کمالاتِ نبوت تک رسائی حاصل نہ کی ہو۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ کمالاتِ نبوت جُدا چیز ہے اور منصبِ نبوت جدا۔ چنانچہ منصبِ نبوت صرف اور صرف حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا خاصہ ہے جبکہ کمالاتِ نبوت عرفاء کرام میں سے بعض خوش نصیبوں کو شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل متابعت کی وجہ سے عطا کیا جاتا ہے۔

حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اہل سنت وجماعت اور روافض کے درمیان اختلافات ہیں یعنی روافض اس عقیدہ پر ہیں کہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی بارہ اماموں میں سے بارہویں امام ہیں۔ تو اس بناء پر وہ بارہویں امام کو امامِ منتظر کے نام سے یاد کرتے ہیں اور روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ امام عراق میں بغداد کے شمال میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع شہر سرمن رائے کے ایک غار میں تشریف فرما ہیں اور جنگی آلات کے انتظامات میں مصروفِ عمل ہیں آخر کار ایک دن یہ امام اس غار سے باہر تشریف لائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ معاونت جبکہ دجال لعین کے ساتھ مقاتلہ کریں گے۔

اہل سنت وجماعت کے علماء کرام فرماتے ہیں کہ بارہویں امام بہت عرصہ تک اس غار میں تشریف فرما تھے اور بالآخر وہ اس غار سے باہر تشریف لے آئے تھے اور کسی بیماری کی وجہ سے اس دارِ فانی سے رُخصت ہو چکے ہیں۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جنازہ میں شرکت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ حضرت امام مہدی موعود سے مراد وہ امام نہیں بلکہ ان کے علاوہ ایک دوسری شخصیت مراد ہے جو کہ خاندانِ نبوت سے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیدائش کا مقام مدینہ منورہ ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چالیس سال کی عمر میں مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے اور وہاں مہدیت کا اعلان فرمائیں گے۔

حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام تفاصل معتبر کُتبِ احادیث میں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے ہم منتظر ہیں ان کے والد گرامی کا نام حضرت عبد اللہ اور والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی حضرت آمنہ ہو گا۔ نیز جب حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان فرمائیں گے تو ان کی عمر مبارک چالیس سال ہو چکی ہو گی۔ اس کے برعکس اگر ہم اُس ہستی کا انتظار کریں جو بارہویں امام تھے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ دُنیا سے وفات پا چکے ہیں جیسا کہ سابقہ سطور میں عرض کی جا چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے والدین کے نام وہ نہیں تھے جو کہ احادیثِ مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر سابقہ مہدی ہی مراد ہوں تو ان کی عمر آنے والے وقت میں کئی سو سال ہونی چاہیئے حالانکہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے قُربِ قیامت میں آنے والے حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر چالیس سال بتائی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بارہ اماموں میں جو حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے

ہیں وہ دیگر ہیں اور ہم سابقہ امام مہدی کو بھی امام تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آنے والے حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک الگ شخصیت ہیں۔

[اے بھائی! چونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں اس لئے اقطاب وابدال واوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں، اور کمالاتِ ولایت کی جانب ان میں غالب ہے) کے مقام کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امداد واعانت کے سپرد ہے۔

قطب الاقطاب یعنی قطبِ مدار کا سَر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم کے نیچے ہے۔ قطبِ مدار ان ہی کی حمایت ورعایت سے اپنے ضروری اُمور کو سرانجام دیتا اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "قطب الاقطاب یعنی قطبِ مدار کا سَر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم کے نیچے ہے، الخ" یعنی دُنیا میں بہت سے اولیاء کرام موجود ہیں اور انہوں نے کمالاتِ ولایت کا حصول کیا ہوتا ہے مگر ان اولیاء کرام میں سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جن اولیاء کرام کو کسی کام یا عہدہ پر مقرر فرمایا ہوتا ہے وہ بہت کم ہوتے ہیں۔ اور ہر عصر وزمان میں وہ اشخاص قطبیت کے منصب پر موجود رہتے ہیں جن میں سے ایک قطبِ ارشاد ہے اور دوسرا قطبِ مدار۔ قطبِ ارشاد کے وجود مبارک میں کمالاتِ نبوت کمالاتِ ولایت کی نسبت

زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ قطبِ مدار کے وجودِ مبارک میں کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کی بہ نسبت غالب ہوتے ہیں۔ خوارق کے ظہور کے عوامل بھی کمالاتِ ولایت کے غالب ہونے کی وجہ سے ہیں۔

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ان دو کے علاوہ ایک تیسرا قطب بھی ہو سکتا ہے، جسے قطبِ فرد کہا جاتا ہے۔ مگر ہر ایک قطبِ ارشاد اور قطبِ مدار باعتبار اولیاء کرام جو ان کے زیرِ دست ہوتے ہیں انہیں قطب الاقطاب کہا جاتا ہے۔ ابدال، اوتاد اور نجبا کو قطبِ مجاز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ایک زمانہ میں ان دو اقطاب (قطبِ ارشاد اور قطبِ مدار) کے علاوہ جو کہ منصبِ قطبیت پر فائز ہوتے ہیں بہت سے دوسرے اولیاء کرام بھی کمالاتِ قطبیت تک پہنچ جاتے ہیں مگر منصبِ قطبیت صرف ان دو اقطاب ہی پر منحصر رہتا ہے کیونکہ منصبِ قطبیت علیحدہ چیز ہے اور کمالاتِ قطبیت کا حصول علیحدہ۔ یاد رہے کہ قطبِ فرد بھی ان دو اقطاب ہی کے زمانہ میں موجود ہوتا ہے مگر چونکہ قطبِ فرد نزول نہیں کرتا بلکہ عروج میں رہتا ہے اور عالمِ امکان کے ساتھ کسی قسم کا ارتباط و تعلق نہیں رکھتا۔

[یاد رکھنا چاہیئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کو بزرگی سے یاد کرنا چاہیئے۔

خطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

إن الله اختارني و اختار لي اصحابا و اختار لي منهم أصهارا و أنصارا فمن حفظني فيهم حفظه الله و من آذاني فيهم آذاه الله عز و جل۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے لئے رشتہ دار اور مددگار پسند کیا۔ پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے

محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذاء دی اللہ تعالیٰ ان کو ایذاء دے گا۔[1]

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کہ:

مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

ترجمہ: جس نے میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔[2]

اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ شِرَارَ أُمَّتِي أَجْرَؤُهُمْ عَلَى أَصْحَابِي۔

ترجمہ: میری اُمت میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر دلیر ہیں۔[3]

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک محمل پر محمول کرنا چاہیئے، اور ہواؤ تعصب سے دور سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل واجتہاد پر مبنی تھیں، نہ ہوؤ ہوس پر۔ یہی اہلِ سنت کا مذہب ہے۔

---

[1] (تاريخ مدينة السلام، ج ٢، ص ٤٥٥، الناشر: دار الغرب الإسلامي - بيروت)

[2] (المعجم الكبير للطبرانی، ج ١٢، ص ١٤٢، دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

[3] (مرقاة المفاتيح، ج ٩، ص ٣٨٨١، الناشر: دار الفكر، بيروت - لبنان)

لیکن جاننا چاہیئے کہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے۔ اور حق حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا، لیکن چونکہ یہ خطا خطائے اجتہادی کی طرح تھی اس لئے ملامت سے دُور ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جیسا کہ شارح (یعنی میر سیّد شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ) مواقف (علم الکلام میں ایک جلیل القدر کتاب جو کہ عضد اللہ والدین القاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ کی تصنیف ہے)، آمدی (یعنی سیف الدین ابو الحسن علی بن ابی علی محمد بن سالم الثعلبی الفقہیہ الاصولی متوفی ۶۷۱ھ وفیات الاعیان) سے نقل کرتا ہے کہ جمل و صفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں۔

اور شیخ ابو شکور سلمی (یعنی محمد بن السید بن شعیب الحنفی) نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت وجماعت اس بات پر ہیں کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمع اُن کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے۔ لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یعنی شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی نزیل مکہ معظمہ) نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں، اور اس قول کو اہلِ سُنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔

اور شارحِ مواقف نے جو یہ کہا ہے ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔

معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کون سا گروہ ہے۔ جب کہ اہل سنت اس کے بر خلاف حکم دیتے ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں۔ جیسے کہ امام

غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق وضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔

قاضی نے شفا میں بیان کیا ہے:

قال مالک رحمه الله: من شتم أحداً من أصحاب النبي: أبا بكر، أو عمر، أو عثمان، أو معاوية، أو عمرو بن العاص، فإن قال: كانوا على ضلال و كفر قُتِلَ، وإن شتمهم بغير هذا من مشاتمة الناس نُكِّلَ نكالاً شديداً. "إلى هناتم ما قال القاضي في الشفا" فلا يكون محاربوا على كُفرة كما زعمت الغلاة من الرفضة ولا فسقة كما زعم البعض ونسبه شارح المواقف إلى كثير من أصحابه كيف وقد كانت الصديقة والطلحة والزبير وكثير من الأصحاب الكرام منهم وقد قتل الطلحة والزبير في قتال الجمل قبل خروج معاوية مع ثلاثة عشر ألفاً من القتلىٰ وتضليلهم وتفسيقهم مما لا يجترع عليه المسلم إلا أن يكون في قلبه مرض وفي باطنه خبث۔

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کو یعنی ابو بکر وعمر وعثمان وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس کے سوا اور کوئی گالی نکالی جس طرح لوگ ایک دوسرے کو گالی نکالتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا۔ (یہاں پر کتاب الشفا سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام ختم ہوا) کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کُفر پر نہ تھے۔ جیسے کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے، اور نہ ہی فسق پر تھے جیسے کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور طلحہ وار زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بہت سے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان ہی میں سے تھے،

اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمل کی لڑائی میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ قتل ہوئے پس ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اُس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو، کوئی مسلمان دلیری نہیں کرتا۔[1]

اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں جَور کا لفظ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جور کرنے والا امام تھے تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ خلافت کے حق دار نہ تھے، نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے تاکہ اہلِ سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے بر خلاف وہم پیدا ہو، پرہیز کرتے ہیں اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کس طرح جائز ہوسکتے ہیں؟ جبکہ صحیح و تحقیق ہوچکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امامِ عادل تھے۔ جیسے کہ صواعق میں ہے۔

اور حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ لعنت کا مستحق ہے، الخ یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے۔ اور اس میں کون سا محلِ اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے تو بے شک جائز تھا لیکن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کہنا بُرا ہے۔

---

[1] (كتاب الشفا، ج ٢، ص ٥٥٢، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں یہ دُعا کی ہے:

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ وَ الْحِسَابَ وَ قِهِ الْعَذَابَ۔

ترجمہ: یا اللہ تو اس کو کتاب و حساب سکھا اور عذاب سے بچا۔ [1]

اور دوسری جگہ دُعا میں فرمایا:

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَ اهْدِ بِهِ۔

ترجمہ: یا اللہ تُو اس کو ہادی (ہدایت کرنے والا) اور مہدی (ہدایت یافتہ) بنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔ [2]

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دُعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا سے سہو ونسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہوگی۔ اور نیز مولانا نے ان ہی ابیات میں نام کی تصریح نہ کرکے کہا ہے کہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہے۔ اور یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (البقرة ٢٨٦)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

اور وہ جو بعض نے امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذمت میں نقل کیا گیا ہے اور اس کی بُرائی کو فسق سے بر تر بیان کیا ہے۔ اس نقل کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر

---

[1] (کتاب فضائل الصحابة للامام احمد بن حنبل، فضائل معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حدیث نمبر ۱۷۴۹، ج۲)

[2] (سنن الترمذی، ج۵، ص۶۸۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

بالفرض اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اس کے شاگردوں میں سے ہیں، اس نقل کے زیادہ مستحق تھے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو تابعین میں سے ہیں۔ اور اس کے ہم عصر اور علمائے مدینہ میں سے زیادہ عالم ہیں۔ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگر وہ گالی کا مستحق ہوتا تو اس کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے، تو معلوم ہو کہ اس کو گالی نکالنا کبیرہ گناہ جان کر اس کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز اس کو گالی دینا ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے، جیسے کہ اوپر گزر چکا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُرائی کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہے۔ کم و بیش آدھے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم کو پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا۔

اے برادر! اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اوّل مدینہ سے باہر نکلے تاخیرِ قصاص کے باعث نکلے۔ اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی۔ اور جنگِ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے قصاص کے باعث ہوا ہے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے آکر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگِ صفین کی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا اَمرِ خلافت پر نہیں ہوا۔ بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لئے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتداء میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس بات کو اہلِ سُنت کے معتقدات سے کہا ہے۔ اور شیخ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو بزرگ علمائے حنفیہ میں سے ہیں کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیانی جھگڑے خلافت کے بارے میں ہوئے ہیں۔

کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا کہ:

اِذَا مَلَکْتُ النَّاسَ فَارْفِقْ بِھِمْ۔

ترجمہ: جب تو لوگوں کا مالک بنے تو ان کے ساتھ نرمی کر۔[1]

شاید اس بات سے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا طمع پیدا ہو گیا ہو۔ لیکن وہ اس اجتہاد میں خطا پر تھے، اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر۔ کیونکہ ان کی خلافت کا وقت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے بعد تھا۔ اور ان دونوں قولوں کے درمیان موافقت اس طرح پر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس منازعت کا منشا قصاص کی تاخیر ہو۔ اور پھر خلافت کا طمع بھی پیدا ہو گیا ہو۔ بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہوا ہے۔ اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور حق والے کے لئے دو درجے بلکہ دَس درجے۔

---

[1] (رواہ مسند امام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث معاویہ بن ابی سفیان، حدیث نمبر ۱۶۹۳۳، ج۲۸)

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں، اور ان کے ذکر اذکار سے منہ موڑیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایاہے:

إِيّاكُم وماشَجَر بين أصحابي۔

ترجمہ: میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔[1]

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

إِذَاذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا۔

ترجمہ: یعنی جب میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو روکو۔[2]

نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے:

اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، لَاتَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا۔

ترجمہ: یعنی میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔[3]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے اور نیز عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ:

تلک دماءٌ طَهَّرَ الله عنها أيدينا، فلانُلَوِّثُ بها ألسنتَنا۔

---

[1] (النهاية في غريب الاثر، ج۲، ص۱۰۹۸، الناشر: المكتبة العلمية-بيروت)

[2] (المعجم الكبير للطبراني، ج۱۰، ص۱۹۸، دار النشر: مكتبة ابن تيمية-القاهرة)

[3] (سنن الترمذی، ج۵، ص۶۹۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي-مصر)

ترجمہ: یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھتے ہیں۔[1]

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیئے، اور ان کے ذکرِ خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیئے۔

یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہلِ سُنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لئے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی۔ مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے کہ ابو لہب جہنمی اور اس کی عورت نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (الأحزاب ۵۷)

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

جاننا چاہیئے کہ چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے امامت کی بحث چھیڑ رکھی ہے اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی خلافت کی نسبت گفتگو مدِ نظر کی ہوئی ہے، اور جاہل اہلِ تاریخ اور سرکش بدعتیوں کی تقلید پر اکثر اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نیکی سے یاد نہیں کرتے۔ اور کئی نامناسب اُمور ان کی جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ معلوم تھا تحریر میں لا کر دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

---

[1] (شرح السنة للبغوی، ج۱۴، ص۱۳۷، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

إذا ظَهرت الْفِتَن أَو قَالَ الْبدع وسبت أَصْحَابِي فليظهر الْعَالم علمه فَمن لم يفعل ذَلِك فَعَلَيهِ لعنة الله وَالْمَلَائِكَة وَالنَّاس أَجْمَعِينَ لَا يقبل الله مِنْهُ صرفا وَلَا عدلا۔

ترجمہ: جب فتنے یا فرمایا بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہیئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے، پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہ کرے گا۔[1]

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ سُلطانِ وقت اپنے آپ کو حنفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہلِ سُنت و جماعت میں سے جانتا ہے۔ ورنہ مسلمانوں پر کام بہت تنگ ہوتا۔ اس بڑی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

پس چاہیئے کہ اہل سنت وجماعت کے معتقدات پر اپنے اعتقاد کا مدار رکھیں۔ اور زید و عمر کی باتوں کو نہ سُنیں۔ جھوٹے قصوں پر کام کا مدار رکھنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ فرقۂ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی اُمید پیدا ہو۔ **وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ** ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

[1](الصواعق المحرقة، ج ١، ص ٧، الناشر: مؤسسة الرسالة - لبنان)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”اے بھائی! چونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں، الخ“ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالاتِ ولایت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجودِ مبارک میں کمالاتِ نبوت کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں، نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالاتِ نبوت سے بھی حصہ رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے، اس کی لعنت میں توقف اہلِ سُنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے، الخ“ یعنی لعنت کی دو اقسام ہیں:

اول: وہ لعنت جو کفار پر وارد ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ کفار حق تعالیٰ وتقدس کی رحمت سے محروم ہیں۔

دوم: وہ لعنت جو بعض مسلمانوں پر کسی گناہ یا غلطی کی وجہ سے وارد ہو اس کا مقصد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمتِ خاصہ سے محروم ہونا ہے۔ ہمارے ہاں جو رواج بن چکا ہے کہ لوگ غصے کے وقت اپنے بچوں پر یا بعض مواقع پر لڑائی جھگڑوں میں اپنے مخالف مسلمانوں پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں یہ سراسر غلط اور گناہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۲

[بعض سوالات کے جواب میں جناب شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادرِ ارجمند کا مکتوبِ مرغوب پہنچا، بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے چند استفسار درج کئے تھے ان کے جواب میں آپ کو معلوم ہو کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علٰی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعین کا مبدأ صفت العلم ہے جیسے کہ تعینِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ یہی صفت ہے۔ فرق جہات و اعتبارات کے لحاظ سے ہے، کیونکہ اس صفت کی ایک جانب عالم کی طرف ہے اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی جانب وحدت کے مناسب ہے اور دوسری کثرت کے موافق، اور اس صفت کے لئے بھی اجمال و تفصیل ہے کہ ہر ایک اس بزرگ کے مبدأ تعین کے اعتبار سے ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علٰی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعین کا مبدأ صفت العلم ہے۔ جیسے کہ تعینِ محمدی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ یہی صفت ہے۔ فرض جہات و اعتبارات کے لحاظ سے ہے، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں ان تینوں حضراتِ انبیاء حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علٰی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تعین کے مبدأ کو صفت العلم فرمایا ہے، مگر اس کے درمیان فرق اور اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض اجمالِ علم

بلکہ شان العلم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض تفصیلِ علم ہے اور حضرت نوح علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض برزخ اجمال و تفصیلِ علم ہے۔ چونکہ وجودِ برزخ وجودِ طرفین (حضرت ابرہیم ونوح علیٰ نبیناو علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کا فرع ہے تو اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام بہ نسبت حضرت نوح علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے ہیں۔

اس مکتوب شریف میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ صفت العلم جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے اور ان تینوں حضراتِ انبیاء (حضرت ابراہیم، حضرت نوح اور حضرت محمد) علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ فیض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اسی صفتِ ذاتیہ یعنی صفت العلم سے ہے اور اس ایک ہی صفتِ ذاتیہ میں یہ تینوں درجات موجود ہیں تو پھر ان تینوں حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے درجات کا تفاوت کس طرح ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا درجہ صفت العلم ہے اور دوسرا تفصیل العلم اور تیسرا شان العلم۔ صفت العلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ازل سے ابد تک ہر چیز کے موجود ہونے سے قبل بھی ان سب پر علم رکھتا ہے۔ تفصیل العلم سے مراد یہ ہے کہ یہ سب اشیاء (ملائکہ وانس، عرش وفرش، جنت ودوزخ، لوح و قلم اور زمین وآسمان وغیرہ) کب اور کیسے وجود میں آئیں گی۔ اور شان العلم سے مراد ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم کی "حالتِ کون" جس کے انداز کا ادراک کرنے سے ہماری عقل وفہم قاصر ہے تو اس طرح حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض اسی پہلی قسم صفت العلم سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض دوسری قسم سے ہے جو کہ تفصیل العلم ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض تیسری قسم سے ہے جو کہ شان العلم ہے۔

سالکینِ طریقت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ اگر کسی عارف کا تعین اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ ہو جائے تو اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس کے لطائف کی ابتداء ظلال سے ہو گی۔ مثال کے طور پر اگر کسی عارف کے تعین کا مبدأ علم ہے تو اس کا پہلا درجہ ظل العلم ہو گا، دوسرا درجہ صفت العلم، تیسرا درجہ تفصیل العلم اور چوتھا درجہ شان العلم ہو گا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعین کا مبدأ صفت الکلام ہے جو عارف موسوی مشرب ہو گا تو اس عارف کا ابتدائی درجہ ظل الکلام ہو گا، دوسرا درجہ صفت الکلام، تیسرا درجہ تفصیل الکلام اور چوتھا درجہ شان الکلام ہو گا اسی طرح درجہ بدرجہ دوسرے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے مشارب بھی۔ اس سے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے تو حق تعالیٰ وتقدس کی کسی بھی صفت کے تین درجات ہوتے ہیں لیکن سالکینِ اُمت کے لئے ان درجات سے پہلے ایک اضافی درجہ ظلال کا ہوتا ہے جسے طے کرنا اُمتی کے لئے ضروری ہے۔ گویا عارفین کے لئے چار درجات پائے جاتے ہیں۔

[دوسرے وہ معارف جو بارِ نبوت وولایت کے برداشت کرنے سے متعلق تھے۔ وہ اس خط میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا تھا مفصل درج ہو چکے ہیں، دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ وہاں سے معلوم کر لیں۔

دوسرے یہ کہ فقیر نے چاہا کہ اس استفسار کے جواب میں کہ قطب و غوث و خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے، لیکن اِذن نہ ہوا۔ ان کو دوسرے وقت پر موقوف رکھیں۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس استفسار کے جواب میں کہ قطب و غوث و خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے، لیکن اذن نہ ہوا، الخ" یعنی اولیاء کرام ہر کام اور ہر بیان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اَمر اور اس کی اجازت کے ساتھ بجالاتے ہیں اسی لئے دیگر لوگوں کا نفل عمل ان کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان (کہ مجھے اذن نہ ہوا) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اجازت کے حصول سے قبل کا ہے۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اس موضوع کی تفصیل بیان کرنے کی اجازت دے دی گئی تب جا کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولیاء کرام یعنی قطب و غوث و خلیفہ کے درمیان فرق اور ان کے مناصب کو بیان فرمایا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ قطبِ ارشاد اور قطبِ مدار وہ اولیاء کرام ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کمالاتِ ولایت پر مشرف فرمایا ہے اور یہ احباب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت سے بہت زیادہ استفادہ کئے ہوئے ہیں۔ غوث قطبِ مدار کے کاموں میں اس کا مددگار ہوتا ہے اور قطبِ مدار بعض اُمورِ غیبیہ میں غوث سے امداد طلب کرتا ہے اور پھر غوث قطبِ مدار کے ساتھ ان افعال میں مدد اور تعاون کرتا ہے۔ اور قطبِ ارشاد کا کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو ارشاد و ہدایت کرنا ہوتا ہے جبکہ قطبِ مدار کا کام امداداتِ غیبیہ ہوتا ہے جن میں رزق کی تقسیم، نزولِ بارش اور کسی کشتی کو غرق ہونے سے بچانا اور جنگلوں میں شیر اور اژدہا وغیرہ کے حملوں سے محفوظ رکھنا۔ یہ تمام اُمور قطبِ مدار کے تصرف سے انجام پذیر ہوتے ہیں، اور خلیفہ وہ شخص ہے جس نے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ ولایت سے

مکمل طور پر فیض اخذ کیا ہو یعنی اقطاب اولیاء کرام کے کمالات سے بلند تر عروج کیا ہو۔ اور امام وہ شخص ہے کہ جس نے حضراتِ انبیاء عظام علٰی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت سے مکمل طور پر فیض اخذ کیا ہو۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کمالاتِ نبوت کا حصول جُدا چیز ہے اور منصبِ نبوت جُدا چیز۔ اگرچہ عارف کمالاتِ نبوت کو حاصل کر لیتا ہے مگر پھر بھی منصبِ نبوت تک نہ تو پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی پہنچ سکے گا کیونکہ منصبِ نبوت حضراتِ انبیاء عظام علٰی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا خاصہ ہے نہ کہ کسی اور کا۔ اور عارف جو ان کمالاتِ نبوت سے فیض اخذ کرتا ہے تو یہ بھی ان ہی حضراتِ انبیاء عظام علٰی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت ہی کی وجہ سے حاصل کرتا ہے۔

قطبِ فرد دُنیا میں ہر وقت اور ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے اور قطبِ فَرد کے کمالاتِ اصلیہ قطبِ ارشاد اور قطبِ مدار کے کمالات کی بہ نسبت بہت زیادہ اور خلیفہ کی بہ نسبت بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے قطبِ فرد اکثر عروج میں رہتا ہے نزول نہیں کرتا اور اگر قطبِ فرد نزول فرمادے تو اس کی صحبتِ بابرکت کا فائدہ قطبِ ارشاد کی بہ نسبت بہت ہی زیادہ ہے۔ یعنی قطبِ فرد کی صحبت بابرکت کے فیوض وبرکات کبریتِ احمر ہیں۔

چنانچہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ ارشاد ویسے ہی نہیں فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے جو میری نادر صحبت و مجلس کا شرف حاصل کیا ہے اُن لوگوں میں حضرت علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو فرماتے تھے کہ میرا ایمان حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی صحبتِ مبارکہ سے پہلے تذبذب سے آزاد اور محفوظ نہ تھا اور حضرت خواجہ مسافر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا مزار مبارک افغانستان کے صوبہ پغمان میں ہے وہ بھی

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلفاء میں سے ہیں۔ استخارے کے بارے میں سَیر حاصل بحث مکتوب نمبر ۲۲۴ میں گزر چکی ہے مگر یہاں پر موقع کی مناسبت سے چند ایک باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہر کام استخارے، الہام اور اپنے قلب کے مشورہ سے فرماتے تھے کہ فلاں کام کروں یا نہ کروں۔ اور عوام الناس کو چونکہ کشف والہام کی کیفیت میسر نہیں ہوتی انہیں چاہیئے کہ ہر کام کرنے میں استخارہ کریں اور اگر استخارے میں بھی کچھ معلومات نہ ہوں تو اس کی وجہ کا تدارک کرنا چاہیئے اور وہ تصوف میں داخل ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ بہر حال وہ یہ ہے کہ جس شخص کی عدمات اس پر غالب ہوں اگر ایسا شخص ہزار مرتبہ بھی استخارہ کرے تب بھی یہ خواب میں کچھ نہیں دیکھ پاتا اور اس کے برعکس جس عارف باللہ پر تجلیاتِ ذاتی یا صفاتی اور یا اسماء وصفات کی تجلیات غالب ہوں تو جس کام کے لئے اس نے استخارہ کیا ہوتا ہے پہلی ہی دفعہ خواب یا کشف والہام کے ذریعہ اسے خبر دے دی جاتی ہے۔ تو جس شخص کو عدمات کے غلبہ کی وجہ سے استخارے کرنے کے بعد بھی کسی چیز کی خبر نہ ہوئی تو اسے چاہیئے کہ تین، پانچ یا سات دن تک متواتر استخارہ کرنے کے بعد اپنے قلب کے ساتھ مشورہ کرے کہ اے میرے قلب! چونکہ آپ مجازاً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذاکر حصہ ہیں، لہٰذا میں فلاں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور تم سے مشورہ درکار ہے۔ اگر قلب مشورہ دے تو وہ کام کرلیں ورنہ اس سے رُک جائیں اور یہ صوفیانہ تعلیم اُن لوگوں کے لئے ہے جن کو خواب اور کشف والہام کی کیفیت میسر نہ ہو۔ مختصر یہ کہ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ ہر نیک اور بد عمل میں اپنے قلب سے مشورہ کرے اور ان شاء اللہ تعالیٰ مؤمن کا قلب کبھی بھی اس کو بد عمل کرنے کا مشورہ نہیں دیتا۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۳

[مشیخیت پناہ شیخ ادریس سامانی کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالات کے جواب میں اور اس راہ کی بے نہایتی اور رمز واجمال کے طور پر طریقت کے بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ و دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ اور آپ کی خیر وعافیت اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت وثابت قدمی اللہ تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔

ان احوال و مواجید کا بیان جو مولانا عبد المؤمن کی زبان کے حوالہ کیا تھا۔ مولانا نے مفصل طور پر ظاہر کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا۔ اور اگر آسمان کی طرف نظر کرتا ہوں تو اُس کو بھی نہیں پاتا۔ اور جس کسی کے آگے جاتا ہوں اس کا وجود بھی نہیں پاتا، اور ایسے ہی عرش وکرسی و بہشت ودوزخ کا بھی وجود نہیں پاتا، اور اپنا وجود بھی نہیں جانتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے معلوم نہیں کیا۔ بزرگ بھی اسی جگہ تک رہ گئے ہیں اور یہاں تک آکر سیر سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اور اس معنی سے زیادہ کچھ اختیار نہیں کیا۔ اگر آپ بھی اس کو کمال جانتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر میں آپ کے پاس کس لئے آؤں اور کیوں تکلیف اٹھاؤں، اور آپ کو بھی تکلیف دوں۔ اور اگر اس کمال کے سوا کوئی اور اَمر ہو تو اطلاع بخشیں۔ تاکہ ایک اور یار کے ساتھ دردِ طلب بہت رکھتا ہے وہاں آؤں۔ اسی تردّد کے حاصل ہونے کی وجہ سے چند سال تک وہاں آنے میں توقف رہا۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال قلب کے تلوینات سے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے احوال والے شخص نے قلب کے مقامات سے ابھی چوتھے حصے سے زیادہ طے نہیں کیا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب حضرت شیخ ادریس سامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سوالات کے جوابات میں تحریر فرمایاہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "معلوم ہوتاہے کہ ایسے احوال والے شخص نے قلب کے مقامات سے ابھی چوتھے حصہ سے زیادہ طے نہیں کیا، الخ" یعنی اس شخص کی سیر ہوا کے عنصر میں ہے اور یہ جو کہا گیاہے کہ حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے، اس وقت اس شخص کو عنصرِ ہوا معلوم ہوتاہے اور یہ اس کو بے پایاں سمجھ لیتاہے چونکہ ہوا تمام ممکنات کو محیط ہے اس لئے اس نے اس کو حق سمجھ لیا اور غیر متناہی جانا۔ تو ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ قلب کے مقامات سے دیگر تین حصہ بھی طے کرے تاکہ فنا ونسیانِ ماسویٰ جو کہ اس راہ کا پہلا قدم ہے اس پر مشرف ہو سکے۔ یعنی یہ حضرت شیخ ادریس سامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک گمان ہے کہ انہوں نے کہا کہ بزرگان نے بھی اسی جگہ تک بات چیت کی ہے جہاں تک میری رسائی ہے۔ جبکہ بزرگان تو بہت ہی زیادہ عالی مراتب پر مشرف ہوئے ہیں۔

[مقاماتِ قلب سے تین حصہ اور طے کرنے چاہئیں تاکہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو۔ اور پھر قلب کے آگے روح اور روح کے آگے سِر، اور سِر کے آگے خفی، اور اس کے بعد اخفٰی ہے۔ ان باقی ماندہ چاروں میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ مواجید ہیں، اور سب کو جُدا جُدا طے کرنا چاہیئے، اور ہر ایک کمالات سے آراستہ ہونا چاہیئے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور پھر قلب کے آگے روح، اور روح کے آگے سِر، اور سِر کے آگے خفی اور اس کے بعد اخفٰی ہے، الخ" یعنی صوفیاء کرام کے لئے یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ تصفیہ و تزکیہ اور سب لطائف کی فنا و بقا محمدی المشرب والے سالک کا خاصہ ہے اس لئے کہ آدمی المشرب سالک تو صرف تصفیۂ قلب پر ہی مشرف ہو کر اسی لطیفہ تک پہنچا جاتا ہے یعنی ولایتِ صغریٰ کے مقام میں صفتِ تکوین کے ظلال اور ولایتِ کبریٰ کے مقام میں صفتِ تکوین اور ولایتِ عُلیا کے مقام میں شانِ تکوین تک پہنچ جاتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس ابراہیم المشرب و نوح المشرب سالک قلب کے تصفیہ کے بعد لطیفۂ روح تک پہنچ جاتا ہے یعنی ولایتِ صغریٰ کے مقام میں صفتِ ذاتیہ کے ظلال بالخصوص صفت العلم کے ظلال میں اور ولایتِ کبریٰ کے مقام میں صفت العلم تک پہنچ جاتا ہے اور ولایتِ عُلیا کے مقام میں شان العلم تک پہنچ جاتا ہے۔ موسوی المشرب سالک قلب اور روح کے تصفیہ کے بعد لطیفۂ سِر تک پہنچ جاتا ہے۔ ولایتِ صغریٰ کے مقام میں صفت الکلام کے ظلال میں اور ولایتِ کبریٰ کے مقام میں صفت الکلام میں اور ولایتِ عُلیا کے مقام میں شان الکلام تک پہنچ جاتا ہے۔ عیسوی المشرب سالک قلب و روح اور سِر کے تصفیہ کے بعد لطیفۂ خفی تک پہنچ جاتا ہے، ولایتِ صغریٰ کے مقام میں صفت القدرت کے ظلال میں اور ولایتِ کبریٰ کے مقام میں صفت القدرت میں اور ولایتِ عُلیا کے مقام میں شان القدرت تک پہنچ جاتا ہے۔ محمدی المشرب عارف لطائفِ اربعہ کے تصفیہ کے بعد لطیفۂ اخفٰی تک پہنچ جاتا ہے یعنی ولایتِ صغریٰ کے مقام میں شان العلم کے ظلال میں اور ولایتِ کبریٰ کے مقام میں شان العلم تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے بعد ذاتِ حق تعالیٰ کے وصولِ بلا کیف تک پہنچ جاتا ہے اور یہ محمدی المشرب

عارف تمام لطائف کا جامع ہوتا ہے کیونکہ اس کے تمام لطائف تصفیہ اور مبادی انعکاس سے اس کے سارے لطائف رنگین ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جس سالک کا لطیفہ تصفیہ نہ ہوا ہو تو وہ تصفیہ شدہ لطائف کے درمیان چاول کے اس کچے دانے کی مانند ہے جو کہ دیگ میں پکتے وقت کچا رہ گیا ہو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تفاضل اور انحطاط (کمی) لطائف کے اعتبار سے کمالاتِ ولایت کے حصول کے مقام میں ہے اور کمالاتِ نبوت کے مقام تک پہنچنے کے بعد یہ تفاضل نہیں رہتے یعنی جو عارف لطیفۂ قلب سے کمالاتِ نبوت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا مرتبہ اس عارف سے بلند تر ہوتا ہے جو لطائف کے ظلال میں تو فوق تَر ہوتا ہے مگر ابھی تک صفات کے اصل اور شیونات تک نہیں پہنچا ہوتا۔

جو عارف لطیفۂ قلب کے واسطہ سے اصل تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اس عارف کا مرتبہ اُس عارف سے جو ابھی تک لطیفۂ روح کے ظلال میں ہے بلند تَر ہوتا ہے اور اسی طرح وہ عارف جو لطیفۂ روح سے اصل تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اس کا مرتبہ اُس موسوی المشرب عارف سے جو ابھی تک صفت الکلام کے ظلال میں ہے بلند ہوتا ہے۔ اور وہ موسوی المشرب عارف جو اصل تک پہنچا ہو اس عیسوی المشرب عارف سے جو ابھی تک صفت القدرت کے ظلال سے گزرا ہو بلند ہے، وعلیٰ ہذا القیاس، الخ۔ البتہ اگر دوم وسوم اور چہارم وپنجم کے لطائف کے صاحبان اصل تک رسائی حاصل کر لیں تو صاحبِ لطیفہ میں سے ہر ایک اپنے ما قبل سے افضل ہوتا ہے۔

[عالمِ اَمر کے ان پنجگانہ لطائف سے گزرنے اور ان کے اصلوں کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے اور اسماء وصفات کے ظلی مدارج کو جو ان اصول کے اصول ہیں درجہ بدرجہ قطع کرنے کے بعد اسماء وصفات کی تجلیات اور شیونات واعتبارات کے ظہورات ہیں اور ان تجلیات سے گزر کر آگے

تجلیاتِ ذات ہیں۔ تب نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑتا ہے، اور پروردگار تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ وہ کمالات جو اس مقام (رضا و اطمینان) میں حاصل ہوتے ہیں ان کمالات کے مقابلہ میں پہلے کمالات ایسے ہیں جیسے کہ دریائے محیط ناپیدا کنار کے مقابلہ میں قطرہ۔ اس مقام میں شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہ ہے باقی سب ہیچ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عالمِ اَمر کے ان پنجگانہ لطائف سے گزرنے اور ان کے اصلوں کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے، الخ" یعنی وہ لطائفِ خمسہ جو کہ انسان کے وجود میں ہیں ان کا اصول فوق العرش ہوتا ہے، ابتداء میں سالک عروج کے وقت ان اصول تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اور بعد میں ولایتِ صغریٰ کے مقام میں اسماء وصفات کے ظلال میں اور ولایتِ کبریٰ کے مقام میں اسماء وصفات میں جو کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت ہے اور ولایتِ عُلیا جو کہ ولایتِ مُلاء الاعلیٰ ہے شیوناتِ ذاتیہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور کمالاتِ نبوت کے مقام میں تجلیاتِ ذاتیہ پر مشرف ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس مقام میں شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں، الخ" یعنی تزکیۂ نفس کے بعد حقیقتِ اسلام نصیب ہو جاتی ہے اور حقیقتِ اسلام شہودِ مصداقات اور قضایائے شرعیہ سے عبارت ہے اور تزکیۂ

نفس کے بعد عارف کا شرحِ سینہ ہوتا ہے تاکہ عارف تمام اوامرِ شرعیہ کو رغبت وشوق سے عمل میں لائے۔

[اسماء وصفات کی وہ تجلیات جو عالمِ اَمر کی ان پنجگانہ منزلوں کو بمع ان کے اصول اور اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم ہوتی ہیں۔ وہ عالمِ اَمر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماء وصفات کی تجلیات۔ ایک سالک نے اسی مقام میں کہا ہے کہ میں تیس (۳۰) سال تک رُوح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ پس وصول کہاں ہے اور سیری کس کے لئے ہے۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

ترجمہ: سعادِ معشوقہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے، کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب وفراز واقع ہیں۔

چونکہ آپ نے توجہ کے ساتھ اس راہ کی حقیقت کو بیان کرنا طلب فرمایا تھا۔ اس لئے مختصر طور پر اس کا کچھ بیان لکھا گیا ہے:

وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ

ترجمہ: اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ

ترجمہ: آپ پر اور آپ کے حاضرینِ مجلس پر سلام ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسماء وصفات کی وہ تجلیات جو عالمِ اَمر کی ان پنجگانہ منزلوں کو بمع ان کے اُصول اور اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم ہوتی ہیں۔ وہ عالمِ اَمر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماء وصفات کی تجلیات، الخ" یعنی عالمِ اَمر بے چونی کی وجہ سے جو کہ فی الجملہ عالمِ وجوب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے، اسی کی بناء پر سالک دِرایت (سمجھ ودانش) کی قلت کی وجہ سے عالمِ اَمر کی نورانیت کو عالمِ وجوب کی نورانیت تصور کر بیٹھتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں ایک سالک نے کہا ہے "کہ میں تیس (۳۰) سال تک رُوح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا"۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۴

[بعض سوالات کے جواب میں مُلا احمد برکی کی طرف صادر ہوا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرنا چاہے اپنے صاحبِ زمان کے حکم سے کرے تاکہ نیک نتیجہ حاصل ہو، اگرچہ شرعی کام ہوں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام مشروعات میں فرمان کا اُمیدوار ہے۔

میرے مخدوم! بزرگوں کی بات صحیح ہے۔ اور آپ کو اِذن حاصل کرکے ماذون کیا ہے، لیکن جاننا چاہیئے کہ نتیجہ سے مراد معتدبہ نتیجہ ہے نہ کہ مطلق۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بزرگوں کی بات صحیح ہے، اور آپ کو اِذن حاصل کرکے ماذون کیا ہے، الخ" یعنی اگرچہ تمام مشروع کاموں میں شریعتِ مقدسہ کی اجازت موجود ہے مگر صاحبِ زمان عارف، مجتہد کے درجہ میں ہوتا ہے اور تمام انسانوں کی استعداد متفاوت ہوتی ہے، پس صاحبِ زمان عارف ہر شخص کی استعداد کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اسے ایک شرعی اَمر کی اجازت دیتا ہے اور اسی طرح کسی دوسرے شخص کی عقل و فہم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی استعداد کے موافق اسے کسی دوسرے شرعی اَمر کی اجازت دے دیتا ہے کیونکہ آپ نے **تُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدۡرِ عُقُوۡلِھِمۡ** تو سُنا ہی ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اَمرِ متعدی کے لئے تو اجازت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اَمرِ لازمی کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اَمرِ متعدی سے مراد ہے ذکرِ قلبی، ذکرِ لسانی، توجہات، خلافت، مراقبات، ادائے نوافل اور قرآن عظیم الشان کی تلاوت وغیرہ کہ یہ تمام اُمورات ماموراتِ شرعیہ ہیں، مگر صاحبِ وقت عارف ہر کسی کی استعداد کو دیکھتے ہوئے ان اُموراتِ شرعیہ میں سے اسے کسی ایک یا متعدد اُمور کی اجازت فرماتا ہے تاکہ یہ اس سالک کی استعداد کے مطابق واقع ہو اور یہ حکم نوافل میں ہے۔ مختصر یہ کہ اَمرِ متعدی میں کامل شیخ کی طرف سے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اَمرِ لازمی سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر مسلمان مرد وزَن پر نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور کفار کی طرف سے حملہ کر دینے کی صورت میں مسلمانوں پر جہاد وغیرہ فرض کیا ہے لہٰذا ان میں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اَمرِ لازمی یعنی فرائض وواجبات کی ادائیگی کا ہر شخص مکلف ہے اس لئے اس میں اجازت کی حاجت وضرورت نہیں ہوتی۔

یہاں پر ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت مُلا احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھا ہے کہ "آپ کو اِذن حاصل کر کے ماذون کیا ہے، یعنی کسی سے اجازت لے کر آپ کو اجازت دی گئی ہے" تو اب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت سے کیا مراد لی جائے گی کہ آیا حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس خود صاحبِ زمان نہیں تھے بلکہ صاحبِ زمان کوئی اور شخص تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن سے اجازت لے کر حضرت مُلا احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ماذون فرمایا یعنی اس صورت میں تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس اِذن کا محض وسیلہ ہوئے۔ اس موضوع کی اصل کیا ہوگی؟

اس سوال کے دو جوابات ہیں:

اول: یہ کہ شاید حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس وقت صاحبِ زمان نہیں تھے بلکہ صاحبِ زمان کوئی اور شخص تھا۔

دوم: یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس خود اس وقت صاحبِ زمان تھے چونکہ اولیاء کرام و صاحبانِ زمان کی سُنن کے مطابق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد ہی حضرت مُلا احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ماذون فرمایا۔ اور یہ دوسری بات زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

غور طلب بات ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنی ذات کے لئے صاحبِ زمان، قطب و غوث اور خلیفہ کے الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ آپ (یعنی حضرت مُلا احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اجازت دے دی اور جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ چاہے کہ فلاں شخص خلیفہ ہے تو اس میں انسان کے دخل اندازی کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ وہ اس سے چھین لے۔ جب تک کوئی شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلاف ورزی نہ کرے تو اس سے نہ تو کوئی خلافت چھین سکتا ہے اور نہ ہی منصب اور قُرب و عزت۔ دورِ حاضر میں آپ نے قصص الاولیاء کی کُتب میں پڑھا ہو گا کہ فلاں پیر صاحب نے فلاں پیر یا خلیفہ سے ولایت چھین لی (نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ) حالانکہ یہ عطا کرنا اور چھین لینا یا عزت و ذلت دینے کا کام اللہ سبحانہٗ

وتعالیٰ کی ذات کے بغیر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ہمیں چاہیئے کہ تاریخ اور قصص کے پیچھے نہ جائیں بلکہ قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فرمودات پر عمل کریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

ترجمہ: اے اللہ جسے تُو دے اُس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جس سے تُو روک لے اُسے کوئی دینے والا نہیں اور تیرے مقابلے میں کسی بڑے کی بڑائی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ [1]

[نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں مرتبۂ عین جمیع یعنی احدیتِ ذات تعالیٰ سے ہے۔ پس رسالہ مبدأ ومعاد کی اس عبارت کے معنی کہ کعبۂ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے، کیا ہوں گے؟

میرے مخدوم! احدیتِ ذات سے مراد احدیتِ مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت وشان ملحوظ نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقتِ قرآن کا منشا صفتِ کلام ہے جو صفاتِ ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور حقیقتِ کعبہ کا منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات وصفات کی تلوینات سے بَر تَر ہے۔ اس لئے اس کی برتری کی گنجائش ہے۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو کافر ہوتا ہے کیونکہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے نہ کہ کعبہ کو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں سجدہ کے وقت لَکَ سَجَدْتُ (میں نے تیرے لئے سجدہ کیا) کہتے تھے۔ ضمیروں کا مدلول نفسِ

---

[1] (صحیح البخاری، ج۳، ص۳۴۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ذات ہے۔ پس رسالہ مبدأ و معاد کی اس عبارت کے معنی کہ کعبے کی صورت جس طرح اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے۔ اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی حقائقِ اشیاء کی مسجود ہے۔ کیا ہوں گے؟]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "احدیتِ ذات سے مراد احدیتِ مجردہ نہیں ہے، الخ" یعنی احدیتِ مجردہ سے مراد مرتبۂ وجوب ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت اور مراتبِ وجوب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات اور شیونات بھی شامل ہیں محض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات بابرکات مراد نہیں ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں حقیقتِ قرآنی کو صفت الکلام فرمایا ہے اور حقیقتِ کعبۂ ربانی کو شیونات سے بلند تر جانا ہے جبکہ دیگر مکاتیب میں حقیقتِ قرآن کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کا مبدأ وسعت فرمایا ہے اور حقیقتِ کعبۂ ربانی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدس کا ظہورِ تنزیہ (یعنی پاکیزگی کا مظہر) جانا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس گفتگو کے اختلاف کے عوامل احوال ومقامات کے اختلاف پر مبنی ہیں اور ان مقامات میں سے ہر ایک مختلف انواع میں منکشف ہوتا ہے اور ہر مقام ظل اور اصل کا حامل ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اس میں یہ ایک اَمر مسلم وثابت ہے کہ علماءِ ظواہر کی تالیفات ان کی جانب سے عالی ہوتی ہیں۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی تالیفات لکھتے وقت اس میں علمی تحقیق اور جستجو کرتے ہیں اس کے بعد وہ اس عنوان پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور پھر اسے تحریر میں لے آتے ہیں یعنی یہ لوگ کسی موضوع کا ابتداء ہی میں حل وفصل نہیں کرتے اور نہ

ہی اسے فوراً کتابت اور تحریر کی شکل میں ڈھالتے ہیں کیونکہ ان کی تحریر تحقیق و جستجو اور منقولات پر مبنی ہوتی ہیں۔ اسی بناء پر ان کی شان بلند ہے اور پھر وہ ان معلومات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس عارف کی گفتار اور کشفیات جو کہ مقام واحوال کے بارے میں ہوتی ہیں جو کہ اُن کے برابری سے کم تر ہے اس دلیل پر کہ عُرفائے کرام ایک دن ایک مقام واحوال میں ہوتے ہیں اور دوسرے دن کسی اور اعلیٰ مقام اور دوسرے احوال میں ہوتے ہیں تو اس وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے پہلے مکاتیب میں ابتدائی احوال اور دوسرے مکاتیب میں عالی مراتب کا حصول بیان کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گفتار بھی احوال و مقام کے تفاوت کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عارف کی گفتار علماء ظواہر کے مقام سے کم تر ہے، لہٰذا عارف کی تالیفات و مکتوبات ان کے ساتھ برابری کرنے میں کم درجہ رکھتی ہیں تو اس لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے اقوال میں اختلاف کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔

[میرے مخدوم! یہ عبارتوں کی فروگذاشتوں (صرفِ نظر) سے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ آدم مسجودِ ملائکہ ہے۔ حالانکہ سجدہ خالق کے لئے ہے نہ کہ اس کی کسی مخلوق و مصنوع کے لئے، خواہ کوئی مخلوق ہو۔

آپ کو اور آپ کے تمام دوستوں اور یاروں اور خاص کر مُلا پائندہ و شیخ حسن کو سلام ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ عبارتوں کی فروگذاشتوں سے ہے، الخ" یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ کعبۂ ربانی مسجود الیہ (یعنی جس کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے) ہے نہ کہ مسجود لہٗ (یعنی جس کو سجدہ کیا جائے)۔ مختصر خلاصہ یہ ہے کہ قرآن عظیم

الشان کی حقیقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کا مبدأ وسعت اور کعبۂ ربانی کی حقیقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدس کا ظہورِ تنزیہ (یعنی پاکیزگی کا مظہر) ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۵

[سُنتِ سنیہ کے زندہ کرنے اور نامرضیہ بدعت کے دور کرنے کی ترغیب میں مُلا طاہر لاہوری کی طرف لکھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو حافظ بہاؤ الدین کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا بہت خوشی حاصل ہوئی۔ یہ کس قدر بھاری نعمت ہے کہ محب و مخلص ہمہ تن حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں میں سے کسی سُنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اور منکرہ اور نامرضیہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دُور کرنے کے خواہاں ہوں۔ سُنت وبدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے نقص و نفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنے کا مستلزم ہے۔ یعنی سُنت کا زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب ہے، اور بالعکس۔

پس بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ، رفعِ سُنت کو مستلزم ہے۔ شاید حُسنِ نسبی یعنی اضافی کا کیا اعتبار ہو گا۔ کیونکہ حُسنِ مطلق وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام سُنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول وپسندیدہ ہیں۔ اور ان کے اضداد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات بدعت کے پھیل جانے کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا یہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سلطنت کے زمانہ میں جب دین کو رواج دیں گے۔ اور سُنت کو زندہ فرمائیں گے۔ تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت

بنائی ہو گی۔ اور اس کو حَسن خیال کرکے دین کے ساتھ ملالیا ہو گا۔ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو دُور کر دیا ہے۔ اور ہمارے مذہب وملت کو مار دیا ہے اور خراب کر دیا ہے۔ حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے، اور حسنہ کو سیئہ خیال کریں گے۔

ذَلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیہِ مَنۡ یَشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَ السَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ عَلٰی سَائِرِ مَنۡ لَّدَیۡکُمۡ

ترجمہ: اور آپ پر اور ان سب پر جو آپ کے پاس ہیں سلام ہو۔

نسیان فقیر پر غالب ہے معلوم نہیں رہا کہ آپ کا مکتوب کس کے سپرد تھا۔ تاکہ سوالوں کے موافق جواب لکھتا، معذور فرمائیں گے۔ میں شیخ احمد فرملی دوستوں میں سے ہے۔ چونکہ آپ کے قُرب وجوار میں رہتا ہے اس لئے اُمید ہے کہ اس کے حق میں التفات وتوجہ کو مدِ نظر رکھیں گے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا اس مکتوب میں حاصلِ فرمودہ یہ ہے کہ بدعات میں حَسن نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اور کچھ علماء جو بعض بدعات کو حَسن جانتے ہیں ان کی اس سے مُراد حُسنِ نسبتی ہے یعنی بدعتِ سیئہ کی بہ نسبت بدعتِ حسنہ ایک حد تک حُسن رکھتی ہے یعنی اس سے ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ یہ بدعت فی نفسہٖ حسن ہے، اس دلیل کی وجہ سے کہ کوئی بھی بدعت حسنہ نہیں ہوتی۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ۔

ترجمہ: تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا، لہٰذا تم میری سُنّت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا اور اسے داڑھوں سے پکڑ کر رکھنا، (یعنی اس پر مضبوطی سے قائم رہنا) اور اپنے آپ کو نو ایجاد (یعنی نئے پیدا شدہ) کاموں سے بچانا، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[1]

مختصر یہ کہ جن اُمورات کو حضراتِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کرنے کا حکم فرمایا ہو یا ان کو کیا ہو وہ ہمارے لئے سُنّت ہیں اور جن اُمورات کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد شروع کیا گیا ہو اگرچہ وہ حسنہ ہی کیوں نہ ہوں وہ بدعت ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ بدعت ہمیشہ نیکی کا رُوپ دھار کر دین کے رنگ میں آتی ہے۔ اسی لئے بدعتی اس کام کو نیکی، ثواب، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قُرب اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خوشنودی کا سبب سمجھتا ہے، جب تک بدعت نیکی کا رنگ نہ اپنائے تو اس وقت تک لوگ اس میں ملوث کس طرح ہوں؟ تو بدعت بدترین گناہ ہے اسی لئے ہر گناہ گار کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے مگر بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہر گنہگار جو گناہ کرتا ہے تو اس کو گناہ سمجھتا ہے، مثلاً زانی زنا کرتا ہے تو زنا کو گناہ سمجھتا ہے، چور چوری

---

[1] (مسند احمد، ج۴، ص ۱۲۶، الناشر: عالم الکتب-بیروت)

کرتا ہے گناہ سمجھ کر، قاتل قتل کرتا ہے تو قتل کو گناہ سمجھتا ہے،ڈاکوڈاکہ مارتا ہے گناہ سمجھ کر، جھوٹا شخص جھوٹ بولتا ہے،کوئی غیبت کرتا ہے،کوئی چغل خوری کرتا ہے تو اسے گناہ سمجھتا ہے۔ غرضیکہ ہر گناہ جو انسان کرتا ہے وہ اسے گناہ سمجھتا ہے، اس لئے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اُسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر بدعتی شخص بدعت کا عظیم اور گھناؤنا گناہ کرتا ہے، مگر اسے دین اور نیکی سمجھتا ہے تو اب وہ ایسی نیکی سے توبہ کیونکر کرے گا کیونکہ توبہ تو گناہوں سے کی جاتی ہے نہ کہ نیکی سے۔

سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسی حقیقت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إن الله حجب التوبة عن صاحب كل بدعة۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اُستاد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما زندگی کے آخری حصہ میں نابینا ہو گئے تھے، میں انہیں پکڑ کر مسجد میں لے جاتا تھا، ایک دفعہ ہم ایک مسجد میں داخل ہوئے اذان ہو چکی تھی کہ ایک شخص نے اذان کے بعد اَلصَّلٰوۃ اَلصَّلٰوۃ کے ساتھ تثویب شروع کر دی، یعنی وہ لوگوں کو نماز کی دعوت دے رہا تھا، اور لوگوں کو نماز کی طرف بلا رہا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سُنا تو

[1](المعجم الاوسط للطبرانی، ج۴، ص ۲۸۱، الناشر: دار الحرمین-القاھرۃ)

اس شخص سے فرمایا: تم پاگل ہو! تیری اذان میں نماز کی جو دعوت تھی کیا وہ لوگوں کو بلانے کے لئے کافی نہیں تھی؟

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَثَوَّبَ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ قَالَ اخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ۔

ترجمہ: میں (ایک بار) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں تثویب کی تو انہوں نے فرمایا مجھے یہاں سے لے چلو، بے شک یہ بدعت ہے (اور جہاں بدعت کا ارتکاب ہو میں وہاں نماز نہیں پڑھنا چاہتا)۔[1]

حضرت ابو موسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ مَسْجِدًا وَقَدْ أُذِّنَ فِيهِ، وَنَحْنُ نُرِيدُ أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِ، فَثَوَّبَ الْمُؤَذِّنُ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ: اخْرُجْ بِنَا مِنْ عِنْدِ هَذَا الْمُبْتَدِعِ۔ وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ. وَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللَّهِ التَّثْوِيبَ الَّذِي أَحْدَثَهُ النَّاسُ بَعْدُ۔

ترجمہ: میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دی جا چکی تھی، ہم اس میں نماز پڑھنا چاہتے تھے کہ اتنے میں مؤذن نے تثویب کی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد سے باہر نکل گئے اور کہا: اس بدعتی کے پاس سے ہمارے ساتھ نکل چلو، اور اس مسجد میں انہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس تثویب کو جسے لوگوں نے بعد میں ایجاد کر لیا تھا ناپسند کیا۔[2]

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۱۱، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

[2] (سنن الترمذی، ج ۱، ص ۳۷۸، الناشر: شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابي الحلبي-مصر)

غور طلب بات ہے کہ جس شخص نے اذان کے بعد اَلصَّلوٰۃ اَلصَّلوٰۃ کے ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بُلایا تھا اُس نے کسی کو گالی تو نہیں دی تھی نہ ہی اس نے کسی کو بُرا بھلا کہا تھا اور اس نے بظاہر کوئی بُرا کام بھی نہیں کیا تھا، بلکہ نماز جیسی افضل ترین عبادت کے لئے لوگوں کو بلایا تھا اور وہ اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ (کہ بھلائی کی دعوت دینے والا بھلائی کرنے والے کی طرح اجر و ثواب پاتا ہے) کا مصداق تھا اور دیکھنے میں اس کا یہ عمل نیکی اور ثواب کا کام لگ رہا ہے، مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس شخص کو بدعتی اور اس کے عمل کو بدعت فرمایا اور پھر اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے بھی نہیں رُکے۔

نیز دوسری جگہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ:

دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَإِذَا نَاسٌ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى قَالَ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ فَقَالَ بِدْعَةٌ۔

ترجمہ: میں اور حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسجدِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں گئے تو دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے ان لوگوں کی اس نماز کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ نماز بدعت ہے۔[1]

---

[1](صحیح البخاری، ج ۲، ص ۲۷۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس ارشاد اور فتویٰ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

أَنَّ مُرَادہ أَنَّ إِظْهَارهَا فِي الْمَسْجِد وَالِاجْتِمَاع لَهَا هُوَ الْبِدْعَة، لَا أَنَّ أَصل صَلَاة الضُّحَى بِدْعَة۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کرکے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع اور اہتمام کرنا بدعت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقصد یہ نہیں تھا کہ چاشت کی نماز ہی بدعت ہے۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ: الحَمْدُ لِلَّهِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَأَنَا أَقُولُ: الحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ، وَلَيْسَ هَكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَّمَنَا أَنْ نَقُولَ: الحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے کہا: الحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ یعنی تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور سلام ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: کہنے کو تو میں بھی الحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ کہہ سکتا ہوں لیکن اس طرح کہنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں نہیں سکھلایا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم یوں کہیں کہ الحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ یعنی ہر حال میں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔[2]

[1] (شرح نووی علی صحیح مسلم، ج۸، ص۲۳۷، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[2] (سنن الترمذی، ج۵، ص۸۱، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

سوچنے کا مقام ہے کہ وَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ جیسا پاکیزہ اور پیارا جملہ مگر چھینک آنے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ جملہ کہنا پسند نہیں فرمایا، کیونکہ چھینک کے بعد صرف الحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے منقول ہے۔ اور اسی پر اکتفاء کرنا دین کا تقاضا ہے۔ ثابت ہوا کہ چھینک کے بعد کوئی جملہ الحَمْدُ لِلّٰہِ سے زائد کہنا ثواب اور نیکی نہیں بنے گا، بلکہ بدعت اور گمراہی ہو گا۔

ان سب دلائل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ جو شخص بھی دین کا اور نیکی کا کوئی کام کرنا چاہتا ہے اُسے دیکھنا اور پرکھنا ہو گا کہ آیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ کام کیا تھا؟ یا اس کام کے کرنے کا حکم دیا تھا؟ اگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک زندگی اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں میں وہ کام ہوا، اور انہوں نے وہ کام کیا یا کرنے کا حکم دیا تو پھر وہ کام دین بھی ہو گا اور اس کے کرنے میں ثواب بھی ہو گا، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت کا سبب بھی ہو گا۔ لیکن اگر ان مقدس زمانوں میں اس طرح کے کسی عمل کا کوئی ثبوت اشارۃً کنایۃً بھی نہ ملے تو وہ بدعت میں شمار ہو گا اور بدعت سے اجتناب ہر حال میں ضروری ہے۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۶

[چند سوالات کے جواب میں یعنی اُس سوال کے جواب میں کہ قطب وقطب الاقطاب وغوب وخلیفہ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس سوال کے جواب میں کہ حدیث لَوِ اتّزِنَ إِيْمَانُ أَبِیْ بَکْرٍ کی کیا تحقیق ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں میاں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا، بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے پوچھا تھا کہ قطب وقطب الاقطاب وغوث وخلیفہ کے کیا معنی ہیں۔ اور ہر ایک ان میں سے کس کس خدمت پر مامور ہے اور اپنی خدمت کی نسبت اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور قطب الاقطاب کی بشارت جو عالمِ غیب سے پہنچتی ہے کچھ اصل رکھتی ہے یا کہ وہم وخیال کا اختراع ہے؟

جاننا چاہیئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کامل تابعداری کے باعث جب مقامِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصبِ امامت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور بعض کو صرف اس کمال کے حاصل ہونے پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفسِ حُصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب اور عدمِ منصب اور ان اُمور میں ہے جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب کامل تابعدار ولایتِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصبِ خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں، جس طرح کہ اوپر گزرا۔

یہ دونوں منصب کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کمالاتِ ظلیّہ میں منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصبِ خلافت کے مناسب قطبِ مدار کا منصب، گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں ان دونوں مقاموں کے جو اوپر میں ہیں ظِلّ ہیں۔

اور شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک غوث یہی قطبِ مدار ہے۔ اس کے نزدیک منصبِ غوثیت منصبِ قطبیت سے کوئی علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث، قطبِ مدار سے الگ ہے۔ بلکہ اس کے روز گار کا مدد و معاون ہے۔ قطبِ مدار بعض اُمور میں اس سے مدد لیتا ہے اور اَبدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دَخل ہے۔ اور قطب کو اس کے اعوان وانصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان وانصار قطبِ حکمی ہیں۔

اسی واسطے صاحبِ فتوحاتِ مکیہ لکھتا ہے کہ:

مَامِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِلَّا وَفِيْهَا قُطُبٌ۔

ترجمہ: مؤمنوں یا کافروں کا کوئی ایسا گاؤں نہیں ہے جس میں قطب نہ ہو۔ [1]

جاننا چاہیئے کہ صاحبِ منصب کو البتہ اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا اس کے لئے لازم نہیں کہ صاحبِ علم ہو۔ اور اپنی خدمت سے مطلع ہو۔ اور وہ بشارت جو عالمِ غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے۔]

---

[1] (الفتوحات المكية، الفصل السادس فی هجيرات الاقطاب ومقاماتهم المحمدية، الباب الثانی والستون واربعمائة فی الاقطاب المحمديين ومنازلهم، ج۷)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ قطب صاحبِ کشف ہوتا ہے اور جو عارف قطبیت کے کمالات پر مشرف ہو اور قطبیت کا منصب نہ رکھتا ہو اس کے لئے صاحبِ کشف ہونالازم نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں کشف کو علم سے تعبیر فرمایاہے،لہٰذا یہاں علم سے مراد کشف ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے اس مکتوب میں پہلا سوال قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے معنی، مفہوم اور مراد کے بارے میں کیا گیاہے۔ دورِ حاضر میں بعض رسالوں کو آپ نے دیکھاہو گا جن میں لکھاہو تاہے کہ قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کانہ توکوئی وجودہے اورنہ ہی ان کی کوئی شرعی حیثیت ہے بالخصوص غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ شرک اور گمراہی کے الفاظ ہیں۔اب اگر کوئی سوال کرے کہ کیاحضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی یہ گفتگو قرآن عظیم الشان اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے یانہیں؟

تواس کاجواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کافرمان ہے کہ:

وَإِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَۃِإِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَۃً(البقرۃ ۳۰)

ترجمہ: اور یاد کروجب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایامیں زمین میں اپنانائب بنانے والا ہوں۔

اگر کوئی کہے کہ یہ آیت تو حضرت آدم علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اُتری تھی لیکن اُن کے بعد اس دُنیامیں خلیفہ کاوجود نہیں رہاہے توپھر اس آیتِ مبارکہ کاکیاجواب دیں گے؟تو

جواباً عرض ہے کہ اس آیت کی تائید میں سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیثِ مبارکہ بھی موجود ہے کہ خلیفۃ اللہ، خلیفہ ٔرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور خلیفۃالقرآن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل تابعداری کی وجہ سے مقامِ نبوت کے اصلیہ کمالات کو مکمل کر لیتا ہے تو اسے اس کامل تابعداری کی وجہ سے امامت کے عہدہ سے ممتاز کر دیا جاتا ہے۔

خلیفہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مقامِ نبوت کی ولایت کے اصلیہ کمالات کو جب مکمل کر لیتا ہے تو اسے اس کامل تابعداری کی وجہ سے خلافت کے عہدہ سے ممتاز کر دیا جاتا ہے۔

مقامِ نبوت کے ظلیہ کمالات سے متصف ہونے والے کو قطبِ ارشاد سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور مقامِ نبوت کی ولایت کے ظلیہ کمالات کو طے کرنے والے کو قطبِ مدار سے مسمّٰی کیا جاتا ہے۔ جبکہ قطبِ مدار کو اس کے ممد و معاون و مددگار کی نسبت سے قطب الاقطاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور غوث اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے قطبِ مدار کے روزگار کا ممد و معاون ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إن الأبدال يكونونَ بِالشّام وهم أَرْبَعُونَ رجلا كلما مَاتَ مِنْهُم رجل أبدل الله مَكَانَهُ رجلا بهم يسْقِي الْغَيْث وينصر بهم على الْأَعْدَاءِ وَيصرف عَن أهل الأَرْض بهم الْبلَاء۔

ترجمہ: بلاشبہ اَبدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہیں جب بھی ان میں سے کوئی آدمی فوت ہو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا آدمی مقرر فرما دیتا ہے، ان ہی کے سبب اللہ تعالیٰ بارش برساتا

ہے، ان ہی کے سبب دُشمنوں کے خلاف مدد فرماتا ہے اور ان ہی کے سبب اہلِ زمین سے بلائیں اور مصیبتیں دور فرماتا ہے۔ [1]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے انہوں نے فرمایا:

ان الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام كَانُوا أوتاد الأَرْض فَلَمَّا انْقَطَعت النُّبُوَّة أبدل الله تَعَالَى مكانهم قوما من أمة أَحْمد يُقَال لَهُم الآبدال لم يفضلوا النَّاس بِكَثْرَة صَوْم وَلَا صَلَاة وَلَا تَسْبِيح وَلكِن بِحسن الْخلق وبصدق الْوَرع وَحسن النِّيَّة وسلامة قُلُوبهم لجَمِيع الْمُسلمين والنصيحة لله تَعَالَى ابْتِغَاء مرضاته بصبر وحلم ولب وتواضع فِي غير مذلة فهم خلفاء من الْأَنْبِيَاء قوم اصطفاهم الله تَعَالَى لنَفسِهِ واستخلصهم بِعِلْمِهِ لنَفسِهِ وهم أَرْبَعُونَ صديقا مِنْهُم ثَلَاثُونَ رجلا على مثل يَقِين إِبْرَاهِيم خَلِيل الرَّحْمَن بهم تدفع المكاره عَن أهل الأَرْض والبلايا عَن النَّاس وبهم يمطرون وبهم يرْزقُونَ لَا يَمُوت الرجل مِنْهُم أبدا حَتَّى يكون الله تَعَالَى قد أنشأ من يخلفه۔

ترجمہ: بلاشبہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات زمین کے اوتاد ہیں اور جب نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت سے ایک جماعت کو ان کا بدل بنا دیا۔ انہیں ابدال کہا جاتا ہے، ان لوگوں کو یہ فضیلت کثرتِ صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں دی گئی، بلکہ حُسنِ خلق، صدق وورع، حُسنِ نیت، تمام مسلمانوں کے لئے دِلوں کے صاف اور سلامت ہونے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہنے کے لئے انہیں صبر، حلم، دانشمندی اور بغیر کسی ذِلت کے تواضع وانکساری اختیار کرنے کی نصیحت کرنے کے سبب انہیں فضیلت دی گئی۔ اور وہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے خلفاء ہیں، وہ ایسی قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے چُن لیا ہے اور انہیں اپنی ذات کے بارے میں اپنے علم کے ساتھ خالص اور مختص کر لیا ہے۔ اور

---

[1] (نوادر الأصول فی احادیث الرسول، ج۳، ص ٦٣، الناشر: دار الجیل - بیروت)

وہ چالیس صدیق ہیں، ان میں سے تیس آدمی حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یقین کی مثل پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سبب اہلِ زمین سے مصائب اور لوگوں سے آفات اور آزمائشوں کو دور فرماتا ہے اور ان کے سبب اہلِ زمین پر بارش برسائی جاتی ہے اور انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی آدمی فوت نہیں ہوتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایسا آدمی پیدا فرمادے جو اس کا خلیفہ اور نائب ہوگا۔[1]

حضرت امام احمد بن علی ابو بکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سُنا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ:

النقباء ثلاثمائة، والنجباء سبعون، والبدلاء أربعون، والأخيار سبعة، والعمد أربعة، والغوث واحد، فمسكن النقباء المغرب، ومسكن النجباء مصر، ومسكن الأبدال الشام، والأخيار سياحون في الأرض، والعمد في زوايا الأرض، ومسكن الغوث مكة، فإذا عرضت الحاجة من أمر العامة ابتهل فيها النقباء، ثم النجباء، ثم الأبدال، ثم الأخيار، ثم العمد، ثم أجيبوا وإلا ابتهل الغوث، فلا يتم مسألته حتى تجاب دعوته۔

ترجمہ: نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، العمد چار اور غوث ایک ہے (یعنی اپنے عصرِ زمان میں)۔ نقباء کا ٹھکانہ مغرب میں، نجباء کا مصر میں اور ابدال کا شام میں ہے اور اخیار زمین میں سیاحت کرتے ہیں، عمد زمین کے کونوں میں ہوتے ہیں اور غوث کا مسکن مکہ مکرمہ ہے۔ پس جب تمام لوگوں کو کسی معاملہ کی حاجت پیش آتی ہے تو اس سلسلے میں نقباء بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں پھر نجباء، پھر ابدال، پھر اخیار اور پھر عمد، اگر ان کی دُعا قبول ہو جائے تو ٹھیک ورنہ

[1](نوادر الأصول في أحاديث الرسول، ج ١، ص ٢٦٢، الناشر: دار الجيل - بيروت)

غوث گڑگڑا کر دُعا مانگتا ہے اور اس وقت کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے وہ مسئلہ اور پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔[1]

[نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس ایمان سے جو حدیث:

لَوِ اتَّزِنَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ مَعَ إِيْمَانِ أُمَّتِيْ لَرَجَحَ۔

ترجمہ: اگر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان میری اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو البتہ غالب آجائے۔[2]

میں واقع ہے، کیا مراد ہے اور اس کی ترجیح کا کیا سبب ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ایمان کا رُجحان مُؤْمَنْ بِهٖ کے رُجحان کے باعث ہے۔ چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا متعلق تمام اُمت کے ایمان کے متعلقات سے بَرتَر ہے۔ اس لئے راجح وغالب ہو گا۔

---

[1] (تاریخ بغداد، ج۳، ص ۲۸۹، الناشر: دار الکتب العلمية - بیروت)

[2] (الدرر المنتثرة فی الأحادیث المشتهرة، حرف اللام، حدیث نمبر ۳۵۰، ج ۱ میں ان الفاظ لَوْ وُزِنَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ بِإِيْمَانِ النَّاسِ لَرَجَحَ سے، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، باب الاصل الثالث والخمسون، فصل فی ان الکبائر لا تجامع طمانية القلب باللہ تعالیٰ، ج ۱، شعب الایمان، باب القول فی زیادة الایمان ونقصانه وتفاضل اهل الایمان فی ایمانهم، حدیث نمبر ۳۵، ج ۱، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، من ابتداء اسمه عین، من اسمه عبداللہ عبداللہ بن عبدالعزیز بن ابی رواد، حدیث نمبر ۱۰۳۹۰، ج۶، میں ان الفاظ لَوْ وُزِنَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ بِإِيْمَانِ أَهْلِ الْأَرْضِ لَرَجَحَ سے، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الایمان وقول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس، ج ۱، تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب فی استکمال الایمان وزیادته ونقصانه، ج۷ میں ان الفاظ لَوْ وُزِنَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ مَعَ إِيْمَانِ جَمِيْعِ الْخَلْقِ لَرَجَحَ سے، احیاء علوم الدین، کتاب آفات اللسان، ج۳ میں ان الفاظ لَوْ وُزِنَ إِيْمَانُ أَبِيْ بَكْرٍ بِإِيْمَانِ الْعَالَمِيْنَ لَرَجَحَ سے درج ہیں)

میرے مخدوم! عروجات میں معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اگر ایک نقطہ زیادہ بلند جائیں تو وہ کمالات جو اس ایک نقطہ کے عروجات کے باعث حاصل ہوتے ہیں تمام گزشتہ کمالات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ نقطہ اپنے تمام ماتحتوں سے افزوں تر ہے۔ یہی حال اُس نقطہ کا ہے جو اس نقطہ کے ماتقدم کے اوپر ہے۔ کیونکہ نقطہٗ ماتقدم بمع اپنے ماتحت کے نقطہٗ فوق کے مقابلہ میں حقیر ونقیر ہے۔ تو اس قیاس پر جس کے ایمان کا متعلق کمالِ فوق ہو وہ بے شک اپنے تمام ماتحت سے راجح وغالب ہو گا۔ اسی بناء پر کہتے ہیں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ ایک لحظہ میں تمام ماتقدم کمالات کو حاصل کرلیتا ہے۔ اور فقیر کی تحقیق کے اندازہ کے موافق ایک لمحہ میں تمام ماتقدم کمالات سے زیادہ حاصل کرلیتا ہے۔

ذَلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیہِ مَنۡ یَشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور نیز پوچھا تھا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اس کے تابعداروں نے لکھا ہے کہ جس قدر لڑکے حضرت موسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب قتل کئے گئے ہیں ان سب مقتولوں کی استعدادیں حضرت موسٰی علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گئیں، اس بات کی حقیقت مفصل طور پر لکھیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ درست ہے کیونکہ تحقیق سے لکھا ہے کہ جس طرح ایک شخص کو جماعت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ اسی طرح جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ پیر اگرچہ مُریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے، لیکن مُرید بھی پیر کے کمالات کا سبب ہیں اس مطلب کو فقیر ماکولات ومشروبات میں بھی جن کو اپنے بدن کا اجزا بناتا

تھا محسوس کر تا تھا، کہ جو طعام اور پینے کی چیز کھاتا پیتا تھا، استعداد کی جامعیت کا سبب ہو تا تھا، اور ایک الگ قابلیت پیدا کر تا تھا۔ اور جب کبھی ماکولات لذیذۃ کے چھوڑنے کا قصد کر تا تھا تو روک دیا جاتا تھا۔ اور اس جامعیت اور قابلیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اس لذیذ طعام کو چھوڑنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اور بسا اوقات ایسا معلوم ہو تا ہے کہ ایک کی استعداد دوسرے میں کُلی اور جزئی طور پر انتقال کر جاتی ہے، اور محسوس ہو تا ہے کہ ایک خالی ہے اور دوسری جمعیت سے پُر ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ نجم الدین کُبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مُرید کو ایک بزرگ کے پاس بھیجا تاکہ اس کے ذریعے معلوم کریں کہ آپ کس پیغمبر علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تیرا جہود کس کام میں ہے، شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس عبارت سے یہ مطلب کس طرح سمجھ لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جہود، یہود کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت تھے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ نفحات میں لکھا ہے کہ چار آدمیوں کے سوال تمام اولیاء کی ولایت مَرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ ولایت سے مراد تصرفات اور کرامات کا ظہور ہو گا نہ کہ اصلِ ولایت جو قُربِ الٰہی سے مراد ہے۔ اور نیز سلب سے مراد کرامات کے بکثرت ظاہر ہونے کا سلب ہو گا نہ کہ اس ظہور کے اصل کا سلب۔ چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت مجال ہے معلوم نہیں کہ آپ نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا ہے۔ آپ نے اولیاء کی بعض کرامات کا ظہور طلب فرمایا تھا، آپ منتظر رہیں۔

سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جلدی تنگی کے بعد فراخی لائے گا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ نیشاپوری میں لکھا ہے: (اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ) یعنی شَانِئَکَ یا کے ساتھ ہے یا ہمزہ (ء) کے ساتھ۔ اس کی تحقیق کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ شَانِئَکَ ہمزہ کے ساتھ ہے اور جس نے یاء سے لکھا ہے وہ غیر مشہور قرأت ہو گی۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی یعنی ذِکر کی طلب ظاہر کرتی ہیں، اگر محرمات ہیں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اہلِ حدیث نے ہر مہینہ میں منحوس ایّام مقرر کئے ہیں۔ اور اس بارہ میں حدیث نقل کرتے ہیں، فرمائیں کس طرح کرنا چاہیئے۔

جاننا چاہیئے کہ فقیر کے والد قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبد اللہ و شیخ رحمت اللہ جو اکابر محدثین سے تھے، اور حرمین میں شیخین کے لقب سے مشہور تھے، کسی تقریب پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح صحیح بخاری نے نقل کیا ہے، لیکن ضعیف ہے۔

صحیح حدیث اس بارے میں یہ ہے:

اَلْأَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰہِ وَ الْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: دن اللہ تعالیٰ کے دن ہیں اور بندے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

نیز فرماتے تھے کہ دِنوں کی نحوست رحمتِ عالمیان علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے دور ہو گئی۔ اَیّامٍ نَحِسَاتٍ یعنی منحوس دن گذشتہ اُمتوں کی نسبت تھے، اور فقیر کا عمل بھی اسی پر

ہے۔ اور کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا، جب تک کہ اس کی ترجیح شارع سے معلوم نہیں کرتا، جیسے کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ وہ معارف جو بارِ نبوت کو برداشت کرنے سے تعلق رکھتے ہیں خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے۔ آپ ان کو کہاں پا سکیں کیونکہ مکتوب ان ہی دنوں میں لکھا گیا ہے اور اس کی نقل ابھی آپ کو نہیں پہنچی۔ مکتوب بہت لمبا ہے، شاید ایک جزو سے زیادہ ہو گا۔ فقیر نے اس کی نقل آپ کی طرف بھیجنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا متعلق تمام اُمت کے ایمان کے متعلقات سے بَرتَر ہے۔ اس لئے راجح وغالب ہو گا، الخ" یعنی ایمان کی تین اقسام ہیں:

اول: ایمانِ تقلیدی یعنی اہلِ اسلام میں عوام الناس کا ایمان۔

دوم: ایمانِ استدلالی یعنی اہلِ اسلام میں علماء کرام کا ایمان۔

سوم: ایمانِ شہودی یعنی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام بزرگانِ اسلام کا ایمان۔

ایمانِ شہودی میں راجح ایمان فوقیت کی وجہ سے ایمان کا متعلق ہے اور ولایتِ صغریٰ میں اولیاء کرام کے ایمانِ شہودی کا متعلق صفات کا ظلال ہے اور ولایتِ کبریٰ میں ان کے ایمان کا متعلق خود صفاتِ مقدسہ ہیں اور ولایتِ عُلیا میں ان کے ایمان کا متعلق شیوناتِ ذاتیہ ہیں اور کمالاتِ نبوت کے وصول کے وقت ان کے ایمان کا متعلق حق تعالیٰ کی ذات بحت ہے۔ اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ

صفاتِ مقدسہ کا سیر و شہود سے قطع ایک نقطہ تمامی ظلال کی سیر سے اَرجح ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عروج بلند ترین عروجات میں سے ہے تو اس لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان بھی راجح ہے۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ساری دُنیا کے اولیاء کرام مل کر بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

کیونکہ عقائد کی کتب میں فرمایا گیا ہے کہ:

أفضل البشر بعد نبينا أبو بكر الصديق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه والأحسن أن يقال: بعد الأنبياء الذي صدق النبي صلى الله عليه وسلم في النبوة من غير تلعثم وتردد وفي المعراج بلا تردد۔

ترجمہ: ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ بعد الانبیاء علیہم السلام کہا جائے جنہوں نے نبوت کے بارے میں بغیر توقف کے اور معراج کے بارے میں بغیر تردّد کے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تصدیق کی۔[1]

یعنی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ساری اُمت میں سب سے بہترین، لائق ترین، اعلیٰ ترین اور خلافت کی اوّل حقدار شخصیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۸۵، مكتبة أهل السنة والجماعة)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:
وَاللّٰہِ إِنَّ إِمَارَةَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ لَفِي الْكِتَابِ (وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا) (التحریم ۳) قَالَ لِحَفْصَةَ: أَبُوكِ وَأَبُو عَائِشَةَ وَالِيَا النَّاسِ بَعْدِي، فَإِيَّاكِ أَنْ تُخْبِرِي أَحَدًا۔

ترجمہ: قسم بخدا! بے شک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ذکر کتاب اللہ میں ہے: وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: تیرا باپ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ میرے بعد لوگوں کے والی ہوں گے اور تُو اس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ دینا۔[1]

اور وہ جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکایت کی شرح میں فرمایا ہے تو ان کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اسافیل (پست) استعدادات بلند استعدادات کی تکمیل کا سبب ہوتے ہیں، جس طرح انواع واقسام کی غذائیں عارف کی تکمیل کا سبب ہوتی ہیں یعنی ماکولات (کھانے کی چیزیں) یہ دوسرے لوگوں کے لئے تو جسم کی تقویت کا سبب ہوتی ہیں مگر عُرفاء کے لئے رُوح کی تقویت کا سبب ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

این خورد گردد پلیدی زو جُدا
آن خورد گردد ہمہ نورِ خُدا

---

[1] (فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم الاصبہانی، ج ۱، ص ۱۴۵، الناشر: دار البخاري للنشر والتوزیع، المدینة المنورة)

سعی کن تالقمہ راسازی گہر

بعد ازاں چندانکہ میخواہی بخور

ترجمہ: اگر عالم لوگ یہ غذا کھائیں تو گندگی بن کر ان سے جدا ہوتی ہیں اور اگر عارف وہ غذا کھائیں تو سب کا سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نور بن جاتا ہے۔ کوشش کرو کہ جو لقمہ یا نوالہ آپ کے منہ میں جارہا ہے وہ موتی بن جائے اس کے بعد آپ جتنا چاہیں کھائیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان بالکل درست اور بجا ہے۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة ۲۹)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

تمام زمینی اشیاء سے انتفاع (یعنی فائدہ اُٹھانا) صرف صُوری انتفاع پر ہی منحصر نہیں ہے، بلکہ اس سے معنوی اور رُوحی انتفاع بھی حاصل ہوتا ہے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ خود صاحبِ کشف نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اپنے مشرب کو اپنے ایک دوسرے عزیز سے دریافت کیا ہے اس کے باوجود حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ولی تراش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کے سینے سے کئی سالکین مستفید ہو کر مقامِ ولایت کو پہنچے اور یہ بات حقیقت ہے کہ ولایت کی قوت کشف سے مربوط نہیں ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ عین ممکن ہے کہ حضرت شیخ ابتداء میں صاحبِ کشف نہ ہوں مگر بعد میں صاحبِ کشف ہوگئے ہوں۔ لہٰذا حضرت شیخ کی کسی دوسرے شخص سے یہ معلومات دریافت کرنا بجا ہوں گی۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین

کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس وقت بھی عروج سے نزول فرماتے تھے تو اس دوران ان کی نظر جس کسی پر بھی پڑتی تھی تو وہ شخص ولی بن جاتا تھا۔ حتٰی کہ کہا گیا ہے کہ ایک دن نزول کرتے وقت حضرت شیخ کی نظر ایک کُتے پر پڑی اس کتے میں بھی محبتِ الٰہی کے اثرات پیدا ہو گئے اور وہ ہمیشہ مراقبہ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں غرق رہتا تھا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں فرمایا گیا ہے کہ:

یک نظـــر کن تا کہ مستغنی شوم زابنـائے جنـــس

سگـــــ چو شـد منظور نجم الدین ســگاں را ســـرور است

ترجمہ: (اے اہلِ نظر) مجھ پر ایک نظر کرم فرمائیں تا کہ مجھے ابنائے جنس (اپنے جیسے انسانوں) سے چھٹکارا حاصل ہو جائے جس طرح ایک کُتا نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک ہی نظر سے دوسرے کتوں کا سردار بن گیا۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۷

[مجمل طور پر طریقوں کے بیان میں میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو شیخ احمد فرملی کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے وہ رسالہ جس میں طریقہ بیان ہے طلب فرمایا تھا۔ ابھی اس کے مسوّدے پڑے ہوئے ہیں اگر خدا نے توفیق دی تو بیاض میں لکھ کر بھیجا جائے گا۔ فی الحال مختصر طور پر چند فقرے طریقہ کے بیان میں لکھتا ہے، گوشِ ہوش سے سُنیں۔

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کی سیر کی ابتداء قلب سے ہے۔ قلب سے گزر کر مراتبِ رُوح میں جو اس سے اوپر ہے سیر واقع ہوتی ہے۔ اور روح سے گزر کر یہ معاملہ سِر کے ساتھ جو اس کے اوپر ہے پڑتا ہے۔ یہی حال خفی اور اخفٰی میں ہے۔

ان لطائفِ پنجگانہ کی منزلوں کے طے کرنے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق جُدا جُدا علوم و معارف کے حاصل ہونے اور اُن احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ میں سے ہر ایک کے ساتھ جُدا جُدا مخصوص ہیں متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ لطائف کے اُصول میں جو عالمِ کبیر میں ہیں سیر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ عالمِ صغیر میں ہے اس کا اصل عالمِ کبیر میں ہے۔ عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے مجموعہ کائنات۔ اور پنجگانہ لطائف کے اصول میں سیر کا آغاز عرشِ مجید سے ہے جو انسان کے قلب کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر روحِ انسانی کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر سِرِّ انسانی کا اصل ہے۔ اور اصلِ سِرّ کے اوپر خفی کا اصل ہے اور اصلِ خفی کے اوپر اخفٰی کا اصل ہے۔

جب عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کو مفصل طور پر طے کر کے اس کے اخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں اس وقت دائرۂ امکان تمام طے ہو کر فنا کی منزلوں میں سے اوّل منزل میں قدم رکھا جاتا ہے۔

بعد ازاں اگر ترقی واقع ہو تو اسماء وصفاتِ واجب تعالیٰ کے ظلال میں سَیر واقع ہو گی۔ اور یہ ظلال وجوب وامکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔ اور عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کے لئے اُصول کی مانند ہیں۔ اور ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سَیر ہو گی۔ جس طرح ان کے فروع میں ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اللہ جل شانہٗ کے فضل سے ان ظلال کی بہت سی منزلوں کو بھی طے کر کے ان کے اَخیری نقطہ تک پہنچ جائیں تو پھر اسماء وصفاتِ واجب تعالیٰ میں سیر شروع ہو گی۔ اور اسماء وصفات کی تجلیات ظاہر ہوں گی۔ اور شیون اور اعتبارات کا ظہور جلوہ فرمائے گا۔ اس وقت عالمِ اَمر کے پنجگانہ لطائف کا معاملہ سب کا سب طے ہو جائے گا۔ اور ان کا حق ادا ہو چکے گا اس کے بعد اگر خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہو جائے تو نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑے گا۔ اور مقامِ رضا جو سلوک کے مقامات میں سے نہایت کا مقام ہے حاصل ہو جائے گا۔ اس مقام میں شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں، اور وہ کمالات جو اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں وہ کمالات جو عالمِ اَمر سے متعلق ہیں ایسے ہیں جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہر لطیفہ کا ایک اصل ہوتا ہے اور ایک فرع۔ لٰہذا ہر سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ میں اصل وفرع تلاش کرے کیونکہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ وہ طریقہ ہے جس میں سالک خود محسوس کرتا ہے کسی دوسرے سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں رکھتا کہ میں اصل کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں یا فرع کے ساتھ؟

قلب کی دو اقسام ہیں: ایک قلبِ صنوبری ہے اور دوسرا قلبِ اصلی (اسے قلبِ حقیقی بھی کہتے ہیں)۔

قلبِ صنوبری تو انسان کے بدن میں موجود گوشت کے اُس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس سے انسان کا ظاہری بدن زندہ رہتا ہے، کیونکہ اسی سے انسان کے سارے بدن میں خون کی رَسد ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ انسان کے بدن کا ایک اہم ترین عضو ہے۔ اور قلبِ حقیقی وہ ہے جو قلبِ صنوبری کے اندر پنہاں ہے لیکن ایک طرح کی بیچونگی رکھتا ہے اور یہ دوسرے مؤمن کے لئے آئینے کی حیثیت رکھتا ہے۔

جیسا کہ اس حدیثِ مبارکہ میں وارد ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ۔

ترجمہ: (ایک) مؤمن (کا قلب دوسرے) مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔[1]

اس حدیثِ مبارکہ میں قلب سے مراد قلبِ حقیقی ہے اور یہ تفصیل لطیفۂ قلب میں اصل و فرع کو بیان کرتی ہے۔

نیز دوسری حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ

[1] (سنن ابی داؤد، ج۴، ص ۴۳۲، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمارہے تھے حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے چنانچہ جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو کوئی ان مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو شاہی چراگاہ کے آس پاس (اپنے جانوروں کو) چرائے، قریب ہے کہ چراگاہ کے اندر اس کا جانور داخل ہو جائے۔ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ خبر دار! اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی زمین میں حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سُن لو! بدن میں ایک ٹکڑا (گوشت کا) ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو! وہ ٹکڑا دل ہے۔[1]

حضرت عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فیض خواہی در وداعِ الفت زنگار کوش
چوں صفات آئینہ ات گیرد جہانِ دیگری

ترجمہ: اگر آپ میں سے کوئی فیض حاصل کرنے کا خواہش مند ہو تو اُسے چاہیئے کہ اپنے دِل کا زنگ صاف کرنے کی کوشش کرے تاکہ صفات سے اس کے دِل کے آئینہ (یعنی قلبِ حقیقی) پر انوارات کا ظہور ہو۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

روح کی بھی دو اقسام ہیں: ایک روحِ حیوانی ہے اور دوسری روحِ انسانی۔

روحِ حیوانی جو کہ حِس و حرکت اور ارادے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور یہ تمام حیوانات میں موجود ہے اور اس روح کا اصلی مرکز خون ہے۔ روحِ انسان کی اصل سے انسانیت حاصل ہوتی ہے اور اگر کوئی اس کی فرع میں قید ہے تو اس سے حیوانی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أُولَئِکَ کَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹)

ترجمہ: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

حیوانات میں نجاست کے اعتبار سے خنزیر کے بعد کُتا آتا ہے حالانکہ کُتے میں کچھ اچھے خواص بھی ہیں اور بُرے بھی۔ کتے کے اچھے خواص میں سے ایک خاصیت اس کا صبر ہے آپ جتنے بھی دِن اس کو کھانا نہ کھلائیں تو یہ آپ کے گھر سے نہیں جائے گا۔ اس کی دوسری خاصیت وفا ہے اگر آپ کتے کو مار بھگانے کی کوشش کریں تو وہ آپ کے گھر سے نہیں جائے گا۔ تیسرا اگر آپ اسے کسی جگہ بٹھائیں گے تو یہ اس جگہ سے نہیں اُٹھتا جب تک مالک اسے نہ کہے اور کتے کے بُرے افعال میں سے اس کا ایک فعل یہ ہے کہ کتا حرام اور مُردار چیز کھاتا ہے لیکن جب انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُور ہو جائے تو کسی بھی حرام فعل سے منہ نہیں موڑتا۔ حرام کے اس فعل میں کتے اور انسان کا فعل ایک ہی طرح کا ہے۔ دوسرے یہ کہ کتا جب کوئی مُردار گوشت کھاتا ہے تو اس کے ساتھ ہڈی کو بھی کھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر اس مُردار کے نزدیک سر رکھ کر سو جاتا ہے۔ جب اس مردار گوشت کو کھانے کے لئے دوسرے کتے آتے ہیں تو یہ ان سے جھگڑنا شروع کر دیتا ہے اور انہیں گوشت کھانے نہیں دیتا۔ تیسرا جب گوشت سے اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو یہ باقی

بچے ہوئے کو زمین کھود کر اس میں دبا دیتا ہے تاکہ کوئی اور اسے نہ کھا سکے اور انسان میں بھی یہ خواص پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب اس کے پاس مال واسباب کی بہتات ہو جائے تو جگہ جگہ چھپانے کی تگ ودَو میں لگا رہتا ہے اور اس مال کو کسی دوسرے مسلمان پر خرچ نہیں کرتا۔

تو یہاں ان پر وہی آیت صادق آتی ہے جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹)

ترجمہ: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

جب انسان کی روح حیوانیت سے نکل کر انسانی خواص پالے تو وہ ہمیشہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو کر حرام چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، بلکہ مشتبہ کاموں سے بھی اجتناب کرتا ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسی چیز اس کے پیٹ میں داخل ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے فوراً قے اور الٹی کے ذریعے اس کے معدے سے خارج کر دیتا ہے تاکہ اس کا ظاہر و باطن اور اس کی اولاد اور نسل پلید نہ ہو جائے۔ جس طرح انواع واقسام کی غذائیں دوسرے لوگوں کے لئے تو جسم کی تقویت کا سبب بنتی ہیں مگر عارف کے لئے یہ غذائیں اس کی روح کی تقویت کا سبب بنتی ہیں۔ عام لوگ جب یہ غذا کھاتے ہیں تو یہ اُن سے گندگی کی صورت میں خارج ہوتی ہے مگر عارف جتنی بھی غذا پیٹ بھر کر کھائے وہ سب کا سب نُور بن جاتی ہے۔ روحِ انسانی والا شخص ہمہ وقت گناہوں سے توبہ واستغفار میں مصروف رہتا ہے اور جب اس کے پاس پیسہ آجائے تو یہ اسے جمع نہیں کرتا بلکہ یہ صدقات وخیرات کے ذریعے ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرنے کے درپے رہتا ہے کیونکہ یہ پیسہ اس کو اپنی جیب میں انگارے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ یہ مندرجہ بالا بیان اور حالات وکیفیات ولایتِ صغریٰ اور ولایتِ کبریٰ کی درمیانی حالت و کیفیت ہے۔

جب سالک اپنے قلب سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بیچون وبیچگون یاد کرتا ہے تو اس کے قلبِ صنوبری میں شیخ کی توجہ کی وجہ سے حرکت کے ساتھ دَرد پیدا ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سالک کا قلبِ حقیقی جاگ گیا ہے مگر اس بات کا خیال رہے کہ یہ سب ظلال کی کیفیت ہے اور یہاں سے قلبِ اصلی کے ذریعے سے قلبِ فرعی کی صفائی کی ابتداء ہو جاتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ بقیہ تمام لطائف کی کیفیت بھی اسی طرح ہے۔ اس بات سے سلک یہ مراد نہ لے کہ اس کا قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ کے کسی لطیفہ میں دَرد اور حرکت محسوس کرنے کی وجہ سے یہ سالک ولی بن گیا ہے۔ بلکہ یہ صرف سالک کے لئے ایک خوشخبری ہے کہ آپ کے فلاں لطیفہ کو اپنی اصل یاد آگئی ہے۔ اس کے بعد سالک کو چاہیئے کہ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی میں مزید سعی وکوشش جاری رکھے، کیونکہ یہ سب عالمِ صغیر کی ظلی اور فرعی کیفیات ہیں اور یہ سالک ابھی تک اصل تک نہیں پہنچا کیونکہ جب یہ سالک اصل تک پہنچ جائے گا تو درد کے ساتھ بھی آشنا ہو جائے گا یعنی ہر غم ومصیبت اور سختی میں صبر واستقامت کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتا ہے کیونکہ اسے راحت وخوشی کی بہ نسبت غم ومصیبت اور سختی میں زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مصائب میں صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے اور راحت وخوشی میں تو نفس بھی حصہ دار ہوتا ہے۔ سالک کی ظل سے اصل میں ترقی کی یہ کیفیات ولایتِ کبریٰ سے شروع ہو کر ولایتِ ملاء الاعلیٰ تک ہوتی ہیں تو اس لئے سالک کو لطائف میں درد اور حرکت پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ ظلی کیفیات ہیں اس میں سالک کا نفس مزکی نہیں ہوتا بلکہ سَرکش رہتا ہے اور کسی بھی وقت اس سے خرابی رونما ہو سکتی ہے۔ اور جو سالک اصل تک پہنچ جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان پنجگانہ لطائف کا تعلق عالمِ کبیر میں ممکنات

(ملائکہ وانس، عرش وفرش، جنت ودوزخ، لوح و قلم اور زمین وآسمان وغیرہ) کے ساتھ ہے۔ اور جب سالک قلب کی اصل پر فائز ہو جائے تو پھر اس کی پرواز عرشِ مجید سے اوپر واقع ہوتی ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر سالک کو یہ کیفیت نصیب فرمائے، آمین۔

دورِ حاضر میں اکثر سالکین اپنے مشائخ سے یہ تمنا کرتے ہیں کہ حضرت میرا اَرمان ہے کہ مجھے کشف کی دولت مل جائے اور میں نے اس کے لئے بہت کوشش بھی کی ہے مگر میرا کشف نہیں کھلتا۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ اگر آپ کا کشف کھل جائے تو آپ کیا کریں گے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں کے دِلوں اور اہلِ قُبور کے حالات سے واقفیت حاصل کر لوں گا۔ کیونکہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "وہ شخص مُرید نہیں جو دوسرے کے قلب سے واقف نہ ہو" لیکن ابھی تک اس عقل کے اندھے کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی اس فرمان سے کیا مراد ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک سالک کے قلبِ صنوبری کو وقوف حاصل نہ ہو جائے وہ مُرید نہیں ہے یعنی مراد نہیں ہے۔ مُرید تو وہ ہوتا ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وصل کا ارادہ رکھتا ہو اور مُراد وہ ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وصل کو پالے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو مُراد کے معنی پر لیا ہے۔

اور حصولِ کشف سے اُس کی دوسری مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اولیاءاللہ کو پہچان لے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ مقولہ سُنا ہے کہ ولی را ولی می شناسد "یعنی ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے" تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایک ولی دوسرے ولی کی طرف اپنے قلب کو متوجہ کرے تو فوراً اس ولی کا قلب دوسرے ولی کے قلب کے ساتھ رابطہ کر کے اللہ، اللہ کا ذِکر شروع کر دیتا ہے یا اس میں دَرد شروع ہو جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ کشف کے خواہشمند شخص کی یہ تمنا اور کوشش نہ تو تصوف کے تابع ہے اور نہ ہی ولایت کی علامت بلکہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دیدار کی تمنا اور کوشش کو چھوڑ کر ایک ایسی چیز کے دَرپے ہوتا ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں ہے سوائے نفسانی خواہشات اور نقصان کے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی جانب آتے ہیں کہ جب سالک لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح کی کیفیات سے ترقی پا کر لطیفۂ سِر میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسرار آشکارا ہونا شروع ہو جاتے ہیں اب نیچے کی کائنات سے اس سالک کی کوئی کیفیات منسلک نہیں رہتیں، وہ فیضان اور انواراتِ الٰہی جو کہ سِری طور شیونات سے سالک پر وارد ہوتے ہیں سالک اُن سے محظوظ ہوتا ہے اور بعض اوقات تو سالک ذکر کے لئے بھی نہیں بیٹھا ہوتا کہ اچانک اس کے لطائف خود بخود اللہ، اللہ کا ذِکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد جب سالک لطیفۂ قلب، لطیفۂ روح اور لطیفۂ سِر کی کیفیات سے ترقی پا کر لطیفۂ خفی میں داخل ہو جاتا ہے تو سالک کے لئے اس لطیفہ میں اعتبارات سے فیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔

اور جب سالک لطیفۂ قلب، لطیفۂ روح، لطیفۂ سِر اور لطیفۂ خفی کی کیفیات سے ترقی پا کر لطیفۂ اخفٰی میں داخل ہو جاتا ہے تو سالک کے لئے اس لطیفہ میں اصلِ ذات کے کمالاتِ جامع سے فیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔

ولایت کے تین درجے ہیں:

اول: ولایتِ صغریٰ　　دوم: ولایتِ کبریٰ　　سوم: ولایتِ ملاءالاعلیٰ

اول: ولایتِ صغریٰ جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ شیخ کے وسیلہ سے عطا فرماتا ہے۔

دوم: ولایتِ کبریٰ جو کہ اسمِ ظاہر سے پنجگانہ لطائف میں پیدا ہوتی ہے۔

سوم: ولایتِ ملاء الاعلیٰ جو کہ اسمِ باطن سے پیدا ہوتی ہے۔

[یہ سب کمالات جن کا ذکر ہو چکا ہے اسمِ ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اور ہیں جو استتار اور تبطن (پوشیدگی اور باطن) کے مناسب ہیں۔ جب ان دونوں مبارک اِسموں کے کمالات سب کے سب حاصل ہو جائیں تو گویا سالک کے لئے اُڑنے کے دو بازو میسر ہو جاتے ہیں۔ جن کی قوت سے عالمِ قدس میں پرواز کرتا اور بے انداز ترقیاں حاصل کرتا ہے، اس معاملہ کی تفصیل بعض مسودوں میں تحریر ہو چکی ہے۔ میرے فرزندِ ارشد ان کے جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوسرے یہ عرض ہے کہ اگر ہو سکے تو ایک مرتبہ ضرور اس جگہ تشریف لائیں۔ بشرطیکہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اس انتظام کو درہم برہم نہ کریں۔ آپ ہی اکیلے آئیں اور یاروں میں سے جس کسی کو پیش قدم جانیں اس جماعت کا پیشوا بنا کر ان حدود کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ واللہ اعلم دوسرے وقت تک فرصت دیں یا نہ دیں۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جب ان دونوں مبارک اِسموں کے کمالات سب کے سب حاصل ہو جائیں، الخ" یعنی سالک کے لئے اسمِ ظاہر و اسمِ باطن اُڑنے کے دو بازوؤں کی مانند ہو جاتے ہیں جس سے عارف عالمِ قُدس کی طرف اُڑان کر کے مرتبۂ ذاتِ بحت حق تعالیٰ میں عروج کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسمِ ظاہر صفات کی سَیر سے تعبیر ہوتا ہے کہ اس مقام میں ذاتِ مقدس حق تعالیٰ کی سَیر ملحوظ نہیں ہوتی جبکہ اسمِ باطن صفات کی سَیر اور مرتبۂ ذاتِ مقدس حق تعالیٰ کی سیر سے تعبیر ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد الف

ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ: فَالسَّیْرُ فِی الْعِلْمِ سَیْرٌ فِی الْاِسْمِ الظَّاھِرِ وَالسَّیْرُ فِی الْعَلِیْمِ سَیْرٌ فِی الْاِسْمِ الْبَاطِنِ وَقِسْ عَلٰی ھٰذَا سَائِرَ الصِّفَاتِ وَالْاَسْمَاءِ یعنی علم کی سیر علمِ ظاہر کی سیر ہے، اور علیم کی سیر اسمِ باطن کی سَیر۔ باقی تمام صفات واسماء کا حال اسی قیاس پر ہے۔ ابھی تک ذاتِ مقدس حق تعالیٰ کی بلا کیف سَیر کہاں ہے۔

تا یار کہ را خواہد و میلش بہ کہ باشد

ترجمہ: وہ جس دوست کو چاہتا ہے اسی کی طرف اس کا میلان ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

زا علی بالا و بالا ز بالا
بلندی ہم نمی گنجد در آنجا

ترجمہ: اس اعلیٰ مقام سے اوپر اور بھی بلند ترین مقامات موجود ہیں جہاں بلندی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

علم میں سیر صرف صفت کی سیر ہے۔ اس سے ذاتِ مقدس کی سیر مراد نہیں ہے اور علیم میں سیر ذات وصفات میں سیر ہے جو کہ اسمِ باطن سے مسمّٰی ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اسمِ باطن میں ذاتِ مقدس سے مراد شیونات اور اعتباراتِ ذاتیہ ہیں نہ کہ بذاتِ خود ذاتِ مقدسہ، اور ذات میں سیر اس سے بھی آگے ہے۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۸

[حق تعالیٰ کی اَقربیت (اَقرب و قریب ہونے) کے بیان میں شریف خاں کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو ازروئے کرم ان حدود کے فقرا کے نامزد فرمایا تھا، اس کے پہنچنے سے بہت مسرت وخوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اَقرب ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن کیا کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں اور فہموں اور ہمارے علوم وادراکات سے وراء الوراء ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ماوراء ہونا قُرب میں ہے نہ کہ جانبِ بُعد میں۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے، حتّٰی کہ اس کی ذاتِ احدیت کو ان صفات کی نسبت جن کے آثار وافعال ہم ہیں زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اَقربیت کو بیان فرمارہے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اَقرب ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے، الخ'' یعنی حق جل وعلا کا ہمارے نزدیک ترین ہونا دلیلِ یقینی سے ثابت ہے۔

جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ١٦)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔

درج بالا آیت کی تشریح ملحدین (دینِ اسلام سے پھر جانے والے) علماء ظواہر اور علماءِ محققین سب ہی نے کی ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان تینوں میں کس کی تشریح کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

ملحدین وہ لوگ ہیں جو قرآن عظیم الشان کی آیات کی تشریح اپنی رائے سے کرتے ہیں یہ لوگ درج بالا آیت میں اَقربیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہماری شہ رگ سے زیادہ نزدیک ہے اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے بدن میں حلول کیا ہوا ہے یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو ہم انسان کی شکل پر ہیں مگر حقیقت میں ہمارے اندر حق تعالیٰ کی ذات موجود ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) یہ ان بہتر (۷۲) گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جو حلولیہ کے نام سے موسوم ہے، اس طرح عقیدہ رکھنے والے گمراہ اور اسلام سے خارج ہیں۔

علماء ظواہر بھی قرآن عظیم الشان کی اس آیت کو اپنی رائے سے تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ایک بالشت نزدیک ہوں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایک گز ہمارے نزدیک ہو جاتا ہے اگرچہ علماء ظواہر کا یہ گروہ انسان کو انسان اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنا معبود سمجھتا ہے مگر اَقربیت کی مذکورہ تشریح کے لحاظ سے یہ بھی گمراہی کے راستے پر رواں دواں ہے۔ کیونکہ ان کے

اقوال سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا جسم ثابت ہونے کا گمان پیدا ہوتا ہے جو کہ حق تعالیٰ وتقدس کی شان کے خلاف ہے۔

علماء محققین فرماتے ہیں کہ قُرب اصل میں بُعد ہے کہ ہم نے تو عبادت وریاضت سے اگرچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب حاصل کرلیا ہے مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور اس قُرب کا آخری مقام حیرت ویاس اور نادانی ہے۔یعنی ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جتنے بھی قریب ہو جائیں تب بھی فاصلہ بہت زیادہ موجود رہتا ہے اور ہماری قوتِ مدرکہ اس بات کا دَرک کرنے سے قاصر ہے یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کسی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ شرحِ صدر نصیب فرما کر اس کے قلب کو ماسویٰ کی محبت سے پاک وصاف فرمادے، تو پھر اس قُرب کے ذریعے دیدارِ قلبی میسر ہوسکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات موجود ہے مگر ہم اپنی ان گناہوں سے آلودہ آنکھوں اور بدن سے اس کا درک نہیں کرسکتے۔ اسی لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار جنت میں ہونا حق ہے اور دوسرا یہ کہ قُرب کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی کہ یہ کس طرح کا ہوتا ہے۔

من عرف اللہ کل لسانہ۔

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہنچا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔[1]

اس حدیث کو سمجھانے کے لئے ایک خارجی مثال پیش کی جاتی ہے کہ جب انسان خوش یا غمگین ہو تو اس کی خوشی یا غمگینی کے پرکھنے کا معیار اور اس کی کیفیت وکمیت نہ تو کوئی بیان کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کا دَرک کرسکتا ہے، کیونکہ انسان اس کے درک اور بیان کرنے سے قاصر ہے۔ تو جب انسان

[1](تفسیر الفخر الرازی، ج ۱، ص ۲۱۱۶، دار النشر / دار إحیاء التراث العربی)

اپنے بدن کے اندر کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو کہ ذاتِ مجردہ ہے اس کے قُرب یا دیدار کی کیفیت کو کیسے بیان کر پائے گا؟

مختصر یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں قُرب کی بات اس لئے کی ہے کہ بعض لوگ قُرب اور متشابھات کا غلط مفہوم اور تفسیر بیان کرتے ہیں۔ تو ہمیں چاہیئے کہ ہم حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں اور قرآن عظیم الشان کی جو تفسیر اُن لوگوں نے بیان کی ہے لوگوں کے سامنے وہی بیان کریں اور اسی پر عمل پیرا رہیں تاکہ ہم قرآن عظیم الشان کی آیات کی اپنی رائے سے تفسیر کرکے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناراضگی کے مرتکب نہ ٹھہریں۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ایسی مقدس و محترم جماعت کا نام ہے جو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ کی پوری اُمت کے درمیان اللہ رب العزت کا مقرر کیا ہوا واسطہ ہیں۔ اس واسطے کے بغیر نہ قرآن عظیم الشان ہاتھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی قرآن عظیم الشان کا بیان جسے ہم سُنت و حدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں خیرِ اُمت اور اُمتِ وسط کے لقب سے نوازا ہے۔

[یہ معرفت نظرِ عقل سے ماوراء ہے۔ کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس مبحث کی تشریح و توضیح کر سکے۔ ہر چند تلاش کی گئی پر نہ ملی۔ اس معرفت کی دلیل وسند نصِ قطعی اور کشفِ صحیح ہے۔

مشائخِ طریقت نے توحید واتحاد کی نسبت گفتگو کی ہے۔ اور قُرب ومعیت کی نسبت کچھ نہ کچھ بیان فرمایاہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی اَقربیت کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی بیانِ شافی اس بارہ میں نہیں فرمایا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ایسی مثال جو اس مبحث کی تشریح وتوضیح کرسکے، الخ" یعنی اشیاء کی حقیقت دو قسم پر ہے:

اول: ماہیتِ اصلی اور دوم: ماہیتِ ظلی

ماہیتِ اصلی: ماہیتِ اصلی میں کوئی بھی چیز کسی چیز کے مقابلے میں اس چیز سے قریب تر نہیں ہے اور وہ چیز خود ہی ہر چیز سے قریب تَر ہے۔

ماہیتِ ظلی: ماہیتِ ظلی میں اصلی ماہیت کے بر خلاف ظل اپنے ظل کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے۔ اس لئے کہ ظل اپنی ماہیتِ ظلی کے ذریعہ موجود نہیں بلکہ ماہیتِ اصلی اس کے وجود کا سبب بنی ہے تو اس بناءپر کیونکہ ممکنات، ظلال صفاتِ فعلیہ تھے اور صفاتِ فعلیہ صفاتِ ثبوتیہ کے ظلال ہیں اور صفاتِ ثمانیہ ذاتِ مقدس حق تعالیٰ کا ظلال ہیں۔ پس ذاتِ حق تعالیٰ صفاتِ حقیقیہ اور صفاتِ اضافیہ کی بہ نسبت ہمارے زیادہ نزدیک ہیں، اور حق تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ ہمارے لئے بہ نسبت ہم سے اور صفاتِ فعلیہ کے زیادہ نزدیک ہے اور صفاتِ فعلیہ واضافیہ ہمارے لئے بہ نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکنات کے لئے نسبت بہ خود ممکنات ظلال وصفات زیادہ نزدیک ہیں چونکہ صفات کا ظلال صفاتِ ثمانیہ کا ظل ہے، اسی وجہ سے صفاتِ ثمانیہ ممکنات سے خود ممکنات

اور ظلالِ صفات کی نسبت زیادہ نزدیک ہے اس لئے کہ صفاتِ مقدسہ خود بھی ظلال حق تعالیٰ ہیں اسی بناء پر ذاتِ حق تعالیٰ ممکنات سے نسبت بہ خود ممکنات اور ظلال صفات اور اپنی صفات سے زیادہ نزدیک ہے۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اگر بعض ممکنات معدوم ہو جائیں اور صفتِ تخلیق کا تعلق قطع نہ ہو تو بعض دوسری ممکنات موجود رہتی ہیں اور تمام ممکنات معدوم نہیں ہوتیں اور اگر صفتِ تخلیق کا تعلق ممکنات سے منصرف ہو جائے تو ممکنات بالکل باقی نہیں رہتیں۔ خلاصہ یہ کہ ممکنات خود اپنے مابین میں ماہیتِ امکانی میں شریک ہیں اور ان میں سے بعض ممکنات کا ختم ہونا تمام ممکنات کے ختم ہونے کا سبب نہیں ہوتا مگر صفتِ تخلیق کا قطع تعلق تمام ممکنات کے ختم ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ واجبِ حق تعالیٰ خود ممکنات سے اتنا نزدیک ہے جتنی ممکنات بھی دوسری ممکنات سے نزدیک نہیں۔

[عجب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اَقربیت (زیادہ قریب ہونا)، ہماری اَبعدیت (زیادہ دُور ہونا) کا سبب ہوئی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”حق تعالیٰ کی اقربیت (زیادہ قریب ہونا)، ہماری اَبعدیت (زیادہ دور ہونا) کا سبب ہوئی ہے ھَذَا اِلیٰ اَنْ یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ، الخ“ یعنی یہ اَبعدیت اس وقت تک ہے کہ سالک سیر آفاقی اور سیر انفسی سے فارغ نہ ہو جائے اور نیز سیر اقربیت کو انجام تک نہ پہنچایا ہو اور سیر اقربیت سے قطع کے بعد حق تعالیٰ کی اَقربیت مشہود اور

ابعدیت معدوم ہو جاتی ہے۔ پس اَجل سے مراد ذاتِ مقدس کے مرتبہ میں پہنچنا ہے اس سے موت مراد نہیں ہے۔

[هَذَا اِلٰی اَنْ یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَهٗ فَافْهَمْ فَاِنَّ کَلَامَنَا اِشَارَةٌ وَبَشَارَةٌ

ترجمہ: یہی کافی ہے یہاں تک کہ کتاب اپنے مقررہ وقت کو پہنچے پس سمجھ کیونکہ ہمارا کلام اشارت وبشارت کے قبیلہ سے ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہمارا کلام اشارت وبشارت کے قبیلہ سے ہے، الخ"۔ یعنی میں نے اس عربی جملہ کے ضمن میں اشارہ کیا ہے کہ یہ اَبعدیت معدوم ہو جائے گی اور اس میں میں نے اقربیت کی بشارت دی ہے۔ اقربیت کی سیر یہ ہے کہ سالک ممکنات سے گزر کر مراتبِ وجوب میں سیر کرے۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے گُلستان میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

دوست نزدیک تراز من بمن است

دین عجب ترکہ من ازوی دورم

چہ کنم باکہ توان گفت کہ او

دَر کنارِ من و من مہجورم

ترجمہ: دوست مجھ سے بھی زیادہ مجھ سے قریب تھا اور یہ بہت ہی زیادہ تعجب کی بات ہے کہ میں اُس سے دور ہوں۔ کیا کروں اور کس سے یہ بات کہوں کہ وہ میری بغل میں ہے اور میں جُدا ہوں۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۵۹

[پیغمبروں کے بھیجنے کے فائدوں اور واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت میں عقل کے مستقل نہ ہونے اور حکمِ خاص کے بیان میں شاہق جبل اور پیغمبروں علیہم السلام کے زمانۂ فترت کے مشرکوں اور دارِ حرب کے مشرکوں کے اطفال کے حق میں فرمایا ہے۔ اور گزشتہ اُمتوں میں زمینِ ہند میں اہلِ ہند سے انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کی تحقیق اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف جو علومِ عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور نسبتِ عُلیہ کے صاحب ہیں صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اور ہم ہر گز ہدایت نہ پاتے اگر ہم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتا، بے شک ہمارے رب کے پیغمبر علیہ السلام حق لے کر آئے ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ارسال کرنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور کس دل سے اس منعِم کا اعتقاد کیا جائے۔ اور وہ اعضاء کہاں ہیں جو اعمالِ حسنہ کے ساتھ اس نعمتِ عظمیٰ کا بدلہ ادا کر سکیں۔ اگر ان بزرگواروں کا وجودِ شریف نہ ہوتا، ہم بے سمجھوں کو صانع کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا۔

یونان کے قدیم فلاسفہ باوجود بڑے دانا ہونے کے صانع کے وجود کی طرف ہدایت نہ پا سکے۔ اور کائنات کے وجود کو دَہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا۔ لیکن جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دعوت کے انوار کا دِن چڑھا تو متاخرین فلاسفہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دعوت کے انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کو ردّ کیا۔ اور صانع جلّ شانہٗ کے وجود کے قائل ہوئے اور حق

تعالیٰ کا اثبات ثابت کیا، پس ہماری عقلیں انوارِ نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے معزول ہیں اور ہمارے فہم وجودِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے وسیلہ کے سوا اس معاملہ سے دُور ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور توحید کی دعوت کے لئے اس دُنیا میں حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کو ارسال فرمایا ہے۔ انسان محض اپنی عقل و فکر سے موحد نہیں بن سکتا۔ مگر توحیدِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو درس حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات نے دیئے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر انسان موحد بن جاتا ہے۔ اگر عقل کے ذریعہ سے کوئی موحد، فرمانبردار، قرآن عظیم الشان پر عمل کرنے والا اور سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مطیع بن سکتا تو ارسطو، افلاطون اور سقراط وغیرہ جیسے عاقلین اس دُنیا میں بہت گزرے ہیں اور وہ سب کے سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعدار ہوتے۔ مگر یہ تابعداری عقل کے ذریعے ممکن نہیں ہے بلکہ یہ تابعداری صرف اور صرف حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی اتباع کے ذریعے ہی ممکن ہے اور پھر ان حضرات علیہم السلام کے بعد محققین علماء کرام اور کامل و مکمل اولیاء عظام کے ذریعے سے۔ کیونکہ مخلوق کو توحید کا راستہ یا تو محققین عُلماء بتاتے ہیں یا کامل و مکمل اولیاء عظام۔ ہم نے یہاں محققین علماء کرام اور کامل و مکمل اولیاء عظام کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ ہر محقق عالم کامل و مکمل ولی بھی ہوتا ہے اور ہر کامل و مکمل ولی محقق عالم بھی ہوتا ہے اور ہم نے ان کا فرق اس لئے بیان کیا ہے کہ کامل و مکمل ولی کبھی کبھی انسان کو اپنی توجہاتِ عالیہ سے بھی موحد بنا

دیتے ہیں، اور محقق عالم استدلال اور نقلی دلائل (یعنی وہ دلائل جو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ان تک پہنچے ہوں) کے ذریعے انسان کو شریعتِ حقہٗ کی طرف بلاتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم چونکہ خاتم النبیین علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے بعد توحید اور دعوت وارشاد کی تمام تر ذمہ داری محققین علماء کرام اور کامل ومکمل اولیاء عظام کے سپرد فرمائی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں عقل کو عالمِ خلق سے جاناہے اور اسے اساسًا معرفتِ غیب اور ماورائے طبعیت میں خالص گمراہی اور غیر مستقل سمجھا ہے اور ذاتًا عالمِ اَمر کو عالمِ بیچون سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب مائل سمجھاہے اور علماء اصول نے بھی عقل کو ممیز جاناہے مگر حاکم نہیں سمجھا۔ کیونکہ عقل میں غرور وتکبر پایاجاتاہے جبکہ رسالت ونبوت اور ولایت وعلمیت میں عاجزی وانکساری۔ جو شخص محض عقل کی بنیاد پر گفتگو کرتا ہے اس میں غرور وتکبر پایا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایاتو ان حضرات علیہم السلام نے مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام بڑی عجز وانکساری سے دعوت وارشاد کے ذریعے پہنچایا۔

بعض رسائل میں دیکھا گیاہے کہ عقل کی پیدائش کی ابتداء میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عقل کو مخاطب کرکے اس سے پوچھا کہ:

مَنْ اَنْتَ وَمَنْ اَنَا۔

ترجمہ: تو کون ہے اور میں کون ہوں؟

توعقل نے بڑے بے ادبانہ انداز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس سوال کا جواب دیا کہ:

اَنْتَ اَنْتَ وَ اَنَا اَنَا۔

ترجمہ: تُوتُو ہے اور میں میں ہوں۔

مگر جس وقت عقل کو معرفت کی نعمت سے نواز دیا گیا تو اسے دوبارہ مخاطب کر کے پوچھا گیا کہ:

مَنْ اَنْتَ وَ مَنْ اَنَا؟

ترجمہ: تو کون ہے اور میں کون ہوں؟

توعقل نے بڑے کمالِ احترام اور خضوع سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دربار میں عرض کیا کہ:

اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ الضَّعِیْفَ۔

ترجمہ: تو میرا رب ہے اور میں تیرا ضعیف بندہ ہوں۔

وہ عقل جو اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ الضَّعِیْفَ کے الفاظ سے مخاطب ہو حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی عقول ہیں جبکہ ہماری عقول ابھی بھی اَنْتَ اَنْتَ وَ اَنَا اَنَا کہتی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا اسی مقام میں تزکیہ وتصفیہ فرما دیا تھا اسی لئے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات اپنی ماؤں کے بطن اور مٹی اور پانی کے درمیانی وقت میں بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مطیع ہوتے ہیں اور ان کے لئے نبوت واجب ہوتی ہے۔

پس علماء کرام اور اولیاء عظام کو چاہیئے کہ اپنے علم و عمل اور تقویٰ پر ناز نہ کریں اور غرور و تکبر کو یکسر چھوڑ کر عجز وانکساری اختیار کریں۔ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ اقدسہ کی تو بات ہی اور ہے ہمارا علم و عمل اور تقویٰ تو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علم و عمل اور تقویٰ کے کروڑویں درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

واللہ إن الغبار الذي دخل في أنف فرس معاوية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أفضل من عمر بألف مرة، صلى معاوية خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله عليه الصلاة والسلام سمع الله لمن حمده فقال معاوية رضي الله عنه: ربنا ولك الحمد. فما بعد هذا "الشرف الأعظم۔

ترجمہ: اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک کا غبار عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہزار بار افضل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں آپ نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہا اس کے بعد اور بڑا فضل وشرف کیا ہوگا؟[1]

اس سے معلوم ہوا کہ عقل اساسًا اور ابتداءً معرفت کی حامل نہیں تھی بلکہ دوسری مرتبہ معرفت کی نعمت پر مشرف ہو کر صاحبِ معرفت ہوئی ہے اور وہ جو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے پہلی مخلوق عقل ہے اس سے مراد سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عقل اور حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے نہ کہ بقیہ عقول۔

عقل کی دو اقسام ہیں: ایک عقلِ معاد اور دوسری عقلِ معاش۔

---

[1] (الاجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية، ج ۱، ص ۶۳، الناشر: مطبعة الحميدية، بغداد)

عقلِ معاد: معاد کے معنی ہیں لوٹنے کی جگہ۔ یہ عقل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر واحکامات کی تابع ہے اور یہ آخرت کی جانب رُخ رکھتی ہے۔ اس عظیم دولت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو مالامال فرمایا ہے۔ اور ان حضرات علیہم السلام کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ سے ان کے تابعداروں کو بھی اس سے نوازا گیا ہے۔

عقلِ معاش: معاش کے معنی ہیں زندگی بسر کرنا یا زندگی کی ضروریات کے پیچھے پڑنا۔ یہ عقل نفس کے زیرِ تاثیر واقع ہے اور دُنیوی اُمورات اور دُنیوی مرغوبات کی جانب مائل ہے۔ یہ عقل دولت مند اور دُنیادار لوگوں کا حصہ ہے جو سارادن روپے پیسے کی سوچ اور تگ ودَو میں رہتے ہیں۔

جو عقل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اَوامر واحکام کے تابع اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی پیروی کی پابند نہ ہو تو وہ معرفت سے بہرہ مند نہیں ہوسکتی بلکہ اسے خالص گمراہی سمجھا جاتا ہے اور عقلِ معاد وہ ہے کہ اپنے پروردگار کے اَوامر سے اس کی اطاعت وپیروی کرے۔

حقیقت میں عقل ایک ہی ہوتی ہے مگر تزکیۂ نفس سے قبل اسی عقل کو عقلِ معاش اور تزکیۂ نفس کے بعد اسے عقلِ معاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

[پھر معلوم نہیں کہ ہمارے اصحابِ ماتریدیہ نے بعض اُمور مثلِ وجودِ صانع کے اثبات اور اس کی وحدت میں عقل کے استقلال سے کیا مراد لی ہے کہ انہوں نے شاہق جبل بُت پَرست کو ان دونوں یعنی وجودِ صانع کے اثبات اور اس کی وحدت کے لئے مکلف کیا ہے۔ اگرچہ اس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو۔ اور ان دونوں میں نظر وغور کے ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم لگایا ہے۔ لیکن ہم بلاغِ مبین اور حجتِ بالغہ کے بغیر جو پیغمبروں کے ارسال کرنے پر وابستہ ہے۔ کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ

عقل اللہ کی محبتوں میں سے ایک محبت ہے لیکن محبت میں ایسی محبتِ بالغہ نہیں ہے جس پر ایسا سخت عذاب مرتب ہو سکے۔

سوال: اگر شاہق جبل میں رہنے والا جو بُت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہ رہے تو پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ اور یہ بھی جائز نہیں کیونکہ جنت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے، ان کی جگہ دوزخ ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ (المائدۃ ۷۲)

ترجمہ: بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنّت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اور جنت و دوزخ کے درمیان کوئی اور واسطہ ثابت نہیں۔ اور اصحابِ اَعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے، پس یا جنت میں داخل ہو گا یا دوزخ میں۔

یہ سوال واقعی بہت مشکل ہے۔ اس فرزندِ ارشد کو معلوم ہے کہ مدت تک اس فقیر پر اس سوال کا تکرار ہوتا رہا لیکن جوابِ شافی کچھ نہ پایا۔ اور جو کچھ فتوحاتِ مکیہ والے نے اس سوال کے حل میں کہا ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کی دعوت کے لئے پیغمبر علیہ السلام کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس دعوت کے رَدّ و اِنکار کے بمُوجب ان کے لئے بہشت و دوزخ کا کیا حکم ہے۔ اس فقیر کے نزدیک پسند و بہتر نہیں ہے کیونکہ دارِ آخرت دارِ جزاء ہے نہ دارِ تکلیف تا کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کے بھیجنے کی ضرورت پڑے۔ بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا۔ اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے

بعث واحیاء کے بعد ان کو مقامِ حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب وعذاب دیں گے۔ اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدومِ مطلق اور لا شے محض کر دیں گے۔ پس خلود کس کے لئے اور مخلّد کون ہو گا اس معرفتِ غریبہ کو جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق کی اور اس کو مقبول فرمایا۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ

فقیر پر یہ بات نہایت ناگوار گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنی کمال رأفت ورحمت کے بغیر اس بات کے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات کے ذریعے ابلاغِ مبین فرمائے، صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی بہت مجال ہے، پس اپنے بندے کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے۔ جس طرح کہ باوجود شرک کے اس کے لئے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے، جیسے کہ جنت ودوزخ کے درمیان واسطہ کے قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے پس حق یہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دِن محاسبہ کے بعد وہ معدوم کیا جائے گا۔ اور فقیر کے نزدیک دار الحرب کے مشرکین کے اطفال کے بارہ میں بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے، خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیّت کے طور پر اگرچہ تبعیّت دارِ اسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہلِ ذمّہ کے لڑکوں کے لئے۔ لیکن ان کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے۔ پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا۔ اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہونے کے بعد مشرک پر منحصر ہے۔ اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث ونشور کے بعد حساب کے لئے کھڑا کریں گے اور ان سے حقوق پورے کر کے ان کو معدوم ونیست ونابود کر دیں گے۔ اور

ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ (دو پیغمبروں کا درمیانی زمانہ) میں ہوئے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر علیہ السلام کی دعوت نصیب نہیں ہوئی یہی حکم ہے۔

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا سب جگہ نور پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کو دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے۔ اور گزشتہ اُمتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر علیہ السلام مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمینِ ہند میں بھی جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے، معلوم کرتا ہے کہ اہلِ ہند سے پیغمبر علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ اور صانع جل شانہٗ کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ اگر ان شہروں کو معیّن کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر علیہ السلام کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں۔ اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں میں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہند میں کسی پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر علیہ السلام کی اُمت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ وتقدیس کے بارے میں لکھا ہے سب انوارِ مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے۔ کیونکہ گزشتہ اُمتوں میں سے ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ

وتقدیس کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا ان بدبختوں کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کے ظلمات سے آلودہ ہے اس دولت کی طرف کس طرح ہدایت پاتی؟ ان بدبختوں کی ناقص عقلیں اپنی حدِ ذات میں اپنی الوہیت کا حکم دیتی ہیں۔ اور اپنے سوا کوئی اور خدا ثابت نہیں کرتیں۔

جس طرح کہ فرعونِ مصر نے کہا کہ:

مَاعَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي (القصص ۳۸)

ترجمہ: میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا۔

اور یہ بھی کہا کہ:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ (الشعراء ۲۹)

ترجمہ: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا اٹھہرایا تو میں ضرور تمہیں قید کر دوں گا۔

اور جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے آگاہ کرنے سے انہوں نے معلوم کیا کہ عالم کے لئے ایک صانع واجب الوجود ہے۔ تو ان کم بختوں میں سے بعض نے اپنے دعوے کی بُرائی پر اطلاع پا کر تقلید و تستّر کے طور پر صانع کو ثابت کیا اور اُس کو اپنے آپ میں حلول کیا ہوا اور سرایت کیا ہوا سمجھا۔ اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف بلایا۔

تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے۔

اس جگہ کوئی بے وقوف یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمینِ ہند میں پیغمبر مبعوث ہوتے تو ان کے مبعوث ہونے کی خبر ضرور ہم تک پہنچتی بلکہ وہ خبر بکثرت دعوتوں میں جہت سے تواتر کے طور پر منقول ہوتی۔ جب ایسا نہیں ہے تو ویسا بھی نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی۔ بلکہ کسی کی دعوت ایک قوم سے اور بعض کی ایک گاؤں سے یا شہر سے مخصوص تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے کسی قوم یا گاؤں میں کسی شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو۔ اور اس شخص نے اس قوم یا اس گاؤں کے لوگوں کو صانع جل شانہٗ کی معرفت کی طرف دعوت کی ہو۔ اور حق تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت سے منع کیا ہو۔ اور اس قوم یا گاؤں والوں نے اس کا انکار کیا ہو۔ اور اس کو ذلیل وجاہل سمجھا ہو۔ اور جب انکار وتکذیب حد سے بڑھ گیا ہو تو حق تعالیٰ کی مدد نے آکر ان کو ہلاک کر دیا ہو۔

اسی طرح کچھ مدت کے بعد ایک اور پیغمبر علیہ السلام کسی قوم یا گاؤں کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ اور اس پیغمبر علیہ السلام نے بھی اُن لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہو جو پہلے پیغمبر علیہ السلام نے کیا تھا۔ اور اس پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو ان کے پہلوں نے کیا تھا۔ وَھٰکَذَا اِلٰی مَاشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اسی طرح ہوتا رہا ہو۔

زمینِ ہند میں گاؤں اور شہروں کی ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں، یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہم عصروں کے درمیان باقی رہا۔

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الزخرف ۲۸)

ترجمہ: اور اُسے اپنی نسل میں باقی کلام رکھا کہ کہیں وہ باز آئیں۔

ان مبعوث پیغمبروں علیہم السلام کی دعوت کی خبر ہم تک تب پہنچتی جب کہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہوتے اور بڑی بھاری قوم بہم پہنچاتے۔ جب ایک آدمی آیا اور چند روز دعوت کر کے چلا گیا۔ اور کسی نے اس کو قبول نہ کیا، پھر دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی کام کیا اور ایک آدمی اس کے ساتھ

ایمان لایا۔ اور تیسرے کے ساتھ دو یا تین آدمی ایمان لائے۔ تو پھر خبر کس طرح پھیلتی اور عام ہوتی۔ اور کفار سب کے سب انکار کے دَر پے تھے اور اپنے باپ دادا کے دین کے مخالفوں کو ردّ کرتے تھے۔ تو پھر نقل کون کرتا اور کس کی طرف نقل کرتا۔

دوسرے یہ کہ نبوت ورسالت وپیغمبر علیہ السلام کے الفاظ ان پیغمبروں علیہم السلام اور ہمارے پیغمبر وعلیٰ آلہٖ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات کی دعوت کے متحد ہونے کے باعث عربی اور فارسی لغت کے تھے۔ اور یہ الفاظ ہندی لغت میں نہ تھے، تاکہ ہند کے مبعوث انبیاء علیہم السلام کو نبی یارسول یاپیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو یاد کرتے۔

اور نیز اس سوال کے جواب میں ہم معارضہ کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر ہند میں انبیاء علیہم السلام مبعوث نہ ہوئے ہوں اور ان کی زبان میں ان کو دعوت بھی نہ کی ہو تو پھر ان کا حکم بھی شاہق جبل کا حکم ہو گا کہ باوجود سرکشی اور دعویٰ الوہیت کے دوزخ میں نہ جائیں، اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں۔ اس بات کو بھی نہ تو عقلِ سلیم پسند کرتی ہے اور نہ ہی کشفِ صحیح اس کی شہادت دیتا ہے کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکش مَردودوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں۔ وَاللہُ سُبۡحَانَہٗ اَعۡلَمُ بِحَقِیۡقَۃِ الۡحَالِ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہمارے اصحابِ ماتریدیہ نے بعض اُمور مثلِ وجودِ صانع کے اثبات اور اس کی وحدت میں عقل کے استقلال سے کیا مراد لی ہے، الخ"۔

یعنی حنفیہ علماء میں سے جنہوں نے فرمایا کہ:

أن العقل قد يستقل في إدراک بعض أحكامه تعالى فأوجب) هذا البعض (الإيمان وحرم الكفر وكل ما لا يليق بجنابه تعالى) على كل أحد بلغه دعوة رسول أم لا (حتى على الصبى العاقل) هذا قول معظم الحنفية كالشيخ الإمام علم الهدى أبى منصور الماتريدى والإمام فخر الإسلام وصاحب الميزان واختاره صدر الشريعة وغيره (وروى عن) الإمام الهمام (أبى حنيفة لا عذر لأحد في الجهل بخالقه لما يرى من الدلائل) على ثبوت الوجدانية بحيث لا مجال للعاقل أن يرتاب فيه ومن ارتاب معها فلسوء فهمه وعدم تدبرها لا لريب فيه وهذه الرواية هى مستند ذلک البعض۔

ترجمہ: کبھی عقل اللہ تعالیٰ کے احکامات کو دَرک کرنے میں مستقل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض نے ایمان لانا واجب قرار دیا اور کفر کو حرام قرار دیا اور ہر اس چیز کو بھی حرام قرار دیا جو اللہ جل شانہٗ کی شان کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ ہر ایک عاقل پر یہ اُمور لازم ہیں خواہ اس کو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دعوت پہنچی ہو یا نہ حتّٰی کہ وہ چھوٹا بچہ جو عاقل ہو اس کو بھی ایمان لانا لازم اور کفر سے اجتناب ضروری ہے۔ یہ حنفیہ کے بڑے شیوخ جیسے حضرت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ ہدایت کی نشانی ہیں اور امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبِ میزان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور اسے صدر الشریعۃ وغیرہ نے پسند کیا ہے اور حضرت امام الہمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ کسی کو اپنے خالق کے بارے میں جہل اور لاعلمی کا عذر پیش کرنا قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ وہ وحدانیت کے ثبوت پر جو دلائل دیکھ رہا ہے تو اس میں کسی عاقل کی یہ قوت اور طاقت نہیں ہے کہ وہ اس میں شک کرے اور اگر اس کے باوجود بھی

کسی نے شک کیا تو وہ اس کی کم علمی اور سوچ و فکر نہ کرنے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ اسے وحدانیت میں شک ہے اور یہی روایت بعض کی دلیل اور سند ہے۔[1]

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین أمین

(نور الخلائق، جلد چہارم)

[1] (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج ۱، ص ۳۸)

مکتوب نمبر ۲۶۰

[حقائق آگاہ معارفِ دستگاہ مظہرِ فیضِ الٰہی و منبع رحمتِ نامتناہی مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

اس طریق کے بیان میں جس سے آپ کی ذات کو ممتاز کیا گیا ہے اور جس میں ولایتِ سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ جو اولیاء کی ولایت ہے اور ولایتِ کبریٰ جو پیغمبروں کی ولایت ہے اور ولایتِ عُلیا کا جو ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے بیان مندرج ہے۔ اور جس میں ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کا بیان ہے۔ اور لطائفِ عشرہ انسانی کے بیان میں کہ ان میں سے پانچ عالمِ اَمر سے ہیں اور دوسرے پانچ عالمِ خلق سے جو نفس اور عناصرِ اربعہ ہیں، مع اُن کمالات کے جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور عالمِ اَمر پر عالمِ خلق کے افضل ہونے کے بیان میں۔ مع اُن کمالات کے جو عنصرِ خاک سے مخصوص ہیں، اور ان عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ عَلَیۡھِمۡ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور اُن کی آل واصحاب پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں عقائد اور تصوف دونوں کو مفصل طور پر بیان فرمایا ہے کیونکہ بعض صوفیاء عقائد کو چھوڑ کر محض اپنی مرضی

سے تصوف کو بیان کرتے ہیں اور اس بات کی تفصیل آگے صفحات میں آرہی ہے، نیز اس مکتوب میں تینوں ولایتوں یعنی ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ ملاء الاعلیٰ کو اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق تفصیل سے بیان کیا گیا ہے بلکہ بعض صوفیاء کی اُن باتوں کو جو عقائد کے ساتھ مخالفت رکھتی تھیں ہم نے شرعی دلائل کے ساتھ ان کا ردّ کیا۔ آج ہم اس مکتوب میں اہل سنت وجماعت کے عقائد اور تصوف کو دورِ حاضر میں اُن صوفیاء کے جن میں سے بعض صوفسطائیہ اور رافضی وغیرہ اور غلط عقائد رکھنے والے فرقے ہیں اُن کو اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد اور تصوف سے جُدا بیان کریں گے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

یہاں دو باتیں جن میں سے ایک عالمِ کبیر اور دوسری عالمِ صغیر ہیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ عالمِ کبیر جس سے مراد عرش، کرسی، جنت ودوزخ وغیرہ مراد ہیں جو کہ ممکنات میں سے ہیں اور بہت زیادہ وسیع ہیں اور عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے جس میں قلب، روح، سِر، خفی، اخفٰی، نفسی، قالبی، آگ، ہوا، مٹی اور پانی شامل ہیں اور یہ سب اجزاءِ انسانی ہیں۔ جب سالک کا قلب عرش اللہ کا مقام حاصل کر لے تو اس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے انوارات کا ظہور ہونے لگتا ہے اور عالمِ کبیر میں بھی انوارات کا ظہور عرشِ عظیم ہی سے ہوتا ہے۔

جس وقت عالمِ اَمر کے سارے لطائف زندہ ہو جائیں تو پرواز کرنے لگیں اور سالک ولایتِ صغریٰ پر مشرف ہو جائے تو پھر بھی اس سالک کو فیض صفات کے ظل سے ہی آتا ہے تو جس سالک کو صفات کے ظل سے فیض آتا ہے وہ ولایتِ صغریٰ میں ہوتا ہے۔ جب سالک کو لطائفِ پنجگانہ میں فنا حاصل ہو تو اس فنا کو فناءِ صُوری کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ظلال کا مرتبہ ہے اور ظل برزخیت کی طرح ہے یعنی اس سے اوپر عالمِ لامکان اور نیچے عالمِ امکان ہوتا ہے۔ ہم اس کو لامکان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات لامکان ہیں اور ان کے تمکن کی جگہ نہیں ہے، جبکہ فرقہٗ وجودیہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماءوصفات کو ممکنات میں ملحق تصور کرتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت وجماعت جو کہ قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار سے بطریقِ احسن واقف ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اسماء وصفات کو قدیم ولامکان ثابت کرتے ہیں۔ جب سالک برزخ سے اوپر عروج کرنے لگے تو لامکانیت میں سالک کا عروج تین قسم سے ہوتا ہے یعنی پہلے درجہ میں صفاتِ فعلیہ، دوسرے درجہ میں صفاتِ ذاتیہ اور تیسرے درجہ میں ذاتِ تعالیٰ وتقدس اور جو سالک ان تینوں درجات کو طے نہ کرے تو وہ عالمِ امکان میں ہوتا ہے تو اس کی فنا اور اس کا دیکھنا سب کچھ صُوری ہوتا ہے نہ کہ حقیقی۔ جب سالک کی لطائف کے ظلال کی سیر مکمل ہو جائے تو اس کے بعد سالک کی اسماء وصفات میں سیر متحقق ہو جاتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کی یہ سیر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خصوصی فضل، پیرومُرشد اور والدین کی دُعاؤں سے ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سالک ولایتِ کبریٰ میں قدم رکھتا ہے۔ ولایتِ صغریٰ اور ولایتِ کبریٰ میں فرق یہ ہے کہ ولایتِ صغریٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کا ظل ہے، جبکہ ولایتِ کبریٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کا اصل ہے۔ یعنی ولایتِ صغریٰ حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ولایتِ کبریٰ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کو نصیب ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے اگر کوئی یہ کہے کہ میرا عروج ولایتِ کبریٰ سے ہے تو گویا یہ نبوت کا دعویٰ کرنا ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) اگرچہ اس نے زبان سے یہ دعویٰ نہیں کیا ہوتا مگر چونکہ یہ حضراتِ انبیاء وملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے اور صرف حضراتِ انبیاء وملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کو ہی فیوض وبرکات براہِ راست اسماء وصفات سے آتے ہیں نہ کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے۔

کیونکہ اولیاء اللہ کو اسماء وصفات کے ظل سے فیوض آتے ہیں۔ سالکین کو چاہیئے کہ اس طرح کی بات کرنے میں بڑی احتیاط کریں۔ دورِ حاضر میں اکثر علماءِ ظواہر یہ بات بھی کرتے ہیں کہ ہمیں پیری ومُریدی سے کیالینا دینا ہے یااس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو براہِ راست اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے فیض لیتے ہیں لیکن عقائد کی رُو سے یہ لوگ بھی نبوت یا ملائکہ ہونے کے دعویدار ہیں کیونکہ صوفیاء جن عروجات ومقامات کو اپنے لئے ثابت کر رہے ہیں وہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہیں۔ اس کی مثال حضرت موسٰی علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ حضراتِ اولوالعزم انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات میں سے ایک ہیں۔ آپ علیہ السلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ سے براہِ راست تجلی کی خواہش کی اور آپ علیہ السلام دیدار کی تاب نہ لاتے ہوئے بیہوش ہو گئے تو ہم اس فسق وفجور کے زمانے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کی تاب کیسے لا سکتے ہیں؟ خلاصہ یہ کہ ہر چیز کا ایک قانون ہوتا ہے اور اس کے کچھ مراتب ہوتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا بحث میں بیان ہو چکا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو کمالاتِ ولایت کے مراتبِ سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ عُلیا، انسانی لطائفِ عشرہ کے کمالات، کمالاتِ نبوت ورسالت اور اولوالعزمی اور اسی طرح حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ خلت، حضرت موسٰی کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کی محبیت اور نیز سردارِ دوعالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے واسطہ سے محبوبیت پر مشرف ومفتخر فرمایا ہے۔ اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات ہی

دراصل وہ نشانِ راہ ہے جس پر چل کر حقیقت کو پایا جاسکتا ہے اور ان تعلیمات کی مخالفت کی صورت میں ناکامی ہی ناکامی ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کمالاتِ نبوت کا حصول جُدا ہے اور منصبِ نبوت جُدا۔ منصبِ نبوت حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا خاصہ ہے مگر کمالاتِ نبوت حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے واسطہ سے غرفاءِ تام الاستعداد کو بھی میسر اور نصیب ہو جاتا ہے۔

[اے فرزند! خدا تجھے سعادت مند کرے۔ جاننا چاہیئے کہ عالمِ اَمر کے پنجگانہ لطائف یعنی قلب وروح وسِر و خفی واخفٰی جو انسانی عالمِ صغیر کے اجزاء ہیں ان کے اصل عالمِ کبیر میں ہیں۔ جس طرح کہ عناصرِ اربعہ جو انسان کے اجزاء ہیں اپنی اصل عالمِ کبیر میں رکھتے ہیں۔ اور ان پنجگانہ لطائف کے اصلوں کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ اَمر کو لامکانی کہتے ہیں۔ دائرۂ امکان یعنی خلق وامر اور صغیر وکبیر ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے جب سالکِ رشید محمدی المشرب لطائفِ پنجگانہ کو ترتیب وار طے کرکے ان کے اصول میں جو عالمِ کبیر میں ہیں سیر فرماتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضلِ ایزدی سے ان سب کو ترتیب وتفصیل کے ساتھ طے کرکے ان کے آخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت دائرۂ امکان کا سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کرلیتا ہے۔ اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کرکے ولایتِ صغریٰ میں جو اولیاء کی ولایت ہے سیر شروع کرتا ہے۔ اور اس کے بعد اگر اسمائے وجوبی تعالت وتقدست کے ظلال میں جو حقیقت میں ان پنجگانہ عالمِ کبیر کے اصول ہیں اور جن میں علوم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ

کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ سب کا سب تمام ہو جاتا ہے۔ اور اسماء وصفات واجبی جل شانہٗ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ولایتِ صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے۔ اس مقام میں حقیقت فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ کی ابتداء میں جو انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے فرزند! خدا تجھے سعادت مند کرے۔ جاننا چاہیئے کہ عالمِ اَمر کے پنجگانہ لطائف، الخ" یعنی عالمِ اَمر جو کہ قلبِ نوری، روح، سِر، خفی اور اخفٰی سے عبارت ہے اور لطائفِ خمسہ واجزائے انسانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے عارف ان لطائفِ خمسہ کے تصفیہ کے بعد اس کے اصول میں سیر کرتا ہے جو کہ فوقِ عرش میں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے، الخ" یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کی تجلیات نے عدم کے ساتھ امتزاج پیدا کیا اور یہ عالمِ امکان کا امتزاج وجود میں آ گیا۔ عالمِ امکان کا نقطۂ نہائی عالمِ اَمر وبالخاصہ کرۂ اخفٰی سے عبارت ہے اور اخفٰی کی نہایت میں عدم وانعکاس کا امتزاج منتہی کی صفات میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مراتبِ وجوب میں سیر کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس سیر کی ابتداء اسماء وصفات کے ظلال کی سیر سے عبارت ہے جو کہ ولایتِ صغریٰ سے تعلق رکھتی ہے اور اس مرتبہ میں عارف صوری فنا وبقا پر مشرف ہو جاتا ہے نہ کہ حقیقی فنا وبقا پر۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ظلال کا مرتبہ برزخ کا حکم رکھتا ہے جس کا ایک رُخ تو عالمِ امکان کی جانب ہوتا ہے جبکہ اس کا دوسرا رُخ مراتبِ وجوب کی جانب ہوتا ہے تو اسی وجہ سے یہ مرتبہ عارف کے حقیقی فنا وبقا کا نصیب نہیں بنتا۔

کیونکہ صفاتِ اضافیہ اور صفاتِ فعلیہ جو کہ صفاتِ حقیقیہ کا ظلال ہوتی ہیں یہ وجوب وامکان کا برزخ ہیں۔ عارف کی ظلال کی سیر مکمل ہونے کے بعد اسماء وصفات میں سیر متحقق ہو جاتی ہے۔ ولایتِ کبریٰ جو کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے عارف کو اس میں قدم رکھنے کے بعد اس سے گزارا جاتا ہے اور اس طرح اس مرتبہ میں اس کی فنائے حقیقی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

[جاننا چاہیئے کہ یہ دائرہ انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو متضمن ہے۔ اور ہر ایک اسم کا ظل اور ہر ایک شخص کا مبدأ تعین ہے۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد تمام انسانوں میں سے اشرف ہیں مبدأ تعین اس دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدأ تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے۔ اس اسم سے مراد اسمِ الٰہی جلّ شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کا اصل۔ اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں مرتبۂ اسماء وصفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً صفت العلم اور صفت القدرت اور صفت الارادہ وغیرہ وغیرہ۔ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو مبدأ تعین ہے مختلف اعتباروں کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔

مثلاً حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ تعین شان العلم ہے اور یہی صفت العلم ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اور نیز

یہی صفت ایک اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اوران اعتبارات کا تعین خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں ذکر ہو چکا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''جاننا چاہیئے کہ یہ دائرۂ ظل انبیاء کرام اور ملائکۂ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو متضمن ہے، الخ'' یعنی صفات کے ظلال اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبادی فیوضات ہیں اور ہر صفت کا ظل اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی ایک ولی کے وجود و کمالات کا مبدأ تعین ہوتا ہے اور اسی طرح دوسرے اسم کا ظل کسی دوسرے ولی کے تعینِ وجوبی کا مبدأ اور اس کے کمالات کا منبع ہوتا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبدأ فیض اوپر کے نقطہ اور دائرۂ ظلال کا انتہاء تھا یعنی وہ آخری نقطہ جس پر ظل ختم ہوتا ہے اور اس کے آگے ظلال کا اور کوئی نقطہ موجود نہیں ہے۔ اگر ساری دُنیا کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ایک جگہ جمع ہو جائیں تو بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ غور طلب بات ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتنا بلند مقام ہونے کے باوجود بھی ولایتِ کبریٰ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبدأ فیض اسماء وصفات کا اصل نہیں بلکہ ظل ہے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں نہ کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات میں سے۔ مگر آج کل لوگ اپنے یا اپنے شیخ کے مقامات بیان کرتے ہوئے ان مذکورہ باتوں کا خیال نہیں رکھتے۔ اور حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی فیوض تخلیقی وکمالاتی صفاتِ مقدسہ کے اصل سے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدأ تعین ہے پہنچ جاتا ہے، الخ" یعنی انہوں نے اسم کے ظل کو عین اسم سمجھ لیا ہے اور اس پر اسم کا اطلاق کیا ہے ورنہ حقیقت میں اولیاء کرام کا مبدأ تعینات صفات کا ظلال ہی ہے نہ کہ اسماء وصفات کا اصل۔ اگرچہ اولیاء کرام کے مبدأ فیوض تخلیقی صفات کے ظلال ہیں مگر ان حضرات کے عروجات اس پر محصور نہیں ہیں بلکہ ان حضرات کے عروجات ذاتِ مقدس حق تعالیٰ تک منتہی ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو مبدأ تعین ہے مختلف اعتباروں کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں، الخ" یعنی اگرچہ ایک اسم میں متعدد اشخاص شرکت رکھ سکتے ہیں مگر یہ صفت اعتبارات و تعلقات کے لحاظ سے متنوعہ (مختلف اقسام کی) ہوتی ہے۔ چنانچہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضرت ابراہیم خلیل اور حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات ایک ہی صفت صفت العلم میں شرکت رکھتے ہیں کیونکہ یہ صفت اجمال کے اعتبار سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ تعین ہے اور تفصیل کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے اور برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اور نیز ایک ظلِ مُربی ایک عارف اور اسی صفت کا ظل دیگر کسی دوسرے ولی کا مبدأ فیض ہوتا ہے۔

[اور یہ جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تعینِ اول ہے جو حضرتِ اجمال ہے اور وحدت کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر

ہوئی ہے یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد اسی دائرۂ ظل کا مرکز ہے۔ اس دائرۂ ظل کو تعینِ اول سمجھے ہیں اور اس کے مرکز کو اجمال جان کر اس کا نام وحدت رکھا ہے۔ اور اس مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کا محیط ہے واحد گمان کیا ہے۔ اور دائرۂ ظل کے مقام کو جو اسماء وصفات کا دائرہ ہے ذاتِ بیچون جو تعین سے مبرّا ہے تصور کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس دائرۂ ظل کا مرکز دائرۂ فوق کے جو اس کا اصل ہے اور اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے دائرہ سے موسوم ہے مرکز کا ظل ہے۔ حقیقت میں حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس دائرۂ اصل کا مرکز ہے جو اسماء وشیونات کا اجمال ہے۔ اور اس دائرہ میں ان اسماء وصفات کی تفصیل واَحدیت کا مرتبہ ہے اور ظلالِ اسماء کے مرتبۂ وحدت اور احدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تعینِ اول ہے، الخ" یعنی ان مشائخ نے اصل اور ظل کے درمیان تمیز نہیں کی ہے انہوں نے مرکزِ ظل کو اصل خیال کیا ہے اور فوقِ ظلال کو جو کہ اسماء وصفات کا دائرہ ہے ذاتِ بیچون تصور کیا ہے اور حال یہ ہے کہ اس دائرۂ ظل کا مرکز دائرۂ فوق کے مرکز کا ظل ہے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس دائرۂ اصل کا مرکز ہے نہ کہ دائرۂ ظل کا مرکز۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے، الخ" یعنی ان مشائخ نے اصل وظل کے فرق کو دَرک نہیں کیا ہے

اسی وجہ سے انہوں نے صفات کے ظلال کی سیر کو سیر فی اللہ کہا ہے حالانکہ یہ سیر سیر الی اللہ ہے نہ کہ سیر فی اللہ۔

سب سے پہلے سیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو سمجھ لینا ضروری ہے تا کہ بقیہ موضوع سمجھنے میں آسانی ہو۔

اہلِ لغت کی اصطلاح میں سیر یعنی عروج سے مراد جہد (جہاد) کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں کتاب الجہاد والسیر ہے جس میں جہاد اور اس کے متعلق واقعات بیان ہوئے ہیں۔

اہلِ صرف ونحو کی اصطلاح میں سیر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جانے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلیٰ الْکُوْفَۃ یعنی میں نے بصرہ سے کوفہ تک سیر کی۔

صوفیاء عظام کی اصطلاح میں سیر سے مراد باطنی طور پر ممکنات سے عالمِ وجوب تعالیٰ وتقدس تک رسائی کے لئے کوشش کرنا ہے اور اس کو سیر الی اللہ کہا جاتا ہے۔

اور سیر فی اللہ میں فی کا لفظ داخل ہونے کے معنی پر ہے جیسا کہ مَا فِیْ نَفْسِکَ یعنی جو تیرے دل میں ہے۔ سیر فی اللہ ذات تعالیٰ وتقدس کے اصل اسماء وصفات میں ہے۔

ان دونوں سیروں میں بہت زیادہ فرق ہے اس کی وضاحت ایک مثال سے کی جا سکتی ہے۔

سالک کے پنجگانہ لطائف (قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی) میں سیر الی اللہ ہے۔ سیر الی اللہ کی مثال یہ ہے کہ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَۃِ اِلیٰ الْکُوْفَۃ یعنی میں نے بصرہ سے کوفہ تک سیر کی۔ یہ سیر بصرہ سے شروع ہو کر کوفہ تک ساری کی ساری ممکنات ہی میں ہے۔ اور سیر فی اللہ حدودِ ممکنات سے باہر ہے اس کا وجود خارجی ہے یعنی جب سیر الی اللہ کا آخری نقطہ ختم ہوتا ہے تو سیر فی اللہ کا ابتدائی نقطہ شروع ہو جاتا ہے۔

[حالانکہ وہ سیر در حقیقت سیر الی اللہ میں داخل ہے، اس کے بعد اگر دائرۂ اسماء وصفات میں جو اس دائرۂ ظل کا اصل ہے سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے تو ولایتِ کبریٰ کے کمالات کا آغاز شروع ہو جائے گا، اور یہ ولایتِ کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان کی تابعداری کے باعث ان کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسماء وصفاتِ زائدہ کو متضمن ہے اور اوپر کا نصف حصہ شیون واعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس کے بعد اگر دائرۂ اسماء وصفات میں جو اس دائرۂ ظل کا اصل ہے سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے، الخ" یعنی اس کے بعد جب عارف کی سیر صفات کے ظلال سے صفاتِ مقدسہ کی اصل تک پہنچ جاتی ہے تو اس جگہ سے عارف کا ولایتِ کبریٰ کے کمالات کا جو کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے آغاز ہو جاتا ہے۔ اور اولیاء عظام حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی وجہ سے ان حضرات کے کمالات سے بھی مشرف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت مبارکہ کی برکت سے حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالات پر مشرف ہوئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس دائرہ کا نچلا حصہ اسماء وصفاتِ زائدہ کو متضمن ہے او اوپر کا نصف حصہ شیون واعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے، الخ" یعنی اسماء

وصفات کا یہ دائرہ قوسِ عالی اور قوسِ سافل کو متضمن ہے۔ اس قوس کا سافل صفاتِ ثمانیہ زائدہ ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس کا وجود اس سے خارج میں ہوتا ہے اور یہ ذاتِ مقدس کے وجود کے بغیر ہوتا ہے اگرچہ یہ مقدسہ صفات ذات کے بغیر ہیں مگر ذات سے منفک و جُدا نہیں ہیں اس وجہ سے عقائد میں کہا گیا ہے کہ لَا ھُوَ وَ لَا غَیْرُہٗ یعنی جو نہ عین ذات ہیں اور نہ غیرِ ذات ہیں یا وَ صِفَاتُ اللّٰہِ تَعَالیٰ لَیسَتْ عَیْنُ ذَاتِہٖ وَ لَا غَیْرُ ذَاتِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات نہ تو (مفہومًا) ذات کی طرح ہیں اور نہ ہی (انفصالًا) ذات سے جُدا ہیں۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ دو وجود اور دو حیث کی حامل ہیں مثلاً صفت العلم دو حیث کی حامل ہے۔

اول: مرتبۂ صفیت (صفات) میں وجودِ خارجی رکھتی ہیں اور حق تعالیٰ کے وجودِ ذاتِ مقدس کے بغیر موجود بوجودِ خارجی ہے۔ وجودِ خارجی سے مراد یہ ہے کہ جتنی بھی ممکنات (یعنی انسان، ملائکہ، جن، جنت و دوزخ، لوح و قلم، زمین و آسمان اور عرش وغیرہ) موجود ہیں یہ سب کی سب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ان ممکنات و مخلوقات میں موجود نہیں بلکہ اس سے باہر ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ واجب الوجوب اور وجودِ خارجی کے ساتھ ہے۔

دوم: مرتبۂ قیام میں وجودِ خارجی زائدہ جُداگانہ نہیں رکھتی بلکہ ذاتِ مقدس سے منتزع (جُدا) ہوتی ہے اور عارف کے لئے مشہود ہوتی ہے۔

یہ وجود علمِ غیر سے منتزع اور علم کے وجودِ خارجی سے ہے جو کہ مرتبۂ صفیت (صفات) ہے اور اس وجودِ انتزاعی کو شان العلم کہا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام صفاتِ ثمانیہ میں ان دو حیث کو ہی

قیاس کرنا چاہیئے اور نیز یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ یہ وجودِ انتزاعی دیگر حیث کی حامل میں بھی ہوتا ہے اور اس حیث کی دیگر عبارت اس سے ہے کہ عارف ذاتِ مقدس حق تعالیٰ سے ایک غیر معین انتزاعی صفت کو احساس کرے مگر یہ فہم نہ رکھے کہ اس نے کون سی انتزاعی صفت کو پایا ہے اس وقت عارف صرف اس قدر ہی جانتا ہے کہ ایک صفت کی انتزاع مشہود ہے مگر اس صفت کا تعیین عارف کے اِدراک سے خارج ہوتا ہے انتزاع کے مرتبہ کو اعتبارات کہا جاتا ہے۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ شیونات واعتبارات دونوں موجوداتِ انتزاعی ہیں مگر مرتبہ ٔشان میں تعیینِ صفات عارف کے دَرک میں ہوتا ہے اور اعتبارِ تعیین کے مرتبہ میں یہ صفتِ انتزاعی عارف کی دَرک میں نہیں آتا۔ اس وجہ سے اعتبارات کا مرتبہ شیونات کے مرتبہ سے فوق ہے اس لئے عارف جس قدر بھی ذاتِ مقدس کے نزدیک تر ہوتا ہے اس کا دَرک اس مقدس مرتبہ کی زیادہ نورانی شعاعوں کی وجہ سے مغلوب ہوتا ہے جبکہ عارف کے ادراک کی قوت ضعیف ہوتی ہے تو اس لئے اس کا دَرک نہیں کر پاتا۔

[عالمِ اَمر کے پنجگانہ لطائف و مراتب کا عروج اس دائرۂ اسماء و شیونات کے نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر محض فضلِ خداوندی جلّ شانہٗ سے صفات و شیونات کے مقام سے عروج زیادہ تَر واقع ہو۔ تو ان کے اصول کے دائرہ میں سَیر واقع ہو گا۔ اور اس دائرۂ اصول کے آگے ان اُصول کا دائرہ ہے اور اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرۂ فوق کی ایک قوس ظاہر ہو گی اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ دائرۂ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کی گئی شاید یہاں کوئی سِر ہو گا جس پر اطلاع نہیں بخشی۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس کے بعد اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے صفات وشیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو، الخ" یعنی جس وقت عارف صفات وشیونات کے مقام سے ترقی فرمالیتا ہے تو اس کی سیر اس کے اصول میں جو کہ اعتبارات اور اصولِ اعتبارات سے عبارت میں واقع ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اعتبارات اگرچہ اُصولِ شیونات ہیں مگر یہ دیگر اُصول بھی رکھتے ہیں جسے تعبیر میں لانے کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ذاتِ مقدس ابھی کہاں ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے:

زاعلیٰ بالاو بالاز بالا

بلندی ہم نمی گنجد درآنجا

ترجمہ: اس اعلیٰ مقام سے اوپر اور بھی بلند ترین مقامات موجود ہیں جہاں بلندی کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳)

ترجمہ: وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

جب سالک ولایتِ کبریٰ کے آخری نقطہ تک پہنچ کر اس کے کمالات کو حاصل کرلے تو ان کمالات کو اسمِ ظاہر کے کمالات کہا جاتا ہے اور جب تک سالک کی سیر ولایتِ کبریٰ، اسماء وصفات، شیونات اور اعتبارات کے آخری نقطہ تک اس کے کمالات تک نہ پہنچ سکے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

اس کے پرواز کرنے کے لئے ابھی تک اس کو ایک بازو بھی میسر نہیں، نہ ہی شرحِ صدر اور نہ اطمینانِ نفس اور یہ سب کچھ اس وقت میسر ہوتا ہے جب سالک حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ ولایت کو پالے اور اس کا پانا سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل تابعداری کے بغیر ناممکن ہے۔ قوس کا سافل صفاتِ ثمانیہ ذاتیہ ہے اور قوسِ عالیٰ شیونات واعتبارات ہے جیسا کہ اوپر بھی بیان ہو چکا ہے سالک قوسِ سافل سے اپنے آپ کو اوپر دیکھتا ہے اور صرف صفاتِ شیونات کے کمالات کا احساس کرتا ہے لیکن ان تک پہنچ نہیں سکتا۔ مگر اعتبارات سالک کے عقل وفکر اور اس کے دَرک سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں اور سالک ان کا درک واحساس نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وَ صِفَاتُ اللّٰہِ تَعَالیٰ لَیۡسَتۡ عَیۡنُ ذَاتِہٖ وَ لَا غَیۡرُ ذَاتِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات نہ تو (مفہومًا) ذات کی طرح ہیں اور نہ ہی (انفصالًا) ذات سے جُدا ہیں۔ لَیۡسَتۡ عَیۡنُ ذَاتِہٖ سے مراد صفاتِ شیونات کے کمالات ہیں جس کا قوسِ عالیٰ میں سالک کو تھوڑا سا احساس ہو جاتا ہے اور وَ لَا غَیۡرُ ذَاتِہٖ سے مراد قوسِ عالیٰ میں صفاتِ اعتبارات ہیں جہاں سالک کے عقل وفکر اور دَرک واحساس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی سالک کو صفت العلم، صفت القدرت اور صفت الکلام کے علاوہ باقی تمام صفات کا احساس ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرۂ فوق کی ایک قوس ظاہر ہو گی، الخ" یعنی عارف شیونات واعتبارات اور اس کے اصول کو طے کرنے کے بعد ایک دوسرے قوس کے مشاہدہ میں پہنچ جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس قوس کو جملہ اسرار سے جانا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سِر سے آگاہ نہیں کیا گیا ہے۔

[اور اسماء وصفات کے یہ اُصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے جو حضرتِ ذاتِ تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبار ہی اعتبار ہیں جو صفات وشیونات کے مبادی ہیں۔ ان اُصولِ سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی مقام میں شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اسماء وصفات کے یہ اصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے، الخ" یعنی یہ سہ گانہ اصول شیونات واعتبارات اور اصولِ اعتبارات وجودِ خارجی نہیں رکھتے محض اعتبارات وانتزاعات ہوتے ہیں جو کہ ذاتِ مقدس سے انتزاع یافتہ ہوتے ہیں اور وجودِ خارجی زائد کے حامل نہیں ہوتے اور ان سہ گانہ اصول کا حصولِ کمالات نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو عارف ان سہ گانہ مراتب کے شہود پر جو کہ ذاتِ مقدس سے انتزاع ہوتا ہے مشرف ہو جاتا ہے تو اس کا نفس اطمینان کے مرتبہ پر پہنچ کر تسلیم ہو جاتا ہے۔

بعد ازیں دستِ من ودامنِ دوست
بعد ازیں گوشِ من وحلقۂ یار

ترجمہ: اس کے بعد دوست کے ہاتھ اور دامن کو مضبوطی سے پکڑنا اس کے بعد میرے کان اور گردن میں شریعت کی زنجیر ڈال کر مجھے کھینچ لے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ شیونات واعتبارات کی قوس سے اوپر ایک اور قوس بھی ہے جس کے اسرار سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھے فی الحلال واقفیت عطا نہیں فرمائی۔

سالک کا نفس اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک سالک اصولِ سہ گانہ یعنی صفاتِ ثمانیہ، شیونات اور اعتبارات کو طے نہ کرلے جب یہ طے ہو جائیں تو سالک کا نفس اطمینان کو پہنچ کر تسلیم یعنی ایمانِ حقیقی پر مشرف ہو جاتا ہے۔

جو سالک ان اصولِ سہ گانہ کو طے کر لیتا ہے تو اسے پرواز کے لئے ایک بازو حاصل ہو جاتا ہے جو کہ اسمِ ظاہر کی برکات کا بازو ہے اور عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو اسمِ باطن ہے۔ مکتوبات شریف میں ساری باتیں سالکین کو آگاہی دینے اور سمجھانے کی غرض سے بیان کی جا رہی ہیں تاکہ کوئی اس سے مایوس ہو کر ہمتِ عالیٰ کا دامن نہ چھوڑ بیٹھے۔ اس بارے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ میں سارے اَسرار و معارف اس وجہ سے بیان نہیں کرتا کہ بعض لوگ مایوس نہ ہو جائیں۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ عارف ذاتِ مقدس کے شہود پر مشرف ہو گیا جس طرح کہ سہ گانہ مراتب کو ذاتِ مقدس سے انتزاع کیا حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان مراتب کے شہود کے بعد فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے وصول میں یہ عالمِ قدس کی طرف اُڑنے کے لئے ایک بازو ہے اور عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو اسمِ باطن کی سیر ہے۔ کہ ان دو بازوؤں کے حصول کے بعد عارف عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے سے نواز دیا جاتا ہے ان فرمائشات کی تطبیق کس طرح ہو گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ مقدس خارج میں موجود ہے اس طرح اپنے خانۂ علم اور صفت الوجود میں بھی موجود ہے جس عارف نے سہ گانہ مراتب کو اسمِ باطن

کی سیر سے قبل ذاتِ مقدس سے انتزاع کیا تو یہ انتزاع اس ذاتِ مقدس سے ہے جو کہ خانۂ علم میں ہے نہ کہ اس ذاتِ مقدس سے جو خارج میں موجود ہے جو کہ عینِ ذاتِ مقدس سے عبارت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی ان فرمائشات سے معلوم ہوا کہ وجود کی دو اقسام ہیں ایک وجودِ علمی ہے اور دوسری وجودِ خارجی۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے کہ اگر کسی شخص کے وجود کو اس کی موجودگی میں دیکھا جائے تو اس نظر آنے والے وجود کو وجودِ خارجی کہا جاتا ہے۔ اور جب یہ شخص چلا جائے تو اس شخص کے جانے کے بعد اس شخص کے وجود کا جو تصور انسان کے ذہن میں آئے تو اسے وجودِ علمی کہا جاتا ہے۔ اس سارے موضوع کا خلاصہ یہ ہے کہ عارف اس مقام کی ابتداء میں اول حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے شہودِ علمی میں جو کہ خانۂ علم میں ہے اسمِ باطن تک پہنچنے سے قبل حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس وجودِ علمی تک پہنچتا ہے اور اسمِ باطن کی سیر کے بعد مرتبۂ ذاتِ مقدس پر پہنچ جاتا ہے۔ یعنی اسمِ ظاہر اور اسمِ باطن کے مراتب کو طے کرنے کے بعد عینِ ذاتِ مقدس کے شہود پر جو کہ خارج میں موجود ہے اور ذاتِ مقدس سے عبارت ہے پر مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ وجودِ علمی جو کہ صفت العلم اور صفت الوجود میں موجود ہے وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عینِ ذات نہیں ہے بلکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا وجودِ علمی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اسی مقام میں شرحِ صدر حاصل ہو جاتا ہے، الخ" یعنی عارف نفس کے اطمینان سے قبل شرحِ صدر کی نعمت سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ اور حرص، کینہ، بخل، کبر و غرور جیسے باطنی امراض کا شکار رہتا ہے۔ یہ دوسروں کے عزت واحترام کو دیکھ کر اس پر خوش نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کا عزت واحترام ہوتے ہوئے دیکھ کر اس میں کینہ وکدورت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مگر جس وقت اس عارف کو اطمینانِ نفس کی کیفیت

نصیب ہو جائے تو پھر اس کا سینہ ان رزیلہ وخسیسہ صفات سے پاک ہو کر انوارات اور فیوض وبرکات کا محل بن جاتا ہے۔ عارف اپنے سینہ کی وسعت سے خبر دار ہو جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں اپنے صورتِ مثالی سینہ کو ایک بہت بڑے اور کشادہ دروازے کی مانند دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد جب کوئی اس کی تعریف کرے تو اس سے یہ عارف حالتِ قبض کا شکار ہو جاتا ہے یعنی ندامت وشرمندگی اور ناراضگی محسوس کرتا ہے کہ میں تو کوئی چیز نہیں ہوں اور نہ ہی میری کوئی حیثیت ہے تو میری تعریف کیوں کی جا رہی ہے اور پھر یہ عاف اپنے آپ کو نادم جانتے ہوئے حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ میں کثرت سے استغفار کرتا ہے۔

[یہ وہی مقام ہے کہاں نفسِ مطمئنہ تختِ صدر پر جلوس فرماتا ہے۔ اور مقامِ رضا اور ارتضا پر ترقی کرتا ہے۔ ولایتِ کبریٰ یعنی ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا انتہایہی مقام ہے۔

جب سیر یہاں تک ہو چکا تو وہم وخیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا۔ اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسمِ ظاہر کی تفصیل تھی۔ اور ابھی پرواز کے لئے ایک ہی بازو میسر ہوا ہے۔ اور اسمِ باطن جو عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے ابھی در پیش ہے، جب تو اس کو بھی مفصل طور پر سرانجام کرے گا تو پرواز کے لئے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسمِ باطن کا سیر بھی سرانجام پاچکا تو دونوں بازو میسر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْ لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حق لے کر آئے ہیں۔

اے فرزند! اسمِ باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے اس سیر کا حال استتار و تبطن اور پردہ رہنے کے مناسب ہے۔ البتہ اس قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسمِ ظاہر کا سیر صفات میں ہے۔ بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو۔ اور اسمِ باطن کا سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے، اور یہ اسماء ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت کے رُوپوش ہیں۔

مثلاً صفت علم میں ہرگز ذات ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسمِ علیم میں پردۂ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے۔ کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے۔ پس علم کی سیر اسمِ ظاہر کی سیر ہے۔ اور علیم کی سیر اسمِ باطن کی سیر۔ باقی تمام صفات و اسماء کا حال اسی قیاس پر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ وہی مقام ہے جہاں نفسِ مطمئنہ تختِ صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقامِ رضا اور ارتقاء پر ترقی کرتا ہے، الخ" یعنی تزکیہ سے قبل مرکزیتِ نفس دِماغ میں ہوتی ہے اور اطمینانِ نفس کے بعد یہ مقام سینہ کے تخت میں جلوس فرما ہو جاتا ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے رضا کے مقام پر مشرف ہو جاتا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی اور یہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تمام مقدورات کو اپنی رضا ورغبت سے قبول کر لیتا ہے اور جو لوگ ظاہری و باطنی مراتب میں اس سے فاضل تر بھی ہوں ان سے حسد نہیں کرتا۔ مختصر یہ کہ نفسِ انسانی جو کہ عناصرِ اربعہ کا شیرہ ہے یہ انسان کے سارے بدن میں موجود ہے مگر تزکیہ سے قبل اس کا مرکز دِماغ ہے اور تزکیہ کے بعد اس کا مرکز سینہ ہے یعنی پھر یہ دماغ سے سینہ میں منتقل ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے دو سوالات ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں:

پہلا سوال یہ ہے کہ نفس کا دماغ سے سینہ میں نزول عارف کے تنزل کا سبب ہے نہ کہ اس کی ترقی کا سبب۔ اور یہاں اس تنزل کو ترقی کہا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عارف کی یہ ترقی معنوی ہے نہ کہ صُوری۔ اس لئے کہ سینہ معرفت کا محل ہے اور دِماغ غرور کا محل۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ عارف کس طرح سمجھے گا کہ اس کے نفس کا مرکز دماغ میں ہے یا اس کے سینہ میں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تزکیہ سے قبل عارف کا ادراک دماغ سے ہوتا ہے اور تزکیہ کے بعد ادراک کی دولت اس کے سینہ میں منتقل ہو جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسمِ باطن کی سیر بھی سر انجام پا چکی۔ تو دونوں بازو میسر ہو گئے، الخ" یعنی اسمِ ظاہر کی سیر صفات میں واقع ہوتی ہے بغیر اس کے کہ اس کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو۔ مگر اسمِ باطن کی سیر میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات صفات کی سیر کے ضمن میں عارف کے ملحوظِ نظر ہوتی ہے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسمِ ظاہر میں سیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی وجودِ علمی کے مراتب میں اور اسمِ باطن میں سیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی وجودِ خارجی کے مراتب میں ہے مگر صفات کے ضمن میں۔

[یہ اسماء جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملائے اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر کا آغاز ولایتِ عُلیا میں جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھنا ہے۔

اب علم و علیم اور اسمِ ظاہر و اسمِ باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تا کہ تو اس فرق کو تھوڑا نہ خیال کرے اور نہ کہے کہ عالم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے نہیں۔ بلکہ وہ فرق جو مرکزِ خاک اور محدّب عرش کے درمیان ہے اس فرق کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ۔ کہنے کو نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں دور ہے۔ اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔

مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالمِ اَمر کو طے کر کے ان کے اُصول کا سیر کرے تا کہ دائرۂ امکان تمام ہو جائے اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الیٰ اللہ کا پوراذ کر آ چکا ہے۔ لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پنجاہ ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴)

ترجمہ: ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔

اسی مطلب کی رمز کو بیان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبۂ عنایت کے آگے کچھ دور نہیں ہے کہ اس قدر مدتِ دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کر دے۔

با کریماں کارِہا دُشوار نیست

ترجمہ: کریموں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

اور اسی طرح ہے جو کہا گیا ہے کہ دائرۂ اسماء وصفات وشیون واعتبارات کو طے کر کے ان کے اُصول میں سیر کرے۔ تمام اسماء وصفات وشیون واعتبارات کا طے کرنا کہنے میں تو آسان ہے لیکن عملاً طے کرنے میں بہت مشکل ہے۔ اس طے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے کہ:

مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ

ترجمہ: وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

اور ان مراتب کے تمام سیر سے منع کیا ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ترجمہ: نہ اس کے حُسن کی انتہاء ہے اور نہ سعدی کے بیان کی انتہاء ہے۔ مرضِ استسقا والا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح بھرا ہوا باقی ہے۔

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیاتِ ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو نہ کہ تجلیاتِ صفاتیہ کے اعتبار سے۔ اور حُسن سے مراد ذاتی حُسن ہو نہ کہ حُسنِ صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں۔ اور وہ حُسن ذاتی صفاتِ جمالیہ کے رُوپوش کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے۔

من عرف اللہ کل لسانہ۔

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اُس کی زبان گنگ ہو گئی۔[1]

---

[1](تفسیر الفخر الرازی، ج ۱، ص ۲۱۱۶، دار النشر / دار إحیاء التراث العربی)

اور تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے۔ اس لئے اس مقام میں شیون کے ملاحظہ سے چارہ نہیں۔ پس یہ منازلِ وصول اور مراتبِ حُسن دائرۂ اسماء و شیونات میں داخل ہیں۔ جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک مشکل ہے لیکن وہ اَمر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات و ظہورات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلیاتِ ذاتی ہوں خواہ صفاتی۔ اور حُسن و جمال کے ماوراء ہے خواہ وہ حُسنِ ذاتی ہو خواہ صفاتی۔

غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرویا ہے۔ اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے۔ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقَاصِرِیْنَ پس کوتاہ ہمت نہ ہو۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسمِ ظاہر اور اسمِ باطن کے دونوں پَروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوئی اور عروج واقع ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیاتِ اصالت (براہِ راست) کے طور پر عنصرِ ناری اور عنصرِ ہوائی اور عنصرِ آبی کے نصیب ہیں۔ بلکہ ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی ان عناصرِ سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے۔ جیسے کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ آگ اور برف سے مخلوق ہیں اور ان کی تسبیح ہے:

سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ النَّارِ وَ الثَّلْجِ

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ اسماء جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاء اعلیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں، الخ"

یعنی اسمِ باطن ملاء اعلیٰ کے تخلیقی وجود و کمالات کا مبدأ فیض ہوتا ہے اور ولایتِ ملاء اعلیٰ ولایتِ عُلیا

ہے جو کہ ولایتِ کُبریٰ سے بلند تر ہے مگر ملائکہ کرام پر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی فضیلت کمالاتِ نبوت کے سبب ہے اور مقامِ نبوت کے معارف حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تجلیاتِ ذاتیہ پر مربوط ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیاتِ ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو، الخ" یعنی کوئی یہ گمان نہ کرے کہ جنہوں نے مراتبِ اصول کو غیر متناہی سمجھا ہے اُن لوگوں کی ان سے مراد تجلیاتِ ذاتیہ ہیں اس لئے کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ کو نہیں پہنچے ہیں اور تجلیاتِ صفاتیہ کو غیر متناہی کہا ہے اور تجلیاتِ ذاتیہ اور ذاتِ مقدس کا وصول عارف کے ادراک و تعبیر سے بلند تر ہے اور اس مقام کے مناسب کَلَّ لِسَانَہٗ یعنی زبان کا گنگ ہونا ہے۔

حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من عرف اللّٰہ تعالٰی انقطع عن الکل بل خرس و انقمع۔

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ غیر اللہ سے منقطع ہو گیا بلکہ گونگا اور مطیع ہو گیا۔[1]

کسی نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ:

فَهَلْ عَرَفْتَ رَبَّكَ؟ فَسَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ تَعَالٰی قَلَّ كَلَامُهٗ وَ دَامَ تَحَيُّرُهٗ۔

ترجمہ: کیا آپ نے اپنے رب کو پہچان لیا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کے لئے حیرت میں ڈوب جاتا ہے (کیونکہ عبارت تو اس چیز کی بیان کی جا سکتی ہے جسے کسی جملے میں شامل کیا جا سکتا ہو)۔

---

[1](الرسالۃ القشیریۃ، ج ۲، ص ۴۷۹، الناشر: دار المعارف، القاہرۃ)

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

اَلْعِجْزُ عَنِ الْمَعْرِفَۃِ مَعْرِفَۃٌ۔

ترجمہ: معرفت کی حقیقت معرفت سے عجز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن محمد الدمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ:

سئل بَعْض المشايخ: بم عرفت اللّٰہ تَعَالَی؟ فَقَالَ: بلمعة لمعت بلسان مأخوذ عَنِ التمييز المعهود ولفظة جرت عَلَی لسان هالک مفقود يشير إِلَی وجد ظاهر ويخبر عَن سر ساتر هُوَ هُوَ أظهره وغيره بِمَا أشكله ثُمَّ أنشد:

ترجمہ: مشائخ میں سے کسی شیخ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ انہوں نے فرمایا: ذکرِ الٰہی کے اس نور کی چمک سے جو میرے دل پر پڑی، جسے ایسے شخص کی زبانی حاصل کیا گیا، جس کی عقل معہود (قول و قرار کے موافق) ہو چکی ہو اور ان الفاظ سے جو ایسے شخص کی زبان پر وارد ہوئے ہوں جو شہودِ حق میں مستغرق ہو۔ اور وہ قائل وجدِ ظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہو اور ایسے باطن کی خبر دے رہا ہو جو اس کی پردہ پوشی کر رہا ہو۔ وہ شخص اپنے ظاہری جسم و شکل کے اعتبار سے تو وہی انسان معلوم ہوتا ہے، مگر اپنے باطن کے اعتبار سے کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اشعار پڑھے:

نطقت بلا نطق هُوَ النطق إنه
لَک النطق لفظا أَو يبين عَنِ النطق
تراءيت كي أخفى وَقَدْ كنت خافيا
وألمعت لي برقا فأنطقت بالبرق

ترجمہ: میں نے بغیر نطق کے گفتگو کی اور دراصل حقیقی نطق بھی یہی ہے۔ اے مولیٰ! تو لفظوں میں گفتگو کرتا ہے، یا تو اپنی گفتگو کو خود ہی واضح کر دیتا ہے۔ اے اللہ! تو نے اپنی ذات کا جلوہ مجھے دکھایا،

تا کہ میں مخفی ہو جاؤں۔ حالانکہ تو خود بھی مخفی تھا، مگر تُو نے نورِ عرفاں کی بجلی میرے لئے چمکائی، تو بجلی کے ذریعہ سے تُو نے مجھے گویا کر دیا۔ [1]

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند

شیر آنست آں کہ خود را بشکند

ترجمہ: وہ شیر (بننا) آسان سمجھ جو کہ صفیں پھاڑ دے۔ اصل میں تو شیر وہی ہے جو اپنے آپ کو شکست دے دے (یعنی اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کو توڑ دے)۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کہ اسمِ ظاہر اور اسمِ باطن کے دونوں پَروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوتی ہے، الخ" یعنی اسمِ ظاہر کی سیر کی تکمیل ہونے اور اسمِ باطن میں پہنچنے کے بعد عنصرِ ناری، عنصرِ آبی اور عنصرِ ہوائی کی سیر حاصل ہو جاتی ہے۔

[اس سیر کی اثناء میں حالتِ واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں۔ اور لاٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں، لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ ڈالتا ہوں۔ تا کہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو۔ کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا، اور جب کچھ مدت اسی طرح چلتا رہا۔ ایک شہر کی فِنا (گرد و نواح کا میدان) ظاہر ہوئی۔ اس فِنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا۔ میں نے معلوم کیا

[1] (الرسالة القشيرية، ج ٢، ص ٤٨٢، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

کہ یہ شہر تعینِ اول سے مراد ہے جو تمام مراتبِ اسماء اور صفات و شیون واعتبارات کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اُصول اور ان کے اُصول کے اُصول کا جامع ہے۔ اور اعتباراتِ ذاتیہ کا منتہا ہے۔ جن کے درمیان تمیز کرنا علمِ حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علمِ حضوری کے مناسب ہو گا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کہ یہ شہر تعینِ اول سے مراد ہے جو تمام مراتبِ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اُصول اور ان کے اُصول کے اُصول کا جامع ہے۔ اور اعتباراتِ ذاتیہ کا منتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علمِ حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علمِ حضوری کے مناسب ہو گا، الخ" یعنی علمِ حصولی صفاتِ زائدہ کے ادراک سے عبارت ہے اور علمِ حضوری ذاتِ مقدس کے علم اور اعتباراتِ ذاتیہ کے علم سے عبارت ہے کہ ان کی ذاتِ تعالیٰ وتقدس پر زیادتی خارجی زیادتی ہے یا دوسرے الفاظ میں علمِ حصولی علمِ صفات کی ایک شے سے عبارت ہے اور علمِ حضوری بذاتِ خود اسی شے کے علم سے عبارت ہے یا پھر اس شے کے اعتباراتِ ذاتیہ کے علم سے عبارت ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علمِ حصولی اور علمِ حضوری کی یہ تعریف حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی خاص اصطلاحات میں سے ہے۔ جبکہ علماءِ معقول کی اصطلاح اس طرح نہیں ہے کیونکہ علماءِ معقول کے نزدیک علمِ حضوری ایک عالم کا اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے معلولات ومجعولات کے علم سے عبارت ہے اور علمِ حصولی ایک عالم کا دیگر اشیاء کے علم سے عبارت ہے نہ کہ سہ گانہ مراتب جو اُوپر بیان ہو چکے ہیں۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اعتباراتِ ذاتیہ کے علم کو علمِ حصولی میں داخل سمجھتے ہیں اور پھر علمِ حضوری میں بھی اعتباراتِ ذاتیہ کو داخل سمجھتے ہیں اور اس علم کو حضوری فرماتے ہیں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ان دونوں فرمودات میں تطبیق کس طرح ممکن ہو گی؟

تو اس کے جواب میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ قیومِ زمان تھے فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مکتوبات شریف کو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود ہی سمجھ سکتے ہیں اور پھر میں حقیر اپنے فہمِ قاصر سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مکتوبات شریف کی تطبیق اور اس میں پوشیدہ معارف کس طرح بیان کر سکتا ہوں مگر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے طفیل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس کے لطفِ خفی اور استعانت طلب کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر ان مکتوبات شریف کا بیان کرنا ممکن نہیں تو میں کہتا ہوں کہ اعتباراتِ ذاتیہ کی دو اقسام ہیں: وہ اعتباراتِ ذاتیہ جن کی ذاتِ مقدس سے تمیز کرنا دُشوار تر ہے اور ان (اعتباراتِ ذاتیہ) کا شہود ذاتِ مقدس کی مانند عارف کے ادراک سے بعید ہوتا ہے اور عارف اس سیر کو علمِ حضوری کی سیر کے مناسب سمجھتا ہے۔ شیونات اور اعتبارات جن کی ذاتِ مقدس سے تمیز اعتباراتِ فوق کی بہ نسبت آسان ہوتی ہے عارف اس علم کو مناسبِ علمِ حضوری سمجھتا ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ علمِ حصولی سے مراد حق تعالیٰ وتقدس کا وجودِ علمی ہے اور علمِ حضوری سے مراد حق تعالیٰ وتقدس کے وجودِ خارجی کا علم ہے۔ عارف کے شہود میں وجودِ علمی میں بھی وجودِ خارجی کی مانند مراتبِ شیونات اور اعتباراتِ ذات مشہود ہوتے ہیں۔ لہٰذا عارف کبھی تو

اعتبارات کو علمِ حصولی اور کبھی علمِ حضوری میں داخل سمجھتا ہے اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ بحث پہلے بھی گزر چکی ہے اور معشوق کے ناز کے کرشمے غیر متناہی ہوتے ہیں انتہاء نہیں رکھتے۔

گر مصور صورتِ آن دلستان خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچسان خواہد کشید

ترجمہ: اگر مصور محبوب کی صورت میں تصویر بنانا چاہتا ہے تو میں حیران ہوں کہ وہ ان کے دل نشین انداز و اطوار کو کیسے بنا پائے گا۔

[اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہٗ میں علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ وہ صفات جن کا وجود ذاتِ تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علمِ حصولی کے مناسب ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ جن کا ذاتِ تعالیٰ پر زیادہ ہونا ہرگز متصور نہیں ان کا علم علمِ حضوری کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے بغیر اس اَمر کے کہ معلوم کی نسبت کچھ اس میں حاصل ہوا اور کچھ نہیں ہے۔ فَافْھَمْ اور یہ تعینِ اول جس سے وہ شہرِ جامع مراد ہے انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تمام ولایات کا جامع اور ولایتِ عُلیا کا منتہا ہے جو اصلی طور پر ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعینِ اول حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ اور اس کو تعینِ اول اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے اس تعینِ اول کے ظل کا مرکز ہے۔ اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہوئی،

وہ کمالاتِ نبوت کا شروع ہے۔ ان کمالات کا حاصل ہونا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ کمالات مقامِ نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ اور لطائف انسانی کے درمیان عنصرِ خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالمِ اَمر سے ہوں خواہ عالمِ خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصرِ پاک کے تابع ہیں۔ اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہوئے۔ کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہوا ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ اور دَنُوّ کے بعد تَدَلِّی کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا سِر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے۔ اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ و کبریٰ وعُلیا کے کمالات سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبح ومثال کی طرح ہیں۔ اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطہ کا طے کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیئے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقامِ نبوت کو مقامِ ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔

سُبحان اللہ! اس سِر سے جاہل کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور دوسرا اس معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ چھوٹا منہ بڑی بات۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور دَنُوّ کے بعد تَدَلِّیُ کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے، الخ" یعنی دَنُوّ قُرب سے عبارت ہے اور تَدَلِّیُ نزول سے عبارت ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ وجودِ بشری کے فناء اتم سے قبل ذاتِ مقدس کے شہودِ مرتبہ سے عبارت ہے اور اَوْ اَدْنٰی کا مقام وجودِ بشری کے فناءِ اتم سے عبارت ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فنا کی دو اقسام ہیں:

اول: فناءِ وجودی　　　　　دوم: فناءِ شہودی

اول فناء وجودی: فناءِ وجودی یہ ہے کہ عارف کا وجودِ بشری ذاتِ مقدس کی تجلیات میں محو ہو جائے اور عارف کی حقیقت سے خارج ایک لباس وجُبہ کا حکم پیدا کر لے اس عارف کا باطن ذاتِ مقدس کی تجلیات اور اس کا ظاہر صفاتِ ثمانیہ کی تجلیات سے مُنور ہو جائے۔ مگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عوام الناس عارف کو اس کی مثل نہیں پہچانتے بلکہ صرف عارف کا لباس دیکھ کر اس کو اپنی ہی طرح کا سمجھتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کفار کہتے تھے کہ: وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا (الفرقان ۷) یعنی "اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہ اُتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ اُن کے ساتھ ڈر سناتا" اگر یہ لوگ سمجھ بوجھ رکھتے کہ ان کا یہ کھانا پینا اور چلنا پھرنا ان کے لباس کے ساتھ مربوط ہے تو یہ کبھی بھی یہ سوال نہ پوچھتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

أولیائي في قبائي، لا یشھد أولیائي غیري۔

ترجمہ: میرے اولیاء میری قباء (کے پردے میں مستور) ہیں میرے اولیاء کو (میرے علاوہ) کوئی دوسرا انہیں پہچان سکتا۔[1]

بدوستیست بمیرم بذکر زندہ شوم

شراب وصل تو گرداندم زحال بحال

ترجمہ: تیری دوستی میں مر گیا ہوں اور تیرے ذکر سے زندہ ہو گیا ہوں تیرے وصالِ شراب سے میں ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہو گیا ہوں۔

یعنی اے اللہ! تیری دوستی کی وجہ سے مر کر مجھے نفس سے خلاصی حاصل ہو گئی ہے اور اب میں تیرے ذکر اور یاد میں زندہ ہو گیا ہوں اور تیری وصالِ شراب سے میرے افعالِ رزیلہ ختم ہو کر مجھ میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ پردے میں مستور ہیں۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَانَ مَعْرُوْفًا فِي السَّمَآءِ مَجْهُوْلًا فِي الْاَرْضِ۔

ترجمہ: (اولیاء اللہ) آسمان والوں میں معروف و مشہور اور زمین والوں میں غیر معروف ہوں گے۔[2]

---

[1](تفسیر القشیری، ج۵، ص۲۰۸)

[2](کشف الاسرار وعدۃ الابرار، سورۃ ھود، ج۴، ص۴۰۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَسَمِعْتُ خَشْفَةً أَمَامِي، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: هَذَا بِلاَلٌ۔

ترجمہ: مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو میں نے اپنے آگے کسی کے قدموں کی آہٹ سُنی میں نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔[1]

دوم فناءِ شہودی: فناءِ شہودی عالمِ امکان کے نسیان اور مراتبِ وجوب کے شہود سے عبارت ہے اور یہ فناءِ شہودی انواعِ مختلفہ کی مالک ہوتی ہے۔ جو سالک صفاتِ فعلیہ پر مشرف ہو کر عالمِ امکان کو فراموش کر دے تو وہ فناءِ شہودی میں پہنچ جاتا ہے اور جو عارف صفات کے ظلال سے گزر جائے اور صفاتِ مقدسہ میں پہنچ جائے تو وہ فناءِ اتم پر مشرف ہو جاتا ہے اور جو عارف شیونات واعتبارات کے شہود سے سرفراز ہو جائے تو وہ فناءِ کامل تر پر مشرف ہو جاتا ہے اور نیز جو عارف ذاتِ مقدس کے مرتبۂ شہود پر مشرف ہو جائے تو وہ فناءِ انتہائی پر پہنچ جاتا ہے۔

[اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اُس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا۔ تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے تو عدمِ محض میں جا پڑے گا کیونکہ اس کے آگے عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تُو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرُغ جال میں پڑ گیا۔

[1](صحیح ابن حبان، ج۱۵، ص۵۵۹، الناشر: مؤسسة الرسالة - بیروت)

عنقا شکار کس نشود دَام باز چین

کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دَام را

ترجمہ: عنقا کسی کے شکار میں نہیں آ سکتا، لہٰذا جال سمیٹ لے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصہ میں ہوا ہی آتی ہے۔

کیونکہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است

مرا فکر رسیدن ناپسند است

ترجمہ: ابھی استغنا اور بے پرواہی کا محل بہت بلندی پر ہے اور مجھے وہاں تک پہنچنے کی فکر نہیں۔

وہ ورائیت حجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں۔ بلکہ عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہٗ وجود میں اَقرب ہے اور وجدان وادراک سے اَبعد ہے۔ ہاں بعض کامل مُراد والوں کو انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل عظمت و کبریا کے ان پَردوں میں جگہ دیتے ہیں۔

فَعُوْمِلَ مَعَهُمْ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ

ترجمہ: تو ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہوا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک

پہنچایا، الخ" یعنی اس مرتبہ کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا کہ عارف اس سیر کا خواہشمند ہو کیونکہ عارف کو ذاتِ مقدس کا وصول میسر ہو چکا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے فرزند! اس ماجرا سے تُو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا، اور سیمرغ جال میں پڑ گیا، الخ" یعنی اگرچہ عارف کو ذاتِ مقدس کا وصول میسر ہو چکا ہے مگر حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس کا ادراک ابھی بھی میسر نہیں ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور یہ ورائیت وجود کے اعتبار سے حجاب نہیں ہے اس لئے کہ تمام حجابات اُٹھ گئے ہیں بلکہ یہ ورائیت عظمت وکبریائی کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو کہ ادراک کے راستے میں مانع اور وجدان کے منافی ہے۔ جیسا کہ وجدان کے بارے میں مراقبات (بہ ہیئت وحدانی من) کے لفظ میں بھی موجود ہے۔

یعنی حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس کے وصول کے لئے دو چیزیں لازم ہیں:

اول: حجابات کا اُٹھنا دوم: موانع کا دُور ہونا

اس جگہ اگرچہ حجاب تو موجود نہیں ہے مگر موانع موجود ہیں، اور یہ موانع عارف کی بصیرت کے ضعف سے عبارت ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہاں بعض کامل مُراد والوں کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل عظمت وکبریائی کے ان پَردوں میں جگہ دیتے ہیں، الخ" یعنی بعض محبوبان اور مُرادان اس قبیل سے ہیں کہ عظمت وکبریائی کے ان پَردوں کے اندر ان کو بھی جگہ دیتے ہیں اور ان کو مرتبۂ ذاتِ مقدس کے ادراک پر مشرف ومفتخر فرماتے ہیں اور قُرب کا یہ

معاملہ جو کہ عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں ہے وہ انسان کی ہیئتِ وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے اور بس اور اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصرِ خاک ہے۔

[اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی سے مخصوص ہے جو عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصرِ خاک ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ:

لَیسَ وَرَاءَہٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ

ترجمہ: اس کے آگے سوائے عدمِ محض کے کچھ نہیں۔

وہ اس لئے کہ وجودِ خارجی اور وجودِ علمی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کی نقیض ہے۔ اور حق سبحانہٗ کی ذات اس وجود و عدم کے ماوراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں۔ وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اس بارگاہِ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد ہو گا جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

اور یہ جو اس فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی حقیقت وجودِ محض ہے اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے۔ اور وہ بعض معارف جو توحیدِ وجودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں، ان کا سِر بھی یہی عدمِ اطلاع ہے۔ جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا اور استغفار کیا۔

اَسْتَغْفِرُ اللہَ وَاَتُوْبُ اِلَی اللہِ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اُس کی طرف توبہ کرتا ہوں، ان تمام باتوں سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

اس بیان سے روشن ہوا کہ کمالاتِ نبوت مراتبِ صعود میں ہیں۔ اور نیز نبوت کے عروجات میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے نہ جیسے کہ اکثر نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور نبوت میں توجہ خلق کی طرف۔ اور ولایت مراتبِ عروج میں ہے اور نبوت مدارجِ نزول میں اسی وجہ سے بعض نے وہم کیا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں نبوت وولایت میں سے ہر ایک کے لئے عروج و ہُبوط ہے۔ عروج میں دونوں کا منہ حق کی طرف ہے اور ہُبوط میں دونوں کا منہ خلق کی طرف۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبوت کے مرتبۂ ہُبوط میں کُلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہے اور ولایت کے مرتبۂ ہُبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف منہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا باطن رُو بحق ہے اور اس کا ظاہر رُو بخلق۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ ولایت نے عروج کے مقامات کو تمام نہ کر کے نزول کیا ہے اسی واسطے فوق کی نگرانی ہر دَم اس کی دامن گیر ہے۔ اور خلق کی طرف کُلی طور پر اس کی توجہ کی مانع ہے۔ برخلاف صاحبِ نبوت کے کہ اس نے مقاماتِ عروج کو تمام کر کے ہُبوط فرمایا ہے۔ اسی واسطے وہ کُلی طور پر خلق کو خالق کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہے۔

فَاِنَّ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةَ الشَّرِيْفَةَ وَاَمْثَالَهَا مِمَّا لَا يَتَكَلَّمُ بِهَا اَحَدٌ

ترجمہ: یہ معرفتِ شریفہ اور اسی قسم کے اور معارف اس قسم کے ہیں کہ پہلے کسی نے بیان نہیں کئے۔

جاننا چاہیئے کہ عنصرِ خاک جس طرح مراتبِ عروج میں سب سے بالاتر جاتا ہے، اسی طرح منازلِ ہُبوط میں وہ عنصر سب سے زیادہ نیچے آ جاتا ہے۔ اور کیونکر نیچے نہ آئے جب کہ اس کا طبعی

مکان سب سے نیچے ہے اور چونکہ سب سے زیادہ نیچے ہے اسی واسطے اس کے صاحب کی دعوت اَتم ہے اور اس کا افادہ اکمل ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حق سبحانہٗ کی ذات اس وجود وعدم کے ماوراء ہے، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے کشف کی ابتداء میں وجود کو عینِ ذات سمجھا اور پھر ممارست (مہارت و تجربہ) کے وقت عالمِ وجوب کی تجلیات وجود کو غیرِ ذات سمجھا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ دوسرا کشف اہلِ سنت وجماعت کے علماء کے عقائد کے موافق ہے، تو اس بناء پر ذاتِ مقدس غیر از وجود ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نبوت کے مرتبۂ ہُبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہے، الخ" یعنی جب نبی علیہ السلام کمالاتِ عروجی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے تو اس نبی علیہ السلام کا ظاہر و باطن اور نفس و روح مخلوق کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور چونکہ ولی نے کمالاتِ عروجی کو تکمیل تک نہیں پہنچایا ہوتا تو اس لئے ولی کا ظاہر مخلوق اور باطن حق تعالیٰ وتقدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مگر کامل و مکمل عارف حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی مانند ظاہر و باطن میں مخلوق کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جاننا چاہیئے کہ عنصرِ خاک جس طرح مراتبِ عروج میں سب سے بالاتر جاتا ہے، الخ" یعنی عروج میں عنصرِ خاک عارف کے تمام لطائف سے بلند تَر ہوتا ہے جبکہ نزول میں پائین تر۔ عارف کا نزول گزشتہ ممکنات کے مرتبہ سے تام المعرفت اور عدم صَرف میں بھی نزول فرماتا ہے۔

[اے فرزند! جان لے کہ جب طریقۂ نقشبندیہ میں سَیر کی ابتداء قلب سے ہے جو عالمِ اَمر سے ہے تو بات کی ابتداء بھی عالمِ اَمر سے کی گئی۔ بر خلاف مشائخ کرام کے باقی طریقوں کے جو شروع میں تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور قالب یعنی وجود کو پاک فرماتے ہیں اور بعد ازاں عالمِ اَمر میں آتے ہیں۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اس میں عروج کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں مندرج ہے۔ اور یہ طریق سب طریقوں سے اَقرب ہے کیونکہ ان کے اس سَیر کے ضمن میں تزکیہ و تطہیر بہت اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے اور مسافت کوتاہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے عالمِ خلق کی سیر کو قصداً ضائع اور بے کار ہی نہیں جانا بلکہ مطلب کے پانے میں مضر و مانع یقین کیا ہے۔ کیونکہ سالکانِ طریق مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت میں جنگلوں کو قطع کر کے جب عالمِ اَمر کی سیر شروع کرتے ہیں اور انجذابِ قلبی اور التذاذِ روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں۔ اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان دامن گیر ہو جاتا ہے۔ اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچونِ حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔

شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس (۳۰) سال تک رُوح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ اور دوسرے نے کہا ہے کہ استویٰ کا سِر اور عرش پر تنزیہ کا ظہور غامضہ (باریک و مخفی) سے ہے۔

اور بیان سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تنزیہ بھی دائرۂ امکان میں داخل ہے، ہاں تنزیہ نمایاں ہے۔ اور حقیقت میں تشبیہ ہے۔ بر خلاف اس طریقۂ عُلیہ کے بزرگوں کے جو مقامِ جذبہ سے

شروع کرتے ہیں۔ اور اس التذاذ کی مدد سے ترقی کرتے ہیں، یہ انجذاب والتذاذ ان بزرگواروں کے حق میں ایسا ہے جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے۔ پس جو کچھ دوسروں کے لئے وصول کا مانع ہے وہ ان بزرگواروں کے لئے ممد ومعاون ہے۔ عالمِ اَمر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس عالم کی بے چونی کو عین چون جان کر بیچونِ حقیقی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد وحال کے غرور پر مفتون نہیں ہوتے۔ اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز ومویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور تَرہاتِ صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے۔ اور شطحیاتِ مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیتِ صرفہ کی طرف متوجہ ہیں اور اسم وصفت سے ذاتِ مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ عروج جو پہلے ذکر ہو چکا ہے محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو تام الاستعداد ہے اور جو عالمِ اَمر کے جواہرِ خمسہ کے کمالات سے حصہ رکھتا ہے۔ خواہ عالم صغیر ہو خواہ کبیر۔ اور ایسے ہی پنجگانہ اُصول سے جو اسمِ وجوبی کے ظلال میں حظِ وافر رکھتا ہے اور ایسے ہی ان ظلال کے اُصول سے جو اسماء وصفات کا مقام ہے بہرہ ور ہوتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ تام الاستعداد ہو وہ اس لئے کہا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر محمدی المشرب کو کمالاتِ اخفٰی سے بھی جو مراتب عالمِ اَمر کا نہایت ہے حصہ حاصل ہوتا ہے لیکن معاملہ اخفٰی کو انجام تک نہیں پہنچاتا۔ اور اس کے اخیری نقطہ تک منتہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی ابتداء یا وسط میں رہ جاتا ہے اور جب اخفٰی میں کوتاہی کرے تو اس کے اندازہ کے موافق اس کے اُصول میں بھی کوتاہی کرے گا اور کام کو انجام تک نہ پہنچائے گا۔ عالمِ اَمر کے باقی چار گانہ مراتب میں بھی یہی نسبت

ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس کے اخیری نقطہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ ابتداء اور وسط نقص کی خبر دیتا ہے اگرچہ نہایت سے بال کے برابر کم ہو۔

فراقِ دوست اگراندک است اندک نیست

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

ترجمہ: دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہو تو تھوڑی نہیں، آنکھ میں اگر آدھا بال پڑ جائے تو وہ بھی بہت ہے۔

اور یہ کوتاہی اُصول اور اُصولِ اُصول میں سرایت کر جائے گی۔ اور مطلب تک پہنچنے سے روک دے گی اور یہ جو کہا ہے کہ یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہا ہے کہ محمدی المشرب کے سوا کسی ایک کا کمال درجاتِ ولایت میں سے اول درجہ تک ہی محدود ہوتا ہے۔ اور درجہ اول سے مراد مرتبۂ قلب ہے اور دوسرے کا کمال درجاتِ ولایت میں سے دوسرے درجہ یعنی مقامِ رُوح تک محدود ہوتا ہے۔ اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ سِر ہے۔ اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ خفی ہے۔ درجہ اول کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے اور درجہ دوم کی مناسبت صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے اور درجہ سوم کی مناسبت شیون واعتباراتِ ذاتیہ کے ساتھ اور درجہ چہارم کو صفاتِ سلبیہ کے ساتھ جو کہ تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے مناسبت ہے۔ اور درجاتِ ولایت میں سے ہر ایک درجہ انبیائے اولوالعزم میں سے ایک نبی علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسم وصفت سے ذات مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے، الخ" یعنی بعض وہ ہیں کہ ان کے شانِ حصول کا مطلب حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء کے مخصوص خواص ہوتے ہیں جس طرح صَمَد کے اسم مبارک کو تسخیرات کے لئے تکرار کرتے ہیں اور بَاسِط کا اسم مبارک رزق کی وسعت کے لئے تکرار کرتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اس اسم کے اصل سے براہِ راست فیض آرہاہے، ان لوگوں نے اسماء کے ظلال کو اصل تصور کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان اسماء کے اثرات اور اس کے خواص ہیں جس کو انہوں نے اصل سمجھ لیاہے کیونکہ اسم تو بہت بلند تر اور قدیم ہے اسی وجہ سے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مبدأ فیض ظلال سے ہے نہ کہ اصل سے۔

حضراتِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس طائفہ کے برخلاف پہنچنے کے لئے مسمّٰی (یعنی ذاتِ بحت) تک اسمِ ذات کے تکرار کے علاوہ کسی دوسرے اسم کی آرزو نہیں رکھتے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "لیکن معاملہ اخفٰی کو انجام تک نہیں پہنچاتا، الخ"۔

یعنی محمدی المشربان کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیاہے:

اول: صاحبِ استعدادِ کامل

دوم: صاحبِ استعدادِ متوسط

سوم: صاحبِ استعدادِ ناقص

اور یہ عروجات جن کا ہم نے اس سے پہلے تذکرہ کیا ہے وہ خاصہ محمدی المشربان کی قسمِ اول یعنی صاحبِ استعدادِ کامل والا عارف ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ الاقدس کا یہ فرمان کہ "درجۂ اول کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے، الخ" یعنی آدمی المشرب سالک جس کی استعداد لطیفۂ قلب کے ساتھ مربوط ہے اس کا مبدأ فیض صفاتِ فعلیہ اور ظلالِ صفاتِ ثبوتیہ ہوتی ہیں۔ نوحی المشرب اور ابراہیمی المشرب سالک جس کی استعداد لطیفۂ روح کے ساتھ مربوط ہے اس کا مبدأ فیض صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ ہوتی ہیں۔ موسوی المشرب سالک جس کی استعداد لطیفۂ سِر کے ساتھ مربوط ہوتی ہے اس کا مبدأ فیض شیونات ذاتیہ ہوتی ہیں۔ عیسوی المشرب سالک جس کی استعداد لطیفۂ خفی کے ساتھ مربوط ہوتی ہے اس کا مبدأ فیض صفاتِ سلبیہ ہوتی ہیں جو کہ اعتباراتِ ذاتیہ کی طرف راجع ہوتی ہیں اور محمدی المشرب سالک جس کی استعداد لطیفۂ اخفیٰ کے ساتھ مربوط ہوتی ہے اس کا مبدأ فیض شان العلم ہوتا ہے جو کہ دوسرے شیونات کی بہ نسبت بلند تَر ہوتا ہے۔

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ صفاتِ سلبیہ ایک امرِ منفی سے عبارت ہے جو کہ دارائے مصداق موجود نہیں ہوتی یعنی جس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے تو اس طرح کی ایک منفی چیز کس طرح مبدأ فیض ہو سکتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صفاتِ سلبیہ کا مصداق اعتباراتِ ذاتیہ سے راجع ہوتا ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ میں بھی بہت تفاوت پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ حق تعالیٰ وتقدس جسم وجسمانی نہیں ہے اور حق تعالیٰ وتقدس ممکنات سے مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی ممکنات میں ظہور فرماتا ہے۔ اسی طرح صفاتِ سلبیہ

بھی اعتباراتِ ذاتیہ سے راجع ہوتی ہیں اور یہ عدمِ جسمانیت اور اشیاء کی عدمِ مماثلت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات جل شانہٗ کے اعتباراتِ ذاتیہ سے ایک اعتباری ہے۔

[ولایت کا درجہ اول حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے، اس کا رب صفت التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے، اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے، اور حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں۔ ان کا رب صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں سے اَجمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اس کا رب مقامِ شیونات سے شان الکلام ہے۔ اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اس کا رب صفاتِ سلبیہ سے ہے جو مقامِ تقدیس و تنزیہ ہے نہ ثبوتیہ سے۔ اور اکثر ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے۔ اور درجہ پنجم خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زیرِ قدم ہے اس کا رب رب الارباب ہے جو صفات و شیونات و تقدیسات و تنزیہات کا جامع اور ان کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبہ شیونات وصفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ شانِ عظیم الشان تمام کمالات کا جامع ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جاننا چاہیئے کہ اقدامِ ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم و مؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ تاکہ صاحبِ اخفٰی دوسروں سے افضل ہو۔ بلکہ اصل سے قریب وبعید

ہونے اور درجاتِ ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحبِ قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحبِ اخفٰی سے جس کو یہ قُرب حاصل نہیں افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب کہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجۂ اول میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو اخیری درجہ ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح اور روح سے سِر اور سِر سے خفی اور خفی سے اخفٰی تک پہنچنا بھی محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو ترتیب وار ان پنجگانہ عالمِ اَمر کو تمام کر کے بترتیب ان کے اُصول میں سیر کرتا ہے۔ بعد ازاں اُصولِ اُصول میں اسی ترتیب کو مدِ نظر رکھ کر کام کو سرانجام کرتا ہے۔ اور احدیت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لئے یہ راستہ اس مذکورہ بالا ترتیب سے وصول کے لئے شاہراہ اور صراطِ مستقیم ہے۔ بر خلاف دوسری ولایتوں کے کہ ان میں گویا ہر درجہ سے نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں یعنی مقامِ قلب سے نقب کھود کر صفاتِ افعال تک جو اس کی اصل کا اصل ہے لے گئے ہیں اور اسی طرح مقامِ روح سے نقب کھود کر صفاتِ ذاتیہ تک لے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسبت ہے، الخ" یعنی شان العلم تمام صفات و شیونات اور تقدیسات و تنزیہات کا جامع ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مُربی یہی شان العلم ہے جو کہ تمام صفات و شیونات اور تقدیسات و تنزیہات کا متعلق ہے اور آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تمام صفات وشیونات اور تنزیہات معلوم ہیں جسے شانِ جامع اور کُلی شان العلم کے نام سے مسمّٰی کیا گیا ہے اور جزئی شان العلم محمدی المشرب اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مبدأ فیض ہوتا ہے اور کُلی شان العلم جزئیاتِ متعددہ کی حامل ہے اور اس کا ہر ایک جزء محمدی المشرب اولیاء کرام میں سے ایک ولی کا مُربی ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسی مناسبت کے سبب سے آنحضرت علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی، الخ" یعنی جس طرح حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ فیض صفت العلم اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مُربی شان العلم ہے پس یہ دونوں مبارک حضرات علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات علم میں اشتراک ومناسبت رکھتے ہیں تو اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا قبلہ بنا اور اس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حضرت ابراہیم علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت پر مامور فرمادیا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جاننا چاہیئے کہ اقدامِ ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم ومؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے، الخ" یعنی ایک ولی کا قُرب لطیفہ کی فوقیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ مراتبِ وجوب کو طے کرنے کے اعتبار سے مربوط ہے۔ چنانچہ آدمی المشرب سالک جو کہ صفتِ تکوین کے ظلال سے گزر کر خود صفتِ تکوین میں پہنچ گیا ہو اس سالک سے افضل ہے جو کہ صاحبِ لطیفۂ اَخفٰی ہو۔ مگر شان العلم کے ظلال سے خود

شان العلم اور خود صفت العلم تک نہ پہنچا ہو اس کے علاوہ دوسرے مشارب کے سالکین کو بھی اسی ترتیب سے قیاس کیا جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بر خلاف دوسری ولایتوں کے کہ ان میں گویا ہر درجہ سے نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں، الخ" یعنی سالک کے سیر کی وصول کے لئے شاہراہ محمدی المشرب ہے جس سے کہ سالک قلب سے روح، روح سے سِر، سِر سے خفی اور خفی سے اخفٰی میں عروج کرتا ہے۔ اور جو عارف قلب یا رُوح سے یا لطیفۂ اخفٰی کے بغیر دیگر لطائف میں سے مطلب کو پہنچے تو وہ عارف اس شاہراہ سے نہیں گیا بلکہ اپنی استعداد کے مطابق اور اپنے حال کے مناسب کسی راہ سے پہنچا ہے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ محمدی المشرب سالکین کے علاوہ دوسرے سالکین وہ ہیں جو نقب کے راستے سے مطلوب تک پہنچے ہوں جبکہ محمدی المشرب اُن سالکین کی مانند ہیں جو وصول تک اس شاہراہ کے راستہ سے اپنے مطلوب تک پہنچے ہوں۔ وصول کی ان دو انواع کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے اور محمدی المشرب سالکین کے علاوہ دوسرے سالکین انتہاءِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضراتِ اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مبدأ فیض صفات کا ظلال ہے اور حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ فیض صفاتِ مقدسہ کا اصل اور ملائکہ عظام ملائے اعلیٰ علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ فیض شیوناتِ ذاتیہ ہے جس عارف کی ولایت اخفٰی کے ساتھ مربوط ہو اس کی سیر ظلال میں صاحبِ قلب ولی اور تمام لطائفِ اربعہ کی سَیر سے فوق ہوتی ہے اور نیز صاحبِ رُوح کی سیر صاحبِ قلب کی سیر سے فوق اور صاحبِ سِر کی سیر صاحبِ رُوح کی سیر سے فوق یعنی بلند ہوتی ہے اور صاحبِ خفی کی سیر صاحبِ سِر کی سیر سے فوق ہوتی ہے اور صاحبِ اخفٰی کی سیر صاحبِ

خفی کی سَیر سے فوق ہوتی ہے۔ یہ تمام مراتبِ ولایت صفات وشیونات کے ظلال کے ساتھ مربوط ہیں جو کہ بالترتیب ایک دوسرے کا فوق ہیں۔

[اور شک نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال وصفات اس کی ذات سے منفک نہیں ہیں۔ اگر انفکاک ہے تو ظلال میں ہے۔ پس اس مقام میں افعال وصفات کے واصلوں کو بھی ذاتِ بیچون تعالیٰ وتقدس کی تجلیات سے حصہ حاصل ہو گا۔ جس طرح کہ صاحبِ اخفٰی کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر ہو گی۔ اگرچہ علو وسفل یعنی بلندی وپستی کے اعتبار سے تفاوت باقی رہے گا۔ اور صاحبِ قلب صاحبِ اخفٰی کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا۔ لیکن اس جگہ تُو یہ غلطی نہ کرے کہ یہ تفاوت اولیاء کے درمیان متصور ہے۔ کیونکہ مرتبۂ کمال تک دونوں کے پہنچنے کے بعد ولایتِ قلب والا ولایتِ اخفٰی والے سے کم درجے کا ہے۔ لیکن اولیاء اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی نسبت یہ تفاوت مفقود ہے۔ کیونکہ نبی کی ولایت جو مقامِ قلب سے قاضی ہے ولی کی ولایت سے جو مقامِ اخفٰی سے ناشی ہوئی ہے افضل ہے۔ اگرچہ اس ولی نے اخفٰی کے کمالات کو انجام تک پہنچایا ہو اور اس صاحبِ ولایت کا سَر ہمیشہ اس نبی کی ولایت کے زیرِ قدم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ (۱۷۱) إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ (۱۷۲) وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات ۱۷۳)

ترجمہ: اور بے شک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے، کہ بے شک انہیں کی مدد ہو گی، اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

ہاں یہ تفاوت انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ متصور ہے۔ اور بلندی والا پستی والے سے افضل ہے لیکن یہ تفاوت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں بھی عالمِ اَمر کے دائرۂ

کمالات کے آخیر تک ہے۔ بعد ازاں یہ تفاضل اس بلندی وپستی پر منحصر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں اس پستی والا اس بلندی والے سے افضل ہو۔ جیسے کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان اس تفاوت کو مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقام میں جسیم اور شانِ عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ جسامت اور شان حاصل نہیں ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "لیکن اولیاء اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نسبت یہ تفاوت مفقود ہے، الخ" یعنی صاحبِ قلب پیغمبر صاحبِ اخفٰی ولی سے بہت افضل ہے اس لئے کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے کمالات صفاتِ ثمانیہ کے اصل کے ساتھ مربوط ہیں اور حضراتِ اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ولایات کے کمالات صفات اور شیونات کے ظلال سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی سَیر میں لطائف کی فوقیت اور تحتیت انتہاءِ کمالات تک عالمِ اَمر میں ہوتی ہے اور عالمِ خلق کے کمالات شروع ہونے کے بعد یہ (بلندی) اور تحتیت (پستی) اعتبار نہیں رکھتی۔ یعنی حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے صاحبِ روح حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت صاحبِ قلب حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے فوق تَر ہے، اور ولایتِ سِر ولایتِ رُوح سے فوق تر ہوتی ہے، ولایتِ خفی ولایتِ سِر سے فوق تر ہوتی ہے اور ولایتِ اخفٰی نسبت بہ ولایتِ خفی فوق تر ہے اور یہ فوقیت و تحتیت عالمِ اَمر کے دائرۂ کمالات کی نہایت تک ہوتی ہے۔ اس

کے بعد فضیلت عُلیا و سُفلیٰ لطائف کے اعتبار سے نہیں ہوتی بلکہ عالمِ خلق کے عروجات کے مراتب کے مطابق ہوتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عالمِ اَمر میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے فوق ہے جبکہ کمالاتِ نبوت میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بہ نسبت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام افضل ہیں اور اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت عالمِ اَمر کے کمالات کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کی بہ نسبت فوق تَر ہے۔ مگر حقیقتِ کعبۂ ربانی کا ظہور اور ظہورِ وجود کے کمالات میں جو کہ تعینِ اول ہے یہ شان صرف حضرت ابراہیم خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ہے کہ سردارِ دوعالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے کسی نبی کو بھی یہ شان میسر نہیں ہوئی ہے۔

[لیکن ہم نے معلوم کیا ہے کہ اس مقام میں تفاوت اس بلندی و پستی کے سوا ایک اور اَمر کے سبب سے ہے۔ جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ حُسنِ توفیق اور کمالِ منت اور کرم کے ساتھ اس کے بعد مفصل طور پر ابھی بیان کریں گے۔

اسی طرح یہ تفاوت حضرت خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خاتم الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان ان کے کمالات میں جو کعبۂ ربانی کی حقیقت کے ساتھ جو تمام حقائقِ بشریت اور ملکیت سے بَرتَر ہے تعلق رکھتے ہیں۔ مشاہدہ کیا کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جگہ وہ شانِ عظیم اور مرتبۂ بلند حاصل ہے جو کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

اس مقامِ عجیب میں جو عظمت و کبریائی کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے اس مقام کے مرکز یعنی مقامِ اجمال کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہیں۔ اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مُسلم ہیں اور باقی جس قدر انبیاء اور کامل اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں سب اس جگہ ان کے طفیلی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے اس اجمال کی تفصیل طلب فرمائی ہے۔ چنانچہ اپنے مسئولہ صلوات وبرکات کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوات وبرکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لیکن اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال کے بعد وہ تفصیل آپ کو بھی میسر ہو گئی، اور آپ کا سوال قبول ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلیٰ ذٰلِکَ وَعَلیٰ جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ

ترجمہ: اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

اس مقامِ عالی کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت ورسالت کے کمالات سے بَرتَر ہیں۔ اور کیونکر بَرتَر نہ ہوں جب کہ یہی حقیقتِ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتحیات کی مسجود الیہ ہے۔

اس فقیر نے رسالہ مبدأ و معاد میں جو یہ لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ کعبہ کے مقام تک جو اس سے بَرتَر ہے پہنچ کر متحد ہو جاتی ہے۔ اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس جگہ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نام پاتی ہے۔ کعبہ کی وہ حقیقت اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے کہ یہ فقیر اس حقیقت کے عدمِ ظہور کے وقت ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ اصل کے ظاہر نہ

ہونے کے وقت ظل کو اصل سمجھتا ہے اور اس کا نام حقیقت رکھتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ ایک مقام چند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ اصل میں اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو مرتبہ اخیر میں ظاہر ہوئی ہے۔

اگر کہیں کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس کے ظہورات کا اخیری مرتبہ ہے تاکہ اس کو حقیقت سمجھا جائے تو میں کہتا ہوں کہ ظہوراتِ سابق کی ظلیت کا علم حاصل ہونا۔ اس ظہور کی آخریت پر شاہد عدل ہے۔ کیونکہ یہ علم ظہوراتِ سابقہ کے وقت حاصل نہیں ہے بلکہ ہر ظہور کو حقیقت جانتا ہے اور کسی کو ظلال خیال نہیں کرتا اگرچہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ فَافْهَمْ

اے فرزند! معارفِ سابقہ سے معلوم ہو ہے کہ وہ کمالات جو عالمِ اَمر سے تعلق رکھتے ہیں ان کمالات کے لئے جو عالمِ خلق کے متعلق ہیں مقدمات اور زِینیوں کی طرح ہیں۔ پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور مقامات ولایت سے مخصوص ہیں۔ اور دوسرے کمالات نے ظلّیّت کی آمیزش سے جو اس نشأۂ دُنیویہ کے ظہورات کے مناسب ہے۔ خالی ہو کر مقاماتِ نبوت سے کامل حصہ حاصل کیا ہے پس طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں دونوں شریعت کے لئے جو مقامِ نبوت سے ناشی ہے بمنزلہ خادموں کے ہیں اور نبوت کے عروج کے لئے ولایت بمنزلہ زینہ کے ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”اس مقامِ عالی کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے بَرتَر ہیں، الخ“ یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے رسالہ مبدا ٔ و معاد میں تحریر فرمایا ہے: ”کہ حقیقتِ محمدی صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقتِ کعبہ کے مقام سے جو کہ فوق ہے متحد ہو جائے گی" کعبہ کی وہ حقیقت اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جس کا ذکر اس مکتوب شریف میں کیا گیا ہے کہ حقیقتِ کعبہ عظمت و کبریائی کے ظہور کا سِر اوقات ہے۔ یعنی حقیقتِ کعبہ حق تعالیٰ وتقدس کے ذاتِ بحت کی تجلی کا ظہور ہے، پس شان العلم اور وہ معنی اور وہ نور جو کہ شان العلم سے بلند ہے یہ حقیقتِ کعبہ کے ظلال میں سے ایک ظل اور کمالاتِ نبوت سے بلند ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے فرزند! معارفِ سابقہ سے معلوم ہوا ہے، الخ" یعنی وہ کمالات جو عالمِ اَمر سے تعلق رکھتے ہیں وہ عالمِ خلق کے کمالات کی بہ نسبت مقدمات ومبادی ہیں۔ اس لئے کہ عالمِ اَمر کے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہوتے اور عالمِ خلق کے کمالات ظلیت کے شائبہ سے باہر ہیں اور نبوت کے مقامات سے کامل حصہ رکھتے ہیں۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ حضرات انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالات کی دو اقسام ہیں:

اول: حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے کمالات۔

دوم: حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی نبوت کے کمالات۔

ان دونوں کمالات کا تعلق اصل مقامات سے ہے، یعنی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ ولایت صفاتِ ثمانیہ کی اصل اور حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت حق تعالیٰ وتقدس کے ذاتِ مقدس کے اصل الاصل کی تجلیات کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور عالمِ اَمر کے معارف صفات کے ظلال کی تجلیات کے ساتھ مربوط ہیں۔

[اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو بزر گانِ نقشبندیہ قدس سرہم نے اختیار کی ہے اور اس کو عالمِ اَمر سے شروع کیا ہے نہایت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ کیونکہ ادنٰی سے (جو عالمِ اَمر ہے) اعلیٰ کی طرف (جو عالمِ خلق ہے) ترقی کرنی چاہیئے نہ کہ اعلیٰ سے ادنٰی کی طرف۔ لیکن کیا کیا جائے یہ معمّا سب پر نہیں کھلا دوسروں نے صورت پر نظر ڈال کر عالمِ خلق کو پست دیکھا ہے۔ اور پستی سے شروع کر کے بلندیٔ صُوری کی طرف ترقی کی ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ اصل معاملہ دیگر گوں ہے اور پستی حقیقت میں بلندی ہے اور بلندی پستی ہے۔ ہاں نقطہ آخر جو عالمِ خلق ہے نقطۂ اول سے کہ اصل الاصل ہے نزیک ہُوا ہُوا ہے۔ یہ قُرب کسی اور نقطہ کو میسر نہیں ہوا۔

کہ مستحقِ کرامت گناہ گارانند

ترجمہ: گناہ گار مستحقِ کرامت ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو بزر گانِ نقشبندیہ قدس سرہم نے اختیار کی ہے اور اس کو عالمِ اَمر سے شروع کیا ہے۔ نہایت ہی بہتر اور مناسب ہے کیونکہ ادنٰی سے (جو عالمِ اَمر ہے) اعلیٰ کی طرف (جو عالمِ خلق ہے) ترقی کرنی چاہیئے نہ کہ اعلیٰ سے ادنٰی کی طرف، الخ" یعنی دیگر تین طُرق کی ابتداء میں عالمِ خلق کے تزکیہ پر اور انتہاء میں عالمِ اَمر کے تصفیہ پر اشتغال کیا جاتا ہے۔ یہ اعلیٰ سے ادنٰی کی جانب جانے والے لوگ ہیں اور ان کا یہ عمل مراتب کی حقیقت کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ کہ ان دیگر تین طُرق والوں نے عالمِ اَمر کو بَر تَر اور عالمِ خلق کو نیچے دیکھا ہے اور یوں ان احباب نے صُوری پستی سے صوری بلندی کی جانب

ارتقاء(ترقی) کی ہے جبکہ حقیقتِ کار اس کے بَرعکس ہے اس لئے کہ عالمِ خلق کے کمالات بلند اور عالمِ اَمر کے کمالات نیچے اور اس (عالمِ خلق) کا ظلال ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نقطۂ آخر جو عالمِ خلق ہے نقطۂ اول سے کہ اصل الاصل ہے نزدیک ہُوا ہُوا ہے، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نقطۂ اصل مرتبۂ وجوب سے عبارت ہے اور نقطۂ آخر عالمِ خلق بلکہ عنصرِ خاک سے عبارت ہے۔ جس طرح عالمِ امر کی تخلیق عالمِ خلق سے قبل ہے اور عالمِ خلق وعالمِ اَمر دونوں مراتبِ وجوب کے ظہورات وظلال ہیں۔ یعنی ان دونوں میں ظہورات وظلال موجود ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ خلق مرکز کا مقبل اور عالمِ اَمر مرکز سے معرض ہے جس طرح کہ دائرہ جو کہ نقطہ کا اَثر و ظل اور ظہور ہے اول قوس مرکز سے دائرہ معرض اور دوم قوس مرکز کے مقبل کے ساتھ قرار پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے عالمِ خلق دوم قوس ہے جو کہ مرکز کا مقبل ہے اور عالمِ اَمر کی بہ نسبت اَقرب ہے اور اول قوسِ معرض مرکز سے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ یہ نقطۂ مرکز خود محیطِ دائرہ میں فرض کیا گیا ہے تاکہ محیطِ دائرہ اس نقطہ کا ظل و ظہور ہوسکے اور یہی نقطہ دائرہ کا مبدأ و منشا سمجھا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس دائرے کو تو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک عالمِ خلق یعنی عناصرِ اربعہ اور نفسِ ناطقہ جو کہ سرکش ہیں اور انہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے نافرمانی اور سرکشی اختیار کی ہے پھر بھی یہ مرکز کا مقبل اور اصل ہیں اور دائرہ کے نقطہ کا اختتام ولایت کی انتہاء عالمِ خلق پر جو کہ دائرہ میں اصل پر واقع ہے، حقیقت میں تو اسے ظل اور معرض ہونا چاہیئے تھا۔ اور عالمِ اَمر

یعنی قلب، روح، سِر، خفی اور اخفٰی مرکز سے معرض ہیں جبکہ ان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت پائی جاتی ہے اس کے باوجود یہ دائرہ کے نقطہ کا آغاز ولایت کی ابتداء عالمِ اَمر جو کہ دائرہ میں ظل پر واقع ہے۔ حقیقی معنوں میں تو دائرے میں اصل اور مقبل انہیں ہونا چاہیئے تھا، ایسا کیوں ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ عالمِ اَمر کو عالمِ خلق سے پہلے تخلیق کیا گیا ہے اس طرح تو یہ سب ترتیب کے لحاظ سے سراسر خلاف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا نفس ابتداء میں نفسِ امارہ ہوتا ہے یعنی منکر جو بھی گناہ کرتا ہے اس پر فخر کرتا ہے اسی لئے ابتداء میں عالمِ اَمر معرض ہے مگر جب عالمِ اَمر میں انسان کے بدن کا تصفیہ وتزکیہ ہو جائے یعنی قلب کفر وشرک اور کینہ، بغض، حسد اور غیبت وعداوت وغیرہ سے پاک ہو کر تصفیہ حاصل کرلے اور نفس مزکی ہو کر اطمینان کو پہنچ جائے تو یہاں سے سالک کے دوسرے قوس کی ابتداء شروع ہو جاتی ہے جبکہ اس کی انتہاء ذاتِ بحت تعالیٰ وتقدس ہے۔

[یہ دید چراغِ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور اربابِ ولایت کو اس معرفت سے بہت کم حصہ حاصل ہوتا ہے، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے عالمِ اَمر سے سیر شروع کی ہے اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اُن کامل اولیاء کے لئے جن کی سَیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سَیر کے موافق ہوئی ہے ابتداء میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت وحقیقت جو ولایت سے تعلق رکھتی ہیں اور عالمِ اَمر کے مناسب ہیں اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے، جو نبوت کا ثمرہ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ طریقت و حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کے لئے مقدمہ ہے۔ پس اولیائے کامل کی بدایت اور انبیائے مرسل کی بدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے یہ کہا کہ اولیاء کی بدایت انبیاء کی نہایت ہے اور اولیاء کی بدایت اور انبیاء کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ چونکہ وہ بے چارا اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا اس لئے اس طرح کا سطحی کلام کہہ دیا۔ ان معارف کو اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے اور ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ منصف جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اُن پر غالب ہو، اُمید ہے کہ ان اسرارِ غامضہ کو قبول کرلے گا اور اس قبول کو اپنے ایمان کی زیادت کا وسیلہ بنائے گا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے عالمِ اَمر سے سیر شروع کی ہے اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں، الخ" یعنی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات ابتداء میں کمالاتِ نبوت کے حامل اور عالمِ اَمر کے کمالات سے متحلی (مزین و آراستہ) ہوتے ہیں کہ اسی کو حقیقت کے نام سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ یہاں حقیقت سے مراد حقیقتِ ولایت ہے جو کہ اس قُرب سے عبارت ہے جو حقیقتِ شریعت کے ماتحت ہے نہ کہ حقیقتِ شریعت۔ اور حقیقتِ شریعت شرائع واحکام کی تکمیل کے بعد میسر ہوتی ہے اور شرائع واحکام کی تعمیل بھی عالمِ خلق کے ساتھ مربوط ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالمِ اَمر کے معارف عالمِ خلق کے معارف کے مقدمات و مساوی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”پس اولیائے کامل رحمہم اللہ تعالیٰ کی بدایت اور انبیائے مرسل علیہم السلام کی بدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت، الخ“ یعنی وہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو کمال کی نہایت تک نہ پہنچے ہوں ان کی بدایت صُورتِ شریعت اور ان کی نہایت حقیقتِ ولایت ہے جو کہ عالمِ اَمر سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ حقیقتِ شریعت جو کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا خاصہ ہے اور حقیقتِ ولایت سے بلند تَر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”جس نے یہ کہا کہ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بدایت انبیاء علیہم السلام کی نہایت ہے اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بدایت اور انبیاء علیہم السلام کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے، اس کے کچھ معنی نہیں ہیں، الخ“ یعنی ان میں سے بعض بے خبروں نے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بدایت اور انبیاء علیہم السلام کی نہایت سے شریعت مراد لی ہے۔ یہ طائفہ اس بات کو نہیں سمجھ پایا کہ اس طائفہ کی اپنی بدایت صورتِ شریعت ہے اور ان کی نہایت معارفِ ولایت اور معارفِ عالمِ اَمر ہے اور حقیقتِ شریعت جو کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت ہے یہ طائفہ اس سے بے خبر رہ گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ یہ اربابِ سُکر ہیں جو کہ کمالاتِ شریعت سے بے خبر ہیں۔ کیونکہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ ولایت اصل سے یعنی صفاتِ ثمانیہ سے اور ان حضرات علیہم السلام کے کمالاتِ نبوت اصل الاصل سے یعنی ذاتِ بحت حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ متعلق ہیں۔

[اے فرزند! سُن لے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے دعوت کو عالمِ خلق پر منحصر رکھا ہے۔

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ۔

ترجمہ: اسلام کی بناء پانچ ہیں۔[1]

اور چونکہ قلب کا عالمِ خلق سے زیادہ مناسبت تھی اس لئے اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسویٰ کی نسبت کچھ نہ فرمایا۔ بلکہ اس کو مطروح فی الطریق (راستہ کے کوڑے کرکٹ) کی طرح سمجھا اور اس کو بے مطلب جانا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کے رنج اور دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالمِ خلق سے وابستہ ہیں، عالمِ امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے وہ عمل جو فرض وواجب وسُنت ہیں ان کا بجالانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالمِ خلق سے ہے۔ اور اعمالِ نافلہ عالمِ اَمر کا نصیب ہیں۔ پس وہ قُرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے اعمال کے اندازہ کے موافق ہو گا۔ پس ناچار وہ قُرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالمِ خلق کا نصیب ہے۔ اور وہ قُرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے عالمِ اَمر کا نصیب ہے۔ اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط ہی کی نسبت ہوتی۔ بلکہ نفل کی سُنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے۔ اگرچہ سُنت وفرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ پس دونوں قُربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہیئے اور عالمِ خلق کی زیادت عالمِ اَمر پر اس تفاوت سے سمجھ لینی چاہیئے اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں، فرائض کو خراب کرکے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

صوفیہ خام ذکر وفکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سُنتوں کے بجالانے میں سُستی کرتے ہیں۔ اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کرکے جمعہ وجماعت کو تَرک کر دیتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزار چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں آدابِ شرعیہ کو مد نظر رکھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور عُلمائے بے سر انجام بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں، اور فرائض کو خراب وابتر کرتے ہیں مثلاً نماز عاشورا کو جو پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہِ الصلوات والتسلیمات سے صحت تک نہیں پہنچی، جماعت اور جمعیتِ تمام سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں۔ اور فرضوں کے ادا کرنے میں سُستی کرتے ہیں۔ ایسا کم ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں بلکہ اصلی وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں قید نہیں رکھتے۔ جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے، اس عمل کی کم بختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے، اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت وہوا ظاہر ہو گئی ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تھوڑا سا دل کا غم بیان کیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ تو دِل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قُرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا قُربِ اصلی جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لئے ادا کئے جائیں وہ بھی قُربِ اصل کے مد ومعاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں۔ پس ناچار فرائض کا ادا کرنا عالمِ خلق کے مناسب

ہے جو اصل کی طرف متوجہ ہے۔ اور نوافل کا ادا کرنا عالمِ اَمر کے مناسب ہے جس کا منہ ظل کی طرف ہے۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قُرب بخشتے ہیں لیکن ان میں سے افضل و اکمل نماز ہے۔

حدیث: الصلاۃ معراج المؤمن۔

ترجمہ: نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔[1]

اور تُو نے سُنا ہو گا:

وَ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنَ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلَاۃِ۔

ترجمہ: بندے کا زیادہ قُرب نماز میں ہو تا ہے۔[2]]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قُرب بخشتا ہے، اور فرائض کا ادا کرنا قُربِ اصلی، الخ" اور یہ بھی فرمایا کہ "فرائض کا ادا کرنا عالمِ خلق کے مناسب ہے جو اصل کی طرف متوجہ ہے، اور نوافل کا ادا کرنا عالمِ اَمر کے مناسب ہے جس کا منہ

---

[1](تفسیر الفخر الرازی، ج ا، ص ۱ ۶ ۱، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2](صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع و السجود، حدیث نمبر ۵ ۱ ۲، ۴۸۲، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی دعاء فی الرکوع و السجود، حدیث نمبر ۸۷۵، سنن النسائی، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب اقرب مایکون العبد من اللہ عز و جل، حدیث نمبر ۱۱۳۷، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الطھارۃ، اما حدیث عبدالرحمٰن بن مھدی، حدیث نمبر ۹۶۹، ج ا، سنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الصلاۃ، جماع ابواب صفۃ الصلاۃ، باب الاجتھاد فی الدعاء فی السجود رجاء الاجابۃ، حدیث نمبر ۲۶۸۶، ج ۲، مسند الامام احمد بن حنبل مسند المکثرین من الصحابۃ، باب مسند ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث نمبر ۹۴۶۱، ج ۱۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزھد، کلام مسروق، حدیث نمبر ۳۴۸۷۲، ج ۷، شرح السنۃ البغوی، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود، حدیث نمبر ۵۵۸، ج ۳ میں ان الفاظ کے ساتھ: أَقْرَبُ مَا یَکُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّہِ وَھُوَ سَاجِد یعنی بے شک بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کرنے کی حالت میں ہو تا ہے۔)

ظل کی طرف ہے، الخ" یعنی وہ قُرب جو ظلال کے واسطہ سے عارف کا نصیب بنتا ہے وہ مقامِ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور جو قُرب اصل کے واسطہ سے عارف کا نصیب بنتا ہے وہ مقامِ نبوت کے ساتھ مربوط ہوتا ہے **شتان ما بینھما** یعنی ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ مراتبِ ظلال میں جو ولایتِ اولیاء عظام کے ساتھ متعلق ہے۔ عارف کا مشہود مراتبِ ظلی کی تجلیات ہیں اور مراتبِ اصل جو کہ مقامِ نبوت کے ساتھ متعلق ہے عارف کا مشہود خود ذاتِ مقدس ہے رؤیتِ اصل سے تجلیاتِ ظلی کے شہود تک بہت زیادہ فرق ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

آنانکہ در سرائے نگاریست فارغ اند

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

ترجمہ: جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عشق کا طلبگار ہوتا ہے تو وہ باغ و بوستان اور لالہ زار (چمن) کے دیکھنے کا خواہش مند نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ رؤیت و شہودِ اصل اور مقامِ نبوت عالمِ خلق کا نصیب ہیں۔ تجلیاتِ ظلی کا شہود خلاصہٗ ولایت عالمِ اَمر کا نصیب ہیں اور شہودِ تجلیات ظلی اسی نشاۃ (جہاں) میں ہے اور عالمِ اَمر کے ساتھ مربوط ہے اور رؤیتِ بہشت عالمِ خلق کا نصیب ہے۔ رؤیت جو کہ اس جہان میں عارف کو عنایت کی گئی ہے وہ رؤیتِ قلبی ہے نہ کہ رؤیتِ بصری۔ کیونکہ اس جہان میں رؤیتِ بصری صرف اور صرف سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خاصہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اَتم واَکمل عروج ونزول عالمِ خلق کے ساتھ مربوط ہے جبکہ عالمِ اَمر اس سے بے نصیب ہے۔ لہٰذا نفس جو کہ عالمِ خلق کے ساتھ مربوط ہے وہ عالمِ اَمر کے لطائف کے رئیس وحاکم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جس طرح کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ، إِذَا فَقِهُوا۔

ترجمہ: جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا۔[1]

یعنی نفسِ امارہ جو کہ پہلے بدترین خلائق تھا مگر اطمینان وحصول کے بعد حق تعالیٰ وتقدس کی رضا سے عالمِ اَمر کے لطائف کا رئیس وحاکم بن گیا اور رأس اقران میں قیام پذیر ہو گیا۔ یعنی نفسِ امارہ ابتداء میں شریر وسرکش اور مخلوقات میں سب سے بدترین ہوتا ہے مگر جب یہ اسلام لاکر مصفٰی اور مزکی ہو جائے تو پھر یہ مخلوقات میں بہترین اور دینِ اسلام کا پابند ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ درج بالا حدیث سے ثابت ہے مگر اس حدیثِ مبارکہ کے ساتھ خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک شرط بھی رکھی ہے کہ إِذَا فَقِهُوْا بشرطیکہ فقیہی ہو یعنی یہ عقائد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے دینی احکامات سے واقف اور ان کا پابند ہو تو یہ خِيَار فِی الْاِسْلَامِ ہے اور اگر فقیہی نہ ہو تو پھر یہ خِيَار فِی الْاِسْلَامِ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی سرکشی اور نافرمانی موجود ہوتی ہے اور جب یہ دینِ اسلام کا مطیع ہو جائے تو پھر یہ مخلوقات میں سے بہترین ہو کر اس کا ہر عمل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ عالمِ اَمر کا رئیس وحاکم بن جاتا ہے اسی

---

[1] (مسنداحمد، ج١٦، ص٢٠١، الناشر: مؤسسة الرسالة)

لئے عالمِ خلق کا مقام فوق اور اس کا عروج اصل کی جانب ہے اور عالمِ اَمر کا مقام پائین اور اس کا عروج ظل کی طرف ہے۔

[وہ وقتِ خاص جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو حاصل تھا جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے، نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فحشا اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی راحت ڈھونڈتے تھے۔

جیسے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اَرْحِنِیْ یَا بِلَالُ۔

ترجمہ: اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے آرام دے۔[1]

اور نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور عالمِ اَمر پر عالمِ خلق کی زیادت کی نسبت کچھ کہتے ہیں کہ عالمِ اَمر نے اسی جگہ پورا حظ لے لیا ہے اور مشاہدہ اور معاینہ حاصل کیا ہے۔ کل بہشت میں معاملہ عالمِ خلق کے ساتھ پڑے گا، اور بلا کیف دیدار اسی کو میسر ہو گا۔

اور نیز مشاہدہ کا متعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اور آخرت میں واجب الوجود کا دیدار، پس جس قدر مشاہدہ اور رؤیت اور ظلیت اور اصلیت کے درمیان فرق ہے اسی قدر فرق عالمِ اَمر و عالمِ خلق میں پہچان لے۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ، حدیث نمبر ۴۹۸۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، من روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممن لم یسم باسمه، ۹۴۰، ج۲، المعجم الکبیر للطبرانی، باب السین، حدیث نمبر ۶۲۱۴، ج۶ میں بہ الفاظِ مختلفہ: یَا بِلَالُ أَقِمِ الصَّلَاۃَ أَرِحْنَا بِهَا۔ یعنی اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! نماز کی اقامت کہو، ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ۔)

اور نیز جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رؤیت نبوت کا ثمرہ۔ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی میسر ہو گی۔ اس بات سے ولایت و نبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کر لے۔

تنبیہ

جس عارف کو عالمِ اَمر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہو گی اس کا قدم کمالاتِ ولایت میں زیادہ پختہ ہو گا اور جس کو عالمِ خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہو گی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بڑھ کر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام قدمِ نبوت میں زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عالمِ اَمر کی نسبت بلند ہے جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے اور حضرت موسٰی علٰی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں عالمِ خلق کی جانب غالب ہے جس کے باعث انہوں نے مشاہدہ پر کفایت نہ کر کے رؤیتِ بصر طلب فرمائی۔

کمالاتِ نبوت میں انبیاء علیہم السلام کے اقدام کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا تھا یہی ہے نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کمالاتِ ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔

وَ اللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْھِمُ لِلصَّوَابِ

ترجمہ: اللہ تعالٰی بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

اے فرزند! چونکہ علومِ نبوت یعنی شرائع واحکام قالب کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی عالمِ خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لئے بعض نے گمان کیا ہے

کہ نبوت مقاماتِ قُرب تک جو ولایت سے تعلق رکھتے ہیں عروج کرنے کے بعد خلق کی دعوت کے لئے نزول کرنے سے مُراد ہے۔ اور نہیں سمجھے کہ نہایتِ عروج اور غایتِ قُرب اسی مقام میں ہے۔ اور وہ قُرب جو پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس قُرب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو بُعد کی صورت میں متصور ہوتا ہے۔ اور وہ عروج جو اول میسر ہوا تھا وہ اس عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے جو بظاہر نزول دکھائی دیتا ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ بعید نقطہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی نقطہ مرکز کے سوا محیط کے زیادہ قریب نہیں ہے۔ کیونکہ محیط اس نقطۂ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی اور نقطہ کو میسر نہیں۔ عوامِ ظاہر بین اس اقربیت کو نہیں پا سکتے۔ اس لئے اس نقطہ کے بُعد کا حکم کرتے ہیں اور اس نقطہ کے اَقرب ہونے کے حکم کو جہلِ مرکب تصور کرتے ہیں اور اس حکم کے دینے والے کو جاہل اور احمق سمجھتے ہیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (یوسف ۱۸)

ترجمہ: اور اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو۔

جاننا چاہیئے کہ مطمئنہ شرحِ صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایتِ کبریٰ کے لوازم سے ہے اپنے مقام سے عروج فرما کر تختِ صدر پر چڑھ جاتا ہے، اور وہاں تمکین و سلطنت حاصل کر لیتا ہے۔ اور ممالکِ قُرب پر غلبہ پا لیتا ہے یہ تختِ صدر حقیقت میں ولایتِ کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے بَرتر ہے۔ اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر ابطن بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے، اور غیب الغیب میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں جو شخص بہت اونچے مقام پر چڑھ جائے اس کی نظر بھی بہت دُور تک نفوذ کر جاتی ہے اور اس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور عقلِ معاد نام پاتی ہے، اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اے فرزند! اس مطمئنہ کے لئے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی۔ اور پورے طور پر مقصوف کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ رضائے پروردگار کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے سوائے اس کا کچھ مطلب نہیں۔ سبحان اللہ! وہ امارہ جو اول بدترین خلائق تھا اطمینان اور حضرتِ سُبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالمِ اَمر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔

مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے کیا سچ فرمایا ہے:

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ، إِذَا فَقِهُوا۔

ترجمہ: جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا۔[1]

اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشاء اربعہ عناصر کی مختلف طبائع ہیں، جو قالب کے اجزاء ہیں یعنی اگر قوتِ غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے، اور اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے، اور اگر حرص وشرہ (لالچ اور بے حد خواہشات) ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفسِ امارہ نہیں ہے ان کو یہ اوصافِ رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔

پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہادِ اکبر سے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

رَجعْنَا من الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَر۔

---

[1](مسند احمد، ج١٦، ص ٢٠١، الناشر: مؤسسة الرسالة)

ترجمہ: ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا۔[1]

جہاد با قالب ہو نہ کہ جہاد بانفس جیسا کہ کہا گیا ہے کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے اور راضی و مرضی ہو گیا ہے۔ پس خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہو گی، اور اجزائے قالب سے خلاف و سرکشی کی صورت سے مراد ترکِ اولیٰ اور اُمورِ مُرخصّہ کے ارتکاب اور ترکِ عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیاءِ محرمہ کے ارتکاب اور ترکِ فرائض وواجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیبِ اعدا ہو چکا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وہ وقتِ خاص جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کو حاصل تھا، جس کی تعبیر لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے، نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے، الخ" یعنی جو مشائخ وسالکین نماز کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور پھر پیری و مُریدی کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں اور ان میں بعض تو نماز کی ادائیگی سے مکمل طور پر دُوری اختیار کئے ہوئے ہیں انہیں چاہیئے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول و فعل کی جانب متوجہ ہوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسی نماز کو لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت میسر ہے مکفرِ سیئات اور نہی از فحشاء ومنکر فرمایا ہے۔

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج ۲، ص ۴۷۷، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

كان إذا أوى إلى منزله جزأ دخوله ثلاثة أجزاء: جزء الله، وجزء الأهله، وجزء النفسه، ثم جزأ جزأه بينه وبين الناس، فيرد ذلك بالخاصة على العامة، ولا يدخر عنهم شيئا۔

ترجمہ: جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے گھر تشریف لاتے تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اوقات تین حصوں میں تقسیم تھے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے، ایک حصہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اہل وعیال کے لئے اور ایک حصہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اپنی ذات کے لئے، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے حصہ وقت کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے تھے۔ پھر (اپنے حصے کے وقت کے بارے میں) خاص لوگوں کو عوام پر ترجیح دے کر اُس حصہ کو بھی خواص پر تقسیم کردیتے تھے اور ان سے کچھ وقت بھی بچا کر نہیں رکھتے تھے۔[1]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ۔

ترجمہ: پانچوں نمازیں اور (ہر) جمعہ (دوسرے) جمعہ تک درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ (ان کو مٹانے والے) ہیں، جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔[2]

---

[1] (شرح السنة للبغوی، ج۱۳، ص ۲۷۲، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

[2] (صحيح مسلم، ج۲، ص ۱۲، المكتبة الفاروقية)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُولُ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ قَالُوا لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا قَالَ فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا۔

ترجمہ: تم کیا سمجھتے ہو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر جاری ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ کام اس پر کچھ بھی میل کچیل چھوڑے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ایسا کرنے سے کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے گناہوں کو مٹادیتا ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشا اربعہ عناصر کی مختلف طبائع ہیں، الخ" یعنی تزکیہ اور اطمینانِ نفس سے پہلے جہادِ اکبر علیہ نفسِ امارہ ہے اور اطمینانِ نفس کے بعد جہاد بر علیہ عناصرِ اربعہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور خاص طور پر عنصرِ خاکی کے مجاہدہ پر دوام اختیار کرنا جب تک کہ ذاتِ بحت تعالیٰ وتقدس کے ساتھ وصل نہ ہو جائے۔ اس کی معرفت معارفِ ذاتیہ کے ساتھ مربوط ہے۔

[اے فرزند! عناصرِ اربعہ کے کمالات اگرچہ مطمئنہ کے کمالات سے بر تر ہیں جیسے کہ گزر چکا لیکن مطمئنہ چونکہ مقامِ ولایت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالمِ اَمر سے ملحق ہوا ہے اس لئے صاحبِ سُکر ہے اور مقامِ استغراق میں ہے۔ اور اسی سبب سے اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی۔ اور عناصر

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۲، ص ۳۵۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

کی مناسبت چونکہ مقامِ نبوت کے ساتھ زیادہ ہے، اس لئے ان میں صحو غالب ہے، اور اس سبب سے بعض منافعوں اور فائدوں کے لئے جو ان سے متعلق ہیں مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے۔ فَافْهَمْ

جاننا چاہیئے کہ منصبِ نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات پر ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔ یہ کمالات طبقۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں زیادہ ہیں، اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہوا ہے، اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں، اور ولایتِ ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں۔ لیکن اُمید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سرِ نو تازہ ہو اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے، اور کمالاتِ اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبتِ عُلیہ کو رواج دیں گے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے فرزند! عناصرِ اربعہ کے کمالات اگرچہ مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں، الخ" یعنی جس طرح تزکیۂ نفس اور اس کا اطمینان مراتبِ ولایت طے کرنے میں صورت پزیر ہے اور مرتبۂ ولایت عالمِ اَمر کے ساتھ مربوط ہے۔ اور عالمِ اَمر اپنی لطافت کے سبب مستغرق ہے اور نفس جو کہ عناصرِ اربعہ کا شیرہ و نچوڑ ہے نیز صاحبِ استغراق ہے۔ سُکر واستغراق کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی مخالفت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ نفس عالمِ اَمر کی مناسبت سے اپنی لطافت کی وجہ سے عناصرِ اربعہ کا شیرہ و نچوڑ ہے اور اثر و سُکر کی واستغراق اس کا نصیب ہے اور یہ اطمینان کے مرتبہ پر مشرف ہوتا ہے۔ مگر عناصرِ اربعہ چونکہ مقامِ نبوت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور ان میں صحو زیادہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی صورتِ مخالفت ختم نہیں

ہوتی اور ذاتِ بحت تعالیٰ و تقدس کے وصول تک ان کا مجاہدہ جاری رکھتے ہیں۔ اور خاص طور پر عنصرِ خاکی مجاہدہ کے اثر کی وجہ سے ذاتِ بحت تعالیٰ و تقدس کے وصولِ بلا کیف تک پہنچتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''لیکن اُمید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سَر نو تازہ ہو، الخ'' یعنی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر نبوت کے منصب کا خاتمہ تو ہو گیا ہے مگر سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت میں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل متابعت کرنے والوں کو کمالاتِ نبوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے توسط سے پہنچتے رہتے ہیں۔ اور خاص طور پر ان کمالات نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ اقدسہ کی برکت کی وجہ سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں زیادہ تَر اور حضراتِ تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بھی ایک اندازہ سے ۱۳۲ ہجری تک سرایت فرمائی ہے اور اس کے بعد کمالاتِ نبوت نے پوشیدگی کی طرف رُخ فرمالیا اور ظلی کمالاتِ نبوت کا غلبہ جو کہ ولایتِ صغریٰ کے ساتھ مربوط ہے جلوہ گر ہو گیا۔ یعنی استغراق اور سُکری کیفیات نمایاں ہو گئیں اور ۱۳۲ ہجری کے بعد صوفیاء عظام میں وحدت الوجود کے بارے میں زیادہ گفت و شنید شروع ہو گئی۔ بالآخر الف ثانی (یعنی کسی شے کے آغاز یا انجام کو ایک ہزار سال گزرنے کے بعد دوسرے ہزار سال کے زمانہ) میں ان کمالاتِ اصلی کا ظہور ہوا۔ یہ جملہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا اپنی مجددیت کی طرف اشارہ ہے۔ مگر افسوس صد افسوس آج کل مشائخِ عظام اور کیا علماء کرام ان میں سے کوئی بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب کا مطالعہ نہیں کرتا اور نہ ہی آپ کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے بعد حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہرًاو باطنًا اس نسبتِ عُلیہ کو مروج کریں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَتْ سَنَةَ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ وَمِائَةٍ وَلَمْ تَرَوْا آيَةً فَالْعَنُونِي فِي قَبْرِي۔

ترجمہ: جب ایک سو چھتیسواں (۱۳۶) سال ہو گا اور تم کوئی نشانی نہ دیکھو تو مجھ پر میری قبر میں لعنت کرنا۔[1]

مراد یہ ہے کہ ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال گزرنے کے بعد حالات میں یقینًا تبدیلی آنے لگے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ۔

ترجمہ: بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہوں گے پھر وہ جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔[2]

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة، ج۷، ص ۴۶۲، الناشر: مکتبة الرشد - الریاض)

[2] (صحیح البخاری، ج۲۰، ص ۵۵، المکتبة الفاروقیة)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

أُمَّتِي عَلَى خَمْسِ طَبقَاتٍ: فَأَرْبَعُونَ سَنَةٍ، أَهْلُ بِرٍّ وَتقْوى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ إِلَى عِشْرِينَ وَمِئَةِسَنَةٍ، أَهْلُ تَرَاحُمٍ وَتَوَاصُلٍ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، إِلَى سِتِّينَ وَمِئَةِسَنَةٍ أَهْلُ تَدَابُرٍ وَتَقَاطُعٍ، ثُمَّ الْهَرْجُ الْهَرْجُ، النَّجَا النَّجَا۔

ترجمہ: میری اُمت کے پانچ طبقات ہوں گے: چالیس (۴۰) سال تک نیکی اور تقویٰ والے لوگ ہوں گے، پھر ان سے متصل ایک سو بیس (۱۲۰) سال ایک دوسرے پر رحم کرنے والے اور میل ملاپ رکھنے والے لوگ ہوں گے، پھر ان سے متصل ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سال تک ایک دوسرے سے ناراض رہنے والے اور قطع تعلق کرنے والے لوگ ہوں گے، پھر اس کے بعد قتل وغارت ہوگی، بچ جانا، بچ جانا![1]

[اے فرزند! نبی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کا کامل تابعدار، تابعداری کے سبب جن کمالاتِ نبوت کو تمام کرلیتا ہے تو پھر وہ اگر اہلِ مناصب ہے تو منصبِ امامت سے اس کو سرفراز کرتے ہیں۔ اور جب ولایت کبریٰ کے کمالات کو تمام کرلیتا ہے اور اہلِ منصب سے ہوتا ہے تو اس کو منصبِ خلافت سے مشرف کرتے ہیں اور کمالاتِ ظلی کے مقامات سے منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے اور منصبِ خلافت کے مناسب قطبِ مدار کا منصب گویا نیچے کے یہ دونوں مقام اُن اوپر کے دونوں مقاموں کا ظل ہیں۔

شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک غوث یہی قطبِ مدار ہے ان کے نزدیک غوثیت کا علیحدہ مرتبہ نہیں ہے۔ لیکن جو فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث، قطبِ مدار نہیں ہے بلکہ

[1](سنن ابن ماجه، ج٥، ص ١٧٩، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

قطب اس سے بعض اُمور میں مدد لیتا ہے اور ابدال کے مراتب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تذییل

وہ علوم و معارف جو نبوت اور اس نبوت کی ولایت کے مقام کے مناسب ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے شرائع ہیں اور چونکہ اقدامِ نبوت میں تفاوت ہے اس لئے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شرائع میں بھی اس تفاوت کے موافق اختلاف پیدا ہوا ہوا ہے۔ اور وہ معارف جو مقامِ اولیاء کے مناسب ہیں۔ مشائخ کے شطحیات اور وہ علوم ہیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ وسُریان اور قُرب ومعیّت کا پتہ بتاتے ہیں اور مراٰتیت وظلیّت کو ظاہر کرتے ہیں اور مشہود ومشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ غرض انبیاء کے معارف کتاب وسُنت ہیں۔ اور اولیاء کے معارف فصوص (فصوص الحکم ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اور فتوحاتِ مکیہ۔

قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا

ترجمہ: میری بہار کا قیاس میرے باغ سے کرلو۔

اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ولایت حق کے قُرب کی طرف سُراغ لے جاتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی ولایت حق تعالیٰ کی اَقربیت کا نشان بتلاتی ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ولایت شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ولایت اس شہود کو ثابت کرتی ہے، جس کی کیفیت مجہول ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ولایت اقربیت کو نہیں جانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں پہچانتی

کہ کیسی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ولایت باوجود اقربیت کے قُرب کو عین بُعد جانتی ہے اور شہود کو نفسِ غیب سمجھتی ہے۔

گر بگویم شرح این بے حد شود

ترجمہ: اگر میں اس کی شرح لکھوں تو وہ بے حد و بے حساب ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور چونکہ اقدامِ نبوت میں تفاوت ہے، الخ" یعنی جس طرح مراتبِ نبوت میں تفاوت ہوتا ہے اسی طرح حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعتوں میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے اسی لئے حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے بعض مرتبۂ نبوت، بعض مرتبۂ رُسل اور بعض مرتبۂ اولوالعزم میں قرار پزیر ہیں اور اسی بارے میں نصِ قطعی بھی موجود ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (البقرۃ ۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ولایت حق کے قُرب کی طرف سُراغ لے جاتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی ولایت حق تعالیٰ کی اَقربیت کا نشان بتلاتی ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ولایت شہود کی طرف دلالت کرتی ہے، الخ" یعنی کیونکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مراتبِ ظلال میں قرار پذیر ہیں اس لئے یہ شہود کے قائل ہیں اور ان کے مشہودات کی تجلیات ظلی ہیں اور ان کے علوم توحید، احاطہ و سریان اور معیت سے بحث

کرتے ہیں اور ولایتِ اولیاء اقربیت کو نہیں پہچان سکتی کہ وہ کیا ہیں اور نہ ہی جہالت اور ذاتِ مقدس کی عدمِ ادراک کا علم رکھتے ہیں کہ یہ کون سا ہے؟ مگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت چونکہ مراتبِ اصل سے تعلق رکھتے ہیں تو اس بناء پر سمجھ اور واقفیت کے باوجود اَقربیتِ قُرب کو بُعد اور شہود کو غیب سمجھتے اور جانتے ہیں۔ اس لئے کہ شہود مراتبِ ظلال میں ہے اور یہ حضرات اُس مرتبہ میں پہنچے ہوتے ہیں جو کہ ادراک میں نہیں آتا۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ترجمہ: میری بہار کا قیاس میرے باغ سے کرلو۔

[اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور ولایت پر اس کی برتری اور ولایتِ سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ وولایتِ کبریٰ وولایتِ عُلیا کے درمیانی فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب علوم اور ہر ایک کے متعلق محل کا بیانِ طول طویل اس لئے کیا ہے اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس واسطے بیان کئے گئے ہیں تاکہ کمالِ غرابت کے سبب لوگ ان کو فہم سے بعید نہ سمجھیں، اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے۔ یہ علومِ کشفی اور ضروری ہیں نہ کہ استدلالی و نظری۔ اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر عوام کے فہموں کی تنبیہ اور تقریب کے لئے ہے۔ بلکہ خواص کے ادراک کے لئے تبیین و تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ کا بیان ہے جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے اس کی بنیاد و نسبت نقشبندیہ ہے۔ جس کی ابتداء میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے۔ اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا، یعنی بخارا اور سمرقند سے اس بیج کو لاکر زمینِ ہند میں جس کا خمیر یثرب و بطحا کی خاک سے ہے، بویا۔ اور فضل

کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیر اب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی تربیت کی جب وہ کھیتی کمال تک پہنچ گئی ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حق کے ساتھ آئے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور ولایت پر اس کی برتری اور ولایتِ سہ گانہ، الخ" یعنی نبی علیہ السلام کے کمالاتِ نبوت نبی علیہ السلام کے کمالاتِ ولایت کی بہ نسبت اور نبی علیہ السلام کے کمالاتِ ولایت اولیاء کے کمالاتِ ولایت کی بہ نسبت برتری رکھتے ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کے کمالاتِ نبوت ذاتِ بحت کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور نبی علیہ السلام کے کمالاتِ ولایت صفاتِ ثمانیہ کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور اولیاء کی ولایت ظلال کے ساتھ مربوط ہے جسے ولایتِ صغریٰ کہا جاتا ہے اور نبی علیہ السلام کے کمالاتِ ولایت صفاتِ ثمانیہ کے ساتھ مربوط ہیں جن کا اصل ظلال ہے اس کو ولایتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ تو اس برتری و فضیلت کی بناء پر کمالاتِ نبوت ولایتِ نبی علیہ السلام کی بہ نسبت اور نیز ولایتِ نبی علیہ السلام کی برتریت ولایاتِ انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت سمجھ لینا چاہیئے۔ اس بناء پر یہ بحث طویل ہو گئی۔

ولایتِ مُلاء الاعلیٰ ولایتِ انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت برتری رکھتا ہے اس وجہ سے کہ ولایتِ ملاء الاعلیٰ شیونات واعتبارات کے ساتھ مربوط ہے اور کمالاتِ ولایتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات

والتسلیمات صفاتِ ثمانیہ کے ساتھ مربوط ہیں مگر کمالاتِ نبوت ذاتِ بحت تعالیٰ وتقدس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو اس بناء پر نبوت ولایت سے افضل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''یعنی بخارا اور سمرقند سے اس بیج کو لاکر زمینِ ہند میں جس کا خمیر یثرب وبطحا کی خاک سے ہے، بویا، الخ'' یعنی سلسلۂ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے واسطہ سے پہنچا جو کہ حضرت خواجہ امکنگی بخارائی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مُرید تھے لہٰذا یہ طریقہ عُلیہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے واسطہ سے بخارا اور سمرقند سے ہندوستان لایا گیا اور ان فیوض وبرکات سے پُر ثمرات کے نتیجہ میں بہت زیادہ لوگ بہرہ ور ہو کر کمالاتِ عالیٰ پر مشرف ہوئے بخارا و سمرقند سے نقشبندیہ واحراریہ کے کمالات کی جانب اشارہ ہے اور خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جب مجدد الف ثانی کے مرتبہ پر مفتخر ہوئے اور ہزاروں کی تعداد میں مُسترشدین نے اس مکتب کے دامن میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے کسبِ سلوک حاصل کیا اور اس عظیم نعمت سے بہرہ ور ہو کر کمالاتِ عالیٰ پر پہنچ گئے۔ آج بھی عالمِ اسلام کے اکثر اسلامی ممالک میں اس مکتبِ عالیٰ کے مضامین ومحتویات شائع وذائع (آشکارا، بہت پھیلے ہوئے) ہیں۔

[جاننا چاہیئے کہ اس طریقۂ عُلیہ کا سلوک شیخ مقتداء کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیر مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو اور قُوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو۔ اس کی نظر دِلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی مرضوں کو دُور کرتی ہے۔ ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا خلیفہ ہے، اقطاب وابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں۔

اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔ اس کی ہدایت اور ارشاد کا نُور اس کے ارادہ خواہش کے بغیر آفتاب کے نُور کی طرح سب پر چمکتا ہے۔ پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے۔ اگرچہ یہ خواہش اس کے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی اَمر کی خواہش طلب کرتا ہے لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نُور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلہ سے راہِ راست پر آجائیں، اس بات کو جان لیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رُشد و ہدایت کے اصل کو بھی کماحقہٗ نہیں جانتے۔ حالانکہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے۔ اور سیر مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجودِ شریف پر طرقِ وصول میں کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے۔ بے شک صاحبِ علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کرکے اس کے ذریعے سے مرتبہٗ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحتِ عام کے لئے خاص کرلیتا ہے۔

ہمارے اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے، مُرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخِ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے۔ اور انعکاس کے طریق پر اس کے نُور سے مُنور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ میں علم کیا درکار ہے۔

خربوزہ جو سورج کی گرمی سے دم بدم پکتا جاتا ہے اور کچھ زمانہ کے بعد پک جاتا ہے۔ اس کے لئے کیا ضرورت ہے کہ اس کو اپنے پک جانے کا علم ہو یا سورج کو اس کے پکانے کا علم ہو۔ ہاں اختیاری

سلوک وتسلیک کے لئے جو دوسرے سلسلوں میں مربوط ہے علم کا اور ہمارے طریق میں جو اصحاب علیہم الرضوان کا طریق ہے سلوک وتسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخِ مقتداء جو اس طریقہ کے بانی کی طرح ہے کمالِ علم اور وُفُور معرفت سے متحقق ہے۔ پس ناچار اس طریقہ عُلیہ میں زندے اور مُردے اور بوڑھے اور جوان اور بچے اور میانہ عمر والے سب وصول کے حق میں برابر ہوں گے۔ جو صاحبِ دولت کی محبت کے رابطے یا توجہ سے اپنے بلند مقصودوں تک پہنچتے ہیں۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ منتہی اگرچہ صاحبِ علم نہیں ہوتا لیکن خوارق کے ظہور سے اس کو چارہ نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس ظہور میں اُس کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات اُس کا اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا۔ لوگ اس سے خوارق ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں لیکن اس کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ منتہی صاحبِ علم نہیں ہوتا، اس عدمِ علم سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلق طور پر علم کا نہ ہونا۔ اس حیثیت سے کہ اپنے احوال کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ ہو چکا۔ اور اس کی ہدایت کا یہ نُور اس کے مُریدوں میں بالواسطہ یا بے واسطہ اس وقت تک جاری وساری رہتا ہے جب تک کہ اس کا طریق مخصوص تغیرات اور تبدیلات کی آلودگی سے آلودہ نہ ہو جائے اور مخترعات اور متبدعات کے ملنے سے خراب نہ ہو جائے۔

إِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّی یُغَیِّرُوا مَا بِأَنْفُسِہِمْ (الرعد ۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا خلیفہ ہے، الخ" یعنی امامت کے منصب پر وہ عارف مفتخر ہوتا ہے جو کمالاتِ نبوت تک پہنچا ہو، اس نعمتِ عظمیٰ پر مشرف ہونا مُراد ان اور محبوبان کا خاصہ ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جو کہ اولیاء کامل و مکمل اور مُرادان اور محبوبان اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے زُمرے میں سے ہیں اس بلند مقام پر فائز تھے لیکن اس مقام میں مُریدین کے قدم رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امامِ وقت اور منصبِ امامت تک پہنچنے والا ہر عصر وزمان میں متعدد نہیں بلکہ صرف ایک ہی فرد ہوتا ہے اور اقطاب، اوتاد، ابدال اور نجباء امامِ وقت کے مقامات کے ظلال سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہاں اختیاری سلوک وتسلیک کے لئے جو دوسرے سلسلوں میں مربوط ہے، الخ" یعنی طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ جو کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے مُرید اپنے مُرشدِ مقتداء کی محبت اور رابطہ کے واسطہ سے آناً فاناً انعکاس کے طریقہ سے اس (مُرشدِ مقتداء) کے انوار سے مُنور ہو کر اس کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر اس طریقۂ عالیہ میں مسائل میں پیش رفت اور ترقی کرنا کشف کا محتاج نہیں جس مُرید کو کشف کی کیفیت میسر نہیں وہ اپنے مُرشدِ مقتداء کی صحبت کی برکت سے کشف کے بغیر بھی استفادہ کر سکتا ہے اور مُرشدِ مقتداء بغیر کشف کے اپنے مُرید کی تربیت کر سکتا ہے۔ جس طرح آفتاب جو کہ اپنی حرارت و گرمی کا علم نہیں رکھتا اور اس کی حرارت و گرمی سے خربوزہ پک جاتا ہے۔ آفتاب اور خربوزہ دونوں ہی کو پکنے اور پکانے کا علم نہیں ہوتا۔ مگر دوسرے طُرق میں چونکہ ان

کا افادہ واستفادہ سلوک اور زحماتِ شاقہ کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اس لئے سلوک وتسلیک کے لئے علم کا ہونا ان طُرق کا خاصہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس عدمِ علم سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلق طور پر علم کا نہ ہونا، الخ" یعنی کامل عارف جو کہ نہایت کے مرتبہ تک پہنچا ہوتا ہے اور اس عارف کا کام صفات کی تفصیل سے ذاتِ مقدس تعالیٰ وتقدس کے اجمال کے مرتبہ پر ترقی پانا ہوتا ہے اگرچہ یہ تفصیل کا علم نہیں رکھتا مگر اس کمال کے اجمالی علم سے بے خبر بھی نہیں ہوتا۔ اسی بناء پر اس مقام میں عدمِ علم سے مقصد عدمِ مطلق علم نہیں بلکہ عدمِ علم سے مراد تفصیلِ احوال کا نہ ہونا ہے۔

[بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ ان تبدیلات کو اس طریقہ کی تکمیلات خیال کرتے ہیں اور ان الحاقات کو اس نسبت کے تتمیمات تصور کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کی تتمیم وتکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے اور الحاق واختراع ہر بے سر وسامان کے لائق نہیں ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری اند

ترجمہ: یہاں بال سے بھی باریک ہزار نکتہ ہے، ہر سر منڈا قلندری نہیں جانتا۔

سُنتِ سَنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور ملت مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کو اُمور محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو اُمورِ مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم

ڈھونڈتے ہیں اور ان اُمور کے بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل اور نعمت تمام ہو چکا ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدۃ۳)

ترجمہ: آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے دل کا غم تھوڑا سا بیان ہے، ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "سُنتِ سَنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور ملت مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کو اُمور محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے، الخ"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ مَعِي رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّکَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَکَ۔

ترجمہ: میں حوض پر تمہارا پیش رُو ہوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے، پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں مجھ سے کہا جائے گا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کرلی تھیں۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّئُونَ عَنْ الْحَوْضِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّکَ لَا عِلْمَ لَکَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَکَ إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمْ الْقَهْقَرَى۔

ترجمہ: قیامت کے دن میرے ساتھیوں میں سے ایک جماعت مجھ پر پیش کی جائے گی پھر انہیں حوض سے دور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی چیزیں گھڑ لی تھیں بلاشبہ یہ لوگ ایڑیوں کے بل اُلٹے لوٹ گئے تھے،یعنی انہوں نے مُرتد ہو کر دینِ اسلام سے منہ پھیر لیا تھا۔[2]

---

[1](صحیح البخاری، ج۲۰، ص۲۴۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2](صحیح البخاری، ج۲۰، ص۲۴۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

إِذَا أَتَيتَ مَضْجَعَکَ فَتَوَضَّأْ وُضوءَکَ لِلصَّلاَةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّکَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلْ اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْکَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْکَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْکَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ إِلَّا إِلَيْکَ اللَّهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِکَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيلَتِکَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَکَلَّمُ بِهِ قَالَ فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتُ اللَّهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِکَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُولِکَ قَالَ لَا وَنَبِيِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔

ترجمہ: جب تم اپنی خوابگاہ میں جاؤ تو پہلے نماز کا سا وضو کرو، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ دُعا پڑھو: "اے اللہ! تیرے ثواب کے شوق میں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے میں نے خود کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنا کام تجھے سونپ دیا، نیز تجھے اپنا پشت پناہ بنا لیا، تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ اور ٹھکانہ نہیں مگر تیرے ہی پاس۔ اے اللہ! میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تُو نے اتاری اور تیرے اس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر یقین کیا جسے تُو نے بھیجا" اب اگر تم اس رات مر جاؤ تو فطرتِ اسلام پر مروگے، نیز یہ دعائیہ کلمات سب باتوں سے فارغ ہو کر (بالکل سوتے وقت) پڑھو۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کلمات آپ کے سامنے دہرائے جب میں اس جگہ پہنچا: آمَنْتُ بِكِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ (تو اس کے بعد میں نے) وَرَسُوْلِکَ (کہہ دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یوں کہو): وَنَبِيِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔[1]

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۱۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وَرَسُوْلِکَ اور وَنَبِیِّکَ دونوں مترادف معانی رکھتے ہیں مگر جو الفاظ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو وحی مخفی کے ذریعے بتائے گئے تھے وہ وَرَسُوْلِکَ نہیں بلکہ وَنَبِیِّکَ تھے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وَنَبِیِّکَ کا لفظ پڑھنے کا حکم فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قول و فعل میں کمی یا زیادتی کرنا بدعت کہلائے گا۔ چاہے وہ اسلام کے کسی بھی عمل میں ہو حتٰی کہ چھینکنے کے وقت اور بعد میں اس کا جواب دینے میں، اذان دینے کے بعد تثویب، اذان دینے سے قبل یا اذان کے درمیان اضافت یا تلبیہ پڑھنے وغیرہ میں کمی یا زیادتی ہو یعنی جو عمل سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضراتِ خلفاء راشدین مہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہ ہو بدعت و گمراہی ہونے کے ساتھ ساتھ خود پر توبہ کے دروازے بند کرتا ہے۔ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس درج ذیل حدیث مبارکہ میں اسی حقیقت کو بیان فرمایاہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

إن الله حجب التوبة عن صاحب كل بدعة۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیتاہے۔[1]

---

[1](المعجم الاوسط للطبرانی، ج۴، ص ۲۸۱، الناشر: دار الحرمین - القاهرة)

[علمائے مجتہدین نے احکامِ دین کو ظاہر کیا ہے اور از سرِ نَو کسی ایسے اَمر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکامِ اجتہادیہ اُمورِ محدثہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصولِ دین میں سے ہیں، کیونکہ اصل چہارم یہی قیاس ہے۔

اے فرزند! وہ معرفت جو رسالۂ مبدأ و معاد میں اسی افادہ اور استفادہ کے بارہ میں جو قطبِ ارشاد سے تعلق رکھتا ہے لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی اور بہت مفید تھی۔ اس لئے وہ معرفت اس مکتوب میں بھی لکھی گئی ہے، اسی جگہ سے اعتبار حاصل کریں۔ قطبِ ارشاد جو کمالاتِ فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے۔ بہت عزیز الوجود اور نایاب ہے اور بہت سے قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے۔ اور عالمِ تاریک اس کے نورِ ظہور سے نورانی ہوتا ہے۔ اور اس کی ہدایت وارشاد کا نُورِ محیط عرش سے لے کر مرکزِ فرش تک تمام جہان کو شامل ہوتا ہے۔ اور جس کسی کو رُشد وہدایت اور ایمان ومعرفت حاصل ہونا ہوتا ہے اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے وسیلہ کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پاسکتا۔ مثلاً اس کی ہدایت کے نور نے دریائے محیط کی طرح تمام جہاں کو گھیرا ہوا ہے۔ اور وہ دریا گویا منجمد ہے اور ہرگز حرکت نہیں کرتا۔ اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا یہ کہ وہ بزرگ طالب کے حال کی طرف متوجہ ہے تو توجہ کے وقت گویا طالب کے دِل میں ایک روزن (روشن دان) کھل جاتا ہے۔ اور اس راہ سے توجہ واخلاص کے موافق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو ذکرِ الٰہی کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔ انکار سے نہیں بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے اس کو بھی یہ افادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت افادہ بہتر اور بڑھ کر ہے۔ لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ

اس سے آزردہ ہے اگرچہ وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے لیکن وہ رُشد وہدایت کی حقیقت سے محروم ہے۔ یہی انکار وآزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے، بغیر اس امر کے کہ وہ بزرگ اس کے مقدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کے ضرر کا قصد کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ وہ صرف مُرشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اور وہ لوگ جو اس عزیز کے ساتھ محبت واخلاص رکھتے ہیں۔ اگرچہ توجہ مذکورہ اور ذکرِ الٰہی سے خالی ہوں۔ لیکن فقط محبت ہی کے باعث رُشد وہدایت کا نُور ان کو پہنچ جاتا ہے۔ وَلْیَکُنْ وَھٰذِہِ الْمَعْرِفَۃُ اٰخِرَ الْمَکْتُوْبِ اور یہی معرفتِ مکتوب کا اخیر ہے۔

بس کنم خود زیرکان را این بس است
بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

ترجمہ: میں بس کرتا ہوں زیرک لوگوں کے لئے یہ کافی ہے، میں نے دو آوازیں دے دی ہیں اگر گاؤں میں کوئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ دَائِمًا وَسَرْمَدًا

اول وآخر اللہ رب العالمین کی حمد ہے جو نہایت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پاک پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عُلمائے مجتہدین نے احکام دین کو ظاہر کیا ہے اور از سرِ نَو کسی ایسے اَمر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکام اجتہادیہ اُمورِ محدثہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصولِ دین میں سے ہیں، کیونکہ اصل چہارم یہی قیاس ہے"۔ اہلِ سُنت وجماعت کے نزدیک قیاس حجتِ شرعی ہے اگر کسی مسئلہ میں قیاس سے قوی دلیل یعنی آیت، حدیث اور اجماع موجود نہ ہو تو قیاس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن روافض، خوارج اور بعض معتزلہ قیاس کے حجتِ شرعی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قیاس کے لغوی معنی مساوات وبرابری کے ہیں۔ مثال کے طور پر فَلَانٌ یُقَاسُ بِفُلَانٍ یعنی فلاں، فلاں کے مساوی وبرابر ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس کی تین تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی تعریف یہ ہے کہ:

تَعْدِیۃُ الحکم مِنَ الْاَصْلِ اِلَی الْفَرْعِ بِعِلَّۃٍ مُتَّحِدَۃٍ بَیْنَھُمَا۔

یعنی حکم کو اصل سے فرع کی طرف منتقل اور متعدی کرنا ایسی علت کی وجہ سے جن میں اصل وفرع دونوں شریک ہوں۔

قیاس کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ مقیس ۲۔ مقیس علیہ ۳۔ علت ۴۔ حکم

جس چیز کو قیاس کہا جائے گا اس کو مقیس اور جس چیز پر قیاس کیا جائے گا اس کو مقیس علیہ کہتے ہیں اور جو چیز مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مشترک ہوتی ہے اس کو علت کہا جاتا ہے اور جو اثر مرتب ہوتا ہے اس کو حکم کہا جاتا ہے۔

دوسری تعریف حضرت شیخ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ:

اَنَّ الْقِیَاسَ اِبَانَۃُ مِثْلِ حُکْمِ أَحَدِ الْمَذْکُوْرِیْنِ بِمِثْلِ عِلَّتِہٖ فِی الْآخَرِ۔

(اس تعریف میں آخر سے مراد فرع ہے اور احد المذکورین سے مراد اصل ہے)

یعنی اصل کی علت کی طرح فرع میں علت کے پائے جانے کی وجہ سے حکم کی مثل حکم ظاہر کرنے کا نام قیاس ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب فرع (مقیس) میں اصل (مقیس علیہ) کی علت کی مانند علت پائی جائے گی تو اُس علت کی وجہ سے فرع میں اصل کے حکم کی مانند حکم ظاہر کر دیا جائے گا اور اسی کا نام قیاس ہو گا۔

تیسری تعریف یہ ہے کہ:

اَلْفُقَھَاءُ اذا اخذوا حکم الفرع من الاصل سمّوا ذلک قیاسًا۔

جب فقہاء نے فرع کا حکم اصل سے لیا تو انہوں نے اس لینے کو قیاس کے نام کے ساتھ موسوم کر دیا۔

اصول الشاشی احناف کی مشہور کتابوں میں شامل ہے جو کہ اصولِ فقہ میں ایک مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے، جس کے مؤلف حضرت ابو علی الشاشی احمد بن محمد بن اسحاق نظام الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

القياس حجة من حجج الشرع يجب العمل به عند انعدام ما فوقه من الدليل في الحادثة وقد ورد في ذلک الأخبار و الأثار قال عليه الصلوٰة و السلام لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن قال (بم تقضي يا معاذ) قال بكتاب الله تعالىٰ قال (فإن لم تجد) قال بسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم قال (فإن لم تجد) قال اجتهد بر أيي فصوبه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم فقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله على ما يحب ويرضاه وروى أن إمرأة خثعمية أتت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم فقالت إن أبي كان شيخا كبيرًا أدركه الحج و لا يستمسک على الراحلة فيجزئني أن أحج عنه قال عليه السلام (أرأيت لو كان على أبيک دين فقضيته أما كان يجزئک فقالت بلى فقال عليه السلام فدين الله أحق و أولى) الحق رسول الله عليه السلام الحج في حق الشيخ الفاني بالحقوق المالية و أشار إلى علة مؤثرة في الجواز وهى (القضاء) وهذا هو القياس وروى ابن الصباغ وهو من سادات أصحاب الشافعي في كتابه المسمّى بالشامل عن قيس بن طلق بن عليّ أنه قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم كأنه بدوي فقال يا نبي الله ما ترى في مس الرجل ذكره بعد ما توضأ فقال هل هو إلا بضعة منه وهذا هو القياس وسئل ابن مسعود عمن تزوج إمرأة ولم يسم لها مهرا وقد مات عنها زوجها قبل الدخول فاستمهل شهرا ثم قال أجتهد فيه برأيي فان كان صوابا فمن الله وإن كان خطأ فمن ابن أم عبد فقال أرى لها مهر مثل نسائها لا وكس فيها و لا شطط۔

ترجمہ: قیاس شریعت کی حجتوں میں سے ایک ایسی حجت ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ حادثہ یعنی کسی واقعہ میں اوپر والی دلیل کے معدوم ہونے کی صورت میں اور قیاس کے حجتِ شرعی ہونے کے بارے میں احادیث وآثار وارد ہوئے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا: ارشاد ہوا اے معاذ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کس چیز کے ذریعے فیصلہ دوگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اگر تم (وہ فیصلہ) کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کے ذریعے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اگر تم نے (وہ فیصلہ) سُنت میں نہ پایا؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا میں اپنے قیاس سے اجتہاد کروں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کو صحیح قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ ساری تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔ اور یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی میرا باپ زیادہ بوڑھا ہو گیا ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا ہے اور وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا کیا میرے لئے یہ بات کافی ہو گی کہ میں اس کی طرف سے حج کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تم یہ بتاؤ کہ اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا اور تو اس کی طرف سے ادا کر دیتی تو کیا وہ تیرے لئے کافی نہ ہوتا؟ تو وہ کہنے لگی کیوں نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا قرض ادا ہونے کا زیادہ حق دار اور لائق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حج کو شیخِ فانی کے حق میں حقوقِ مالیہ کے ساتھ ملایا اور جواز میں جو علتِ مؤثرہ ہے یعنی ادا کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہی قیاس ہے۔ اور ابن صباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے تلامذہ میں سے ہیں نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں قیس بن طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے

کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا گویا کہ وہ ایک دیہاتی لگ رہا تھا، اس نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کیارائے ہے اُس آدمی کے بارے میں جو وضو کرنے کے بعد اپنے ذَکر کو ہاتھ لگالے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاوہ ذَکر اس کے جسم کا ہی تو ایک ٹکڑا ہے اور یہی قیاس ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر مقرر نہیں کیا اور وہ (اس کا خاوند) اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے مَر گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہینے کی مہلت مانگی پھر ارشاد فرمایا میں اس کے بارے میں اپنے قیاس سے اجتہاد کرکے بتاؤں گا، اگر وہ قیاس صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو ابنِ اُمِ عبد کی طرف سے ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس عورت کے لئے مہرِ مثل ہے نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ زیادتی ہوگی۔[1]

اب اگر کوئی معترض حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر اعتراض کرے کہ اس حدیث میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان کہ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللهِ قرآن کی آیت مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الأنعام ۳۸) یعنی ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔ اور وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (الأنعام ۵۹) یعنی اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ کے معارض ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حکم اور کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ میں موجود نہ ہو۔ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض احکام کتاب اللہ میں موجود نہیں ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں نہ پانے سے اس میں

---

[1] (اصول الشاشی مع احسن الحواشی، البحث الرابع، فصل فی القیاس)

موجود نہ ہونا لازم نہیں آتا بلکہ کتاب اللہ ہی کے اندر موجود احکام جو ظاہری نظر سے معلوم نہیں ہوتے بذریعہ قیاس ان کا استنباط کیا جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں جس طرح کسی دوسرے شخص کی طرف سے مالی دَین (قرضہ) ادا ہو جاتا ہے اسی طرح دوسرے کی طرف سے حج بھی ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا اور حج کو حقوقِ مالیہ کے ساتھ لاحق کرنا اور دونوں کے درمیان علتِ مؤثرہ مشترکہ یعنی قضاء (ادا) کو بیان کرنا قیاس ہے۔

تیسری حدیث میں سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ذَکر (عضوِ تناسل) کو دوسرے اعضاء پر قیاس کیا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کے لئے مہرِ مثل قیاس سے ثابت کیا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ قیاس حجتِ شرعی ہے کیونکہ اگر قیاس حجتِ شرعی نہ ہوتا تو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس سے استدلال نہ کرتے۔

حضرت شیخ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

أَنَّ الْقِيَاسَ مِثْلِ حُكْمِ أَحَدِ الْمَذْكُورَيْنِ بِمِثْلِ عِلَّتِهِ فِي الْآخَرِ، وَاخْتَارَ لَفْظَ الْإِبَانَةِ دُونَ الْإِثْبَاتِ، لِأَنَّ الْقِيَاسَ مُظْهِرٌ وَلَيْسَ بِمُثْبِتٍ بَلْ الْمُثْبِتُ هُوَ اللّٰهُ تَعَالَى۔

ترجمہ: بے شک قیاس علتِ مشترک کی وجہ سے قرآن وحدیث کی طرح کسی دوسری چیز میں حکم کو ظاہر کرنا ہے اور یہاں إِبَانَة کے لفظ کو اثبات کی جگہ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ قیاس ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ ثابت کرنے والا بلکہ ثابت کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔[1]

---

[1](کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، ج۳، ص ۲۶۸، الناشر: دار الكتاب الإسلامي)

حضرت شیخ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَ الْقِيَاسُ يُفِيدُ غَلَبَةَ الظَّنِّ بِأَنَّ الْحُكْمَ هَذَا إِلَّا أَنَّهُ مُثْبَتٌ لَهُ ابْتِدَاءً، لِأَنَّ مُثْبِتَ الْحُكْمِ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى، وَهَذَا مَا قَالُوا: إِنَّ الْقِيَاسَ مُظْهِرٌ لِلْحُكْمِ لَا مُثْبِتٌ۔

ترجمہ: اور قیاس غلبۃ الظن کو فائدہ دیتا ہے (یعنی قیاس سے ظنِ غالب کا فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے) بے شک حکم یہی ہے مگر یہ اس کے لئے ابتداءً ثابت کرنے والا ہے کیونکہ حکم کا ثابت کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ وہ بات ہے جو انہوں نے فرمایا ہے کہ قیاس ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ ثابت کرنے والا۔[1]

(نور الخلائق، جلد چہارم)

[1](شرح التلويح على التوضيح، ج ٢، ص ٢ ١ ١، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان)

مکتوب نمبر ۲۶۱

[نماز کے فضائل اور معارفِ بلند اور حقائقِ ارجمند کے ضمن میں نماز کے مخصوصہ کمالات کے بیان میں سیادت مآب میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوت کے بعد میرے عزیز بھائی کو (کہ خُدا اس کو ہدایت دے) معلوم ہو کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے نماز دوسرا رُکن ہے، نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور جزو جس نے جامعیت کے سبب سے کُل کا حکم پیدا کیا ہے، اور تمام مُقربہ اعمال سے برتر ہو گئی ہے۔ اور وہ دولتِ رؤیت جو سرورِ عالمیان علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی دُنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔

اسی واسطے حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

الصلاۃ معراج المؤمن۔

ترجمہ: نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔[1]

نیز آپ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

وَاَقْرَبُ مَا یَکُوْنَ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ۔

ترجمہ: سب سے زیادہ اعلیٰ قُرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے وہ نماز میں ہوتا ہے۔[2]

---

[1] (تفسیر الفخر الرازی، ج ۱، ص ۱۶۱، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2] (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، حدیث نمبر ۲۱۵، ۴۸۲، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی دعافی رکوع والسجود، حدیث نمبر ۸۷۵، سنن النسائی، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل، حدیث نمبر ۱۱۳۷، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الطہارۃ، اما حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی، حدیث نمبر ۹۶۹، ج ۱، سنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، جماع ابواب صفۃ الصلاۃ، باب الاجتہاد فی الدعاء فی السجود رجاء الاجابۃ، حدیث نمبر ۲۶۸۶، ج ۲، مسند الامام احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابۃ، باب مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث نمبر ۹۴۶۱، ج ۱۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزہد، کلام مسروق، حدیث نمبر

اور حضور علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوات والتحیات کے کامل تابعداروں کو اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رؤیت میسر نہیں کیونکہ یہ جہان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب کو مطلوب کی رہنمائی کون کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے اور نماز ہی بیماریوں کے لئے راحت بخش ہے۔

اَرْحِنِیْ یَا بِلَالُ۔

ترجمہ: اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے آرام دے۔[1]

اسی ماجرا کی رمز ہے اور:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔[2]

میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات وانوار و تلوینات و تمکینات اور تجلیاتِ متکیفہ اور غیر متکیفہ اور ظہوراتِ متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں ان کا منشا ظلال وامثال بلکہ وہم وخیال ہیں۔

۳۴۸۷۲، ج۷، شرح السنة للبغوی، کتاب الصلوٰة، باب فضل السجود، حدیث نمبر ۵۵۸، ج۳ میں ان الفاظ کے ساتھ إِنَّ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ یعنی بے شک بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کرنے کی حالت میں ہوتا ہے۔)

[1] (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاة العتمة، حدیث نمبر ۴۹۸۵، مصنف ابن ابی شیبة، من روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممن لم یسم باسمه، ۹۴۰، ج۲، المعجم الکبیر للطبرانی، باب السین، حدیث نمبر ۶۲۱۴، ج۶ میں بہ الفاظِ مختلفہ: يَا بِلَالُ أَقِمِ الصَّلَاةَ أَرِحْنَا بِهَا۔ یعنی اے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ! نماز کی اقامت کہو، ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ۔)

[2] (سنن النسائی، ج۵، ص ۲۸۰، الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت)

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز کے ادا کرنے کے وقت گویا عالمِ دُنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا فائدہ پالیتا ہے۔ کیونکہ عالمِ دنیا کمالاتِ ظلی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہوگا۔ اور وہ مؤمنوں کے حق میں نماز ہے، یہ دولت اس اُمت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی تابعداری کے سبب کہ شبِ معراج میں دُنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رؤیت کی دولت سے مشرف ہوئے اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ اَجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَ اَجْزِہٖ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَ اَجْزِ الْاَنْبِیَاءَ کُلَّھُمْ خَیْرًا فَاِنَّھُمْ دُعَاۃُ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ سُبْحَانَہٗ وَ ھُدَاتُھُمْ اِلٰی لِقَاءِ اللہِ تَعَالٰی

ترجمہ: یا اللہ تو ہماری طرف سے ان کو ایسی جزا دے جس کے وہ لائق ہیں اور اُن کی ہماری طرف سے اس سے افضل جزا دے جو تُو نے اُمت کی طرف سے کسی نبی علیہ السلام کو دی اور ہماری طرف سے تمام انبیاء علیہم السلام کو جزاءِ خیر عطا کر کیونکہ وہ سب کے سب خلق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے اور اس کے لقاء کی طرف اُن کو ہدایت دینے والے ہیں۔

اس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہ نہ کیا اور اس کے مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہ بخشی انہوں نے اپنی امراض کا علاج اور اُمور سے کیا۔ اور اپنی مُرادوں کا حاصل ہونا اور اشیاء پر وابستہ جانا۔ بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دُور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریّت پر رکھی۔ اور روزہ کو نماز سے افضل جانا۔

صاحبِ فتوحاتِ مکیہ کہتا ہے کہ روزہ میں جو کھانے پینے کا ترک ہے وہ صفاتِ صمدیت سے متحقق ہوتا ہے اور نماز میں غیر و غیریّت کی طرف آنا اور عابد و معبود کا جاننا ہے۔]

تشریح

دورِ حاضر میں تصوف میں بعض جاہل و بے خِرد لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو کہ اپنے آپ کو صوفیاء کرام کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان کی دو اقسام ہیں ایک وہ جو کہتے ہیں کہ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ اب ہمیں نماز پڑھنے اور دیگر عبادات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے اور ہم دینِ اسلام کی اطاعت سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو کہتے ہیں کہ ہم دِل سے نماز پڑھتے ہیں ہمیں ظاہری نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر جو لوگ صاحبِ علم ہیں وہ ان کی اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ جاہل و بے خرد اور بد بخت جو کہ صوفیاء کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو صوفیاء کرام کے نام سے موسوم کئے ہوئے ہیں اور راہِ راست پر چلنے والے صوفیاء کرام کی بھی بدنامی کا باعث بن چکے ہیں ان الفاظ کو ادا کرنے اور اس طرح کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے دینِ اسلام سے خارج ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

بَيْنَ الْكُفْرِ وَالإِيمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا ترک کرنا ہے۔[1]

---

[1](سنن الترمذی، ج۵، ص ۱۳، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:

إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: بے شک آدمی اور شرکت وکفر کے درمیان (فاصلہ مٹانے والا عمل) نماز کا ترک ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

العَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَر۔

ترجمہ: ہمارے اور منافقین کے درمیان نماز کا معاہدہ ہے تو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے نماز کو حق تعالیٰ وتقدس کے قُرب کا ذریعہ فرمایا ہے اور اس مکتوب میں بھی نماز کے فضائل اور اس کی جامعیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز ارکانِ خمسہ اور اُصولِ پنجگانہ پر مشتمل ہے اس لئے کہ نماز میں توحید، روزہ، زکوٰۃ اور حج جو کہ اُصولِ اسلام ہیں یہ نماز ہی میں موجود ہیں چنانچہ ثناء جو کہ توحید وتسبیح ہے نماز کی ابتداء میں اور شہادتین جو کہ توحید سے عبارت ہے وہ اول وآخری قعدہ میں پڑھے جاتے ہیں اور لباس کا پاک وصاف ہونے کے معنیٰ زکوٰۃ وحج میں موجود ہیں اور شرائطِ نماز میں سے ہیں۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ زکوٰۃ وحج ایک مالی عبادت ہے اور تہیہ وتطہیر لباس میں یہ معنیٰ پائے جاتے ہیں اور اسی طرح نماز کے دوران کھانا پینا منع ہے تو اس طرح نماز میں روزے کے معنیٰ بھی پائے ہیں اور نیز طواف کعبۂ معظمہ

---

[1](صحيح مسلم، ج ١، ص ٢٢٨، المكتبة الفاروقية)

[2](سنن الترمذى، ج ٥، ص ١٣، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

کے لئے مختص ہے اور نماز میں کعبۂ ربانی کی جانب توجہ ہے تو اسی لئے نماز تمام اصولِ اسلام کی جامع ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نماز مؤمن کی معراج ہے۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات وانوار و تلوینات و تمکینات اور تجلیاتِ متکیفہ اور غیر متکیفہ اور ظہوراتِ متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں ان کا منشا ظلال وامثال بلکہ وہم وخیال ہیں، الخ" یعنی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم معراج میں حق تعالیٰ وتقدس کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اہلِ سُنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جسدِ مبارک کے ساتھ معراج کے لئے تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت میں کامل ومکمل تابعداران کے لئے معراج کی شبیہ نماز کی حالت میں ہے۔ اگرچہ یہ رؤیتِ اصلی نہیں مگر رؤیت کی مشابہت ہے کیونکہ مؤمن کے لئے رؤیت کا وعدہ جنت میں کیا گیا ہے۔ رؤیتِ معراج سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خاصہ ہے اور وہ حالت جو کہ شبیہ معراج ہے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کا نصیب ہے اس وجہ سے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کو خیر الامم کہا جاتا ہے۔

[اس قسم کی باتیں اہلِ سُکر کے احوال میں سے مسئلہ توحیدِ وجودی پر مبنی ہیں۔ اور ایسی باتوں کا بولنا نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے سبب ہے۔ بلکہ اس طائفہ میں سے جمِ غفیر یعنی بہت سے

لوگوں نے اپنے اضطراب وبے قراری کی تسکین سماع ونغمہ ووجد وتواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کیا۔ اسی واسطے رقص ورقاصی کو دیکھنا عادت بنالیا۔

حالانکہ اُنہوں نے سُنا ہو گا کہ:

مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفاء نہیں رکھی۔[1]

ہاں:

اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَحُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، اور کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع ونغمہ کا دَم نہ مارتے، اور وجد وتواجد کو یاد نہ کرتے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

ترجمہ: جب حقیقت کو نہ جان سکے تو افسانے کا راستہ اختیار کیا۔

اے برادر! جس قدر فرق نماز ونغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوص کمالات اور نغمہ سے پیدا ہوئے کمالات میں ہے۔

---

[1](صحیح البخاری، کتاب الاشربۃ، باب شراب الحلواء والعسل، حدیث نمبر ۵۶۱۳، سنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الضحایا، جماع ابواب مالا یحل اکلہ ومایجوز للمضطر من المیتۃ وغیر ذلک، باب النھی عن التداوی بالمسکر، حدیث نمبر ۱۹۶۷۹، ۱۹۶۸۰، ج۱۰، المعجم الکبیر للطبرانی، مسند النساء، حسان بن المخارق عن اُم سلمۃ، حدیث نمبر ۷۴۹، ج۲۳، مصنف عبدالرزاق، کتاب الاشربۃ، باب التداوی بالخمر، حدیث نمبر ۱۷۰۹۷، ج۹، مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الطب، باب فی الخمر یتداوی بہ والسکر، حدیث نمبر ۲۳۴۹۲، ج۵ میں بہ الفاظ مختلفہ إِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَکُمْ فِیمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حرام چیزوں میں شفاء نہیں رکھی ہے۔)

اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْهِ الْاِشَارَۃُ۔

عاقل کو ایک ہی اشارہ کافی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”اس طائفہ میں سے جمِ غفیر یعنی بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب وبے قراری کی تسکین سماع ونغمہ ووجد وتواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کی، الخ“ یعنی اگر کسی سالک پر ظلی وجد وتواجد آجائے تو یہ دُرست ہے مگر سالک کا وجد وتواجد کی بناوٹی صورت بنا کر اُچھلنا کودنا حرام ہے۔ سنہ ۳۰۰ ہجری کے بعد اور سنہ ۱۰۰۰ ہجری سے پہلے تک تک کی اس درمیانی مدت میں بعض صوفیاء سماع ونغمہ سے لذت وتسکین حاصل کرتے تھے مگر ہم ان کی لذت وتسکین کی کیفیت کو ظلی کیفیت کے ساتھ تطبیق کرتے ہیں مگر دورِ حاضر میں سماع ونغمہ سے تسکین حاصل کرنے کی یہ حالت اچھی نہیں ہے اور نہ ہی یہ حالت وکیفیت تصوف کا حصہ ہے کیونکہ یہ حدیثِ مبارکہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ: إِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَ کُمْ فِیمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حرام چیزوں میں شفا نہیں رکھی ہے۔ تو اسی طرح رقص اور ہر قسم کا ساز وسرود حرام ہے اس سے نہ تو قلبی سکون، وجد، شوق وذوق اور شفاء حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رضا۔ اور نہ ہی یہ چیزیں تصوف کا حصہ ہیں بلکہ یہ سراسر شیطان کی دوستی اور اس کی اطاعت کرنا ہے۔ کیونکہ جو چیز حرام ہو اس میں شیطانِ لعین کا دخل حتمی وضروری ہوتا ہے لیکن ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی حمد ونعت اور مناجات ومنقبت کے اشعار نہ پڑھے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں رقص اور ساز وسرود وغیرہ نہ کریں۔

اور دوسری یہ بات ہے کہ جس طرح دینِ اسلام میں عورت کا پردہ واجب ہے اسی طرح اس کی آواز کا بھی پردہ ہے اسی لئے دینِ اسلام میں عورت کا اذان دینا حرام قرار دیا گیا ہے اور اسی لئے عورت کا نعت پڑھنا چاہے گانے کی طرز پر ہو یا بغیر گانے کے طرز پر دونوں صورتوں میں بطریقہ اولیٰ حرام اور سراسر اسلام کی مخالفت ہے اور اس کو سُن کر اس سے لذت و سکون حاصل کرنا کفر ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (الإسراء ٦٤)

ترجمہ: اور ڈِگا دے (بہکا دے) ان میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز سے اور ان پر لام باندھ لا (فوجی لشکر چڑھالا) اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کا اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور انہیں وعدہ دے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

حضرت امام محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح ابو عبد اللہ انصاری قرطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

قوله تعالى: (بِصَوْتِکَ) وَصَوْتُهُ كُلُّ دَاعٍ يَدْعُو إِلَى مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالَى، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. مُجَاهِدٌ: الْغِنَاءُ وَالْمَزَامِيرُ وَاللَّهْوُ. الضَّحَّاکُ: صَوْتُ الْمِزْمَارِ. وَكَانَ آدَمُ عليه السلام أسكن أولادها بيل أَعْلَى الْجَبَلِ، وَوَلَدَقَابِيلَ أَسْفَلَهُ، وَفِيهِمْ بَنَاتٌ حِسَانٌ، فَزَمَّرَ اللَّعِينُ فَلَمْ يَتَمَالَكُوا أَنِ انْحَدَرُوا فَزَنَوْا ذَكَرَهُ الْغَزْنَوِيُّ. وَقِيلَ: "بِصَوْتِکَ" بِوَسْوَسَتِکَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (بِصَوْتِکَ) اور اس کی آواز ہر وہ داعی ہے جو اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کی طرف بُلاتا ہے، دعوت دیتا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ گانا، بانسری اور لہو (لعب) ہے۔ حضرت

ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے کہ بانسری کی آواز مراد ہے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہابیل کی اولاد کو پہاڑ کی چوٹی پر سکونت دی اور قابیل کی اولاد کو اس سے نیچے رکھا، اور ان میں حسین و جمیل بیٹیاں تھیں، پس شیطانِ لعین نے بانسری بجائی اور وہ نیچے اترنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکے پس انہوں نے بدکاری کی۔ اسے غزنوی نے ذکر کیاہے اور یہ بھی کہا گیاہے **بِصَوْتِکَ** سے مراد ہے تو اپنے وسوسہ کے ساتھ۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى أُمَّتِي الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْرَ وَالْكُوبَةَ وَالْقِنِّينَ وَزَادَنِي صَلَاةَ الْوَتْرِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر شراب، جُوا، جَو کی شراب، طبل (ڈھول) اور باجے حرام قرار دیئے ہیں اور مجھ پر نمازِ وتر کا اضافہ فرمایاہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ, وَالذِّكْرُ يُنْبِتُ الْإِيمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔

ترجمہ: گانا بجانا دِل میں نفاق پیدا کرتا ہے، جیسے پانی کھیتی کو پیدا کرتاہے اور ذِکر دِل میں ایمان کو پیدا کرتاہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتاہے۔[3]

---

[1] (تفسیر القرطبی، ج۱۰، ص۲۸۸، الناشر: دار الکتب المصریۃ-القاھرۃ)
[2] (مسند احمد، ج۱۱، ص۱۰۵، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)
[3] (سنن الکبریٰ للبیھقی، ج۱۰، ص۳۷۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

فِي هَذِهِ الأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ المُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَتَى ذَاکَ؟قَالَ: إِذَاظَهَرَتِ القَيْنَاتُ وَالمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الخُمُورُ۔

ترجمہ: اس اُمت میں خسف، مسخ اور قذف واقع ہوگا ایک مسلمان نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! ایسا کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جب ناچنے والیاں اور باجے عام ہو جائیں گے اور شراب خوب پی جائے گی۔[1]

حضرت امام نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ, مِزْمَارًا قَالَ: فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلَى أُذُنَيْهِ, وَنَأَى عَنِ الطَّرِيقِ, وَقَالَ لِي: "يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا؟", قَالَ: فَقُلْتُ: لَا, قَالَ: فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ وَقَالَ: "كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, فَسَمِعَ مِثْلَ هَذَا, فَصَنَعَ مِثْلَ هَذَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے گانے کی آواز سُنی تو اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور راستے سے ایک طرف چلے گئے اور مجھے کہا: اے نافع! کیا کچھ سُن رہے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ تب انہوں نے اپنی اُنگلیاں کانوں سے نکال لیں۔ اور فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے گانے کی آواز سُنی تو اس طرح کیا تھا۔[2]

---

[1](سنن الترمذی، ج۴، ص۴۹۵، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي -مصر)

[2](سنن الکبریٰ للبیھقی، ج۱۰، ص۳۷۵، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان)

درج بالا تمام احادیث سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی ہے کہ گیت گانا، ساز و سرود اور ڈھول وغیرہ اور اس کے تمام آلات حرام اور ان سے لذت لینا کفر ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمیں نماز، تلاوتِ قرآن، ذکر و اذکار تہجد پڑھنے اور روزہ رکھنے وغیرہ میں تو لذت و سکون حاصل نہیں ہوتا مگر غیر شرعی اور شیطانی اعمال میں بہت لذت و سکون حاصل ہوتا ہے۔

[یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ شاید حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ۔

ترجمہ: ان میں اول بہتر ہیں یا ان میں سے آخر۔ [1]

اور یہ نہ فرمایا کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اَوْسَطُهُمْ۔

ترجمہ: ان کے اول بہتر ہیں یا ان کے اوسط۔

کیونکہ آخر کو اول کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی جو تردّد کا محل ہے۔

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب الامثال، باب مثل امتی مثل المطر، حدیث نمبر ۲۸۶۹، مسند امام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث نمبر ۱۸۸۸۱، ج ۳۱، المعجم الاوسط، باب السین، من اسمہ سیف، حدیث نمبر ۳۶۶۰، ج ۴، الشہاب القضاعی، باب مثل امتی مثل المطر، حدیث نمبر ۱۳۴۹، ج ۲، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزاز، مسند عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ومما روی سلمان الاغر عن عمار، حدیث نمبر ۱۴۱۲، ج ۴، مسند الصحابۃ المعروف بہ مسند الرویانی، حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث نمبر ۱۳۴۳، ج ۲، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب ثواب ھذہ الامۃ، الفصل الثانی، حدیث نمبر ۶۲۸۶ میں بہ الفاظِ مختلفہ مَثَلُ أُمَّتِي كَالْمَطَرِ لَا يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ یعنی میری اُمت کی مثال بارش کی طرح ہے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے اول حصہ میں برکت ہے یا آخری حصہ میں۔)

دوسری حدیث میں حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس اُمت میں سے بہترین اول ہیں یا آخر۔ اور درمیان میں کدورت و تیرگی ہے۔

ہاں اس اُمت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند ہے لیکن قلیل بلکہ اَقل ہے۔ اور متوسطوں میں وہ نسبت اگرچہ بلند نہیں ہے لیکن کثیر بلکہ اکثر ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ كَمِيَّةً وَّ كَيْفِيَّةً۔

ترجمہ: ہر ایک کے لئے کمیت (مقدار) و کیفیت کے لحاظ سے ایک جہت ہے۔

لیکن اس نسبت کے اَقل ہونے نے متاخرین کو درجہ بلند میں پہنچایا۔ اور سابقین کے ساتھ مناسبت دے کر خوشخبری دی۔

جیسے کہ حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ۔

ترجمہ: اسلام غریب شروع ہوا، اور عنقریب پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا۔ پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔[1]

اور اس اُمت کی آخریت کا شروع آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتداء ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو اُمور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ اور چونکہ اس اُمت میں نسخ و تبدیلی نہیں ہے۔ اس لئے سابقین کی نسبت اُسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے

[1](صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۳۵، المكتبة الفاروقية، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۲، الناشر: مؤسسة الرسالة)

اور الف ثانی میں از سرِ نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں۔

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ترجمہ: روح القدس اگر پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کرسکتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کرتے تھے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں، الخ" یعنی حقیقتِ صلوٰۃ کو سمجھنا اور تجلیاتِ ظلیہ اور تجلیاتِ اصلیہ میں امتیاز کرنا یہ صرف الف ثانی ہی کا شیوہ ہے، قرنِ اول کے بعد الفِ اول میں اکثر اولیاء کرام معارفِ ظلیہ میں تھے اور الفِ ثانی میں معارفِ اصلی از سرِ نو ظہور پزیر ہوئے اس لئے کہ ہزار سال کے گزرنے کو تغیرِ اُمور میں عظیم خاصیت حاصل ہے۔ یعنی اُمم سابقہ میں ہزار سال گزرنے کے بعد ایک اولوالعزم پیغمبر علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوتا تھا اور اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں چونکہ نسخ و تبدیلی نہیں ہے تو اس لئے ناچار سابقان کے نسبت کی وہی تَرو تازگی اور مٹھاس اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے متاخرین میں جلوہ گر ہوتی ہے پس اس اُمت کے متاخرین میں یہ نسبت کی ایک علو نسبت ہے اگرچہ یہ قلیل ہے اور الفِ اول کے متوسطان میں اگرچہ یہ نسبت اس بلندی پر نہیں ہے مگر ان کی تعداد زیادہ ہے کیونکہ اس میں اولیاء زیادہ تھے اور اس معنی میں گواہانِ عدل حضرت عیسیٰ علیٰ نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الف ثانی کے بعد تشریف لائیں گے اور عظیم بزرگی کے مالک ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ آخری لوگوں میں سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جنھوں نے دین کی تجدید فرمائی ہے وہ کام جو تابعین اور تبع تابعین کے دور کے بعد رائج ہوئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کا قلع قمع فرمایا اور دینِ اسلام کے وہ احکامات جو خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضراتِ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوبارہ بعینہٖ بیان فرمائے اور انہیں لاگو کیا جب دینِ اسلام کے یہ سارے احکامات تجدید ہو گئے تو سارے علماء کرام نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کیا۔ اور جو عقائد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ اکبر میں بیان فرمائے ہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اُن عقائد کو کشف کے ذریعے سے اپنے مکتوبات میں بیان فرمایا۔ اور متوسط زمانے کے اولیاء کرام سے کشفیات میں جو غلطیاں ہوئیں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کو لغو کر کے استدلال و دلائل کے ساتھ اس کے جوابات دیئے اس کی مثال سماع و نغمہ اور رقص ور قاصی جو کہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائیں گے تو وہ بھی دینِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور مذہبِ حنفی پر عمل پیرا ہوں گے اور جو عقائد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہما الاقدس نے بیان فرمائے ہیں یہ حضراتِ مبارک اسی پر عمل کریں گے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ دورِ حاضر میں ہم اپنے علم اور استدلالِ عقلی پر مغرور ہو کر یہ بھول چکے ہیں کہ دوسرے ادیان میں

ناسخ و منسوخ موجود تھے مگر جب دینِ اسلام مکمل ہو گیا تو اس میں ناسخ و منسوخ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ موجودہ دور میں اگر کوئی یہ بات کرے کہ ہم نے دورِ حاضر کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جدید فقہ یا جدید عقائد کی تدوین کی ہے یا ہم فلاں مسئلہ میں اجتہاد کرتے ہیں اور پُرانی تفاسیر کو منسوخ کر کے نئی تفاسیر پیش کرتے ہیں تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ناسخ و منسوخ کا یہ عمل اور اجتہاد لغو ہے اور ایسے لوگ ضال و مضل ہیں۔

متوسط زمانے کے اولیاء کرام اور زمانہ الفِ ثانی کے معارف کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معارف اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے معارف سے معلوم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے کُتب ورسائل میں تحریر فرمایا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی خادم ہیں اور نبوت ولایت سے افضل ہے اور کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کی نسبت بارش کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ جبکہ اکثر متوسطان نے حقیقت کو مغز اور شریعت کو اس کا پوست (یعنی چھلکا) کہا ہے اور ولایت کو نبوت سے افضل جانا ہے۔

مختصر یہ کہ متوسطان اپنے استدلال میں کہتے ہیں کہ اگر ولایت نہ ہوتی تو نبوت کہاں سے آتی (نعوذ باللہ من ذلک) ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ و تقدس قادرِ مطلق ہے اُس نے انسان کو اپنی قدرتِ کاملہ سے نبی بنایا ہے دوسرا یہ کہ نبی کی ولایت ولی کی ولایت سے بلند ترین مقام رکھتی ہے کیونکہ نبی کی ولایت اصل اور ولی کی ولایت ظل ہے تو جن لوگوں نے ولایت کو نبوت سے افضل جانا ہے ہم ان کے قال و حال کو سُکر کی حالت پر محمول کرتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

صلاحِ کار کجا و من خراب کجا
ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ترجمہ: میرا خیر خواہ کس فکر میں ہے اور میں خود کس خیال میں ہوں دیکھو دونوں راستوں کا فرق کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے۔

اگر ساری دُنیا کے اولیاء کرام اکٹھے ہو جائیں تو کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقامِ ولایت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح سارے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مل کر بھی کسی ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی لئے اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔

[اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور ان کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور احوال کی صحت و سقم علومِ شرعیہ کی مطابقت اور عدمِ مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے تو اُمید ہے کہ ان کا یہ تعجب جاتا رہے۔ اور یہ بات ان کو فہم سے دُور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ اور نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اگرچہ اس نبی علیہ السلام کی ولایت ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے کاش کہ ان

کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقہ کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

اس گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو۔ اور اس طریقہ کے طالبوں کو ترغیب ہو نہ یہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت وبزرگی ثابت ہو۔ خدائے تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے۔ تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو جو بزرگانِ دین سے اپنے آپ کو افضل جانے۔

ولے چون شہ مرا برداشت از خاک
سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آن خاکم کہ ابرِ نوبہاری
کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بروید از تن صد زبانم
چو سوسن شکر لطفش کے توانم

ترجمہ: ہاں جب بادشاہ نے مجھے خاک سے اوپر اٹھالیا تو لائق ہے کہ اپنا سر آسمان سے اوپر لے جاویں۔ میں وہ خاک ہوں کہ نوبہار کا بادل اپنی مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔ اگر میرے جسم پر سو زبانیں نکل آئیں تو بھی سوسن (آسمانی رنگ کا پھول) کی طرح میں اس کی مہربانی کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

اس کے مطالعہ کے بعد اگر تم میں نماز کے سیکھنے اور اس کے مخصوص کمالات میں سے بعض کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو اور وہ شوق تم کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد ان حدود کی طرف آجائیں اور عمر کا کچھ حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کریں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا

اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر تم میں نماز کے سیکھنے اور اس کے مخصوص کمالات میں سے بعض کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو اور وہ شوق تم کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد ان حدود کی طرف آجائیں، الخ" یعنی حقیقتِ نماز کا وصول اور اس کے کمالات کا حصول اس فقیر (حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) کی صحبت کے ساتھ وابستہ ہے جسے حق تعالیٰ و تقدس نے اپنے فضل سے اس کمال پر مشرف فرمایا ہے۔

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے صاحبزادے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اکمل نائب تھے محبوبیت اور حقیقتِ صلوٰۃ کے بارے میں فرماتے ہیں:

چکد مشک ِ تراز دستم گر آن گیسو بدست افتد
دمد صبح از گریبانم گر آن مہ در کنار آید

ترجمہ: میرے ہاتھ کے نیچے سے مشک ٹپک رہا ہے اگر وہ زلفیں (تجلیٔ عالمِ وجود) میرے ہاتھ لگ گئیں اور وہ تجلی عالمِ وجوب سے تو میرے گریبان سے طلوعِ صبح ہو جائے گی۔

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حقیقتِ صلوٰۃ کے وصول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس وقت اقتدائے صلوٰۃ بہ صلوٰۃ کا مفہوم ہو جاتی ہے، اگرچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز کی اقتداء کی تفصیل بیان نہیں فرمائی ہے مگر شاید کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اقتدائے صلوٰۃ بہ صلوٰۃ سے مقصد عالمِ وجوب کی تجلی ہو جو بطور ارکان نماز متمثل ہوتی ہے یعنی قیام کے وقت تجلی صورتِ قیام میں اور رکوع کے وقت تجلی صورتِ رکوع میں اور سجود کے وقت تجلی صورتِ سجود میں مشہود ہوتی ہے اور عارفِ مقتدی کی نماز بھی ایسی ہی نماز ہو جاتی ہے۔ وَاللہ اعلم!

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین

امین یارب العالمین

بحرمت سید المرسلین وخاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

(نور الخلائق، جلد چہارم)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیہ، المجلد التاسع عشر میں ہے:

گانا بجانا اور رقص کی حرمت

گانا بجانے کے متعلق علامہ السید آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وذکر الإمام أبو بکر الطرسوسي في کتابه في تحریم السماع أن الإمام أبا حنیفة یکره الغناء ویجعله من الذنوب وکذلک مذهب أهل الکوفة سفیان، وحماد، وإبراهیم، والشعبي، وغیرهم لا اختلاف بینهم في ذلک ولا نعلم خلافا بین أهل البصرة في کراهة ذلک والمنع منه انتهی وکأن مراده بالکراهة الحرمة، والمتقدمون کثیرا ما یریدون بالمکروه الحرام کما في قوله تعالی: کُلُّ ذٰلِکَ کانَ سَیِّئُهُ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوهاً [الإسراء: 38] ونقل علیه الرحمة فیه أیضا عن الإمام مالک انه نهی عن الغناء وعن استماعه وقال: إذا اشتری جاریة فوجدها مغنیة فله أن یردها بالعیب وإنه سئل ما ترخص فیه أهل المدینة من

الغناءفقال: إنمايفعله عندنا الفساق؟ونقل التحريم عن جمع من الحنابلة على ما حكاه شارح المقنع وغيره، وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في كتاب البلغة أن أكثر أصحابهم على التحريم وعن عبد الله ابن الإمام أحمد انه قال: سألت أبي عن الغناء فقال ينبت النفاق في القلب لا يعجبني ثم ذكر قول مالک: إنما يفعله عندنا الفساق، وقال المحاسبي في رسالة الإنشاء الغناء حرام كالميتة، ونقل الطرسوسي أيضا عن كتاب أدب القضاء أن الإمام الشافعي رضي الله تعالى عنه قال: إن الغناء لهو مكروه يشبه الباطل والمحال من استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته، وفيه أنه صرح أصحابه العارفون بمذهبه بتحريمه وأنكروا على من نسب إليه حله كالقاضي أبي الطيب، والطبري، والشيخ أبي إسحاق في التنبيه وذكر بعض تلامذة البغوي في كتابه الذي سماه التقريب أن الغناء حرام فعله وسماعه، وقال ابن الصلاح في فتاواه بعد كلام طويل: فإذن هذا السماع حرام بإجماع أهل الحل والعقد من المسلمين انتهى۔ [1]

وَفِي فَتَاوَى قَاضِيخَانَ: اسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَالضَّرْبِ بِالْقَضِيبِ وَنَحْوِ ذَلِکَ حَرَامٌ وَمَعْصِيَةٌ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - "«اسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا مِنَ الْكُفْرِ»" إنَّمَا قَالَ ذَلِکَ عَلَى وَجْهِ التَّشْدِيدِ، وَإِنْ سَمِعَ بَغْتَةً فَلَا إثْمَ عَلَيْهِ، وَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَجْتَهِدَ كُلَّ الْجُهْدِ حَتَّى لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «أَدْخَلَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ۔ [2]

وَإِنْ سَمِعَ بَغْتَةً يَكُونُ مَعْذُورًا وَيَجِبُ أَنْ يَجْتَهِدَ أَنْ لَا يَسْمَعَ۔ [3]

السَّمَاعُ وَالْقَوْلُ وَالرَّقْصُ الَّذِي يَفْعَلُهُ الْمُتَصَوِّفَةُ فِي زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ إلَيْهِ وَالْجُلُوسُ عَلَيْهِ۔ [4]

---

[1](روح المعانی، جلد ۲۱، صفحہ ۶۹، سورۃ لقمان، آیات ۱ تا ۱۱)

[2](مرقاۃ جلد ۳ ص ۵۳۸)

[3](ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۹)

[4](فتاویٰ ہندیۃ ج ۵، ص ۳۵۲)

وَلَا اعْتِبَار لما أبدعته الجهلة من الصُّوفِيّة فِي ذَلِك فَإنَّك إِذا تحققت أَقْوَالهم فِي ذَلِك وَرَأَيْت أفعالهم وقفت على آثَار الزندقة مِنْهُم۔[1]

فَأَمَّا مَا ابْتَدَعَتْهُ الصُّوفِيَّةُ الْيَوْمَ مِنَ الْإِدْمَانِ عَلَى سَمَاعِ الْمَغَانِي بِالْآلَاتِ الْمُطْرِبَةِ مِنَ الشَّبَّابَاتِ والطار والمعازف والأوتار فحرام۔[2]

وَمَا يَفْعَلُهُ مُتَصَوِّفَةُ زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ وَالْجُلُوسُ إلَيْهِ وَمَنْ قَبْلَهُمْ لَمْ يَفْعَلْ كَذَلِكَ، وَمَا نُقِلَ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - سَمِعَ الشِّعْرَ لَمْ يَدُلَّ عَلَى إبَاحَةِ الْغِنَاءِ. وَيَجُوزُ حَمْلُهُ عَلَى الشِّعْرِ الْمُبَاحِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْحِكْمَةِ وَالْوَعْظِ، وَحَدِيثُ تَوَاجُدِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَمْ يَصِحَّ، وَكَانَ النصر آباذي يَسْمَعُ فَعُوتِبَ فَقَالَ: إنَّهُ خَيْرٌ مِنْ الْغِيبَةِ فَقِيلَ لَهُ هَيْهَاتَ بَلْ زَلَّةُ السَّمَاعِ شَرٌّ مِنْ كَذَا وَكَذَا سَنَةً يَغْتَابُ النَّاسَ، وَقَالَ السَّرِيُّ: شَرْطُ الْوَاجِدِ فِي غَيْبَتِهِ أَنْ يَبْلُغَ إلَى حَدٍّ لَوْ ضُرِبَ وَجْهُهُ بِالسَّيْفِ لَا يَشْعُرُ فِيهِ بِوَجَعٍ اهـ. قُلْت: وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنْ الْعُيُونِ إنْ كَانَ السَّمَاعُ سَمَاعَ الْقُرْآنِ وَالْمَوْعِظَةِ يَجُوزُ، وَإِنْ كَانَ سَمَاعَ غِنَاءٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ وَمَنْ أَبَاحَهُ مِنْ الصُّوفِيَّةِ، فَلِمَنْ تَخَلَّى عَنْ اللَّهْوِ، وَتَحَلَّى بِالتَّقْوَى، وَاحْتَاجَ إلَى ذَلِكَ احْتِيَاجَ الْمَرِيضِ إلَى الدَّوَاءِ. وَلَهُ شَرَائِطُ سِتَّةٌ: أَنْ لَا يَكُونَ فِيهِمْ أَمْرَدُ، وَأَنْ تَكُونَ جَمَاعَتُهُمْ مِنْ جِنْسِهِمْ، وَأَنْ تَكُونَ نِيَّةُ الْقَوْلِ الْإِخْلَاصَ لَا أَخْذَ الْأَجْرِ وَالطَّعَامِ، وَأَنْ لَا يَجْتَمِعُوا لِأَجْلِ طَعَامٍ أَوْ فُتُوحٍ، وَأَنْ لَا يَقُومُوا إلَّا مَغْلُوبِينَ وَأَنْ لَا يُظْهِرُوا وَجْدًا إلَّا صَادِقِينَ.

وَالْحَاصِلُ: أَنَّهُ لَا رُخْصَةَ فِي السَّمَاعِ فِي زَمَانِنَا لِأَنَّ الْجُنَيْدَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - تَعَالَى تَابَ عَنْ السَّمَاعِ فِي زَمَانِهِ اهـ۔[3]

الرَّقْصِ وَالسُّخْرِيَةِ وَالتَّصْفِيقِ وَضَرْبِ الْأَوْتَارِ مِنْ الطُّنْبُورِ وَالْبَرْبَطِ وَالرَّبَابِ وَالْقَانُونِ وَالْمِزْمَارِ وَالصَّنْجِ وَالْبُوقِ، فَإِنَّهَا كُلَّهَا مَكْرُوهَةٌ لِأَنَّهَا زِيُّ الْكُفَّارِ۔[4]

---

[1] (عمدۃالقاری، ج٦، ص ٢٧١)
[2] (تفسیر قرطبی، ج١٤، ص ٥٦)
[3] (ردالمحتار، ج٥، ص ٢٣٦)
[4] (ردالمحتار، ج٥، ص ٢٧٩)

مکتوب نمبر ۲۶۲

[مولانا محب علی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط حُبّی اور ہماری نسبت انعکاسی ہے اور قُرب وبُعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو التفات وتوجہ سے لکھا ہوا تھا اس کے پہنچنے سے خوشی حاصل ہوئی، اور چونکہ فرطِ محبت اور کمالِ اختصاص سے بھرا ہوا تھا اس لئے فرحت پر فرحت حاصل ہوئی۔ آپ نے سابقہ عہد کے پورا کرنے کے لئے لکھا ہوا تھا۔

میرے مخدوم! اوضاعِ شرعیہ میں سے جس وضع پر آپ رہیں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ رشتۂ محبت نہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ دِن بدن قوت پیدا کرے اور اس اشتیاق کی چنگاری سَرد نہ ہو جائے۔ بلکہ ہر گھڑی زیادہ بھڑکتی جائے، کیونکہ ہمارا ارتباط حُبّی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی ہے۔ اور جلدی اور دیر اور طریق کے بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کے سوا قُرب وبُعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے خاتمہ سے جو اپنے فرزندِ ارشد کے نام طریق کے بیان میں لکھا ہے طلب فرمائیں۔ اس مکتوب کی نقل برادرم سیادت پناہ میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں۔ وہاں سے منگوالیں زیادہ طول کلام کیا کیا جائے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "آپ نے سابقہ عہد کے پورا کرنے کے لئے لکھا ہوا تھا، الخ"۔

یعنی سابقہ عہد کے پورا کرنے میں دو احتمال ہیں:

اول: یہ کہ مولانا محب علی فرماتے ہیں وہ وعدہ جو کہ میں نے توبہ وانابت کے ساتھ آپ سے کیا تھا میں اس پر ثابت قدم ہوں۔

دوم: وہ وعدہ جو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ پر توجہ کرنے کا کیا تھا اُس پر وفا کرتے ہوئے اُسے پورا فرمائیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بشرطیکہ رشتۂ محبت نہ ٹوٹ جائے، بلکہ دن بدن قوت پیدا کرے، اور اس اشتیاق کی چنگاری سرد نہ ہو جائے بلکہ ہر گھڑی زیادہ بھڑکتی جائے۔ کیونکہ ہمارا ارتباط حُبّی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی ہے، الخ" یعنی شیخ سے فیض کا حاصل ہونا مُریدین کی اپنے شیخ سے محبت کے اندازے کے مطابق ہے یہ قُرب وبُعد میں تفاوت نہیں رکھتا بلکہ ہر وقت حاصل ہو سکتا ہے مگر جلدی اور دیر اور طریق کے بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کے سوا قُرب وبُعد میں موجود ہے جس طرح کہ وہ مُرید جو حضور میں ہو اس کی سَیر جلدی ہوتی ہے اور اس طریق کی خصوصیات کماینبغی اس تک پہنچتی ہیں اس کے برعکس وہ مُرید جو غائب اور بعید ہو اگرچہ کمال تک پہنچ جاتا ہے مگر اس کی سیر اس مُرید کی بہ نسبت جسے حضورِ شیخ حاصل ہو سُرعت نہیں رکھتی اور وہ اس طریق کی بعض خصوصیات کا ادراک نہیں کر پاتا۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۶۳

[جناب معارفِ آگاہ میاں تاج الدین کی طرف صادر فرمایا:

ان معارف کے بیان میں جو کعبۂ ربانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور نماز کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے قدوم مُسرتِ لزوم یعنی تشریف آوری کی خوشخبری سُن کر مشتاق دوستوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی، اس پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

انصاف بدہ اے فلک مینا فام
تا زین دو کدام خوبتر کرد خرام
خورشید جہان تاب تو از جانبِ شرق
یا ماہِ جہان گردِ من از جانبِ شام

ترجمہ: اے مینافام آسمان تو ہی انصاف کر کہ ان دونوں میں سے کس کا آنا زیادہ بہتر ہے، تیرے سورج کا مشرق سے طلوع ہونا یا میرے معشوق کا شام کے وقت تشریف لانا۔

جب آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے تو جلدی تشریف لائیں کیونکہ مشتاق مدت سے منتظر ہیں۔ اور بیت اللہ کے حالات سُننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک جس طرح کعبہ کی صورت، کیا فرشتے، کیا بشر، تمام خلائق کی صورتوں کے لئے مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی ان صورتوں کے حقائق کے لئے مسجود الیہ ہے۔ اسی لئے لازماً وہ حقیقت تمام حقائق سے برتر ہے، اور اس کے متعلقہ

کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے بڑھ کر ہیں۔ گویا یہ حقیقت حقائقِ کونی اور حقائقِ الٰہی کے درمیان برزخ ہے۔ حقائق الٰہی سے مراد عظمت و کبریا کے پردے ہیں جن کے پاک دامن کو کوئی رنگ و کیفیت نہیں لگی۔ اور کسی ظلیت نے ان کی طرف راہ نہیں پایا۔]

تشریح

حضرت شیخ میاں تاج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلفاء میں سے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے پیر بھائی ہیں وہ حرمین شریفین کے مبارک سفر سے حج کی ادائیگی کرنے کے بعد تشریف لائے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ان کے آنے کے منتظر تھے کیونکہ جو شخص حج سے واپس لوٹے چونکہ اس کی نظریں حرمین شریفین پر لگی ہوتی ہیں اس لئے سب سے پہلے اس کی زیارت کے لئے جانا مستحبات میں سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حقیقتِ کعبہ ٔ ربانی کی فوقیت میں فرماتے ہیں کہ "وہ حقیقت تمام حقائق سے برتر ہے، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے اس اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کمالاتِ نبوت اور کمالاتِ ولایت کے تین تین مراتب ہیں۔

اور کمالاتِ نبوت کے مراتب درج ذیل ہیں:

اول: مرتبہ ٔ ولایتِ صغریٰ جو کہ اولیاء کرام کی ولایت ہے۔

دوم: مرتبہ ٔ ولایتِ کبریٰ جو کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے۔

سوم: مرتبۂ ولایتِ عُلیا جو کہ ولایتِ مُلاء الاعلیٰ ہے۔

اول: مرتبۂ کمالاتِ نبوت

دوم: کمالاتِ رسالت

سوم: کمالاتِ اولوالعزم

ان متذکرہ کمالات کو کمالاتِ ثلاثہ بھی کہا جاتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حقائق کے ساتھ مراتب ہیں:

اول: حقیقتِ محمدی ﷺ دوم: حقیقتِ احمدی ﷺ

سوم: حقیقتِ ابراہیمیؑ چہارم: حقیقتِ موسویؑ پنجم: حقیقتِ کعبۂ رُبانی

ششم: حقیقتِ قرآن ہفتم: حقیقتِ صلوٰۃ

ان حقائق کو حقائقِ سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلے چار حقائق کو حقائقِ کونی اور بعد والے تین حقائق کو حقائقِ الٰہی کہا جاتا ہے۔

حقیقتِ کعبۂ رُبانی حقائقِ کونی سے بَر تَر ہے اس وجہ سے کہ حقیقتِ کعبہ حق تعالیٰ و تقدس کا ظہورِ تنزیہ صَرف ہے جبکہ حقائقِ کونیہ حق تعالیٰ و تقدس کا ظہورِ تنزیہ صَرف نہیں ہیں اور حقیقتِ قرآن و حقیقتِ صلوٰۃ حقیقتِ کعبہ سے بَر تَر ہیں۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے ایک مکتوب شریف میں حقیقتِ کعبہ کو شانِ العلم سے بلند تَر فرمایا ہے اور دوسری جگہ حقیقتِ کعبہ کو حق تعالیٰ و تقدس کا ظہورِ تنزیہ صَرف فرمایا ہے اور حقیقتِ قرآن کو مبدأ وسعت سے عبارت اور حقیقتِ

صلوٰۃ کو حق تعالیٰ و تقدس کی وسعتِ ذات فرمایا ہے اور جس طرح کہ حق تعالیٰ و تقدس بسیط ہے اسی طرح وسعت کا حامل بھی ہے۔

اس آیت شریفہ کے دلیل کی وجہ سے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرۃ ۱۱۵)

ترجمہ: بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اور یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حقیقتِ کعبہ کو حق تعالیٰ و تقدس کا ظہورِ تنزیہ صَرف فرمایا ہے۔ تو اس موضوع کی حقیقت کیا ہو گی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مقام و حقیقت کا اپنا ایک ظل اور ایک اصل ہوتا ہے تو اس وجہ سے ہر مقام و حقیقت اس مرتبہ کے تناسب سے مکشوف ہوتا ہے، تو اس لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے قبل اور بعد والے فرمان پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ صرف احوال و مقامات اختلاف ہے یعنی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اول فرمان حقیقتِ کعبہ کے ظلال کے بارے میں تھا جبکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بعد والا فرمان حقیقتِ کعبہ کے اصل کے بارے میں ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ افضلیت سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہے یا کعبہ معظمہ کی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی اگرچہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بلند تر ہے مگر سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عروجات لامتناہی ہیں، جبکہ کعبۂ ربانی اپنی حقیقت سے بالاتر عروج نہیں رکھتا۔ لہٰذا

اس لامتناہی عروج کی وجہ سے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی افضلیت مُسلّم ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صورتِ کعبہ ُربانی حق تعالیٰ وتقدس کی مخلوقات میں سے ہے اور تمام مخلوقات کے ظہور کا سبب سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وجودِ مبارک ہے۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ:

لولاک لما خلقت الافلاک ولما أظهرت الربوبية۔

ترجمہ: اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (پیدا کئے جانے والے) نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا، اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔[1]

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بوستان میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

تواصل وجود آمدی از نخست
دیگر ہر چہ موجود شد فرع تست

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ابتداء ہی سے وجودِ ممکنات کی جڑ ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ جو بھی موجود ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی شاخ ہے۔

---

[1](التفسیر المظهری، ج۱۰، ص۳۰۳، الناشر: مكتبة الرشدية-الباكستان)

تو اس سے ثابت ہوا کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام مخلوقات میں افضل ترین ہستی ہیں۔ اور کعبۂ ربانی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فیوضات کا اُمیدوار ہے۔

مختصر یہ کہ کعبۂ ربانی اپنے اصلی مقام سے بالاتر عروجات نہیں رکھتا جبکہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ کعبۂ ربانی سے بالاتر لامتناہی عروجات رکھتے ہیں۔

اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس درج بالا بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ کعبۂ ربانی تمام حقائق سے بلند ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس بیان سے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حقیقتِ کعبۂ ربانی سے بلند ہونا سمجھ میں آتا ہے اور قرآن کو مبدأ وسعت اور صلوٰۃ کو قرآن وصلوٰۃ کے وسعت کی فوقیتِ حقائق سے واضح کیا گیا ہے اس موضوع کی حقیقت کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ کعبۂ ربانی کی فوقیت حقائقِ کونی کی نسبت سے ہے اور حقائق قرآن وصلوٰۃ حقائقِ الٰہی سے ہیں نہ کہ حقائقِ کونی سے۔

[دُنیوی عروجات اور ان کے ظہورات کی نہایت حقائقِ کونی کی انتہاء تک ہے۔ حقائقِ الٰہی سے کامیاب ہونا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے ہاں نماز میں جو مؤمن کی معراج ہے اور اس معراج میں گویا دُنیا سے نکل کر آخرت میں چلا جاتا ہے۔ اس حظ میں سے جو آخرت میں میسر ہوگا کچھ حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ نماز میں اس دولت کے حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ کعبہ کی طرف جو حقائقِ الٰہی جل شانہٗ کے ظہورات کا مقام ہے، نمازی کا توجہ کرنا ہے۔ پس کعبہ دُنیا میں ایک عجوبہ ہے جو صورت میں دُنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے ہے۔ اور نماز نے بھی اس کے وسیلہ سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دُنیا و آخرت کی جامع ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حالت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت میسر آتی ہے ان تمام حالات سے جو نماز کے سوا حاصل ہوں بلند تَر ہے۔ کیونکہ وہ حالات اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں، دائرۂ ظل سے باہر نہیں ہیں۔ اور یہ حالت اصل سے حصہ رکھتی ہے۔ پس جس قدر اصل اور ظل کے درمیان فرق ہے اسی قدر ان حالات اور اس حالت کے درمیان فرق ہے۔ اور مشاہدہ میں آتا ہے کہ وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی۔ وہ نماز کی حالت سے برتَر ہوگی۔ کیونکہ موت احوالِ آخرت کے مقدمات سے ہے اور جو حالت آخرت کے زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ یہاں صورت کا ظہور ہے اور وہاں حقیقت کا ظہور۔ پس دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ اور ایسے ہی وہ حالت جو اللہ جل شانہٗ کے کرم و فضل سے برزخِ صغریٰ یعنی قبر میں میسر ہوگی اس حالت سے جو موت کے وقت میسر ہوگی بڑھ کر ہوگی۔ اور برزخِ کبریٰ یعنی روزِ قیامت کو جہاں کا مشہودِ اَتم و اکمل ہے، برزخِ صغریٰ کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ اور اسی طرح برزخِ کبریٰ کی مشہود جنات النعیم کا مشہود اتم و اکمل ہے اور تمام مقدمات سے بلند و برَتَر وہ مقام ہے جس کی نسبت مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃً لَیْسَ فِیْھَا حُوْرٌ وَّ لَا قُصُوْرٌ یَتَجَلّٰی فِیْھَا رَبُّنَا ضَاحِکًا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ حُور ہے اور نہ کوئی محل، اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا۔[1]

پس تمام ظہورات میں سے ادنٰی ظہور دُنیا ومافیہا ہے، اور ان ظہورات میں سے اعلیٰ جنت۔ بلکہ دُنیا بالکل ظہور کا مقام نہیں ہے وہ ظلی ظہورات اور مثالی نمائش جو دُنیا کے ساتھ مخصوص ہیں فقیر کے نزدیک سب اُمورِ دُنیا میں شمار ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ظہورات خواہ تجلیاتِ صفات ہوں خواہ تجلیاتِ ذات ہوں سب دائرۂ امکان میں داخل ہیں۔

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (الإسراء ۴۳)

ترجمہ: اسے پاکی اور برتری ان کی باتوں سے بڑی برتری۔

فقیر جب دُنیا کو پورے طور سے ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے اور مطلوب کی کچھ بُو اس کے دِماغ میں نہیں پہنچتی۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے، اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں، اور خواب وخیال میں آرام کئے ہوئے ہیں، اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو اصل سے کچھ حصہ رکھتی ہے اور مطلوب کی بُو لاتی ہے۔ وَدُوْنَهُ خَرْطُ الْقِتَادِ اس کے سوا بے فائدہ رنج ہے۔]

---

[1] (جمع الجوامع المعروف بہ الجامع الکبیر، القسم الاول الاقوال، حرف الیاء، حدیث نمبر ۲۷۷۱۰/۱۰۸۳، ج۱۳، کنز العمال، حرف القاف، کتاب القیامة من قسم الاقوال، الباب الاول فی امور تقع قبلها، رویة اللہ تعالیٰ، حدیث نمبر ۳۹۲۱۱، ج۱۴، التنویر شرح جامع الصغیر، حرف الباء، حدیث نمبر ۹۹۷۷، ج۱۱، میں بہ الفاظِ مختلفہ يَتَجَلَّى لَنَا رَبُّنَا ضَاحِكًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی قیامت کے دن ہمارا رب ہنستے ہوئے ہمارے لئے تجلی فرمائے گا۔)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "دنیوی عروجات اور ان کے ظہورات کی نہایت حقائقِ کونی کی انتہاء تک ہے۔ حقائق الٰہی سے کامیاب ہونا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے ہاں نماز میں جو مؤمن کی معراج ہے، الخ" یعنی حقائقِ کونی مراتبِ وجوب کے ظہورات سے عبارت ہیں نہ کہ مراتبِ وجوب سے، مراتبِ وجوب کے ظہورات کا شہود دُنیا میں میسر ہوتا ہے مگر مراتبِ وجوب کا شہود اور اس کا وصول نماز کے بغیر آخرت کا خاصہ ہے۔ برزخِ صغریٰ و کبریٰ اور عارفان کی موت کے حالات کے معاملات نماز کی حالت سے بلند ہیں، اس دلیل کی وجہ سے کہ موت آخرت کے معاملات کا آغاز ہے اور آخرت کے معاملات دُنیاوی معاملات کی بہ نسبت فوقیت و برتری رکھتے ہیں۔

متاعی کہ ازین راہ گذر می برند   لبِ خشک و مژگان تر می بَرند

ترجمہ: وہ کاروان جو اس راہ سے گزر رہے ہیں ان کے ہونٹ خشک اور پلکیں تَر ہو جاتی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "فقیر جب دُنیا کو پورے طور سے ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے، الخ" یعنی اس دُنیا میں صرف مطلوب کے ظہورات کا شہود ہے نہ کہ مطلوب کا شہود۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کہا گیا ہے کہ مراتبِ وجوب میں وصول اس نشاۃ (جہان) میں بعض اولیاء کرام کا نصیب ہو جاتا ہے اور وہ نماز میں اس پر مشرف ہو جاتے ہیں مگر اس طرح کے اولیاء کرام اقل قلیل ہیں اور یہاں کسی شے کے ظہور سے اس کی مثال مقصود ہے نہ کہ عین وہ شے۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۶۴

[میر سید باقر سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت وجہالت میں لے جانا چاہیئے۔ اور احوال وکشوف پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے اور اس کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر اور تعبیر بیان کی ہے جو گرد ونواح کے مشائخ میں سے کسی شیخ نے ظاہر کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو بڑی محبت اور کمال اشتیاق سے صادر فرمایا تھا، پہنچا اور بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں اور اسماء وصفات کے ملاحظہ کے بغیر ذکرِ اسمِ ذات تعالیٰ میں مشغول رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت تک انجام پائے کیونکہ اسماء وصفات کا ملاحظہ اکثر اوقات احوال کے ظاہر ہونے کا باعث اور مواجید کے صادر ہونے کا سبب ہو جاتا ہے اور آپ نے سُنا ہو گا کہ احوال ومواجید میں خطا کا بہت احتمال ہے۔ اور اس مقام میں حق باطل کے ساتھ بہت ملا رہتا ہے۔

اور واضح ہو کہ ان ہی دنوں میں گرد ونواح کے مشائخ میں سے ایک شیخ نے اس فقیر کی طرف پیغام بھیجا اور اپنا احوال ظاہر کیا کہ فناو محویت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جس طرف نظر کرتا ہوں کچھ نہیں دیکھتا ہوں اور زمین وآسمان کی طرف جب نگاہ کرتا ہوں اور عرش وکرسی کی طرف جب دیکھتا ہوں تو ان کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں اور اپنے آپ کو بھی جب ملاحظہ کرتا ہوں کچھ نہیں پاتا ہوں اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ بے نہایت ہے اس کی

نہایت کو کسی نے نہیں پایا ہے۔ اور مشائخ نے اسی کو کمال سمجھا ہے اگر تو بھی اسی کو کمال جانتا ہے تو پھر میں طلبِ حق کے لئے تیرے پاس کس لئے آؤں؟ اور اگر کسی اور امر کو کمال جانتا ہے تو لکھ۔

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوالِ قلب کے تلوینات میں سے ہیں اور قلب اس راہ کا پہلا زینہ ہے اس کو طے کرنا چاہیئے، بعد ازاں دوسرے زینہ پر جو رُوح سے مراد ہے جہاں تک خدائے تعالیٰ چاہے عروج کرنا چاہیئے۔

اس ماجرا سے کچھ مدت کے بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک دوست نے جو طریقہ اخذ کرکے اپنے وطن کو گیا ہوا تھا جب واپس آکر حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال اس شیخ کے حال کے موافق ہے جس کا حال دریافت کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ دوست اس مقام میں اس شیخ سے قدم آگے رکھتا ہے۔ اور جب اچھی طرح اس کے حال کا ملاحظہ کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا و محویّت عنصرِ ہوا میں ہے جو ذرات سے ہر ذرہ کو محیط ہے۔ اور ہوا کے سوا کوئی اور اَمر مشہود نہیں ہے اور اسی کو اس نے خدائے بے نہایت سمجھ لیا ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ عَنۡ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے۔

دوسری دفعہ اس کو بلا کر پھر اس کے احول کی تفتیش کی تو یقین ہو گیا کہ اس کی گرفتاری عنصرِ ہوا کے سوا کسی اور امر کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس کو بھی اس بات پر مطلع کیا۔ اور جب اُس نے اپنے وجدان کی طرف رجوع کیا تو اس نے بھی معلوم کر لیا کہ ہوا کے سوا مجھے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس وقت اس نے ان احوال سے توبہ کی اور قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہیئے کہ عالمِ خلق یعنی عالمِ عناصرِ اربعہ اور عالمِ ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ کے ہے اور دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالمِ خلق سے ہے اور اس کا دوسرا نصف حصہ عالمِ اَرواح سے ہے، اور جب اس کے عالمِ خلق والے نصف حصہ کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصرِ ہوا پر جا پڑے گا۔ پس قلب کا چوتھا حصہ مقامِ ہوا سے مراد ہے جس کو قلب شامل ہے۔ پس یہ جو آخر ظاہر ہوا جواب اول کے موافق ہے اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حق بات لائے ہیں۔

اس سے زیادہ لکھنا وقت کے مناسب نہ تھا۔

وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ اَفْضَلُهَا وَ مِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسماء وصفات کے ملاحظہ کے بغیر ذکرِ اسمِ ذات تعالیٰ میں مشغول رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت تک انجام پائے، الخ" یعنی سالک اس مرتبہ تک پہنچ جائے کہ جہاں اس کے ادراک میں کچھ بھی نہ آئے یعنی ذاتِ بحت حق تعالیٰ وتقدس تک پہنچ جائے۔ اسمِ ذات یعنی اللہ کا ذکر مستجمع جمیع صفات وکمالات ہے اور سالک کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات میں اتنا مشغول رہے کہ اس کا

معاملہ جہالت اور کام حیرت تک پہنچ جائے۔ مکتوبات شریف میں اکثر جگہوں پر حیرت کا لفظ استعمال ہوا ہے تو سب سے پہلے حیرت کے معنی کو سمجھنا ضروری ہے۔

ہم حق تعالیٰ وتقدس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تلاش میں رہتے ہیں چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بیچون وبیچگون ہے۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

واللہ شیئٌ لا کشیءٍ بلا جسم ولا جوھر ولا عرض ولا حد لہ ولا ضد لہ ولا کفوا لہ ولا ند لہ ولا مثل لہ ولا یتمکنہ مکان ولا یجری علیہ زمان ولیس لہ جھۃ من الجھات الستۃ ولا یجب علیہ شیئٌ۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایک چیز ہے لیکن کسی چیز کی مانند نہیں وہ بغیر جسم کے ہے اور نہ جوہر ہے اور نہ عرض اور نہ اس کی حد ہے اور نہ اس کی ضد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کا ہم جنس ہے اور نہ کوئی اس کی مثال ہے اور نہ وہ کسی مکان کا مکین ہے اور نہ اس پر زمانہ گزرتا ہے اور نہ اس کے لئے چھ سمتوں میں سے کوئی ایک سمت ہے اور نہ اس پر کوئی کام واجب ہے۔[1]

اور اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس ایک ایسی واجب الوجود ذات ہے جس کا ہم اپنے تصور، خیال، فہم، وہم اور ذہن میں ادراک نہیں کر سکتے۔ تو سالک جب ان عقائد کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھ اور سمجھ کر اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور اسی حیرت کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

سالک کو چاہیئے کہ اسماء وصفات کا ملاحظہ نہ کرے یعنی کسی اسم کا صرف اس لئے وِرد کرنا کہ میرے احوال ومواجید کی کیفیت کھل جائے کیونکہ بعض اوقات اسماء وصفات کا ملاحظہ احوال

---

[1] (الفقہ الاکبر عربی، ص ۲۶، نور الظلم عربی، ص ۱۳، ابو منتھی عربی، ص ۲۹)

ومواجید کے ظہور کا باعث ہو جاتا ہے اور عارف کو عروج سے روک دیتا ہے۔ کیونکہ عارف احوال ومواجید کی اس کیفیت کو اصل سمجھ بیٹھتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں حق تعالیٰ وتقدس کی دوستی پر مشرف ہو گیا ہوں حالانکہ در حقیقت معاملہ ایسے نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ احوال ومواجید ولایت کے لئے شرط نہیں ہیں اور نیز اس سے احوال ومواجید میں خطا کے واقع ہونے کا قوی احتمال متصور ہو جاتا ہے اور بعض اوقات تو سالک ان احوال ومواجید میں اتنا ڈوب جاتا ہے کہ اس کا ایمان سے خارج ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس بناء پر سالک کو احوال کی طرف ملتفت نہیں ہونا چاہیئے بلکہ صرف اور صرف اسمِ ذات کا بیچون وبیچگون ذکر کرتے رہنا چاہیئے۔

غور طلب بات ہے کہ دورِ حاضر میں اکثر لوگ اس وجہ سے مُریدی اختیار کرتے ہیں کہ ان کو احوال ومواجید کی کیفیت میسر آجائے حالانکہ احوال ومواجید کی کیفیت اسماء وصفات میں ہوتی ہے نہ کہ ذاتِ بحت حق تعالیٰ وتقدس میں کیونکہ وہاں تو معاملہ اور کام جہالت وحیرت والا ہے۔ اس کے برعکس بعض مشائخ ایسے ہیں کہ جب وہ اپنے مُریدین کو ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ جب آپ یہ ذکر شروع کریں گے تو آپ کو احوال ومواجید کی کیفیت حاصل ہو جائے گی لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمان کے مطابق اگر کوئی حقیقت کا متلاشی ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دوستی اور محبوبیت چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ حق تعالیٰ وتقدس کا اس طرح ذکر کرے کہ اس کے اسماء وصفات کو مد نظر رکھ کر احوال ومواجید میں نہ پڑے بلکہ صرف حق تعالیٰ وتقدس کی رضامندی کا طالب رہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۶۵

[شیخ عبد الہادی بدایوانی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عزلت اور گوشہ نشینی کے اختیار کرنے میں چاہیئے کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں، اور حقوق اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ ودعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادت مند بھائی کا مکتوبِ مرغوب پہنچا، بہت خوشی کا موَجب ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ مفارقت اور جُدائی کے زمانہ ٔدراز نے محبت واخلاص اور دوستی واختصاص میں کچھ تاثیر نہیں کی، باوجود اس کے اگر آپ تشریف لے آتے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔

اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ

ترجمہ: اور بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی، ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے۔ آپ کو مبارک ہو آپ عزلت وگوشہ نشینی اختیار کریں، لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَۃُ الْمَرِیضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَۃُ الدَّعْوَۃِ وَتَشْمِیتُ الْعَاطِسِ۔

ترجمہ: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار پُرسی کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔[1]

لیکن دعوت کے قبول کرنے میں چند شرائط ہیں:

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو یا کسی قسم کی لہو ولعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت اور بہتان اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب اُمور اس کی حرمت اور کراہت کا مؤجب ہیں۔ اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر ومباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔[2]

اور شرعۃ الاسلام (یہ حضرت امام محمد بن ابو بکر معروف بہ امام زادہ حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۷۳ ہجری کی تصنیف ہے) میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا واپنی شہرت کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ اور محیط (یہ حضرت امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۴۸۳ھ کی تصنیف ہے) میں ہے کہ جس بساط پر لہو ولعب یا سرود کا سامان ہو یا لوگ غیبت کرتے اور شراب پیتے ہوں تو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیئے جیسے کہ مطالب المؤمنین میں ہے۔ اور اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں ان موانع کا مفقود ہونا دُشوار ہے۔ اور نیز جان لیں کہ:

عـــزلت از اغـیـار بایدن ـــ نے زیار

---

[1] (صحیح البخاری، ج۴، ص ۴۶۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (احیاء علوم الدین، کتاب آداب الاکل، الباب الاول، فیما لا بد للمنفرد منہ، ج۲)

ترجمہ: عُزلت اغیار سے چاہیئے اپنوں سے نہیں۔

کیونکہ ہم رازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقۂ عُلیہ کی سُنت مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔ اور صحبت سے مراد موافقانِ طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفانِ طریقت کی۔ کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو بغیر موافقت کے میسر نہیں ہوتا۔ اور مریض کی عیادت سُنت ہے۔ اگر اس مریض کا کوئی شخص خبر گیر ہے اور اس کی بیمار پُرسی کرتا ہے ورنہ اس بیمار کی بیمار پُرسی واجب ہے۔ جیسے کہ حاشیہ مشکوٰۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح) میں کہا ہے۔ اور نمازِ جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیئے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ اور جمعہ وجماعت و نمازِ پنجگانہ اور نمازِ عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام سے ہے ان سے چارہ نہیں اور باقی اوقات کو تبتل وانقطاع میں بسر کریں۔ لیکن چاہیئے کہ اول نیت کو درست کریں۔ اور گوشہ نشینی کو دُنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور لاطائل اور بے فائدہ اشتغال سے منہ موڑنے کے سوا عُزلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں التجا وتضرع اور عجز وانکساری بہت کریں تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے اور سات استخارے ادا کرکے درست نیت کے ساتھ عُزلت اختیار کریں۔ اُمید ہے کہ بڑے بڑے فائدے اس پر مترتب ہوں گے۔ باقی احوال کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "لیکن چاہیئے کہ اول نیت کو درست کریں، اور گوشہ نشینی کو دُنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں، الخ"یعنی عزلت و گوشہ نشینی کرنے میں سالک کی نیت اور مقصد صرف اور صرف باطن کی جمعیت کا حصول ہونا چاہیئے نہ کہ شہرت اور خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا اور نیت کی حقیقت پر سالک اس وقت مشرف ہوتا ہے جب اس کے نفس کا تزکیہ ہو جائے، کیونکہ تزکیہٗ نفس سے قبل سالک کو صورتِ نیت میسر ہوتی ہے نہ کہ حقیقتِ نیت۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے دیگر مکاتیب میں چلہ کو بدعت اور اعتکاف کو سُنتِ مؤکدہ فرمایاہے اور اس مکتوب میں عزلت و گوشہ نشینی کو جائز قرار دیاہے تو اس اختلاف کی حقیقت کیاہو گی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جس عزلت و گوشہ نشینی کو جائز قرار دیا ہے وہ معروفہ و مروجہ چلوں کے بغیر ہے اور وہ اس لئے کہ معروفہ و مروجہ چلوں میں مریض کی عیادت اور کسی کی دعوت اور نکاح میں شمولیت وغیرہ کا تَرک ہے مگر عزلت میں ان چیزوں کا ترک نہیں ہو تا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص قضاشدہ اعتکافوں کو ادا کرنے کی نیت سے عزلت نشین ہو جائے اس کو سُنت پر عمل کرنے والا ہی سمجھا جائے گا اور جس عزلت و گوشہ نشینی سے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ نہی کی احادیث سے ثابت ہے۔(نَعُوْ ذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ مِنْ سَرَايَاهُ قَالَ: فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ قَالَ: فَحَدَّثَ نَفْسَهُ بِأَنْ يُقِيمَ فِي ذَلِكَ الْغَارِ فَيَقُوتُهُ مَا كَانَ فِيهِ مِنْ مَاءٍ وَيُصِيبُ مَا حَوْلَهُ مِنَ الْبَقْلِ، وَيَتَخَلَّى مِنَ الدُّنْيَا، ثُمَّ قَالَ: لَوْ أَنِّي أَتَيْتُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَإِنْ أَذِنَ لِي فَعَلْتُ، وَإِلَّا لَمْ أَفْعَلْ. فَأَتَاهُ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، إِنِّي مَرَرْتُ بِغَارٍ فِيهِ مَا يَقُوتُنِي مِنَ الْمَاءِ وَالْبَقْلِ، فَحَدَّثَتْنِي نَفْسِي بِأَنْ أُقِيمَ فِيهِ وَأَتَخَلَّى مِنَ الدُّنْيَا. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ، وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَمُقَامُ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهِ سِتِّينَ سَنَةً۔

ترجمہ: ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں نکلے تو ایک آدمی ایک غار کے پاس سے گزرا جہاں کچھ پانی بھی موجود تھا، اس کے دل میں خیال آیا کہ اسی غار میں مقیم ہو جائے اور وہاں موجود پانی سے اپنی زندگی کا سہارا قائم رکھے اور آس پاس موجود سبزیاں کھالیا کرے، اور دُنیا سے گوشہ نشینی اختیار کرلے، پھر اس نے سوچا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اس کا تذکرہ کرلوں اگر انہوں نے اجازت دے دی تو میں ایسا ہی کروں گا، ورنہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! میرا ایک غار کے پاس سے گزر ہوا جس میں میرے گزارے کے بقدر پانی اور سبزی موجود ہے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہیں پر مقیم ہو جاؤں اور دُنیا سے کنارہ کشی کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا مجھے یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا، مجھے تو صاف سُتھرے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کی جان ہے، اللہ کی راہ میں ایک صبح یا شام کو نکلنا دُنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے۔ [1]

پس ثابت ہوا کہ جس گوشہ نشینی میں فرائض وسُنن کا ترک ہو وہ پسندیدہ نہیں ہے۔

(نورالخلائق، جلد چہارم)

[1] (مسند احمد، ج٣٦، ص٢٢٤، الناشر: مؤسسة الرسالة)

مکتوب نمبر ۲۶۶

[اپنے پیر زادوں یعنی خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبید اللہ کی خدمت میں صادر فرمایا:

اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (خدا ان کی کوشش قبول فرمائے) کی رائے کے موافق بعض ان عقائدِ کلامیہ کے بیان میں جو آپ کو از روئے الہام و فراست حاصل ہوئے تھے نہ از روئے تقلید و تخمین (قیاس و گمان)۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کو خواب میں دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو علمِ کلام کے مجتہدوں میں سے ہے اور اس واقعہ کو اپنے خواجہ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اسی دن سے مسائلِ کلامیہ میں ہر مسئلہ میں آپ کی رائے علیحدہ اور حکم جُدا ہے۔ لیکن مسائل میں مشائخِ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں اور فلسفہ کے رَد کرنے اور اہلِ فلسفہ کے رد کرنے اور اہلِ فلسفہ کی مذمت اور بُرائی کے بیان کرنے اور ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید میں جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور بعض ان فقہی احکام کے بیان میں جو نماز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور طریقۂ نقشبندیہ کے کمالات اور ان میں سُنت کی متابعت کو لازم پکڑنے کے بیان میں۔ اور سماع و سُرود سُننے اور رَقاصوں یعنی ناچنے اور گانے والوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَلَا تُعَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

ترجمہ: اے رب کام آسان کر، مشکل نہ کر اور خیریت سے مکمل فرما۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے بزرگ مخدوم زادوں کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر سَر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے۔ فقیر نے اس طریق میں

الف وبے کا سبق ان ہی سے لیا ہے۔ اور اس راہ کے حروفِ تہجی ان ہی سے سیکھے ہیں اور اندراج النہایت فی البدایت کی دولت ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ اور سَفر در وطن کی سعادت کو ان کی خدمت کی طفیل پایا ہے۔ ان کی شریف توجہ نے اس ناقابل کو دو اڑھائی ماہ کے عرصہ میں نسبتِ نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور ان بزرگواروں کا حضورِ خاص عطا فرمایا۔ اور وہ تجلیات اور ظہورات اور انوار اور رنگ اور بے رنگیاں اور بے کیفیتاں جو ان کی طفیل اس عرصہ میں ظاہر ہوئیں شرح و تفصیل سے باہر ہیں۔ اور ان کی بزرگ توجہ کی برکت سے معارفِ توحید اور اتحاد اور قُرب و معیت اور احاطہ اور سَریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو گا جو اس فقیر پر نہ کھلا ہو۔ اور اس کی حقیقت سے اطلاع نہ دی ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقامات اور مبادی سے ہے۔

غرض جہاں نسبتِ نقشبندیہ اور ان بزرگواروں کا حضورِ خاص ہے وہاں ان معارف کا زبان پر لانا اور اس شہود و مشاہدہ کا نشان بتانا نادانی ہے۔

ان بزرگواروں کا کارخانہ بہت بلند ہے اور ہر زرّاق (مکار) اور ہر رقاص (ناچنے والے) کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجہ والی دولت جناب کے حضور سے اس فقیر کو ملی ہو، تو پھر اس کے عوض اگر تمام عمر کے لئے اپنے سَر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں کے پامال کرتا رہے تو بھی جناب کا حق ادا نہ ہو سکے۔ یہ فقیر اپنی تقصیروں کو کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جزائے خیر دے جنہوں نے ہم کم ہمتوں کا بارِ شفقت اپنے ذمہ لے کر کمرِ ہمت کو بلند بارگاہ کی خدمت کے لئے باندھا ہے اور ہم دور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ہوا ہے۔

گر بر تن من شود زبان ہر موے
یک شکروے از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ: اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی اس کا ہزار شکر سے ایک بھی ادا نہیں کر سکتا۔
یہ فقیر تین مرتبہ حضرتِ ایشان یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ اخیر دفعہ حضور نے اس فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمال کمزوری مجھ پر غالب آگئی ہے اور زندگی کی اُمید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبر دار رہنا ہو گا، اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو بلایا۔ اور آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے۔ اور فقیر کو فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموُجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر بھی اُسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی ماؤں کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو، حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ اُمید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصور نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال اَمر اور حضور کی وصیتِ لازمہ میں کسی قسم کی سُستی یا غفلت واقع ہوئی ہو، ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کے اشارے اور اِذن کا منتظر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب شریف حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے صاحبزادوں حضرت خواجہ عبد اللہ اور حضرت خواجہ عبید اللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہما الاقدس کی طرف صادر فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے دُنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے خلیفہ رشید حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے صاحبزادوں کی تربیت آپ نے کرنی ہے۔ یعنی عقائد،

فقہ اور تصوف میں آپ نے ان کے ساتھ امداد کرنی ہے۔ چونکہ ان دونوں پیرزادوں نے اپنے ماموں حضرت خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر میں پرورش پائی اگرچہ پہلے پہل ان دونوں پیرزادوں کی پرورش کی ذمہ داری خود حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کے ذمہ پر تھی مگر حضرت خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصرار کرکے دونوں بھانجوں کی ذمہ داری خود لے لی تھی۔

یہ معلومات رکھنی بھی ضروری ہیں کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ساتھ دو رشتے ہوتے ہیں، ایک رشتہ اسلام کا اور دوسرا رشتہ حسب ونسب کا۔

اسلامی رشتہ کے بارے میں قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات ۱۰)

ترجمہ: مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔

اور اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے بے شمار فرمودات موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظلم کے حوالے ہی کرے، اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی

ضروریات پوری فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا، نیز جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔[1]

مگر رشتہ داروں میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو عملًا اسلام کے دُشمن اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بغاوت اختیار کئے ہوتے ہیں جیسے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رشتہ داروں میں ابو لہب وابو جہل وغیرہ۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا رشتہ حسب ونسب کے رشتے سے کہیں زیادہ قریب ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے اسلام سے باخبر ہوں۔ تو حضرت خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے نسبی رشتے کا فرض ادا کرتے ہوئے دونوں پیر زادوں کی پرورش کا ذمہ اُٹھایا اور جب بچے اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے اسلامی رشتے کا فرض نبھانے جو کہ انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی حیاتِ مبارکہ میں اُن سے کیا تھا کی ادائیگی میں کوشاں رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”اور فقیر کو فرمایا کہ ان (دودھ پیتے بچوں) کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموُجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتٰی کہ اس توجہ کا اثر بھی اُسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی ماؤں کے لئے بھی غائبانہ توجہ کرو، الخ“ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے دوسرے مکاتیب میں

[1] (صحیح البخاری، ج۸، ص ۳۰۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

فرمایاہے کہ بچوں پر اس وقت تک توجہ نہ کریں اور نہ ہی اُن کو مُرید بنائیں جب تک کہ مراہق نہ ہو جائیں اور رہی چھوٹے بچوں پر توجہ کرنے کی بات، تو پہلی بات یہ ہے کہ چھوٹے بچوں پر غائبانہ توجہ کرنا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر آمنے سامنے بھی ہو تب بھی جائز ہے۔ جیسا کہ شیر خوار بچوں کو بوسہ دینا، گود میں لینا، دَم کرنا یا ان کے کان میں اذان دیناوغیرہ جائز ہے تو توجہ کرنا بطریقہ اولیٰ جائز ہوئی۔

جو شیخ نامحرم عورتوں کو آمنے سامنے بٹھا کر بیعت کرے یا ان پر توجہ کرے تو اس کا یہ عمل دینِ اسلام اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی سراسر خلاف ورزی ہے کیونکہ پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے عورتوں پر غائبانہ توجہ کا حکم فرمایاہے نہ کہ آمنے سامنے۔ تو جب حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس جیسی ہستی کو بھی نامحرم عورتوں پر آمنے سامنے بٹھا کر توجہ کرنے کی اجازت نہ ہو بلکہ غائبانہ توجہ کا حکم دیا جائے تو پھر موجودہ دور جیسے پُر فتن اور نازک دور میں کون ایسا شیخ ہو گا جو نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو اور مجددِ وقت سے زیادہ تقویٰ دار ہو۔ لیکن دُکھ کی بات یہ ہے کہ طریقت کی کھلی خلاف ورزیوں کے مرتکب خلفاء کے شیوخ خاموش تماشائیوں میں شامل ہیں اور بُرائیوں کو روکنے میں اپنا کردار ادا نہیں کر رہے۔

[اب چند فقرے نصیحت کے طور پر لکھے جاتے ہیں، اُمید ہے کہ گوشِ ہوش سے سُنیں گے۔

اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خدائے تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے۔ عقلمندوں پر سب سے اول فرض ہے کہ اپنے عقائد کو علمائے اہلِ سُنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (جو فرقۂ ناجیہ ہیں) کے عقائد کے موافق درست کریں۔ بعض ان عقائد کا بیان کیا جاتا ہے جن میں قدرے پوشیدگی ہے۔

پہلا عقیدہ

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ وتقدس خود موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے، اور فی الحقیقت کسی اَمر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اُس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مشارکتِ اِسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اللہ تعالیٰ وتقدس خود موجود ہے اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں، اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے، الخ" یعنی حق تعالیٰ وتقدس کی ہستی عروضِ وجود کے لئے محتاج نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات بذاتِ خود موجود ہے بخلاف ماہیتِ ممکن کہ اس (ماہیتِ ممکن) کی ہستی عروضِ وجود کے لئے محتاج ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ (بے مثل وبے نظیر) ہے کیونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات قدیم اور ممکنات کی ذات حادث (نَو پیدا شدہ، فنا ہونے والی) ہے۔ حق تعالیٰ وتقدس کی صفات قدیم وکامل ہیں جبکہ ممکنات حادث وناقص ہیں، حق تعالیٰ وتقدس کا فعل جو کہ تکوین سے عبارت ہے یہ قدیم ہے اور اس کے اثرات مثلاً تخلیق وترزیق، احیاء واماتت وغیرہ حادث ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس کی تخلیق محیر العقول ہے اور آسمانوں کی تخلیق ہمارے فہم وعقل سے بلند ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "مشارکتِ اِسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔ الخ" یعنی بندہ کے وجود وصفات اور افعال حق تعالیٰ وتقدس کے وجود

وصفات اور افعال کے ساتھ صرف اور صرف اسمی مشارکت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر حق تعالیٰ وتقدس بصیر ہے اور بندے کو بھی اس لحاظ سے بصیر کہا جا سکتا ہے کہ بندہ دو آنکھوں کا مالک ہے اور ان سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن بندے اور حق تعالیٰ وتقدس کا بصیر ہونا محض اسمی اور لفظی شراکت ہے ورنہ بندہ کے وجود وصفات اور افعال اور حق تعالیٰ وتقدس کے وجود وصفات اور افعال کا کیا موازنہ ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ وہ وجود قدیم اور تمام کائنات کا مبدأ، اور یہ وجود ناقص وحادث ہے اور وہ صفاتِ قدیم وکامل ہیں، اور یہ صفات ناقص وحادث ہیں اور وہ افعال آسمانوں اور زمینوں کا مبدأ، اور یہ افعال ان کے مقابلہ میں مکڑی کے جالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جتنی بھی موجودات ہیں ان کا خالق ومالک صرف اور صرف حق تعالیٰ وتقدس کی ہی ذاتِ ہے مگر انسان زبان سے کہتا ہے کہ بچہ میں نے پیدا کیا ہے یا میں درخت لگانے پر قادر ہوں، یا میں عالم ہوں وغیرہ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق، قدرت اور علم کے ساتھ کسی کی کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ حقیقت میں بچے کی تخلیق، درخت لگانے پر قدرت اور عالم ہونا اسمی اور لفظی مشارکت ہے اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی طرف سے عطا کردہ ہے اور جو اشیاء آج سے پہلے موجود تھیں یا اب موجود ہیں اور یا آئندہ موجود ہوں گی ان سب کا خالق وفاعل حق تعالیٰ وتقدس ہے۔

[دوسرا عقیدہ

اللہ تعالیٰ کے صفات اور ظلال اس کی ذات کی طرح بیچون اور بیچگون ہیں، اور ممکنات کی صفات وافعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفتِ قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے۔ اگرچہ وہ تکثر اور تعدد تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل وابد کی معلومات منکشف

ہوتی ہیں، اور تمام اشیاء کو ان کے متضادہ اور متناسبہ احوال کے ساتھ کُلی اور جزوی طور پر ہر ایک کے مخصوصہ اوقات میں آنِ واحد بسیط جانتا ہے۔ یعنی اسی آن میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنین بھی جانتا ہے اور بچہ بھی۔ اور جوان بھی جانتا ہے اور بوڑھا بھی۔ اور زندہ بھی جانتا ہے اور مُردہ بھی اور کھڑا ہوا جانتا ہے اور بیٹھا ہوا بھی۔ اور تکیہ لگانے والا جانتا ہے اور لیٹا ہوا بھی۔ اور ہنستا ہوا جانتا ہے اور روتا ہوا بھی۔ اور لذت پانے والا جانتا ہے اور رنج و دُکھ پانے والا بھی، اور عزیز جانتا ہے اور ذلیل بھی۔ اور برزخ میں جانتا ہے اور حشر میں بھی۔ اور جنت میں جانتا ہے اور لذت و نعمت میں بھی۔ پس تعلق تعدد بھی اس مؤطن میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعلقات کا تعدد وقتوں کا تعدد اور زمانوں کا تکثر چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے۔ جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم و تاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

پس حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق ثابت کریں تو ایک ہی تعلق ہو گا جو تمام مخلوقات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے اور صفت العلم کی طرح بیچون و بیچگون ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دُور اور بعید ہونے) کو ایک مثال بیان کر کے دُور کرتے ہیں اور کہتے ہیں جائز ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو اس کی مختلف قسموں اور متغائرہ احوال اور متضادہ اعتباروں کے ساتھ جان لے۔ یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی اور فعل بھی اور حرف بھی اور ثلاثی بھی اور رُباعی بھی اور معرب بھی اور مبنی بھی اور متمکن بھی اور غیر متمکن بھی اور منصرف بھی اور غیر منصرف بھی اور معرفہ بھی اور ماضی بھی اور مستقبل بھی اور اَمر بھی اور نہی بھی جان لے۔ بلکہ اگر وہ شخص یوں کہہ دے کہ میں کلمہ کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے

آئینہ میں ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھتا ہوں تو بھی جائز ہے۔ جب ممکن کے علم بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب الوجود وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس جگہ اگرچہ بظاہر جمع ضدین ہے، مگر حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت مفقود ہے کیونکہ ہرچند زید کو آنِ واحد میں موجود اور معدوم جانا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سنہ ہجری کے بعد ہے اور اس کے عدمِ سابق کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے اس کے عدمِ لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ پس حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانہ کے تغیر کے باعث کوئی ضدیت نہیں ہے۔ اور باقی احوال کو بھی اسی قیاس پر سمجھنا چاہیئے۔ فَافْهَمْ

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ جزئیات کے ساتھ متعلق ہو۔ لیکن تغیر کی آمیزش اس میں دخل نہیں پاتی۔ اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فلاسفہ نے زعم (دعویٰ) کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو۔ اور جب سب کو آنِ واحد میں جان لے۔ تو پھر تغیر وحدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس کے واسطے تعلقاتِ متعددہ ثابت کریں تاکہ تغیر وحدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفتِ علم کی طرف جیسے کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب میں تعلقات کا تعدد ثابت کریں تو ہو سکتا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفت قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے، الخ" یعنی حق تعالیٰ

وتقدس تعلقاتِ متعددہ نہیں رکھتا بلکہ ایک ہی تعلق ہے کہ اَزل واَبد کی معلومات صرف ایک ہی تعلق سے مکشوف ہیں اس لئے کہ تعددِ تعلقات وقت وزمانہ کا تعدد چاہتا ہے اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذات زمانہ ُوجود نہیں رکھتی اور نیز یہ تعلق ایک مجہول الکیفیت تعلق ہے اُس کے صفت العلم کی مثل جو کہ بیچون وبیچگون ہے تو اس کا تعلق بھی بیچون ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم اور صفات اَزلی واَبدی ہیں مگر ان کے ظہور کے اثرات بعد میں نظر آتے ہیں۔ حق تعالیٰ وتقدس انسان کے عدم سے جنین، بچپن سے جوانی وبڑھاپا اور موت وقبر تک اور ان کے درمیانی عرصہ میں اس کے اطاعت ونافرمانی، کھانے پینے، اُٹھتے، بیٹھے اور لیٹے، ہنستے وروتے، غمی وخوشی، ذلت وعزت، حشر، جنت ودوزخ اور لذت ونعمت وغیرہ تک ہر لحظہ کی حرکات وسکنات پر ان کے واقع ہونے سے قبل اَزل سے اَبد تک عالم ہے لیکن اس طرح نہیں کہ اس کا علم متعدد اور حادث ہو۔ یعنی اَزل سے اَبد تمام ممکنات کے ہر لحظہ کی حرکات وسکنات کے ہونے سے پہلے اسی حالت میں مکمل طور پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم میں موجود ہیں اور مخلوق کا علم عطائی اور حادث ہے چاہے عالمِ عُلیاء کا علم ہو یا عالمِ سفلی کا علم۔

قرآن عظیم الشان معجزہ ہے مگر اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں ایسے علماء کرام بھی موجود ہیں جو کتاب اللہ کی کسی ایک آیت کی طرف متوجہ ہوں تو انہیں فوراً اس میں اسم، فعل، حرف، اَمر ونہی، ماضی ومضارع، حال ومستقبل اور اِدغام وغیرہ کا علم ہو جاتا ہے تو جب ایک مخلوق کو ایک کلمہ میں اتنی چیزوں کا علم بیک وقت ہو سکتا ہے تو واجب الوجوب حق تعالیٰ وتقدس کے علم کا کیا حال ہو گا جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اہلِ روافض اور بعض بے خِرد اور جاہل وبدبخت لوگ یہ بات کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑی بڑی چیزوں کا علم رکھتا ہے لیکن مخصوص چیزوں کو صرف ہمارے مشائخ اور علماء جانتے ہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) ہمیں چاہیئے کہ ہم اس طرح عقیدہ رکھیں کہ حق تعالیٰ وتقدس کسی چیز کے بارے میں جتنا علم ہمیں عطا فرمائے ہم صرف اتنا ہی جان اور سمجھ سکتے ہیں اور جو علم عطا نہ فرمائے وہ نہیں سمجھ سکتے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں فرمایا ہے کہ تمام ممکنات ومعلومات حق تعالیٰ وتقدس کو معلوم ہیں حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم عالم اور تمام معلومات کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہماری سمجھ سے بالاتر اس مسئلے کو آئینہ اور اُس صورت کو جو اس آئینہ میں ظاہر ہے سے واضح فرمایا ہے یعنی وہ صورت جو آئینہ میں نمایاں ہوتی ہے آئینہ کا اس صورت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بھی صورت آئینہ میں نمایاں ہوتی ہے۔ تو اسی طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم عالم کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتا اور اس کے باوجود بھی حق تعالیٰ وتقدس کو تمام اشیاء میں ہر چیز کے بارے میں معلوم ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے دونوں اقوال کے اوقات الگ الگ تھے۔

ہمارے بعض علماء کرام اور صوفیاء عظام اپنے عقائد کو اپنے مذہب اور مشائخ یعنی اہل سنت وجماعت کے عقائد کی کُتب سے نہیں سیکھتے اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ فلاسفۂ یونان کے عقائد کو اپنے عقائد میں شامل کر لیتے ہیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے بہت سے مکاتیب میں فرمایا ہے کہ ہم فلاسفۂ یونان کے عقائد کی بھرپور مذمت کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مخلوقِ خدا کو اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کی کتب کی روشنی میں ان کے عقائد سے آگاہ کریں نہ کہ فلاسفۂ یونان کے عقائد کی روشنی میں۔ فقہاء کرام میں سے حضرت امام اعظم وحضرت امام

یوسف وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور صوفیاء کرام میں سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ منطق اور منطقی باتیں حرام ہیں لہٰذا ان کو اپنی محافل میں بیان نہ کریں۔ مگر آج کل علماء کرام کہتے ہیں کہ اگر ہم منطقی دلائل کی باتیں نہ کریں تو پھر ہم تبلیغ کے ذریعے دینِ اسلام کو کیسے آگے لے کر جائیں گے کیونکہ منطق تو ہمارے لئے قرآن وحدیث کے احکامات لوگوں تک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضراتِ تابعین، تبع تابعین اور مجتہدینِ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب نے قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں اس طرح کے عقائد پیش کئے ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا اور نہ آپ کو ان کی طرف رغبت ہوتی ہے تو ہمیں فلسفی دلائل اور منطقی باتوں کی کیا ضرورت ہے؟ مثال کے طور پر منطقی کہتے ہیں کہ کائنات ازلی ہے جبکہ قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (یونس ۳)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔

تو یہ فلاسفہ یونان کا منطقی دلائل سے قرآن عظیم الشان کے ساتھ مقابلہ ہے جو کہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ تو ہمیں چاہیئے کہ لوگوں کے ذہنوں میں گمراہی کی باتیں نہ ڈالیں اور فلاسفہ یونان کے منطقی دلائل کی بجائے لوگوں کو قرآن وحدیث اور مذہبِ حنفی کی جانب ترغیب دیں ورنہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے بلکہ ہو رہے ہیں۔

[اور اسی طرح کلامِ بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے۔ اگر امر ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر نہی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر اعلام ہے تو وہ بھی وہیں سے ماخوذ

ہے۔ اور اگر استعلام ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر تمنی یا ترجی ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔

تمام نازل شدہ کتابیں اور مرسلے صحیفے اس کلامِ بسیط کا ایک ورق ہیں۔ اگر توریت ہے تو وہیں سے لکھی گئی ہے۔ اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی وہیں سے لفظی صورت حاصل کی ہے۔ اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے۔ اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔

والله کلام حق کہ علی الحق یکیست وبس

پس دَر نزول مختلف آثار آمدہ

ترجمہ: واللہ در حقیقت ایک ہی کلام ہے اور بس۔ ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اسی طرح کلامِ بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے، الخ" یعنی حق تعالیٰ و تقدس کا صفت الکلام حروف اور اصوات سے مرکب نہیں ہے بلکہ ایک بسیط معنی اور نُور کی تعبیر ہیں۔ اگر ہم سوچ و فکر کریں تو بندہ کا کلامِ نفسی بھی حروف اور اصوات سے مرکب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی گزرے ہوئے واقعے کو بیان کرے تو اس کے جملاتِ بیانیہ میں تقدیم و تأخر موجود ہو گا۔ مگر وہ معنی جو اس شخص کے ذہن و خاطرہ میں ہے جو کہ اس واقعہ و بیان سے مفہوم و موضوع سے عبارت ہے اس میں کوئی تقدیم و تأخر اور ترکیب وجود نہیں رکھتی۔

[اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے۔ اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین مصنوعات وجود میں آرہے ہیں۔

آیت کریمہ:

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القمر ۵۰)

ترجمہ: اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا۔

میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اگر احیاء اور امانت ہے تو اسی فعل سے وابستہ ہے، اور اگر انعام یا ایلام ہے تو اسی فعل سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی اگر ایجاد ہے یا اعدام تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے فعل میں بھی تعددِ تعلقات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اولین و آخرین مخلوقات اپنے اپنے وجود کے مخصوصہ اوقات میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کی طرح بیچون وبیچگونہ ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں۔

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ

ترجمہ: بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔

اشعری (یعنی حضرت امام ابو حسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ علم الکلام کے ماہر ہوئے ہیں) نے چونکہ حق تعالیٰ کے فعل کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی۔ اس لئے تکوین کو حادث کہہ دیا۔ اور حق تعالیٰ کے افعال کو بھی حادث جان لیا۔ اور نہ جانا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ازلی فعل کے آثار ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کے افعال۔

اور بعض صوفیہ نے جو تجلی افعال ثابت کی ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینہ میں اس واحد جل شانہٗ کے فعل کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔ وہ اسی قسم سے ہے۔ یعنی وہ تجلی در حقیقت حق تعالیٰ کے فعل کے آثار کی تجلی ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی کیونکہ حق تعالیٰ کے فعل کے لئے جو بیچون وبیچگون اور قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جس کو کہ تکوین کہتے

ہیں۔ محدثات کے آئینوں میں کوئی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظہروں میں اس کا کوئی ظہور نہیں۔

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد
در کلبہ گدایان سلطان چہ کار دارد

ترجمہ: صورت کے تنگ مقام میں معنی کیسے سما سکتا ہے؟ گداگروں کی کٹیا میں بادشاہ کا کیا کام۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین مصنوعات وجود میں آرہے ہیں، الخ" یعنی صفتِ تکوین جو کہ حق تعالیٰ و تقدس کی صفتِ ازلی اور اس کا ایک قدیم فعل ہے اور اس فعل میں تعدد و تکثر کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ تخلیق و ترزیق اور احیاء و اموات وغیرہ اس قدیم فعل کا ظلال ہیں تو اسی لئے فرقۂ وجودیہ جنھوں نے تخلیق و ترزیق وغیرہ کی تجلی کو افعال کی تجلی تصور کیا ہے یہ اس گروہ نے اشتباہ کیا ہے کہ ظلالِ فعل کی تجلی کو تجلیٔ فعل تصور کیا ہے۔ یعنی تخلیق و ترزیق وغیرہ کی تجلی حق تعالیٰ و تقدس کے آثارِ فعل کی تجلی ہے نہ کہ حق تعالیٰ و تقدس کے فعل کی تجلی۔

اہل سنت و جماعت کے عقائد کے حوالے سے علماء کرام میں دو شخصیات بڑی نامور گزری ہیں جن میں ایک حضرت محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی سمرقندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے حضرت امام ابو حسن الاشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اہلِ سُنت و جماعت میں سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اور علماء محققین زیادہ تر حضرت محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی سمرقندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار ہیں۔ کیونکہ عقائد کی کُتب میں ماتریدیہ اور اشعریہ کے

درمیان چار مسائل میں اختلاف پایا گیا ہے۔مثال کے طور پر ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تمام صفاتِ ذاتیہ ازلی ہیں، حادث نہیں ہیں۔ اور اشعریہ کہتے ہیں صفتِ تکوین کے علاوہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بقیہ تمام صفاتِ ذاتیہ ازلی ہیں۔ یعنی یہ (اشعریہ)صفتِ تکوین کو حادث جانتے ہیں۔ اسی لئے اکثر اہل سنت وجماعت حضرت محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی سمرقندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار ہیں۔ لیکن اس سے کوئی یہ مراد نہ لے کہ ہم اشعریہ کو نہیں مانتے بلکہ ہم صفت تکوین کے حدوث کے علاوہ ان کی بقیہ سب باتوں میں ان کی بھی اتباع کرتے ہیں۔

[افعال وصفات کی تجلی فقیر کے نزدیک ذات کی تجلی کے سوا متصور نہیں ہے۔ کیونکہ افعال وصفات حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ پاک سے الگ نہیں ہیں۔ تاکہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے سوا متصور ہو سکے۔ اور وہ چیز جو حق تعالیٰ کی ذات سے الگ ہے وہ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال کے ظلال ہیں۔ جن کی تجلی کو افعال وصفات کے ظلال کی تجلی کہنا چاہیئے نہ کہ افعال وصفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔

ذَلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیہِ مَنۡ یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "افعال وصفات کی تجلی فقیر کے نزدیک ذات کی تجلی کے سوا متصور نہیں ہے، الخ"۔ یعنی ظلال کی تجلی کے ظہور کے وقت فعل وصفت ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں اور وصول کے وقت تجلیاتِ ثلاثہ کا اصلِ فعل یا اصلِ صفت ایک جگہ موجود ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے جُدائی نہیں رکھتے چنانچہ اگر سالک ظلالِ

فعل اور ظلالِ صفت کے شہود تک پہنچ جائے تو اس وقت سالک تجلیٔ فعل کو جُدا اور تجلیٔ صفت کو جُدا مشاہدہ کرتا ہے۔ مگر جس وقت سالک اصلِ فعل یا اصلِ صفت کے مشاہدے پر مشرف ہو جاتا ہے تو پھر اس جگہ یہ تجلیاتِ ثلاثہ کو یکجا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ و تقدس کے فعل و صفات اس کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ معیت رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ و تقدس کے فعل و صفات اور ذاتِ مقدسہ کے درمیان انفکاکِ خارجی موجود نہیں ہے۔ یعنی صفات کا حق تعالیٰ و تقدس کی ذات سے زائد ہونا بلا کیف ہے، اس کے درمیان امتیاز کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے کیونکہ یہ نعمت کامل و مکمل اولیاء عظام کا نصیب ہے۔ تجلیاتِ ثلاثہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے افعال و صفات اور ذاتِ مقدسہ کی تجلی سے عبارت ہے۔

[تیسرا عقیدہ

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے۔ اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قُرب و معیت رکھتا ہے۔ اس احاطہ اور قُرب و معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہمِ قاصر میں آ سکے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جنابِ پاک کے لائق نہیں، اور جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں اس سے بھی منزہ اور پاک ہے کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہیئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اُس کو لَا کی نفی کے نیچے لانا ہے۔

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چین
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ: عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا لہٰذا جال سمیٹ لے۔ کیونکہ یہاں جال کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا۔

حضرت ایشاں یعنی خواجہ صاحب بزرگوار (یعنی پیرِ بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) کی مثنوی کا یہ بیت اس مقام کے مناسب ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است

مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

ترجمہ: ابھی بے نیازی کا محل بہت اونچا ہے اور مجھے وہاں پہنچنے کی فکر سے نفرت ہے۔

پس ہم ایمان لائے ہیں کہ حق تعالیٰ اشیاء کو محیط اور ان کے قریب اور ساتھ ہے۔ لیکن اس قُرب اور احاطہ اور معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے۔ اس کو احاطہ و قُربِ علمی کہنا بھی متشابہ تاویلوں سے ہے لیکن ہم ان کی تاویل کے قائل نہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قُرب و معیت رکھتا ہے، الخ" یعنی ہر چیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہے اور اس کا قُرب و معیت ان کے ساتھ ہے لیکن قُرب و معیت سے کوئی یہ مراد نہ لے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں بلکہ حق تعالیٰ وتقدس کا قُرب و معیت بلا کیف ہے اور اس کی ہمارے ادراک میں کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے۔ اس قُرب کو قُربِ علمی کہا جاتا ہے اور جو کچھ یعنی صوفیاء کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مراد کے بر خلاف ہے کیونکہ ان کی مُراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم گزرتا ہے یعنی اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللهُ یعنی ان صوفیاء

نے کہا ہے جس وقت فقر تام و مکمل ہو جائے تو عارف اللہ بن جاتا ہے (نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِکَ) مگر اصل بات اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ جس وقت فقر کی تکمیل ہو کر بحرِ فناء میں مستغرق ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ و تقدس کی ذاتِ بحت کے علاوہ عارف کے مشہود میں اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور عارف کے شہود سے تمام مکونات و عالمِ امکان نکل جاتے ہیں۔ یہ عبارت یہ معنی نہیں رکھتی کہ عارف حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ متحد ہو کر اللہ بن جاتا ہے کیونکہ یہ تو ملحدین اور زنادقہ (جو کہ ایک گمراہ فرقہ ہے اُن) کا عقیدہ ہے نہ کہ اہلِ سُنت و جماعت کا۔

[چوتھا عقیدہ

اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ کہ صوفیہ کی بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مُراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم گزرتا ہے یعنی اِذَاتَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللهُ یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نسیتی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ کہ یہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے۔

تَعَالَی اللهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا یَتَوَھَّمُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ظالموں کے وہم و گمان سے بہت برتر و بلند ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ عبارت اَنَا الْحَقُّ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں۔ بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔ اور تغیر و تبدل کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات وافعال کی طرف راہ نہیں ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِیْ اَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَکْوَانِ

ترجمہ: پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات وافعال میں موجودات کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتی۔

اور صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلاتِ خمسہ ثابت کئے ہیں وہ مرتبۂ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ کفر و گمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے مراتبِ ظہورات میں اعتبار کیا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں تغیر و تبدل راہ پائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلاتِ خمسہ ثابت کئے ہیں وہ مرتبۂ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں، الخ" یعنی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں چاہے وہ صفاتِ فعلیہ ہوں یا صفاتِ ذاتیہ ان میں کسی قسم کا تغیر و تحول نہیں ہو سکتا۔ اور صوفیہ وجودیہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ان کی کشفی حالت ہے اور صوفیہ وجودیہ کا مقصد بھی یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ مرتبۂ تنزیہ ولا تعیین سے تنزل فرما کر علمِ اجمالی یا تفصیلی اور عالمِ اَرواح وعالمِ مثال اور یا عالمِ اجساد کی صورت میں متمثل (کسی چیز کی مثل) ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ ان تنزلاتِ خمسہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کمالات کے ظہورات جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس ان پانچ قسم کے ظہورات میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص کے سامنے مختلف رنگوں کے چند آئینے رکھ دیئے جائیں تو یہ شخص ان آئینوں میں مختلف رنگوں سے نمایاں ہو گا اور اس شخص کی اصل ذات اپنی اصلی حالت پر ہی موجود رہے گی اور اس سے اس شخص میں کسی قسم کا تغیر و تحول پیدا نہیں ہوتا۔ تو اسی دلیل کی وجہ ہر شئ کی اصل جدا اور اس کا ظہور جُدا ہوتا ہے، جس طرح

آئینے میں زید کی شکل وصورت نظر آتی ہے جسے ظہورِ زید کہا جاتا ہے نہ کہ وجودِ زید۔ پس حق تعالیٰ وتقدس کی بیچون ذات نیز تنزلاتِ خمسہ کی صورت میں ظہور فرما کر نمایاں ہوتی ہے مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وہ ظہورِ عین ذات نہیں ہے بلکہ یہ حق تعالیٰ وتقدس کے کمالاتِ وجود کے ظہورات ہوتے ہیں۔ تو ان مثالوں اور تشریحات سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے صوفیہ وجودیہ کی تعریف وتوصیف بیان نہیں فرمائی بلکہ صوفیاء کرام کے اقوال سے اُن پر جس کفر کو وہم پیدا ہو سکتا تھا اُس کفر سے محفوظ کیا ہے تاکہ صوفیاء کرام کے لئے مخالفین کے دلوں کا زنگ دور کیا جائے لیکن فی زمانہ تو اکثر صوفیاء کرام ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے نظر آتے ہیں۔

]پانچواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بھی غنی مطلق ہے اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔ اور بعض صوفیہ کی عبارت سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی وصفاتی ظہور میں ہمارا محتاج ہے یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے۔ بلکہ جانتا ہے کہ ان کی پیدائش سے مقصود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے۔ نہ وہ کمال جو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ آیت کریمہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶) اَیْ لِیَعْرِفُوْن

ترجمہ: اور میں نے جِنّ اور آدمی اتنے ہی (اسی لئے) بنائے کہ میری بندگی کریں (معرفت حاصل کریں)۔

میں اسی مطلب کی تائید ہے۔

پس جن وانس کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔نہ کوئی ایسا امر جو حق سبحانہٗ کی طرف عائد ہو سکے۔

اور حدیثِ قدسی میں جو یہ واقع ہے:

فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأُعْرَفَ۔

ترجمہ: میں نے خلقت کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ پہچانا جاؤں۔[1]

اس جگہ یہی ان کی معرفت مُراد ہے نہ یہ کہ میں معرفت بنوں، اور ان کی معرفت کے ذریعے کمال حاصل کروں۔

تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے، الخ'' یعنی بعض ناقصان نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس اپنے تعارف میں عالم کا محتاج ہے ان لوگوں کی یہ گمراہانہ گفتار و تعبیر ان کی نارسائی کا ثبوت ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عالم کی تخلیق وایجاد سے عارفیت مخلوق کی خواہش کی ہے نہ کہ حق تعالیٰ وتقدس کی معروفیت۔ یہ یقینی طور طے شدہ بات ہے کہ بندے کی معرفت اس کی اپنی سعادت کے لئے ہے اور اس معرفتِ مخلوق سے حق تعالیٰ وتقدس کو کسی قسم کی منفعت مقصود نہیں ہے۔

---

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج ۹، ص ۳۶۳۳، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

جس طرح کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦)

ترجمہ: بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔

اگر تمام عالم عارف بن جائے تو بھی حق تعالیٰ وتقدس کی قدسیت میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر تمام عالم جاہل وگمراہ ہو جائے تو بھی حق تعالیٰ وتقدس کی الوہیت، کبریائی اور عظمت میں کسی قسم کا نقص و کمی نہیں آتی۔ مگر بندوں کو ان کی سعادت کے لئے بعض عبادات پر جو کہ ان کے مفاد میں ہیں مکلف کیا گیا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اس سے کوئی منفعت نہیں ہے۔

ازاں طرف نہ پذیرد کمال او نقصان

ازیں طرف شرف روزگار من باشد

من نمی خواہم کہ از مخلوق خود سودے کنم

بلکہ بر خلق جہان جودے کنم

ترجمہ: مخلوق کی عبادت کرنے سے مجھے نہ فائدہ ہے اور نہ ہی نقصان بلکہ ان کو میری وجہ سے عزت ملی ہے میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی مخلوق سے کچھ فائدہ حاصل کروں بلکہ میں تو مخلوقِ جہان پر جُود وسخا کرتا ہوں۔

[چھٹا عقیدہ

اور حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزّہ اور مبرّا ہے نہ جسم وجسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی۔ اور صفاتِ کمال اس کے لئے ثابت ہیں۔ جن میں سے آٹھ صفات کمالِ وجود وذاتِ تعالیٰ پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔

اور وہ صفات یہ ہیں:

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔

اور یہ صفاتِ (ثمانیہ) خارج میں موجود ہیں، اور یہ نہیں کہ وجودِ ذات پر علم میں وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں، اور خارج میں نفس ذاتِ تعالیٰ وتقدس ہے۔ جس طرح کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور اس طرح کہا ہے:

ازروئے عقل ہمہ غیراند صفات
باذاتِ تُو ازروئے تحقق ہمہ عین

ترجمہ: ازروئے عقل وعلم کے سب صفات غیر ہیں اور ازروئے تحقق سب ذات کی عین ہیں۔

کیونکہ اس میں در حقیقت صفات کی نفی ہے۔ کیونکہ صفات کی نفی کرنے والوں یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائرِ علمی اور اتحادِ خارجی کہا ہے اور تغائرِ علمی سے انکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ علم کا مفہوم عینِ ذات کا مفہوم ہے یا عینِ قدرت وارادت کا مفہوم ہے۔ بلکہ عینیّت اور اتحاد باعتبارِ وجودِ خارجی کے کہا ہے۔ پس جب تک وجودِ خارجی کا تغائرِ اعتبار نہ کریں صفات کی نفی کرنے والوں سے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ تغائرِ اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا۔ کَمَاعَرِفْتَ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ صفاتِ (ثمانیہ) خارج میں موجود ہیں، اور یہ نہیں کہ وجودِ ذات پر علم میں وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں، الخ" یعنی اہلِ سُنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ حقیقیہ کمالیہ نہ عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جُدا۔ اور ان کا وجود خارج میں موجود ہے۔ یہ بات ہم عقائد کی کُتب اور مکتوباتِ

شریف میں عرصہ دراز سے پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ "صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ ثبوتیہ حقیقیہ کمالیہ خارج میں موجود ہیں۔" سب سے پہلے اس کے مطلب کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے کیا معنی اور اس سے کیا مراد ہے۔ زمین وآسمان، لوح و قلم، جنت ودوزخ اور عرش وغیرہ سب ممکنات میں سے ہیں اور صفات کے اثر سے پیدا ہوئی ہیں اور ان کو اعیانِ ثابتہ کہا جاتا ہے، حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس اور اس کی صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ ثبوتیہ حقیقیہ کمالیہ ان ممکنات میں موجود نہیں بلکہ ان ممکنات سے خارج میں موجود ہے، اس طرح نہیں کہ یہ صفات حق تعالیٰ وتقدس کی ذات سے خارج ہیں۔ اور تمام ممکنات کا ہماری عقل میں آنا ممکن ہے لیکن ذات وصفاتِ الٰہی کا ہماری عقل وفہم میں آنا اور اس کا دَرک کرنا محال ہے۔

صوفیہ وجودیہ، فلاسفہ اور معتزلہ نے یہ گمان کیا ہے کہ صفاتِ ثمانیہ وجودِ علمی رکھتی ہیں لیکن جداگانہ وجودِ خارجی نہیں رکھتیں۔ جس طرح انسانِ ناطق جو کہ تغایرِ مفہومی رکھتے ہیں مگر ان کا مصداق ایک ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر صوفیہ وجودیہ وجودِ خارجی صفات کے قائل نہ ہوں تو یہ صفاتِ ثمانیہ کی جملہ نفی اور اس کا انکار کرنے والے شمار ہوں گے۔ اس لئے کہ صفات کا انکار کرنے والے بھی صفات کے تغایر مفہوم سے حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کے مفہوم کے قائل ہیں اور یوں نہیں کہتے کہ علم وقدرت کا مفہوم حق تعالیٰ وتقدس کی عین ذات کا مفہوم ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ صفات اگرچہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کے ساتھ تغایرِ مفہومی رکھتے ہیں مگر ان کا مصداق واحد ہے اور صفات وجود نہیں رکھتے تنہا ذاتِ مقدس ہے جو کہ صرف خارج میں موجود ہے، پس اگر صوفیہ وجودیہ خارجی صفات کے وجود کے قائل نہ ہوں تو یہ لوگ معتزلہ اور حکماءِ یونان کی مانند شمار ہوں گے۔ تو اسی لئے حضرت مجدد الف

ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس کی صفاتِ ثمانیہ خارج میں موجود ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس جداگانہ وجود رکھتی ہے بغیر وجودِ صفات کے۔ اس لئے کہ خارج میں ذات سے زیادتی صفات ایک امرِ بلاکیف ہے اور حدتِ نظر چاہتا ہے کہ صفات کو ذاتِ مقدس سے متمایز دیکھے اور ناقص صوفیاء اسی لئے اس مقدس مرتبہ تک نہیں پہنچے اور ناچار انہوں نے خارج میں صفات کو عینِ ذات سمجھ لیا۔

[ساتواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے۔ اور اس کے سوا کسی کے لئے قِدَم اور ازلیّت ثابت نہیں ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ کے ماسوا قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہوا ہے وہ کافر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اسی واسطے کی ہے کہ وہ عقول اور نفوس کے قِدَم کے قائل ہوئے ہیں اور صورت (جسم) اور ہیولیٰ (مادہ) کے قدیم ہونے کا گمان کیا ہے، اور آسمان کو بمع اُن اشیاء کے جو ان میں ہیں قدیم سمجھا ہے۔

اور ہمارے خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کاملین کے ارواح کے قِدَم کا قائل ہوا ہے۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیئے، تاکہ اہلِ ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اس واسطے کی ہے، الخ" یعنی ابن سینا وغیرہ عقلِ عشرہ، نفوسِ فلکیہ،

ہیولیٰ، صورت، آسمان اور وہ سب کچھ اس میں موجود ہے ان کے قدیم ہونے کے معتقد ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس علتِ تامہ ہے کیونکہ علتِ تامہ کے وجود کے وقت وجودِ معلوم کا ہونا ضروری ہے اسی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ عقلِ اوّل جو کہ معلولِ اوّل ہے یہ حق تعالیٰ وتقدس کی ایجاب اور اس کے ارادہ واختیار کے بغیر صادر ہوئی ہے۔ جس طرح عقلِ اوّل حدوثِ ذاتی اور قِدَمِ زمانی رکھتاہے اس کی دو جہتیں ہیں اس کی ایک جہت کی بناء پر عقلِ دوم اس سے صادر ہوئی ہے اور اس کی دوسری جہت پر آسمانِ اوّل اس سے صادر ہوا ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس یہ آسمانِ نہم اور عقلِ دہم سب کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں مگر ان کی یہ باتیں قرینِ حقیقت نہیں ہیں بلکہ یہ ان کے وہم کی اختراع ہے۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایاہے کہ حق تعالیٰ وتقدس قدیم اور اَزلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے قِدَم اور اَزلیت ثابت نہیں ہے۔اس سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی غرض حکماء کے اقوال کی تردید کرنا ہے۔ اور یہی اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کاملین کے ارواح کا قائل ہوا ہے۔ اس بات کو ظاہر کی طرف پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیئے، الخ" یعنی شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس سے مراد یہ تھی کہ کاملین کی اَرواح دوسری اَرواح کی بہ نسبت قدامتِ کمالی رکھتی ہیں اور یہ کمال میں آگے ہیں اور دوسری ارواح کمال میں ان سے بہت پیچھے ہیں نہ یہ کہ کاملین کی ارواح قِدَمِ زمانی رکھتی ہیں اور حادث نہیں ہیں بلکہ حادث ہیں۔ اس لئے کہ تمام ممکنات کُلی طور پر چاہے اجساد ہوں یا ارواحِ مسبوق، حق تعالیٰ وتقدس کے ارادہ میں تھیں اور حادث ہیں جس وقت مسبوق ارادے کے ساتھ ہوں تو لازمًا

حادث ہوتی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ قادرِ مختار ہے ایجاب کی آمیزش اور بے اختیاری و مظنہ (گمان و شبہ کے) اضطرار سے مُبرّا ہے اور یا ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد یہ ہے کہ کاملین کی ارواح قدیم صفات کے انوارات کا مظہر ہیں۔

[آٹھواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ قادرِ مختار ہے۔ اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزّہ اور مبرّا ہے۔ فلاسفہ بے خرد نے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے ایجاب کو ثابت کیا ہے اور ان بے وقوفوں نے اس واجب الوجود کو معطّل و بے کار سمجھا ہے۔ اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر ہوا ہوا نہیں جانا ہے اور حوادث کے وجود کو عقلِ فعال کی طرف نسبت دی ہے۔ جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے گمان میں ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس چاہیئے کہ اضطراب و اضطرار کے وقت عقلِ فعال کی طرف التجاء کرتے۔ اور حضرتِ حق سبحانہٗ کی طرف رجوع نہ کرتے۔ کیونکہ حوادث کے وجود میں اس کا کچھ دخل نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ صرف عقلِ فعال ہی حوادث کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ فعال کی طرف بھی ان کا رجوع نہیں۔ کیونکہ ان کی بلیلات کے دَفع کرنے میں اس کا بھی کچھ اختیار نہیں ہے۔ یہ بدبخت اپنی نادانی اور بے وقوفی کے باعث فرقۂ ضالہ یعنی گمراہ فرقوں کے پیش رَو ہیں۔ حالانکہ کافر بھی ان بدبختوں کے بَر خلاف حق تعالیٰ کی طرف التجاء کرتے اور بلیات کا دفع کرنا اسی سے طلب کرتے ہیں ان بدبختوں میں بہ نسبت اور تمام فرقوں کے دو چیزیں زیادہ ہیں۔ ایک یہ کہ احکامِ منزّلہ کا کفر اور انکار کرتے۔ اور اخبارِ مُرسلہ کے ساتھ عداوت و دُشمنی رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں جس

قدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں۔ ان کا مدارِ کار ان کی اپنی حرکات اور اَوضاع پر رکھا ہے۔ اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے مؤجد اور محرک اور مدبّر کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں، اور دور از معاملہ سمجھے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی بے خِرد اور بے وقوف ہیں اور ان میں سے زیادہ کمینہ اور بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا اور عقلمند جانتا ہے۔ ان کے متسق اور منتظم یعنی مرتبہ علوم میں سے ایک علمِ ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بے ہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاریہ قائمہ کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکلِ عروسی اور مامونی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے۔

علمِ طب و نجوم اور علمِ تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہے گزشتہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں سے چُرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کو رائج کیا ہے، جیسے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ المنقذمن الضلال میں اس اَمر کی تشریح اور تصریح کی ہے۔

اہل ملت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار اگر دلائل اور براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں۔ کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے۔ اور اپنے مطالبِ عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل اور براہین کو صرف تبرع کے طور پر لاتے ہیں۔ یہی تقلید اُن کے لئے کافی ہے برخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون کو جو ان بد بختوں کا رئیس ہے، پہنچی تو اس نے جواب میں یوں کہا کہ:

نَحۡنُ قَوۡمٌ مُھۡتَدُوۡنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلیٰ مَنۡ یَھۡدِیۡنَا

ترجمہ: ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے۔

اس بے وقوف کو چاہیئے تھا کہ ایسے شخص کو جو مُردوں کو زندہ کرتا، اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہے، جو ان کی حکمت کے طور سے خارج ہے۔ پہلے دیکھتا اور اس کے حالات کو دریافت کرتا اور پھر جواب دیتا۔ بن دیکھے اس کا جواب دینا اس کی کمالِ عداوت اور کمینہ پن ہے۔

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آن
ہم سفہ باشد کہ حکمِ کل حکمِ اکثر است

ترجمہ: فلسفہ کا اکثر حصہ جب بے وقوفی اور سفاہت کی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ سارا ہی اسی طرح ہے کیونکہ اکثر کا حکم کُل کا حکم ہے۔

نَجَّانَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَنۡ ظُلُمَاتِ مُعۡتَقَدَاتِھِمُ السُّوۡءِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے بُرے عقائد سے بچائے۔

فرزندی محمد معصوم نے ان ہی دِنوں میں جواہر، شرحِ مواقف کو تمام کیا ہے اثنائے سبق میں ان بے وقوفوں کی بڑی بڑی قباحتیں ظاہر ہوئیں اور بہت سے فائدے ان پر مترتب ہوئے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھۡتَدِیَ لَوۡ لَا اَنۡ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدۡ جَاءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حق لے کر آئے ہیں۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بعض عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں۔اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔یعنی ترک کی صحت قادر سے تجویز نہیں کرتا۔اور فعل کی جانب کو لازم جانتا ہے۔عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقبولوں میں سے نظر آتا ہے اور اس کے اکثر علوم جو آرائے اہلِ حق کے مخالف ہیں خطا اور ناصواب ظاہر ہوتے ہیں۔شاید خطاءِ کشفی کے باعث اس کو معذور رکھا ہے، اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت کو اس سے ہٹا رکھا ہے۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص بھی یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور اس کے مخالف علوم کو خطا اور مضر دیکھتا ہے۔

اس طائفہ میں سے بعض لوگ شیخ کو طعن وملامت بھی کرتے ہیں اور اس کے علوم کو بھی خطاء پر جانتے اور بعض لوگ شیخ کی تقلید اختیار کرکے اس کے تمام علوم کو بہتر اور صواب جانتے ہیں اور ان علوم کی حقیقت کو دلائل وشواہد کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔اور شک نہیں کہ ان دونوں فریقوں نے افراط وتفریط کا راستہ اختیار کیا ہے، اور راہِ اعتدال سے دور رہے ہیں۔شیخ کو جو مقبول اولیاء میں سے ہے خطائے کشفی کے باعث کس طرح رَدّ کیا جائے۔اور اس کے علوم کو جو صواب سے دُور اور اہلِ حق کی آراء کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کئے جائیں۔

هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِیْ وَفَّقَنِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ

ترجمہ: پس حق یہی درمیانی راہ ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل وکرم سے بخشی ہے۔

ہاں مسئلہ وحدتِ وجود میں اسی گروہ میں سے ایک جمِ غفیر یعنی بہت سے لوگ شیخ کے ساتھ شریک ہیں۔اگرچہ شیخ اس مسئلہ میں بھی طرزِ خاص رکھتا ہے لیکن اصل بات میں سب کے سب باہم

شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ بظاہر اہلِ حق کے مخالف ہے لیکن توجہ کے قابل اور جمع کے لائق ہے۔

اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ صاحب قدس سرہٗ) کی رُباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہلِ حق کے معتقدات کے ساتھ جمع کیا ہے اور فریقین کی نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے اور دونوں طرف کے شکوک اور شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اُس میں کوئی شک وشبہ کا محل نہیں رہا۔

كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى النَّاظِرِ فِيْهِ

ترجمہ: جیسے کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان بے وقوفوں نے اس واجب الوجود کو معطّل وبے کار سمجھا ہے، الخ" یعنی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل اور ابد صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کے لئے ہے اور وہی ذات ہر چیز کی صانع ہے۔ اس کے بغیر باقی سب کچھ حادث اور فنا ہونے والا ہے۔ جبکہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ جتنی بھی کائنات یعنی آسمان زمین، چاند وستارے اور سورج وغیرہ ہیں یا دِن رات اور موسموں کا تبدیل ہونا وغیرہ یہ سب منجانبِ عقلِ فعال ہیں اور تبعیت میں آئے ہیں یہ گروہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ کائنات قدیم اور ازلی ہے اور یہ خود بخود پیدا ہوئی ہے۔ یہ گروہ اس مسئلہ میں کفار سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ بعض کفار کفر کے باوجود بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ہر چیز کا صانع مانتے ہیں۔

یعنی فلاسفہ کا اس بات پر عقیدہ ہے کہ عقلِ اوّل حق تعالیٰ وتقدس سے بَر سبیلِ ایجاب اور بغیر اختیار کے صادر ہوئی ہے اور عقلِ اوّل سے عقلِ دوم اور آسمانِ اوّل ایجاب سے صادر ہوا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس عقل وہم تک کہ فلاسفہ اس کو عقلِ فعال اور حوادث کا مؤجد جانتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمودات کا نچوڑ یہ ہے کہ ان لوگوں کا مقصود و مطلوب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رجوع نہ کریں بلکہ عقلِ فعال کی طرف رجوع کریں۔ مگر جس طرح عقلِ فعال کو فاعلِ ایجاب جانتے ہیں یہ اس کی طرف بھی رجوع نہیں کرسکتے اس لئے کہ عقلِ فعال کہ عقلِ فعال بھی صاحبِ اختیار نہیں ہے اسی بناء پر اس کو مالک نہیں جانتے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایاہے کہ کفر مولا نہیں رکھتا۔ عقلِ فعال اور دیگر عقولی یہ سب ان فلاسفہ کے فکر کی اختراع ہے جوکہ ایک باطل عقیدہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "شاید خطاءِ کشفی کے باعث اس کو معذور رکھا ہے، الخ" یعنی بعض صوفیاء مجلس میں اپنے کشف کی بناء پر کوئی ایسی بات کردیتے ہیں جو قرآن وحدیث اور اہل سنت وجماعت کے عقائد کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں۔ لیکن کشف کی غلطی کی بناء پر ہم ان صوفیاء کو غلط نہیں کہتے البتہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہم انہیں معذور جانیں گے اور اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ ان کی خطاءِ کشفی ہے۔

جیسا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارات سے بھی ایجاب معلوم ہوتا ہے اور یہ حق تعالیٰ وتقدس سے ایک اَمر خلاف واقع اور مثبت اضطرار ہے یعنی یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ جنت کا وعدہ کیاہے تو اُس پر مخلوق کو جنت میں داخل کرنا واجب ہے اسی طرح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ رزق کا بھی وعدہ کیا ہے تو ہمیں رزق دینا اُس پر واجب ہے۔وعلیٰ ھذاالقیاس

چونکہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقبولوں میں سے ہیں شاید اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو خطائے کشفی کی وجہ سے معذور جانا۔ البتہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکشوفات کی تقلید کرنا ناجائز ہے کیونکہ ان کی اکثر مکشوفات اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد سے مخالف ہیں۔ اور یہی حکم دوسرے صوفیاء پر بھی قیاس ہے اگر ان کے مکشوفات بھی اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد سے مخالف ہوں تو ان کی تقلید کرنا بھی جائز نہیں ہو گا۔

اس بارے میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

بِلَاوُجُوْبِ عَلَیْہِ وَلَااِسْتِحْقَاقِ بَلْ بِفَضْلِہٖ وَوَعْدِہٖ۔

ترجمہ: اس (ذاتِ مقدسہ) پر (اپنے مطیع بندے کو ثواب اور جنت کا عطا کرنا) واجب نہیں اور نہ ہی (ہم اللہ تعالیٰ پر ثواب کا) حق رکھتے ہیں۔ بلکہ اللہ کا یہ ثواب عطا کرنا صرف اور صرف اس کا فضل اور احسان اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ہے۔[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آل عمران ۹)

ترجمہ: بے شک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ جنت اور رزق وغیرہ کا وعدہ کیا ہے مگر وجوب کا لفظ اس کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[1](ابو المنتھی عربی، ص ٢٦)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”اور (اس فقیر نے) فریقین کی نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے، الخ“ یعنی اہلِ حق ممکنات کو حق تعالیٰ وتقدس کی مخلوق جانتے ہیں اور ان (وحدت الوجودی) لوگوں نے ممکنات کو ظہورات کہا ہے تو اس بناء پر حقیقت میں ان کی نزاع لفظی ہے کہ انہوں نے اس کے ظہور کو مخلوق کہہ دیا اور اس کی مخلوق کو انہوں نے ظہور کا نام دے دیا۔

[نواں عقیدہ

جاننا چاہیئے کہ ممکنات کیا جواہر کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے سب اس قادرِ مختار کی ایجاد کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے۔ اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں، اسی طرح بقا میں بھی اس کی محتاج ہیں۔ اور اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے۔ نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لئے دلائل بنایا ہے۔ اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ دانا لوگ جن کی بصیرت کی آنکھ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے سُرمہ سے سُرمگیں اور روشن ہوئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اسباب ووسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت وقیام اسی سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں، حقیقت میں جمادِ محض ہیں۔ وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی ان ہی کی طرح جمادِ محض ہے تاثیر کر سکتے ہیں۔ اور اس میں اختراع واحداث کس طرح پیدا کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے سوا اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا اور ہر ایک کے لائق اور مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے۔ اور جس طرح کہ عقل مند جمادِ محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کی طرف

سُراغ لے جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس جماد کے حال کے مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سوا کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے۔ پس جماد کا فعل عقل مندوں کے نزدیک فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش ثابت نہ ہوا بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش ہے، جس نے اپنی کمالِ نادانی اور بے وقوفی کے باعث جمادِ محض کو اس فعل کے سبب صاحبِ قدرت سمجھا ہے اور فاعلِ حقیقی کی طرف سے کافر اور منکر ہوا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (البقرة ٢٦)

ترجمہ: بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

یہ معرفت مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے، لیکن ہر ایک شخص کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اکثر لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں جانتے ہیں اور اشیاء کو ابتداء ہی سے اسباب کے ذریعہ کے بغیر حضرتِ حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہونا ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدِ نظر ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلًا (آل عمران ١٩١)

ترجمہ: اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اسباب کو مد نظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے اَمر اور کام حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بد نظری کا لحاظ کرکے اپنے بیٹوں کو فرمایا:

يَابَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ (یوسف ٦٧)

ترجمہ: اے میرے بیٹو ایک دروازے سے نہ داخل ہونا اور جدا جدا دروازوں سے جانا۔

اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے اَمر کو حق جل سلطانہٗ کے سُپرد کرکے فرمایا:

وَمَا أُغْنِي عَنْكُم مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (یوسف ٦٧)

ترجمہ: اور میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا حکم تو سب اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ چاہیے۔

اور حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرمایا۔ اور اپنی طرف نسبت دے کر اس طرح فرمایا ہے:

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (یوسف ٦٨)

ترجمہ: اور بے شک وہ صاحب علم ہے ہمارے سکھائے سے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بھی قرآنِ مجید میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الأنفال ٦٤)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔

باقی رہی اسباب کی تاثیر تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات تاثیر کو ان میں پیدا نہ کرے اور کوئی اثر ان پر مترتب نہ ہو۔ جیسے کہ ہم روزمرہ اسباب میں اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کے وجود مترتب ہوتے ہیں۔ اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا مکابرہ (غرور و گھمنڈ) اور ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیئے اور اسی تاثر کو

اس سبب کے وجود کی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیئے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہُ الۡمُلۡھِمُ

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے، بلکہ اسباب کے توسط میں کمالِ توکل ہے۔

حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدِ نظر رکھ کر اپنے کام کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سُپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے:

عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَعَلَیۡہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ (یوسف ٦٧)

ترجمہ: میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ چاہیے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے۔ نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لئے دلائل بنایا ہے، الخ" یعنی استعداد اور قابلیت میں سب لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض علماء ظواہر اور عوام کے نزدیک اسباب اور وسائل روپوشِ قدرت ہیں اور ان کی ضرورت نہیں ہے جبکہ بعض صاحبانِ کشف اور اہلِ فراست کے نزدیک اسباب اور وسائل حق تعالیٰ وتقدس کے مثبت ومظہرِ قدرت ہیں اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ وتقدس کے افعالِ قدرت میں ان اسباب کا مشاہدہ کرتے ہیں لہٰذا اہل سنت وجماعت کے نزدیک اسباب اور وسائل کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اکثر لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں جانتے ہیں، الخ'' یعنی اس نارسیدہ طائفہ نے اسباب کو نظر انداز کیا ہے اور کمال کو رفعِ اسباب میں سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ اسباب کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور مسببات کو توسطِ اسباب کے ذریعے تلاش کرنا چاہیئے۔ باقی رہا تاثیرِ اسباب کا معاملہ جو کہ حق تعالیٰ وتقدس کے ارادہ کے ساتھ ہے اور اسباب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کی تاثیر کے بغیر مؤثر نہیں ہوتے۔

حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام ابو الحسن الاشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان بھی اسی بارے میں اختلاف ہے۔ ماتریدیہ اسباب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اسباب میں تاثیر ہوتی ہے مثال کے طور پر جب کوئی بیمار دوائی کھاتا ہے تو اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ چاہے تو اس دوائی میں تاثر ڈال دیتا ہے اور وہ بیمار صحت یاب ہو جاتا ہے اور اگر وہ ذات نہ چاہے تو یہ دوائی بیمار پر کسی قسم کا اثر نہیں کرتی۔ جبکہ اشعریہ اسباب میں کسی قسم کی تاثیر کے ہونے کے قائل نہیں ہیں، یہ احباب کہتے ہیں مؤثرِ حقیقی صرف حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی ذات ہے اور کسی چیز میں کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں فرمایا ہے کہ:

از مسبب می رسد ہر خیر و شر

نیست اسباب و وسائط اے پسر

ترجمہ: ہمیں خیر وشر مسبب (حق تعالیٰ وتقدس) ہی کی طرف سے پہنچتی ہے۔ اے فرزند! یہ اسباب اور وسائل سے نہیں ہیں۔

یعنی اسباب مؤثر نہیں ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ اسباب کی رعایت بھی توکل کے منافی نہیں ہے جس طرح حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کی رعایت کو مدِ نظر رکھ کر اپنے کام کو حق تعالیٰ وتقدس کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے۔ اور اسباب قدرت کی تاثر کے بغیر مؤثر نہیں جس طرح حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالنے کے باوجود آگ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ جلایا۔ ثابت ہوا کہ اسباب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارادہ پر موقوف ہیں۔

ابو یعلی، ابو نعیم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کُتب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ نصاریٰ نے اپنے رئیس عبدالمسیح جس کی عمر ۳۵۰ سال تھی کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس لئے بھیجا تاکہ وہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ بندی کے بارے میں بات چیت کرے جب عبدالمسیح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا کہ اس بوتل میں کیا ہے تو عبدالمسیح نے کہا کہ اس میں سم الساعة ہے۔ یعنی وہ زہر جو چند ہی لمحوں میں انسان کی جان لے لیتا ہے اور میں یہ زہر اس لئے اپنے ساتھ لایا ہوں کہ اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو قتل کرنے کا ارادہ کریں تو فوراً اسے پی کر آپ کے ہاتھوں مرنے سے بچ جاؤں گا۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کہا کہ زہر کی بوتل مجھے دو کہ میں دیکھوں کہ یہ کس قسم کا زہر ہے جونہی اس نے بوتل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھ کر بوتل میں موجود سارے کا سارا زہر پی لیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس زہر کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، کیونکہ مؤثرِ حقیقی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے وہی ہر چیز میں تاثیر ڈالتا اور ختم کرتا ہے۔ تو عبدالمسیح بہت خوفزدہ ہو گیا اور اپنی

قوم کو جا کر یہ سارا ماجرا سُنایا۔ آخر الامر نصاریٰ کی قوم صلح اور جزیہ کے لئے راضی ہو گئی اور جنگ کرنا چھوڑ دیا۔ اس واقعہ کو حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی صحیح کہا ہے۔

کیونکہ مؤثرِ حقیقی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے، وہی ذاتِ باری تعالیٰ اس میں اثر پیدا اور ختم کرتی ہے۔

منقول ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک گروہ دیکھا جو کاہل وبیکار بیٹھا ہوا تھا اور اپنے آپ کو متوکلین کا نام دے رکھا تھا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گروہ سے فرمایا تم لوگ متوکلین نہیں بلکہ کاہل وبیکار ہو کیونکہ متوکل تو اس شخص کو کہا جاتا ہے جو گندم کا ایک دانہ زمین میں کاشت کر کے حق تعالیٰ وتقدس پر توکل کرے کہ گندم کے اس ایک دانہ سے حق تعالیٰ وتقدس اسے گندم کے سات سو دانے عطا کرے گا۔

ہمیں چاہیئے کہ حق تعالیٰ وتقدس پر توکل بھی کریں اور اسباب کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ یہ دونوں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

دلیل کے طور پر قرآن عظیم الشان کی آیت تو متن میں بیان ہو چکی ہیں اور احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد مبارک یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

جاءرجل علی ناقةله فقال: یارسول الله، أدعها وأتوكل؟فقال: "اعقلها وتوكل۔

ترجمہ: ایک آدمی اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں اس (اونٹنی) کو آزاد چھوڑ دوں اور توکل کر لوں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کے پاؤں میں رسی ڈال دو اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔[1]

حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

أن التوكل محله القلب والحركة بالظاهر لا تنافي التوكل بالقلب بعدما تحقق العبد أن التقدير من قبل اللّٰہ تَعَالَى وإن تعسر شَيْءٌ فبتقديره وإن اتفق شَيْءٌ فبتيسيره۔

ترجمہ: توکل کا مقام دل ہے جب بندے کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اس کی تقدیر سے ہو گی اور اگر کوئی چیز اتفاقیہ مل جائے یا آسان ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے آسان کرنے سے آسان ہو گی (لہٰذا اس صورت میں ظاہری حرکات و کوشش توکل کے منافی نہ ہوں گے)۔[2]

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

گفت پیغمبر بآوازِ بلند

با توکل زانوے اشتر ببند

ترجمہ: حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تعلیم دیتے ہوئے با آوازِ بلند فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو ساتھ ہی اُونٹ کے گھٹنے بھی باندھو۔

---

[1] (شعب الایمان، ج۲، ص۴۲۸، الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

[2] (الرسالة القشيرية، ج۱، ص۲۹۹، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

مراد یہ ہے کہ اگر تم اپنے اونٹ کو محض توکل کی بنیاد پر کھلا چھوڑنا چاہتے ہو کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا تو پھر جان لو کہ محض توکل ہی کافی نہیں بلکہ پہلے اسباب کی طرف نظر کرنا اور اونٹ کو رسی سے باندھنا ہوگا اور اس کے بعد توکل کرنا ہوگا۔

[دسواں عقیدہ

اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہلِ سُنت وجماعت کو ہدایت فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کے باعث گمراہ ہوگئے۔

معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے متبعین کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم المضل کے پسندیدہ ہیں۔

یہ بات بھی اہلِ حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا منشا ہے۔ جس طرح کہیں کہ اشراق واضاءت آفتاب کی پسندیدہ ہے اور حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندوں کو قدرت وارادہ دیا ہے کہ اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ عادتِ اللہ سبحانہٗ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے قصد واختیار سے صادر ہوتا ہے اس لئے مدح وذم اور ثواب وعذاب بھی اس

کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ بندے کا اختیار ضعیف ہے تو بجا ہے۔ اور اگر اس لحاظ سے کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں کافی نہیں ہے، تو صحیح نہیں ہے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہُ لَا یُکَلِّفُ بِمَا لَیْسَ فِیْ وُسْعِہٖ بَلْ یُرِیْدُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ الْعُسْرَ

ترجمہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل کے لئے تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی طاقت سے باہر ہے بلکہ وہ تو آسانی ہی چاہتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔ غایۃ مافی الباب

غرض یہ کہ فعلِ موقت یعنی چند روزہ فعل پر ہمیشہ کی جزا کا مقرر کرنا حق تعالیٰ عزیز و حکیم کی تقدیر کے حوالہ ہے۔ جس نے کفرِ مؤقت کے لئے ہمیشہ کا عذاب برابر برابر جزا فرمائی۔ اور دائمی لذت و نعمت کو ایمانِ مؤقت پر وابستہ کیا۔ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ

حق تعالیٰ کی توفیق سے اس قدر تو ہم بھی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت جو ظاہری اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور جس کی پاک بارگاہ کے لئے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے کفر اختیار کرنے کے لئے جزا بھی ایسی ہونی چاہیئے جو تمام عذابوں سے بڑھ کر ہو۔ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اور ایسے ہی اس منعم بزرگ پر غیب کے ساتھ ایمان لانے اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کے لئے جزا بھی ویسی ہونی چاہیئے۔ جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اور وہ ناز و نعمت و لذت میں ہمیشہ رہنا ہے۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا درحقیقت حق تعالیٰ و تقدس کے فضل پر موقوف ہے اور ایمان کے ساتھ اس کو وابستہ کرنا اس لئے ہے کہ جو کچھ اعمال کی جزا ہوتی ہے وہ زیادہ لذیز ہوتی ہے۔

فقیر کے نزدیک بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے لیکن ایمان حق تعالیٰ کا فضل اور اس کا عطیہ ہے اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر منحصر ہے اور کفر نفسِ امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔

مَا أَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَا أَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ (النساء ۷۹)

ترجمہ: اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

جاننا چاہیئے کہ بہشت میں داخل ہونے کو ایمان کے ساتھ وابستہ کرنے میں در حقیقت ایمان کی تعظیم ہے، بلکہ مؤمن بہ کی تعظیم ہے۔ جس پر اتنا بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے۔ اور ایسے ہی دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ کفر کی حقارت اور اس ذاتِ بزرگ کی کہ جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا ہے فضیلت ہے۔ جس پر ایسا ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوا ہے۔ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے، جو اس دقیقہ سے خالی ہے۔ اور نیز ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل ہونے کے لئے جو اس کا عدیل ہے کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا در حقیقت کفر پر موقوف ہے۔ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حق تعالیٰ خیر و شر کا اردہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے، الخ"۔

یعنی حضرت امام شیخ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

(ما اصابک) یا انسان (من حسنة) من خیر و نعمة (فمن الله) تفضلا منه فان کل ما یفعله الانسان من الطاعة لا یکافی ء نعمة الوجود فکیف یقتضی غیره و لذلک قال علیه السلام "ما احد یدخل الجنة الا برحمة الله" قیل و لا انت قال "و لا انا الا ان یتغمدنی الله برحمته" (و ما اصابک من سیئة) من بلیة و شیء تکرهه (فمن نفسک) لانها السبب فیها لاستجلابها المعاصی و هو لا ینافی قوله (کل من عند الله) فان الکل منه ایجادا و ایصالا غیر ان الحسنة احسان و امتنان و السیئة مجازاة و انتقام کما قالت عائشة رضی الله عنها ما من مسلم یصیبه وصب و لا نصب حتی الشوکة یشاکها و حتی انقطاع شسع نعله الا بذنب و ما یغفر الله اکثر۔

و اعلم ان للاعمال اربع مراتب . منها مرتبتان لله تعالی و لیس للعبد فیهما مدخل و هما التقدیر و الخلق . و منها مرتبتان للعبد هما الکسب و الفعل فان الله تعالی منزه عن الکسب و فعل السیئة و انهما یتعلقان بالعبد و لکن العبد و کسبه مخلوق خلقه الله تعالی کما قال (و الله خلقکم و ما تعملون) فهذا تحقیق قوله (قل کل من عند الله) ای خلقا و تقدیرا لا کسبا و فعلا فافهم و اعتقد فانه مذهب اهل الحق و ارباب الحقیقة کذا فی التأویلات النجمیة۔

ترجمہ: اے انسان جو کچھ تمہیں بھلائی اور نعمت پہنچے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں نوازا ہے اس لئے کہ انسان جتنا عبادات و طاعات بجالاتا ہے وہ اُس کی ایک نعمت کے مقابلے میں بال برابر بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اُس کی ایک نعمت کا مکمل شُکر ادا کر سکیں تو اسی طرح پھر تمام نعمتوں کا شکریہ کیسے ادا کیا جا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بندہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی داخل ہوگا نہ کہ اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھا گیا کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے متعلق بھی ہمارا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہاں مگر اتنا ضرور یاد رکھو کہ اُس نے مجھے اپنی رحمت میں سَر تا پا ڈھانپ لیا

ہے۔اور اگر کوئی مصیبت یا کوئی دیگر پریشان کُن اَمر پہنچے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اس لئے کہ اس مصیبت وغیرہ کا سبب تمہارا نفس ہے۔کیونکہ اگر وہ بُرائیوں کا مرتکب نہ ہوتا تو اسے یہ سزا نہ ملتی۔پہلے فرمایا: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اب فرمایا: فَمِنْ نَفْسِكَ ان میں تو تعارض معلوم ہوتا ہے؟اس میں کوئی نہیں اس لئے کہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں فرمایا کہ ایجادًا وتخلیقًا ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔چونکہ نعمت ایک احسان وامتنان ہے اور بُرائی غلطیوں کی سزا اور اُن کا بدلہ اس لئے پہلے معنی کے لحاظ سے كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فرمایا اور دوسرے معنی کے لحاظ سے فَمِنْ نَفْسِكَ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم یصیبه وصب ولا نصب حتی الشوکة یشاکها وحتی انقطاع شسع نعله إلاّ بذنب وما یعفو الله أکثر منه۔

ترجمہ: ہر انسان کو جو کچھ دُکھ اور تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ کسی کو کانٹا چبھتا ہے یا جوتے کا تسمہ ٹوٹتا ہے تو وہ اس کے گناہ کا نتیجہ ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے اس کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔[1]

بندوں کے اعمال کے چار مراتب ہیں: ان میں دو مرتبے حق تعالیٰ وتقدس کے متعلق ہیں جن میں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں، اول: تقدیر، دوم: ایجاد وتخلیق۔اور دو مرتبے ایسے ہیں جنہیں بندوں سے تعلق ہے: اول: کسب، دوم: فعل۔اور بندوں کے دونوں مرتبوں یعنی کسب وفعل سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ منزہ اور پاک ہے، کیونکہ ان دونوں کا تعلق بندوں سے ہے لیکن ان دونوں کا خالق

---

[1](تفسیر النیسابوری، ج۲، ص ۴۵۱، الناشر: دار الکتب العلمیه-بیروت)

بھی حق تعالیٰ و تقدس ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مخلوق ہیں اور ہر مخلوق کا خالق حق تعالیٰ و تقدس ہے۔
کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات ۹۶)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اب یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ کا یہی مطلب ہے کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر شے کی تقدیر اُسی کے پاس ہے ہاں ان اُمور کا کسب اور فعل بندوں سے سرزد ہوتا ہے۔

سالک کو لازم ہے کہ اس مسئلہ کو خوب یاد کر لے اس لئے کہ اہلِ حق اور اَربابِ حقیقت کا یہی مذہب ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے متبعین کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم المضل کے پسندیدہ ہیں، الخ" یعنی جس طرح روشنی واضائت آفتاب کی پسندیدہ ہے مگر یہ آفتاب کے اختیار میں نہیں ہے بالا یجاب ظہور سے پیوستہ ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم الہادی سے ہدایت ایجاب کی راہ پر ہے اور اختیار کے بغیر ضلالت و گمراہی ہے۔ اسم المضل سے حق تعالیٰ و تقدس کے ارادے سے بغیر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی سُکر ہی کی وجہ سے ہے۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۲، ص ۲۴۲، الناشر: دار الفکر - بیروت)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "افعال کا پیدا کرنا حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوخ ہے، الخ" یعنی:

أن صرف العبد قدرته وإرادته إلى الفعل كسب، وإيجاد الله تعالى الفعل عقيب ذلك خلق، والمقدور الواحد داخل تحت قدرتين لكن بجهتين مختلفتين، فالفعل مقدور الله بجهة الإيجاد ومقدور العبد بجهة الكسب۔

ترجمہ: فعل کی جانب بندے کا اپنی قدرت وارادہ کو متوجہ کرنا کسب ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو موجود کر دینا خلق ہے اور مقدورِ واحد (یعنی بندہ کا فعل) دو قدرتوں (یعنی قدرتِ حق اور قدرتِ بندہ) کے تحت داخل ہو رہا ہے مگر دو مختلف جہتوں سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فعل مقدورِ ایجاد کی جہت سے ہے اور بندے کا مقدورِ کسب کی جہت سے ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عادتِ اللہ سبحانہٗ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے، الخ" یعنی بعض گمراہ بے دین اور لا مذہب لوگ جو معتزلہ کے نام سے موسوم ہیں یہ کہتے ہیں کہ جب خیر وشر کو حق تعالیٰ وتقدس نے پیدا کیا ہے اور ہمیں شَر کے کاموں (مثلاً زنا، شراب، چوری اور سود وغیرہ) میں ملوث کر دیتا ہے تو پھر وہ ہمیں شَر کے کاموں پر عذاب کیوں دیتا ہے کیونکہ شَر تو اسی کی طرف سے ہے، اور وہی ہمیں توفیق بھی دیتا ہے۔ اس طرح کی باتیں کرنا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ظالم اور خود کو مظلوم قرار دینا ہے اس قسم کے سوالات دورِ حاضر میں اکثر کالج ویونیورسٹی والے بہت کرتے ہیں کیونکہ اُن کو اپنے دینِ اسلام کے بارے میں معلومات نہیں ہوتیں۔

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ١، ص ٥٠، مكتبة أهل السنة والجماعة)

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خیر وشَر پیدا کرنے والی ذات حق تعالیٰ وتقدس ہے لیکن خیر یاشَر کا فاعل خود بندہ ہے یعنی جب بندہ شَر کے کام کا ارادہ کرتا ہے تو فورًا حق تعالیٰ وتقدس اس کے لئے اس فعل کی قوت پیدا کر دیتا ہے اسی طرح جب بندہ خیر کے کام کا ارادہ کرتا ہے تو فورًا حق تعالیٰ وتقدس اس کے لئے اس فعل پر قدرت عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ فاعل یعنی بندہ اپنے فعل یعنی خیر وشَر میں مختارِ محض ہے اور حق تعالیٰ وتقدس نے اسے عقل وشعور عطا کیا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خیر کے کاموں سے راضی لیکن شَر کے کاموں سے راضی نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا، الخ" یعنی بعض مشائخ جنت میں داخل ہونے کو حق تعالیٰ وتقدس کے فضل وکرم کے ساتھ مربوط کرتے ہیں نہ کہ اسلام کے ساتھ۔ اور حال یہ ہے کہ دوزخ میں داخل ہونا کفر کے ساتھ اور جنت میں داخل ہونا ایمان کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر جنت میں داخل ہونے کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل اور رحمت پر مربوط کرے تو پھر دوزخ میں داخل ہونا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے غضب پر ہوگا جبکہ یہ خلافِ واقع ہے بلکہ دخولِ جہنم کفر کے ساتھ مربوط ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا:

لَا یُدْخِلُ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا یُجِیرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ۔

ترجمہ: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نہ جنت میں لے کر جائے گا اور نہ ہی دوزخ سے محفوظ رکھے گا اور نہ مجھے سوائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے (جو نجات کا سبب بنے گی)۔[1]

---

[1](صحیح مسلم، ج۱۳، ص۴۳۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[گیارہواں عقیدہ

اور آخرت میں مؤمن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت اور بے کیف اوبے شبہ وبے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اہلِ سُنت وجماعت کے سوا تمام اہلِ ملت وغیر اہلِ ملت فرقے منکر ہیں، بے جہت اور بے کیف دیدار کو جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی دیدارِ آخرت کو تجلّیٔ صُوری کی حالت میں بیان کرتا ہے۔ اور تجلّیٔ صوری کے سوا تجویز نہیں کرتا۔

ایک دن حضرت ایشاں قدس سرہٗ اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ دیدار کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہوتے اور دیدار کو اس تجلّی میں بھی جانتے تو ہر گز دیدار کا انکار نہ کرتے اور محال نہ سمجھتے۔ یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی سے ہے جو مرتبۂ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے بر خلاف اس تجلّی کے کہ اس میں جہت وکیف ملحوظ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ دیدارِ آخرت کو تجلّیٔ صُوری کی طرح بیان کرنا در حقیقت دیدار سے انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلّیٔ صوری اگرچہ دُنیا کی صُوری تجلیات سے جُدا ہے تاہم حق تعالیٰ کا دیدار نہیں ہے۔

یَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ
وَّاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِثَالٍ

ترجمہ: مؤمن اسے بے کیف وبلاادراک اور بغیر کسی مثال کے دیکھیں گے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور آخرت میں مؤمن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت اور بے کیف اور بے شبہ وبے مثال جنت میں دیکھیں گے، یہ ایک ایسا

مسئلہ ہے، الخ" یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دیدار کا شرف آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ سے ثبوت تک پہنچا ہوا ہے، اس لئے کہ جنت اور اہلِ جنت کی آنکھیں اس ذاتِ مقدسہ کے دیدار کی قابلیت رکھتی ہیں جبکہ دُنیا کی آنکھیں اس ذاتِ مقدسہ کے دیدار کی قابلیت نہیں رکھتیں کیونکہ چشمِ دُنیا عدم سے بنی ہوئی ہیں اور چشمِ آخرت حق تعالیٰ وتقدس کے صفات وشیونات کے تجلیات کے اثر سے ہے اور اس میں عدم ضعیف ہے، لہٰذا چشمِ دُنیا اور چشمِ آخرت میں بہت زیادہ فرق ہے۔

مسئلۂ رُویت یعنی آخرت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس سے اہلِ سُنت وجماعت کے بغیر تمام طبقاتِ اسلامی اور غیرِ اسلامی منکر ہیں یعنی مسلمانوں میں سے دیگر بہتر (۷۲) فرقے بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رؤیت سے منکر ہیں۔ ان فرقوں نے غائب کو موجود پر اور آخرت کو دُنیا پر قیاس کیا ہے اور ان لوگوں نے چشمِ آخرت کو چشمِ دُنیا کے ساتھ مماثل کیا ہے اور یہ لوگ یہ بات نہیں سمجھتے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رؤیت بے کیف اور بے جہت ہے اور اہلِ جنت کا سارا وجود آنکھوں کا کام دیتا ہے تو اسی بناء پر اس رؤیت میں ظرف، مکان اور رُوبرو ہونا قطعاً وجود نہیں رکھتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی دیدارِ آخرت کو تجلّیٔ صوری کی حالت میں بیان کرتا ہے، الخ" یعنی حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انسان یا مخلوقات کی دیگر اشیاء میں سے کسی چیز کی صورت میں متمثل ہوتا ہے اور مؤمنین اس تمثیل کو دیکھیں گے۔ لیکن حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول سے رؤیت کا انکار لازم آتا ہے، اگرچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رؤیت سے منکر نہیں تھے کیونکہ اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منکر ہوتے تو چاہیئے تھا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رؤیت کی اصل کا انکار کرتے تجلی وتمثیل کی تاویل کی

ضرورت نہیں تھی، لیکن اس لئے کہ تجلی و تمثیل کی رؤیت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رؤیت نہیں تھی تو اسی بناء پر حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول انکار کو راجع ہوتا ہے مگر چونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گفتار خطائے کشفی ہے اس لئے آپ کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر معتزلہ دیدار کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہوتے اور دیدار کو اس تجلی میں بھی جانتے، الخ" یعنی معتزلہ کا رؤیت سے انکار مرتبۂ تنزیہ ہے نہ کہ تجلی کی رؤیت سے۔ اس لئے کہ تجلی کی رؤیت میں استبعادِ وجود نہیں ہے کیا تجلی ایک اَمرِ مصور اور آنکھوں کے سامنے واقع ہو سکتی ہے؟ اور اسی لئے مرتبۂ تنزیہ جسمانیت اور صورت سے بَرتَر ہے اور مکانی نہیں ہے تو اسی بناء پر اس مرتبہ کی رؤیت معتزلہ کی عقول سے بلند ہے جو کہ ان کے انکار کا سبب بنی۔ یعنی اگر معتزلہ رؤیت کو مرتبۂ تنزیہ کے ساتھ مقید نہ کرتے تو رؤیت کا انکار نہ کرتے کیونکہ رؤیت کی تجلی استبعادِ عقلی نہیں رکھتی مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رؤیت میں استبعادِ عقل موجود ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس جسمانی و مکانی نہیں اور آنکھوں کے سامنے نہیں آتا۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ "اگر جملہ معتزلہ رؤیت کو مرتبۂ تنزیہ کے ساتھ مقید نہ کرتے" یہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مقولہ ہے نہ کہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقولہ ہے۔ اور حاشیہ لکھنے والے سے سہو سرزد ہوئی ہے جس نے اسے حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

[بارہواں عقیدہ

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبعوث ہونا اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہے۔ اگر ان بزرگوں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اس واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات کی

معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا۔ اور ہمارے مولیٰ جل شانہٗ کی پسند اور ناپسند کی چیزوں میں کون تمیز کرتا ہماری ناقص عقلیں ان بزرگوں کے نُورِ دعوت کی تائید کے بغیر معزول وبیکار ہیں۔ اور ہمارے ناتمام اور ادھورے فہم ان کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس وخوار ہیں۔ ہاں عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبۂ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجتِ بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہے۔ جس پر آخرت کا دائمی عذاب وثواب وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو رحمتِ عالمیان کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب: بعثت عین رحمت ہے جو واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات کی معرفت کا سبب ہے جو دُنیا وآخرت کی سعادت کو متضمن ہے۔ اور بعثت کی بدولت معلوم ہو گیا ہے کہ یہ چیز حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے مناسب ہے اور یہ چیز نامناسب ہے۔ کیونکہ ہماری اندھی اور لنگڑی عقل جو حدوث اور امکان کے داغ سے داغ دار ہے کیا جانتی ہے کہ اس حضرتِ وجوب کے لئے جس کے واسطے قِدم لازم ہے اس کے اسماء وصفات وافعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب تاکہ ان کا اطلاق کیا جائے۔ اور ان سے اجتناب کیا جائے۔ بلکہ بسا اوقات اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان اور نقصان کو کمال سمجھتی ہے۔ یہ تمیز فقیر کے نزدیک تمام ظاہری وباطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو اُمورِ نامناسب کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے۔ اور ناشائستہ اشیاء کو حق سبحانہٗ کی طرف نسبت دے۔ بعثت ہی کی بدولت حق باطل سے جُدا ہوا ہے۔ اور بعثت ہی کی وجہ سے عبادت کی مستحق ذات اور غیر مستحق میں تمیز ہوئی ہے۔ وہ بعثت ہی ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اور بندوں کو مولیٰ جل

سلطانہٗ کے قُرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتے ہیں۔ اور بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ کی مرضیات پر اطلاع حاصل ہوتی ہے، جیسے کہ گزر چکا، اور بعثت ہی کے طفیل حق تعالیٰ کے ملک میں تصرف کے جواز اور عدمِ جواز میں تمیز ہوئی ہے۔ بعثت کے اس طرح کے فائدے بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعثت سراسر رحمت ہے اور جو شخص اپنے نفسِ امارہ کی خواہش کے تابع ہو جائے اور شیطانِ لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کر دے اور بعثت کے موافق عمل نہ کرے تو بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہیں ہے۔

سوال: عقل فی ذاتہٖ اگرچہ جل شانہٗ کے احکام میں ناقص و ناتمام ہے لیکن یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ کے حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبۂ وُجوب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ بے کیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے۔ جس کے سبب احکام کو وہاں سے اخذ کر لے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتہ کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے؟

جواب: عقل اگرچہ یہ مناسبت اور اتصال پیدا کر لے لیکن یہ تعلق جو اس کا اس مادی صورت کے ساتھ ہے پوری طرح دُور نہیں ہوتا اور اس کو پورا پورا تجرد حاصل نہیں ہوتا۔ پس واہمہ ہمیشہ اس کا دامن گیر رہتا ہے اور متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی اور قوتِ غضبی اور شہوی ہمیشہ اس کی دوست رہتی ہیں اور حرص و شر کی رذیل صفتیں اس کی ہمنشیں ہوتی ہیں۔ اور سہو و نسیان جو نوعِ انسان کا لازمہ ہے۔ اس سے دُور نہیں ہوتے اور خطا اور غلطی جو اس جہان کا خاصہ ہے، اس سے الگ نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے، اور اس کے حاصل کئے ہوئے وہم کے غلبہ اور خیال کے تصرف سے نہیں بچ سکتے۔ اور نقصان کی آمیزش اور خطا کے گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ برخلاف فرشتہ کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرّا ہے۔ پس وہ بالضرور اعتماد کے لائق

ہو گا۔ اور اس کے ماخوذہ احکام وہم وخیال کی آمیزش اور نسیان وخطا کے گمان سے محفوظ ہوں گے۔
اور بعض اوقات ان علوم میں جو تلقی روحانی سے اخذ کئے ہوتے ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ قویٰ وحواس
کے ساتھ اس کی تبلیغ کی اثناء میں بعض مقدماتِ مسلمہ غیرِ صادقہ جو وہم وخیال وغیرہ کے ذریعے
حاصل ہوئے ہوتے ہیں ان علوم میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز نہیں کر سکتے۔
اور ثانی الحال میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ پس وہ
علوم ان مقدمات کے مل جانے کے باعث کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور پھر اعتماد کے قابل
نہیں رہتے یا دوسرا اس کا یہ جواب ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا ان اعمالِ صالحہ
کے بجالانے پر موقوف ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اور یہ امر بعثت پر موقوف ہے جیسے کہ گزر چکا۔

پس ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ صفائی جو
کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوئی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ کہ قلب کی صفائی اور صفائے نفس سے
گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور خسارہ کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اور بعض اُمورِ غیبی کا کشف جو
صفائی کے وقت کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتا ہے وہ استدراج ہے جس سے مقصود ان لوگوں کی
خرابی اور خسارت ہے۔

نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ
وَعَلٰى اٰلِهِ وَاٰلِ كُلٍّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیں سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ
واصحابہٖ وسلم کی ساری آل کی طفیل اس بلا سے بچائے۔

اور اس تحقیق سے واضح ہوا کہ تکلیفِ شرعی جو بعثت کی راہ سے ثابت ہوئی ہے وہ بھی رحمت
ہے نہ کہ جس طرح تکلیفِ شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے۔ اور تکلیف

کو کُلفت (کدورت ورنج و غم) سے تصور کر کے غیر معقول اور ناپسند جانا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ یہ کون سی مہربانی ہے کہ بندوں کو سخت مشکل اُمور کی تکلیف دیں اور کہیں کہ اگر تم اس تکلیف کے بمؤجب عمل کروگے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کے بر خلاف کروگے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ ان کو ایسے اُمور کی کیوں تکلیف دیتے ہیں ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پیئیں اور سورہیں اور اپنے حال میں رہیں۔ یہ بدبخت اور بے وقوف نہیں جانتے کہ منعم کا شکر از روئے عقل کے واجب ہے۔ اور یہ تکلیفاتِ شرعیہ اس شکر کے بجالانے کا بیان ہے، پس تکلیف عقل کی رو سے واجب ہے، اور نیز جہان کا انتظام اس تکلیف پر منحصر ہے۔ اگر ہر ایک کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ان سے سوائے شرارت اور فساد کے کچھ ظاہر نہ ہوتا۔ ہر بوالہوس (بہت ہوس رکھنے والا) دوسرے کے جان ومال میں دست درازی کرتا اور خبث وفساد سے پیش آتا اور خود بھی ضائع ہوتا اور دوسرے کو بھی ضائع کرتا۔ عِیَاذًا بِاللهِ سُبْحَانَهُ اگر شرعی موانع اور زواجر نہ ہوتے تو معلوم نہیں کس قدر شرارت اور فساد ظاہر ہوتا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ (البقرة ۱۷۹)

ترجمہ: اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقلمندو۔

اگر چوبِ حاکم نباشد زپے

کند زنگی مست درکعبہ قے

ترجمہ: مست زنگی (سیاہ فام) کعبہ میں قے کر دے، اگر حاکم کی لاٹھی سر پر نہ ہو۔

یاہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود مختارِ مالک ہے اور بندے اُس کے مملوک اور غلام ہیں۔ پس ہر حکم وتصرف جو وہ ان میں فرماتا ہے عین خیر وصلاح ہے۔ اور ظلم وفساد کی آمیزش سے منزّہ اور مبرّا ہے۔

لَا یُسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (الانبیاء ۲۳)

ترجمہ: اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے۔

کرا زہرۂ آنکہ از بیم او

کشاید زبان جزبہ تسلیم او

ترجمہ: کسے طاقت ہے کہ تیرے خوف کے باعث تسلیمِ حکم کے سوا لب کشائی کرے۔

اگر سب کو دوزخ میں بھیج دے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب فرمائے کوئی اعتراض کی جگہ نہیں۔ اور غیر کے مِلک میں یہ تصرف نہیں ہے جو ستم کی صورت پیدا کرے۔ بَر خلاف ہمارے املاک کے جو در حقیقت اسی کے املاک ہیں۔ ان املاک میں ہمارے تمام تصرفات عین ستم ہیں کیونکہ صاحبِ شرع نے بعض مصلحتوں کے باعث ان املاک کو ہماری طرف منسوب کیا ہے، اور دراصل اسی کے املاک ہیں۔ پس ہمارا تصرف ان املاک میں اسی قدر جائز ہے جس قدر کہ اس مالکِ مختار نے اسی تصرف کو جائز قرار دیا ہے اور ہمارے لئے مباح کیا ہے۔ اور جو کچھ ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے حق جلا وعلا کے جتلانے سے خبر دی ہے۔ اور جن احکام کا بیان فرمایا ہے سب سچ اور واقع کے مطابق ہیں۔ اور اگرچہ ان بزرگواروں کے اجتہادی احکام میں خطا کو جائز کہا گیا ہے لیکن خطا کی تقریر کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور کہا ہے کہ ان کو خطا پر جلدی آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ اور صواب وبہتری سے اس کا تدارک فرماتے ہیں۔

فَلَا اِعْتَدَادَ بِذٰلِکَ الْخَطَآءِ

ترجمہ: لہٰذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے، الخ" یعنی اگرچہ عقل قوتِ ممیزہ کی حامل ہے اور حواس کے واسطہ سے اشیاء کے حُسن وقبح کی تمیز کر لیتی ہے۔ مگر اُمورِ غیبیہ میں جنت ودوزخ اور حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس کے وجود اور اس کی صفاتِ کاملہ کے قبیل سے گمراہِ محض ہے اور ان معارف کا ادراک اس کی استعداد سے بلند تر اور اس کی قوت سے خارج ہے، اور حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تبلیغ کے بغیر عقل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضیات ونامرضیات کے ادراک سے قاصر وعاجز ہے۔

از فلسفی چہ پُرسی اسرار کبریارا

ترجمہ: فلسفی سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسرار کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر سب کو دوزخ میں بھیج دے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب فرمائے کوئی اعتراض کی جگہ نہیں، الخ" یعنی

حضرت ابن دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لَقِيتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ ، فَقُلْتُ : يَا أَبَا الْمُنْذِرِ ، إِنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنْ هَذَا الْقَدَرِ ، فَحَدِّثْنِي بِشَيْءٍ، لَعَلَّهُ يَذْهَبُ مِنْ قَلْبِي. قَالَ: لَوْ أَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ، لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ، كَانَتْ رَحْمَتُهُ لَهُمْ خَيْرًا مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ أَنْفَقْتَ جَبَلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فِي سَبِيلِ اللهِ، مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْکَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَکَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَکَ، وَمَا أَخْطَأَکَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَکَ، وَلَوْ مِتَّ عَلَى غَيْرِ ذَلِکَ، لَدَخَلْتَ النَّارَ۔

قَالَ: فَأَتَيتُ حُذَيفَةَ، فَقَالَ لِي مِثْلَ ذَلِکَ۔
وَأَتَيتُ ابْنَ مَسْعُودٍ، فَقَالَ لِي مِثْلَ ذَلِکَ۔
وَأَتَيتُ زَيدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِکَ۔

ترجمہ: ایک مرتبہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لئے گیا اور عرض کیا کہ اے ابو المنذر! میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ وسوسے پیدا ہو رہے ہیں، آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سُنائیں جس کی برکت سے میرے دل سے یہ وسوسے دُور ہو جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان وزمین والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیں تو اللہ تعالیٰ پھر بھی ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا، اور اگر ان پر رحم کر دے تو یہ رحمت ان کے اعمال سے بڑھ کر ہوگی، اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُحد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دوگے تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک تمہاری طرف سے قبول نہیں فرمائے گا جب تک تم تقدیر پر کامل ایمان نہ لے آؤ، اور یہ یقین نہ کر لو کہ تمہیں جو چیز پیش آئی ہے وہ تم سے چُوک نہیں سکتی تھی، اور جو چیز تم سے چوک گئی ہے وہ تم پر آ نہیں سکتی تھی، اگر تمہاری موت اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر ہوئی تو تم جہنم میں داخل ہوگے۔ پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا۔ پھر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا۔ پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا اور اسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حوالے سے بیان فرمایا۔[1]

---

[1](مسند احمد، ج۵، ص ۱۸۲، الناشر: عالم الکتب - بیروت)

[تیرہواں عقیدہ

اور قبر کا عذاب کافروں کو اور بعض گنہگار مؤمنوں کے لئے حق ہے۔ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور قبر کا عذاب کافروں کو اور بعض گنہگار مؤمنوں کے لئے حق ہے، الخ" یعنی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ کفار ومشرکین چاہے دَہری ہوں، اہلِ کتاب ہوں یا منافق ہوں ان کو قبر کا عذاب دیا جانا حق ہے۔ اور اسی طرح بعض گنہگار مؤمنین کو بھی۔

حضرت ابو حفص عمر نجم الدین نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب شرح العقائد النسفی میں فرماتے ہیں کہ:

وعذاب القبر للکافرین ولبعض عصاۃ المؤمنین خص البعض لأن منهم من لا یرید اللہ تعالی تعذیبه فلایعذب۔

ترجمہ: کافروں اور بعض گنہگار مؤمنین کو قبر میں عذاب کا ہونا بعض گنہگار مؤمنین کے ساتھ (عذابِ قبر کو) اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ جن بعض گنہگار مؤمنین کو عذاب نہیں دینا چاہے گا انہیں (قبر میں) عذاب نہ ہوگا۔[1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

مِمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا (نوح ۲۵)

---

[1] (شرح العقائد النسفیة، ج ۱، ص ۵۸، مکتبة أهل السنة والجماعة)

ترجمہ: اپنی کیسی خطاؤں پر ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ۔

ترجمہ: پیشاب (کی نجاست) سے بچو کیونکہ عذابِ قبر کا زیادہ حصہ اسی (پیشاب کی) وجہ سے ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

أَنَّهُ مَرَّ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ۔

ترجمہ: ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی بات کی وجہ سے نہیں ہے (بلکہ اس وجہ سے ہے کہ) ایک تو ان میں سے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا۔[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔

---

[1] (سنن الدارقطنی، ج ۱، ص ۱۲۸، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

[2] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۴۸، المکتبة الفاروقیة)

ترجمہ: بے شک قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔[1]

بعض معتزلہ اور روافض عذابِ قبر سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ:

لأن الميت جماد لا حياة له و لا إدراك، فتعذيبه محال۔ و الجواب: أنه يجوز أن يخلق الله تعالى في جميع الأجزاء أو في بعضها نوعاً من الحياة قدر ما يدرك ألم العذاب أو لذة التنعيم، و هذا لا يستلزم إعادة الروح إلى بدنه و لا أن يتحرك و يضطرب أو يرى أثر العذاب عليه، حتى أن الغريق في الماء أو المأكول في بطون الحيوانات أو المصلوب في الهواء يعذب و إن لم نطلع عليه۔

و من تأمل في عجائب ملكه تعالى و ملكوته و غرائب قدرته و جبروته لم يستبعد أمثال ذلك، فضلاً عن الاستحالة۔

ترجمہ: چونکہ میت بے جان و بے حِس جسم ہے نہ اس میں حیات ہے اور نہ کسی قسم کا اِدراک، لہٰذا اس کو عذاب دینا محال ہے اور (ہماری طرف سے) جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اجزاء میں یا بعض اجزاء میں حیات کی ایک خاص قسم اتنی مقدار میں پیدا فرما دیں جس سے وہ عذاب کی تکلیف یا تنعیم کی لذت کا ادراک کر سکے اور یہ نہ بدن کی طرف روح کے لوٹائے جانے کو مستلزم ہے اور نہ اس بات کو کہ وہ حرکت کرے یا تڑپے یا اس پر عذاب کا اثر دکھائی دے۔ حتیٰ کہ پانی میں ڈوبنے والے اور جانوروں کے پیٹ میں ہضم ہو جانے والے اور فضا میں سُولی دیئے جانے والے کو بھی عذاب ہوتا ہے اگرچہ ہم اس پر مطلع نہیں ہوتے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے مِلک اور اس کی سلطنت

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۴۰، الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

کے عجائبات اور اس کی انوکھی قدرت اور عظمت میں غور کرے گا وہ ان جیسی باتوں کو بعید بھی نہ سمجھے گا چہ جائیکہ محال سمجھے۔[1]

عذابِ قبر سے منکرین اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ پانی میں ڈوبے ہوئے، جانور کے کھائے ہوئے اور فضا میں سُولی دیئے گئے شخص کو عذاب کس طرح ممکن ہے؟ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ تو پانی میں بُجھ جاتی ہے اور جانور کے پیٹ میں آکر آگ ہو تو جانور کا پیٹ جل جائے، اور فضا میں سُولی دیا گیا تو چاہیئے کہ آگ کی جلن کی وجہ سے حرکت کرتا یا تڑپتا یعنی کوئی نہ کوئی عذاب کا اَثر ان پر دکھائی دیتا۔ جبکہ ان میں سے کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تو یہ عذاب کیسے ممکن ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا کسی چیز کو نہ دیکھنا اُس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ مثال کے طور پر آسیب زدہ شخص کو جِن دکھائی دیتا ہے مگر ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دکھائی دیتے تھے مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس موجود حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اور جیسے سویا ہوا شخص خواب میں مختلف چیزیں دیکھتا ہے اور خواب میں ہنستا، روتا، چیختا چِلاتا اور بھاگتا ہے مگر اس کے پاس موجود لوگوں کو اس کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح میت کے عذاب میں ہونے کے لئے ہمیں اس کا دکھائی دینا ضروری نہیں کیونکہ اس عذاب کا تعلق عالمِ غیب سے ہے جس کے اِدراک کے لئے عقل اور اس عالمِ شاہد کے حواس ناکافی ہیں اس کے علم کا ذریعہ صرف اور صرف وحیٔ الٰہی ہے اور جس شخص کو حق تعالیٰ وتقدس

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۵۹، مكتبة أهل السنة والجماعة)

کی قدرتِ کاملہ کا یقین ہو گا وہ مذکورہ باتوں کو بعید نہ سمجھے گا محال (ناممکن) سمجھنا تو بہت دُور کی بات ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔" یعنی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اکثر دُعا فرماتے تھے تو کہتے "اے اللہ! میں عذابِ قبر سے اور عذابِ جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔[1]

اور حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ إِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَقَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَيْهِ الْأَدِلَّةُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسَّنَةِ. قَالَ تَعَالَى: {النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ} (غافر ٤٦) وَأَمَّا الْأَحَادِيثُ فَلَا تُحْصَى كَثْرَةً، وَلَا مَانِعَ فِي الْعَقْلِ مِنْ أَنْ يُعِيدَ اللهَ الْحَيَاةَ فِي جُزْءٍ مِنَ الْجَسَدِ۔

ترجمہ: اہلِ سنت کے نزدیک عذابِ قبر ثابت ہے اور اس بارے میں کتاب وسُنت سے دلائل واضح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہو گی حکم ہو گا کہ آلِ فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو" اور اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے احادیثِ صحیحہ متعدد مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

---

[1] (صحيح البخارى، ج٥، ص ١٦٩، المكتبة الفاروقية)

ثابت ہیں اور عقل میں کوئی مانع بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم کے کسی جزء یا پورے جسم میں حیات کو لوٹادے(یہ بات بہر طور طے ہے کہ حیات لوٹائی جاتی ہے)۔[1]

[چودہواں عقیدہ

اور قبر میں مؤمنوں اور کافروں سے منکر و نکیر کا سوال بھی حق ہے۔ قبر دُنیا او آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب ایک وجہ سے عذابِ دُنیوی سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر ہے اور دوسری وجہ سے عذابِ آخرت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو در حقیقت آخرت کے عذابوں سے ہے۔ آیتِ کریمہ:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (غافر ۴۶)

ترجمہ: آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔

عذابِ قبر میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسی طرح قبر کا آرام بھی دو پہلو رکھتا ہے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور قصوروں کو کمالِ کرم اور مہربانی سے بخش دیں اور اس کا مواخذہ نہ کریں۔ اور اگر مواخذہ کے مقام میں آئے بھی تو کمالِ مہربانی سے دُنیا کے رنجوں اور مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنادیں۔ اور جو کچھ بقیہ رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس میں مقرر کی ہوئی ہیں اُس کے گناہوں کا کفارہ بنادیں تاکہ پاک وپاکیزہ محشر میں اُٹھے۔ اور جس شخص کے لئے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر موقوف رکھیں اُس کے حق میں بھی عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے ہاں جو کوئی اہلِ اسلام سے ہے اس کا انجام رحمت سے ہے اور عذابِ اَبدی سے محفوظ ہے یہ بھی بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

---

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج ا، ص ۲۰۲، الناشر: دارالفکر، بیروت-لبنان)

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ

ترجمہ: اے ہمارے رب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل ہمارے نُور کو کامل کر اور ہمارے گناہوں کو بخش تُو ہر شے پر قادر ہے۔]

تشریح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قُبِرَ المَيِّتُ -أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ- أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ، وَلِلْآخَرِ: النَّكِيرُ، فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّکَ تَقُولُ هَذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ، نَمْ، فَيَقُولُ: أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ، فَيَقُولَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ العَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِکَ، وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ، فَقُلْتُ مِثْلَهُ، لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّکَ تَقُولُ ذَلِکَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: التَئِمِي عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ فِيهَا أَضْلَاعُهُ، فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِکَ۔

ترجمہ: جب میت کو یا تم میں سے کسی کو دفنا دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالے رنگ کے، نیلی آنکھ والے فرشتے آتے ہیں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ اور وہ دونوں پوچھتے ہیں تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ وہ (میت) کہتا ہے: وہی جو وہ خود کہتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کے بندے

اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں تو وہ دونوں (منکر ونکیر) کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تُو یہی کہے گا پھر اس کی قبر طول وعرض میں ستر ستر گز کشادہ کر دی جاتی ہے، پھر اس میں روشنی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے: سو جا! وہ کہتا ہے: مجھے میرے گھر والوں کے پاس واپس پہنچا دو، تا کہ میں انہیں یہ بتا سکوں تو وہ دونوں کہتے ہیں: تُو سو جا اس دُلہن کی طرح جسے صرف وہی جگاتا ہے جو اس کے گھر والوں میں اسے سب سے زیادہ محبوب جانتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُسے اس کی اس خواب گاہ سے اُٹھائے گا، اور اگر وہ منافق ہے تو کہتا ہے: میں لوگوں کو جو کہتے سُنتا تھا، وہی میں بھی کہتا تھا اور مجھے کچھ نہیں معلوم۔ تو وہ دونوں اس سے کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تُو یہی کہے گا، پھر زمین سے کہا جاتا ہے: تو اسے دبوچ لے تو وہ اسے دبوچ لیتی ہے اور پھر اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس خواب گاہ سے اُٹھائے گا۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''آیتِ کریمہ: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (غافر ۴۶) ترجمہ: آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔ عذابِ قبر میں نازل ہوئی ہے، الخ'' یعنی:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَرْوَاحُ آلِ فِرْعَوْنَ فِي أَجْوَافِ طُيُورٍ سُودٍ يُعْرَضُونَ عَلَى النَّارِ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ تَغْدُو وَتَرُوحُ إِلَى النَّارِ، وَيُقَالُ: يَا آلَ فِرْعَوْنَ هَذِهِ مَنَازِلُكُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. وَقَالَ قَتَادَةُ وَمُقَاتِلٌ وَالسُّدِّيُّ وَالْكَلْبِيُّ: تُعْرَضُ رُوحُ كُلِّ كَافِرٍ عَلَى النَّارِ بُكْرَةً وَعَشِيًّا ما دامت الدنيا۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۳، ص ۳۷۵، الناشر: شرکة مکتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

ترجمہ: آل فرعون کی رُوحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں، دن میں دو مرتبہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں صبح اور شام آگ پر آتی ہیں اور کہا جاتا ہے اے آلِ فرعون! یہ تمہارا ٹھکانہ ہے قیامت قائم ہونے تک اور قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مقاتل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور کلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر کی رُوح صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی رہے گی، جب تک دُنیا قائم ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہلِ جنت میں سے ہے تو اہلِ جنت میں سے اور اگر اہلِ دوزخ میں سے ہے تو اہلِ دوزخ میں سے۔ پھر اسے کہا جائے گا کہ یہی تیرا ٹھکانہ ہے حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف قیامت کے دن اُٹھائے۔[2]

[پندرہواں عقیدہ

روزِ قیامت حق ہے اور اس دِن آسمان وزمین اور ستارے اور پہاڑ اور سمندر اور حیوان اور نباتات اور معاون سب کے سب معدوم اور ناچیز ہو جائیں گے، آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے

---

[1] (تفسیر البغوی، ج۴، ص ۱۱۳، الناشر: دار إحیاء التراث العربي -بیروت)

[2] (صحیح البخاری، ج۵، ص ۱۷۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

پراگندہ ہوکر گرپڑیں گے اور زمین وپہاڑ اُڑ جائیں گے۔ یہ اعدام اور افنا نفخہ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور نفخہ ثانیہ میں قبروں سے اٹھیں گے اور محشر میں جائیں گے۔

اہلِ فلسفہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست ونابود ہونے کو نہیں مانتے۔ اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے، اور ان کو ازلی وابدی کہتے ہیں اور باوجود اسی امر کے ان میں سے متاخرین لوگ اپنی بے وقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہلِ اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں اور بعض اسلامی احکام کے بجا لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض اہلِ اسلام ان کی ان باتوں پر یقین کرلیتے ہیں اور بے تحاشا ان کو مسلمان جانتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان کو طعن وتشنیع کرے تو بہت بُرا مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوصِ قطعیہ کے منکر ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۱) وَإِذَاالنُّجُومُ انْكَدَرَتْ (التکویر ۲)

ترجمہ: جب دھوپ لپیٹی جائے، اور جب تارے جھڑ پڑیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَاالسَّمَاءُ انْشَقَّتْ (۱) وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (الإنشقاق ۲)

ترجمہ: جب آسمان شق ہو، اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے سزاوار ہی یہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (النبا ۱۹) (أَیْ شُقَّتْ)

ترجمہ: اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا۔

اس قسم کی آیتیں قرآنِ مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ صرف کلمۂ شہادت کا منہ سے بول لینا اسلام میں کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق ضروری ہے۔ جن کا بجالانا اور ان پر عمل درآمد کرنا دین کی ضروریات سے سمجھا گیا ہے۔ اور کفر و کافری سے تبرّا یعنی بیزار ہونا بھی ضروری ہے۔ تا کہ اسلام ثابت ہو جائے۔ وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقِتَادِ۔ ورنہ کچھ بھی نہیں ہے۔]

تشریح

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ (الزمر ٦٨)

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

[سولھواں عقیدہ

اور حساب اور میزان اور پُلِ صراط حق ہے کہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نسبت خبر دی ہے۔ اور نبوت کے حال سے بعض جاہلوں کے نزدیک ایسے اُمور کا بعید از عقل ہونا اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے بَرتر ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سچی خبروں کو نظرِ عقل کے ساتھ موافق کرنا درحقیقت طورِ نبوت سے انکار کرنا ہے، کیونکہ یہاں تو معاملہ تقلید پر ہے۔ نہیں جانتے کہ شانِ نبوت طورِ عقل کے مخالف ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کے ایسے عالیٰ مطالب کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی۔ مخالفت اور چیز ہے اور وہاں تک نہ پہنچنا اور شے۔ کیونکہ مخالفت مطلب تک پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور حساب اور میزان اور پُلِ صراط حق ہے کہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نسبت خبر دی ہے، الخ" یعنی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا اپنے بندوں سے حساب وکتاب لینا اور پھر اعمال کا ترازو میں تولا جانا اور اسی طرح ہر ایک کا پُلِ صراط سے گزرنا حق ہے۔ مگر معتزلہ ان کو عبث جانتے ہوئے ان کا انکار کرتے ہیں۔

(والكتاب) المثبت فيه طاعات العباد ومعاصيهم يؤتى للمؤمنين بأيمانهم وللكفار بشمائلهم ووراء ظهورهم، (حق) لقوله تعالى: (ونخرج له يوم القيامة كتاباً يلقاه منشوراً)، وقوله تعالى: (فأما من أوتي كتابه بيمينه فسوف يحاسب حساباً يسيراً) وسكت المصنف عن ذكر الحساب اكتفاء بالكتاب، وأنكره المعتزلة زعماً منهم أنه عبث ولانها معلومة للّٰه تعالیٰ۔

ترجمہ: اور نامۂ اعمال جس میں بندوں کی طاعات اور ان کے معاصی درج ہوں گے جو اہلِ ایمان کو دائیں ہاتھ میں اور کفار کو بائیں ہاتھ میں اور پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا حق اور ثابت ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارشاد فرمانے کی وجہ سے کہ "ہم اس کے سامنے قیامت کے روز ایک کتاب ظاہر کریں گے جس کو یہ کھلی ہوئی پائے گا" اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "جس کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا آسان حساب لیا جائے گا" اور کتاب کے ذکر کو کافی سمجھ کر حساب کے ذکر سے سکوت اختیار فرمایا۔ اور معتزلہ نے ان اُمور کو عبث سمجھتے ہوئے ان کا انکار ہی کر دیا اور اس لئے بھی کہ (در حقیقت) یہ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔[1]

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ١، ص ١٢١، مكتبة أهل السنة والجماعة)

(والوزن حق)) لقوله تعالى: ((والوزن يومئذ الحق)).
والميزان عبارة عما يعرف به كيفية مقادير الأعمال، والعقل قاصر عن إدراك كيفيته.
وأنكره المعتزلة، لأن الأعمال أعراض، وإن أمكن إعادتها لم يمكن وزنها، ولأنهما معلومة لله تعالى فوزنها عبث۔

والجواب: أنه قد ورد في الحديث أن كتب الأعمال هي التي توزن، فلا إشكال. وعلى تقدير تسليم كون أفعال الله تعالى معللة بالأغراض لعل في الوزن حكمة لا نطلع عليها، وعدم اطلاعنا على الحكمة لا يوجب العبث۔

ترجمہ: اور تولا جانا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور اس دن (اعمال کا) تولا جانا حق ہے"
اور میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اعمال کی مقدار جانی جائے گی اور عقل ان کے وزن کرنے کا طریقہ جاننے سے قاصر ہے اور معتزلہ نے وزنِ اعمال سے اس لئے انکار کیا ہے کہ اعمال عرض ہیں جن کا دوبارہ موجود کیا جانا اگر ممکن بھی ہو تو ان کا وزن کیا جانا ممکن نہیں۔ اور اس لئے (انکار کیا) کہ اعمال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ لہٰذا ان کو وزن کرنا بے فائدہ ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔ نامہ ہائے اعمال وزن کئے جائیں گے لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلّل بالاغراض ہونا تسلیم کر لینے کی صورت میں (جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے وزن میں کوئی ایسی حکمت ہو جس سے ہم واقف نہ ہوں۔ اور ہمارا حکمت سے واقف نہ ہونا اس کے عبث اور بے فائدہ ہونے کو مستلزم نہیں۔[1]

میزان میں اعمال کا تولا جانا بھی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے جس کے ذریعے بندوں کے اقوال وافعال کا وزن ہو گا۔ تا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عدل وانصاف کی شان کا ظہور ہو۔ معتزلہ نے

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۲۰، مكتبة أهل السنة والجماعة)

اس بناء پر وزنِ اعمال کا انکار کیا ہے کہ ان کے نزدیک اولاً تو اعمال کا آخرت میں دوبارہ موجود کیا جانا ممکن نہیں اور اگر ممکن مان لیا جائے تو وہ کوئی کھلی اور وزنی شے نہیں بلکہ معانی اور اعراض کے قبیل سے ہیں لہٰذا ان کا وزن کرنا ممکن نہیں۔ ثانیًا یہ کہ حق تعالیٰ وتقدس کو بغیر وزن کئے بھی بندوں کے اعمال معلوم ہیں ایسی صورت میں وزن کرنا بے فائدہ اور عبث کام ہے۔ جوابًا پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز کا وزن اور اس کی مقدار معلوم کرنے کے لئے جُدا جُدا آلات ہوتے ہیں۔ مثلاً غلہ تولنے کے لئے ترازو، سونا، چاندی اور جواہرات وغیرہ کے تولنے کے لئے کانٹا، سورج، چاند اور ستاروں کی حرکات کی مقدار معلوم کرنے کے لئے اُسطرلاب اور اسی طرح موسم کا درجۂ حرارت وبرورت معلوم کرنے کے لئے مقیاس الحرارت وغیرہ موجود ہیں تو حق تعالیٰ وتقدس کے لئے یہ بات محال نہیں ہے کہ روزِ قیامت کوئی ایسا آلہ پیدا کر دے جس سے حسنات وسیئات کا صحیح صحیح وزن معلوم ہو سکے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ معتزلہ نے جس طرح حق تعالیٰ وتقدس کا اپنے بندوں کے اعمال معلوم ہونے کی وجہ سے وزنِ اعمال کو عبث وبے فائدہ سمجھ کر اس سے انکار کیا ہے اسی طرح حساب وکتاب کو بھی عبث وبے فائدہ سمجھ کر اس کا بھی انکار کیا ہے۔ سو جب وزنِ اعمال اور حساب وکتاب دونوں کے انکار کی بنیاد ایک ہے تو جواب بھی دونوں کا ایک ہی ہو گا اور وہ یہ کہ حق تعالیٰ وتقدس کے افعال کسی غرض کے تابع نہیں ہوتے کہ جس کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا فعل عبث وبے فائدہ ہو اور اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے افعال غرض کے تابع ہوتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بندوں کے اعمال بغیر کسی کتاب کے اور بغیر درج کئے جانے کے معلوم ہونے کے

باوجود حساب وکتاب میں کوئی ایسی حکمت ہو جو ہم نہ جانتے ہوں اور حق تعالیٰ وتقدس کے کسی فعل کی حکمت سے ہمارا واقف نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ فعل عبث وبے فائدہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ وہ کاغذ جن میں نیک اعمال اور بُرے اعمال درج ہیں ان ہی کے ساتھ ان کو وزن کیا جائے گا اور کاغذ تو اجسام ہیں اور ان کا وزن کیا جانا ممکن ہے۔

قیامت کے دن اعمال کے وزن کی صورت کیا ہو گی اس بارے میں مفسرینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تین ممکنہ صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اعمال اعراض کی قسم ہیں ممکن ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان اعراض کے مقابلے میں اجسام پیدا فرمادے اور ان اجسام کا وزن کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیک اعمال حسین جسموں کی صورت میں کر دیئے جائیں گے اور بُرے اعمال قبیح جسموں میں بدل دیئے جائیں گے اور ان کا وزن کیا جائے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نفسِ اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا بلکہ اعمال کے صحائف کا وزن کیا جائے گا۔

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کی اس میں یہ حکمت ہو کہ لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں اور دُشمنوں کے احوال کو علی الاعلان دیکھ لیں تاکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں کی خوشحالی زیادہ ہو جائے اور اس کے دُشمنوں کا غم اور افسوس زیادہ ہو جائے۔ اور کسی کی طرف سے اس اعتراض کا موقع نہ رہے کہ میرے ساتھ عدل نہیں ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

الميزان له لسان و كفتان يوزن فيه الحسنات و السيئات فيؤتى بالحسنات في أحسن صورة فتوضع في كفة الميزان فتثقل على السيئات فتؤخذ فتوضع في الجنة عند منازله ثم يقال للمؤمن: الحق بعملك۔

فينطلق إلى الجنة فيعرف منازله بعمله ويؤتى بالسيئات في أقبح صورة فتوضع في كفة الميزان فتخف - والباطل خفيف - فتطرح في جهنم إلى منازله فيها ويقال له: الحق بعملك إلى النار

فيأتي النار فيعرف منازله بعمله وما أعد الله له فيها من ألوان العذاب۔

قال ابن عباس: فلهم أعرف بمنازلهم في الجنة والنار بعملهم من القوم ينصرفون يوم الجمعة راجعين إلى منازلهم۔

ترجمہ: میزان کا ایک کانٹا اور دو پلڑے ہیں اس میں نیکیوں اور بدیوں کا وزن کیا جائے گا۔ پس نیکیوں کو انتہائی حسین صورت میں لایا جائے گا اور انہیں میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ پس وہ بُرائیوں پر بھاری ہو جائیں گی۔ تو انہیں اٹھا کر بندے کے مراتب کے مطابق جنت میں رکھ دیا جائے گا۔ پھر بندۂ مؤمن کو کہا جائے گا کہ اپنے عمل سے جا مل۔ پس وہ جنت کی طرف چل پڑے گا اور اپنے عمل کے سبب اپنے منازل و مراتب کو پالے گا اور بُرائیوں کو انتہائی قبیح اور بُری صورت میں لایا جائے گا اور انہیں میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور وہ ہلکی ہوں گی۔ کیونکہ باطل ہلکا اور خفیف ہوتا ہے۔ پھر انہیں جہنم میں اس کے مراتب کے مطابق پھینک دیا جائے گا اور اس بندے کو کہا جائے گا: جہنم میں اپنے عمل سے جا مل۔ پس وہ جہنم کی طرف آئے گا اور اپنے عمل کے سبب منازل کی پہچان کر لے گا اور جو کچھ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں طرح طرح کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، قوم میں سے انہیں جنت و دوزخ میں اپنے اعمال کے سبب اپنی منازل کی پہچان زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو جمعہ کے دن اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہوئے واپس آتے ہیں۔[1]

[1] (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ج۳، ص ۴۲۰، الناشر: دار الفکر - بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

يصاح برجل من أمتي على رؤوس الخلائق يوم القيامة فينشر له تسعة وتسعون سجلا كل سجل منها مد البصر فيقول: أتنكر من هذا شيئا أظلمك كتبتي الحافظون؟ فيقول: لا يا رب فيقول: أفلك عذر او حسنة؟ فيهاب الرجل فيقول: لا يا رب فيقول: بلى إن لك عندنا حسنة وإنه لا ظلم عليك اليوم فيخرج له بطاقة فيها: أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد عبده ورسوله فيقول: يا رب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات؟ فيقال: إنك لا تظلم فتوضع السجلات في كفة والبطاقة في كفة فطاشت السجلات وثقلت البطاقة۔

ترجمہ: قیامت کے دن میرے ایک اُمتی کو سب مخلوق کے سامنے پکار کر طلب کیا جائے گا، اس کے ننانوے رجسٹر کھول دیئے جائیں گے ہر رجسٹر اتنا ہو گا جہاں تک نگاہ پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تُو اس (تمام ریکارڈ) میں سے کسی چیز (کسی گناہ) کا انکار کرتا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں میرے مالک! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میرے (مقرر کئے ہوئے) محافظ کاتبوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے (کہ تیری نیکیاں نہ لکھی ہوں، یا گناہ زیادہ لکھ دیئے ہوں)؟ پھر فرمائے گا: کیا ان (گناہوں) کے علاوہ کوئی تیری نیکی بھی ہے؟ وہ شخص خوف زدہ ہو جائے گا اور کہے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں ہمارے پاس تیری نیکیاں بھی ہیں اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس (کے عمل) کا ایک (کاغذ کا چھوٹا سا) پُرزہ لایا جائے گا۔ اس پر لکھا ہو گا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں" بندہ کہے گا: یارب! ان رجسٹروں کے مقابلے میں یہ پُرزہ کیا (حیثیت رکھتا) ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

آج تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ تمام رجسٹر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ پُرزہ ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اور وہ تمام رجسٹر اوپر اٹھ جائیں گے اور وہ پُرزہ بھاری ثابت ہو گا۔[1]

اہلِ سُنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جہنم پر ایک پُل رکھا جائے گا اور جنت میں داخل ہونے کے لئے اس پر سے سب کو گزرنا ہو گا اور معتزلہ اس سے بھی منکر ہیں۔

(والصراط حق) وهو جسر ممدود على متن جهنم أدق من الشعر وأحد من السيف، يعبره أهل الجنة ويزل به أقدام أهل النار۔

وأنكره أكثر المعتزلة، لأنه لا يمكن العبور عليه، وإن أمكن فهو تعذيب للمؤمنين۔

والجواب: أن الله تعالى قادر على أن يمكن من العبور عليه ويسهله على المؤمنين، حتى أن منهم من يجوزه كالبرق الخاطف ومنهم كالريح الهابة ومنهم كالجواد إلى غير ذلک مما ورد في الحديث۔

ترجمہ: اور صراط حق ہے اور صراط ایک پُل ہے جو جہنم کے اوپر تیار کیا گیا ہے۔ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اہلِ جنت اس پر سے گزر جائیں گے اور اہلِ دوزخ کے قدم اس پر سے پھسل جائیں گے اور اکثر معتزلہ نے پُلِ صراط کا انکار کیا ہے۔ اس لئے کہ ایسے پُل پر گزرنا ممکن نہیں اور اگر ممکن بھی ہو تو اس پر گزارنا مؤمنین کو سزا دینا ہے۔

اور جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس پر گزرنے کی قدرت عطا کر دے اور مؤمنین پر گزرنا آسان بنا دے یہاں تک کہ بعض اُچکنے والی بجلی کی مانند اس پر گزر جائیں گے۔ بعض تیز ہوا کی مانند اور بعض تیز رفتار گھوڑے کی مانند اور اس کے علاوہ ان مختلف کیفیات کے ساتھ جو حدیثِ مبارکہ میں وارد ہیں۔[2]

---

[1](الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ج۳، ص ۴۲۰، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2](شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۲۱، مكتبة أهل السنة والجماعة)

تمام انسانوں میں سب سے پہلے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس پُل پر سے گزریں گے اس کے بعد دیگر حضراتِ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات پھر مؤمنین اپنے مختلف مدارج کے اعتبار سے۔ اس دن ایمان کا نُور اور کفر کا ظلمت ہونا معلوم ہوگا۔ جب پُلِ صراط پر اندھیرا ہوگا اور ایمان کے علاوہ کوئی رُوشنی نہ ہوگی تو اہلِ ایمان اپنے ایمان کی روشنی میں پُلِ صراط پر سے گزریں گے۔

جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (التحریم۸)

ترجمہ: جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو اُن کا نور دوڑتا ہوگا اُن کے آگے اور اُن کے دہنے۔

]سترہواں عقیدہ

بہشت ودوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک کو دوزخ میں بھیج دیں گے۔ اور ان کا ثواب وعذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ جیسے کہ قطعی اور پختہ نصوص اس اَمر پر دلالت کرتی ہیں۔

صاحبِ نصوص (حضرت شیخ اکبر محی الدین بن العربی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ سب کا انجام رحمت سے ہے۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الأعراف ۱۵۶)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ (ایک حقبہ اسی (۸۰) سال کا زمانہ ہوتا ہے) تک ثابت کرتا ہے۔ اور بعد ازاں کہتا ہے کہ آگ ان کے حق میں برَد اور سلام یعنی ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث بن جائے گی۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی اور حق تعالیٰ کی وعید میں خلاف جائز سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کوئی اہلِ دل صوفی کفار کے ہمیشہ کے عذاب کی طرف نہیں گیا۔ اس مسئلہ میں بھی صواب سے دُور جا پڑا ہے۔ اور اس نے نہیں جانا ہے کہ مؤمنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دُنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں کافروں کو رحمت کی بُو بھی نہ پہنچے گی۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (یوسف ۸۷)

ترجمہ: اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔

اور وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے بعد فرماتا ہے:

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ (الأعراف ١٥٦)

ترجمہ: تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

شیخ نے آیت کے اول حصے کو پڑھا ہے اور آخر حصہ پر عمل نہیں کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الأعراف ٥٦)

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

اور آیت کریمہ:

فَلَاتَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ مُخۡلِفَ وَعۡدِہٖ رُسُلَہٗ (إبراھیم ۴۷)

ترجمہ: تو ہر گز خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف کرے گا۔

خلف وعدہ کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی۔

ہو سکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا اختصار وانحصار اس سبب سے ہو کہ وعدہ سے اس جگہ مراد رسولوں علیہم السلام کی نصرت اور فتح اور کفار پر ان کا غلبہ ہے۔ اور یہ بات وعدہ ووعید کو متضمن ہے۔ یعنی رسولوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید۔ تو گویا اس آیت میں خلفِ وعدہ کی بھی اور خلفِ وعید کی بھی نفی ہے۔ فَالْآیَۃُ مُسْتَشْھَدَۃٌ عَلَیْہِ لا لَہٗ تو آیتِ مذکورہ شیخ کے خلاف ہے اس کی مؤید نہیں اور نیز وعید میں خلاف ہونا وعدہ کے خلاف کی طرح کذب کو مستلزم ہے۔ اور یہ بات حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ کے مناسب نہیں ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے ازل میں جان لیا تھا کہ کفار کو ہمیشہ کا عذاب نہ دوں گا۔ اور پھر باوجود اس بات کے کسی مصلحت کے لئے اپنے علم کے خلاف کہہ دیا کہ ان کو ہمیشہ کا عذاب کروں۔ اس اَمر کا تجویز کرنا نہایت ہی بُرا ہے۔

سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ (۱۸۰) وَسَلَامٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ (الصافات ۱۸۱)

ترجمہ: پاکی ہے تمہارے رب کو عزت والے رب کو ان کی باتوں سے، اور سلام ہے پیغمبروں پر۔

اور کفار کے لئے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہلِ دل کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے۔ اور کشف میں خطا کی مجال بہت ہے۔ اور چونکہ یہ کشف مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہے اس لئے اس کا کچھ اعتبار اور شمار نہیں ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "صاحبِ نصوص (حضرت شیخ اکبر محی الدین بن العربی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ سب کا انجام رحمت سے ہے، الخ" یعنی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ حق ہے، جنت مؤمنین کے لئے ہے اور دوزخ بعض گنہگار مؤمنین اور تمام کفار کے لئے ہے جبکہ کفار ابد الابد دوزخ میں رہیں گے اور مؤمنین ابد الابد جنت میں رہیں گے اور گنہگار مؤمنین کو ان کے گناہ کے اندازے سے دوزخ میں سزا دے کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت اور اس کے ایمان کی بدولت دوزخ سے نکال دے گا۔

بہتر (۷۲) فرقوں میں ایک فرقہ سوفسطائیہ کے نام سے جانا جاتا ہے جس کا عقیدہ ہے کہ جنت ودوزخ ایک خیالی چیز ہے اپنے خیالات میں انسان جنت ودوزخ میں آتا اور جاتا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ یہ لوگ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کو بھی ایک خیالی شے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرو اور خیال ہی میں باطنی پرواز کرو اور درحقیقت یہ اہلِ دوزخ میں سے ہیں۔

مرجیہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی زنا، قتل، لواطت اور سُود وغیرہ الغرض جتنے بھی گناہ کرے لیکن اگر ایک دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لے تو وہ اہلِ جنت میں سے ہو گا کیونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی رحمت انسان سے دور نہیں ہوتی بلکہ وہ تو بہت غفور ورحیم ہے۔

اور حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ کافر ومؤمن سب کا انجام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن کشف میں دیکھا کہ حق تعالیٰ وتقدس کی رحمت نے نزول فرمایا ہے اور ساری دُنیا میں چاہے کافر ہوں یا مؤمن سب کو اس نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا ہے اور ان کو بغیر عذاب دیئے ہوئے جنت میں داخل فرمادیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ حالت سُکر پر محمول ہے جبکہ کشف میں غلطی کا احتمال موجود رہتا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سب کفار ومشرکین کو معاف فرمادیا ہے کیونکہ ان کا یہ کشف قرآن عظیم الشان اور احادیثِ مبارکہ کے سراسر مخالف ہے۔

جیسا کہ درج بالا متن میں آیتِ مبارکہ میں بھی آیا ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ وتقدس کی رحمت صرف مؤمنین پر ہوگی نہ کہ کفار ومشرکین پر۔ بلکہ قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے مختلف جگہوں پر کفار ومشرکین پر مختلف طریقوں سے عذاب دینے کی وعید موجود ہے۔ اور سب سے پہلے تو قرآن عظیم الشان کے ابتدائی کلمہ یعنی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں بھی یہ بات وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس آخرت میں کفار ومشرکین پر رحمت نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابو حسین بن مسعود بغوی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الرَّحۡمَنُ بِمَعۡنَى الۡعُمُومِ وَالرَّحِيمُ بِمَعۡنَى الۡخُصُوصِ. فَالرَّحۡمَنُ بِمَعۡنَى الرَّزَّاقِ فِي الدُّنۡيَا وَهُوَ عَلَى الۡعُمُومِ لِكَافَّةِ الۡخَلۡقِ. وَالرَّحِيمُ بِمَعۡنَى الۡمُعَافِي فِي الۡآخِرَةِ وَالۡعَفۡوُ فِي الۡآخِرَةِ لِلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى الۡخُصُوصِ وَلِذَلِكَ قِيلَ فِي الدُّعَاءِ: يَارَحۡمَنَ الدُّنۡيَا وَرَحِيمَ الۡآخِرَةِ، فَالرَّحۡمَنُ مَنۡ تَصِلُ رَحۡمَتُهُ إِلَى الۡخَلۡقِ عَلَى الۡعُمُومِ، وَالرَّحِيمُ مَنۡ تَصِلُ رَحۡمَتُهُ إِلَيۡهِمۡ عَلَى الۡخُصُوصِ،

وَلِذَلِکَ یُدْعَی غَیْرُ اللّٰہِ رَحِیمًا وَلَا یُدْعَی غَیْرُ اللّٰہِ رَحْمَنَ. فَالرَّحْمَنُ عَامُّ الْمَعْنَی خَاصُّ اللَّفْظِ، وَالرَّحِیمُ عَامُّ اللَّفْظِ خَاصُّ الْمَعْنَی۔

ترجمہ: رحمٰن کے معنی میں عموم اور رحیم کے معنی میں خصوص ہے۔ لہٰذا رحمٰن کا معنی دُنیا میں رزاق ہونے کے ہیں۔ یہ مفہوم عام ہے اور پوری مخلوق کو شامل ہے اور رحیم کا معنی آخرت میں معاف کرنے والا ہے اور آخرت میں عفو کا مفہوم بالخصوص مؤمنین کے لئے ثابت ہے اس لئے دُعا میں کہا گیا ہے یا رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ لہٰذا رحمٰن وہ ذات ہے جس کی رحمت مخلوق کو علی العموم پہنچے اور رحیم وہ جس کی رحمت مخلوق کو علی الخصوص پہنچے۔ لہٰذا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ماسوا کو رحیم کہا جا سکتا ہے مگر رحمٰن نہیں کہا جا سکتا۔ پس رحمٰن معنی کے لحاظ سے تو عام ہے مگر لفظ کے لحاظ سے خاص ہے جبکہ رحیم لفظ کے لحاظ سے عام لیکن معنی اور رحمت کے اعتبار سے خاص ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔

ترجمہ: دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔[2]

جس طرح قیدی جیل میں بہت سے قوانین کا پابند ہوتا ہے اور بلا اجازت کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مؤمن دُنیا میں من مانی نہیں کرتا بلکہ ہر قدم پر حق تعالیٰ وتقدس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور اس کے بدلے میں اسے جنت ملے گی جبکہ کافر دُنیا میں آزادی کی زندگی گزارتا ہے اور اس کے نتیجے

[1] (تفسیر البغوی، ج ۱، ص ۵۱، الناشر: دار طیبۃ للنشر والتوزیع)
[2] (صحیح مسلم، ج ۱۴، ص ۲۰۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

میں اسے جہنم کا شدید عذاب ملنے والا ہے۔ جہنم کے شدید عذابوں کے مقابلے میں دُنیا کی سخت سے سخت زندگی بھی جنت کے برابر ہے۔

دورِ حاضر میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم کفار کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو کبھی بھی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا کیونکہ ان کے بارے میں قرآن عظیم الشان میں سخت وعید نازل ہو چکی ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے وعدے کے کبھی خلاف نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اس طرح کی دُعا کرنا قرآن عظیم الشان اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بھی سراسر خلاف ہے۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبة ۱۱۳)

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّکَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (القصص ۵۶)

ترجمہ: بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس طرح دُعا کریں کہ اے اللہ کفار و مشرکین کو دینِ اسلام کی طرف راغب فرما۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ بات حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ کے مناسب نہیں ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے اَزل میں جان لیا تھا کہ کفار کو ہمیشہ کا عذاب نہ دوں گا۔ اور پھر باوجود اس بات کے کسی مصلحت کے لئے اپنے علم کے خلاف کہہ دیا کہ ان کو ہمیشہ کا عذاب کروں، الخ" یعنی اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے علم، ارادے اور وعدے کے خلاف نہیں کرتا جبکہ مخلوق میں اپنے علم، ارادے اور وعدے کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے اور یہی خالق و مخلوق میں فرق ہے کہ مخلوق جس چیز کا ارادہ کرے تو وہ کبھی تو اسی طرح واقع ہو جاتا ہے لیکن کبھی نہیں بھی ہوتا جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جو فرمایا اور جس چیز کا ارادہ کرلیا وہ حتماً ہو کر رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ حق تعالیٰ وتقدس نے مؤمنین سے جنت کا وعدہ اور کفار ومشرکین کے لئے دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (ھود ۱۰۷)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب جب جو چاہے کرے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (الرعد ۴۱)

ترجمہ: اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کا حکم پیچھے ڈالنے والا کوئی نہیں اور اسے حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

[اٹھارہواں عقیدہ

فرشتے اللہ جل شانہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطاونسیان سے محفوظ ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم ٦)

ترجمہ: جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

اور کھانے پینے اور زَن و مرد ہونے سے پاک اور منزہ ہیں۔ اور قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ مَردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے افضل اور شریف مانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بھی اپنی ذات کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے اور حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف کیا ہے۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (الحج ۷۵)

ترجمہ: اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔

جمہور علماء اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام الحرمین (یعنی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی نیشاپوری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۴۷۸ھ) اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص مَلک خاص انسان سے افضل ہیں اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ نبی علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے افضل ہے۔ لیکن نبوت اور رسالت کے درمیان نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے جہاں تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے۔ وہ درجہ عنصرِ خاک کی راہ سے ظاہر ہوا ہے۔ جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، مگر نہیں ہے۔ پس وہ فضیلت جو راہِ نبوت سے حاصل ہو وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جو راہِ ولایت سے حاصل ہو۔ لہٰذا افضلیت مطلق انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور فضل جزئی

ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے ہے۔ پس بہتر وہی ہے جو جمہور علماء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کہا ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کوئی ولی کسی نبی علیہ السلام کے درجہ تک نہیں پہنچتا، بلکہ اس ولی کا سَر ہمیشہ اس نبی علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں صوفیہ و علماء کا باہم اختلاف ہے، جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق بجانب علماء معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے۔ اور صوفیہ کی نظرِ ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک ہی محدود ہے۔ پس وہ علم جو نبوت کی پیش گاہ سے حاصل کیا جاوے وہ بالضرور اُس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا جائے، کئی درجہ بہتر اور حق ہو گا۔

بعض معارف کی تحقیق اُس مکتوب میں جو اپنے فرزندِ ارشد کے نام طریقہ کے بیان میں لکھا ہے، درج ہو چکی ہے۔ اگر کچھ دقت اور پوشیدگی رہ جائے تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "فرشتے اللہ جل شانہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں، الخ" یعنی فرشتے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس کے نزدیک معزز و مکرم ہیں۔ اور اسی طرح فرشتے گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحريم ٦)

ترجمہ: جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

(والملائكة عباد الله تعالى العاملون بأمره) على ما دل عليه قوله تعالى: ((لا يسبقونه بالقول وهم بأمره يعملون)) ((لا يستكبرون عن عبادته ولا يستسخرون)). (لا يوصفون بذكورة ولا أنوثة) إذ لم يرد بذلک نقل ولا دل عليه عقل, وما زعم عبدة الأصنام أنهم بنات الله تعالى محال باطل وإفراط في شأنهم, كما أن قول اليهود۔

ترجمہ: اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس کے حکم پر عمل کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ "وہ بات کہنے میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وہ فرشتے اس کی عبادت سے اعراض نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں" اور نہ وہ مرد یا عورت ہونے کی صفات رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نہ تو کوئی نقل وارد ہے اور نہ اس پر کوئی عقلی دلیل دلالت کرتی ہے۔ اور بُت پرست جو یہ کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں محال اور باطل ہے اور ان کی شان میں غلو اور حد سے تجاوز ہے جس طرح یہود کا یہی قول ہے۔[1]

اہل سنت وجماعت کے نزدیک ملائکہ کرام لطیف اور نورانی جسم ہیں کبھی مختلف اشکال میں یا انسانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں یہ کھانے، پینے اور شہوت سے پاک ہیں اور ملائکہ کرام جن اور شیاطین سب لطیف اجسام ہونے کے باوجود باعتبارِ عوارض کے ایک دوسرے سے امتیاز رکھتے ہیں۔ چنانچہ ملائکہ کرام خیر اور طاعت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ شَر اور معصیت کی ان کے اندر صلاحیت ہی

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ١، ص ٨١، مكتبة أهل السنة والجماعة)

نہیں۔ اور جنات کے اندر خیر اور شر دونوں کی استعداد پائی جاتی ہے۔ البتہ ان میں شَر کی استعداد غالب ہے۔ اور شیطان ہر خبیث اور سر کش جن کو کہتے ہیں۔ نیز جنات میں مرد وعورت بھی ہوتے ہیں ان میں توالد وتناسل ہوتا ہے اور بنی آدم کی طرح وہ بھی وعد ووعید کے مکلف ہیں۔ بر خلاف ملائکہ کرام کے کہ ان میں یہ سب باتیں نہیں ہیں اور مادہ کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ ملائکہ کا مادۂ تخلیق نور ہے اور جنات کا مادۂ تخلیق نار ہے۔

جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

خُلِقَتْ الْمَلَائِکَۃُ مِنْ نُورٍ وَ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَ خُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ۔

ترجمہ: فرشتوں کو نُور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے اور آدم علیہ السلام کو اس (مادے) سے پیدا کیا گیا ہے جس کا وصف تمہارے لئے بیان کر دیا گیا ہے (وہ تم جانتے ہی ہو یعنی مٹی سے)۔[1]

فرشتوں کی دو اقسام ہیں اور یہ ایسی مخلوق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور عبادت بہت اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں اور کسی بھی طرح ان میں سُستی اور کسالت واقع نہیں ہوتی۔

اول: بعض فرشتے ہمیشہ معرفتِ الٰہی میں مستغرق اور محو رہتے ہیں ان کو علیون اور مقرب فرشتے کہتے ہیں۔

دوم: وہ فرشتے ہیں جو اوامر واحکام جن کا فیصلہ قضاوقدر کے مطابق کیا گیا ہے ان کو آسمان سے زمین پر لاتے ہیں ان (فرشتوں) میں سے بعض (فرشتے) آسمانی ہیں اور بعض زمینی۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۴، ص ۲۷۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

جب تک ان (فرشتوں) کے بارے میں الہام یا وحی نازل نہ ہو اس وقت تک ملائکہ کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ملائکہ تشریف لائے لیکن آپ علیہ السلام ان کو نہیں پہچان سکے جب تک انہوں نے اپنا تعارف نہ کروایا حق تعالیٰ وتقدس نے ظاہر نہ کیا یعنی جب تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے وحی یا الہام نہ کیا۔

ملائکہ کرام کو مختلف کاموں پر مقرر کیا گیا ہے یعنی آسمانوں میں، زمین میں، جنتوں میں، دوزخوں میں اور ان ملائکہ کرام کی ایک کثیر تعداد آسمانوں میں موجود ہے اور حق تعالیٰ وتقدس کی تمام مخلوقات میں ملائکہ کرام کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور حضرت ابو الفداء اسمٰعیل حقی بن مصطفٰی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور تفسیر روح البیان فی تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں کہ جب سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا تو کعبۂ ربانی کے بالکل اوپر آسمان میں ایک زیتون کا درخت پیدا فرمایا جس کو بیت المعمور کہا جاتا ہے۔ جس طرح دُنیا میں کعبۂ ربانی کا طواف کیا جاتا ہے اسی طرح آسمانوں میں فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ (الطور ۴)

ترجمہ: اور بیت معمور۔

حضرت مالک بن صعصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ فَقَالَ هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: میرے لئے بیت المعمور کھول دیا گیا۔ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جو (فرشتے) ایک دفعہ عبادت کرکے باہر نکل جائیں تو دوبارہ واپس نہیں آتے، یعنی آخر تک ان کی باری نہیں آئے گی۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام الحرمین (یعنی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی نیشاپوری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۴۷۸ھ) اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص مَلک خاص انسان سے افضل ہیں اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ نبی علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے افضل ہے، الخ" یعنی اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ وہ ہے جو کہ حضرت ابو حفص عمر نجم الدین نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور کتاب شرح العقائد نسفی میں بیان فرمایا ہے کہ:

(ورسل البشر أفضل من رسل الملائكة، ورسل الملائكة أفضل من عامة البشر، وعامة البشر أفضل من عامة الملائكة)۔

أما تفضيل رسل الملائكة على عامة البشر فبالإجماع، بل بالضرورة۔

وأما تفضيل رسل البشر على رسل الملائكة وعامة البشر على عامة الملائكة فلوجوه:

الأول: أن الله تعالى أمر الملائكة بالسجود لآدم عليه السلام على وجه التعظيم والتكريم، بدليل قوله تعالى حكاية: ((أرأيتك هذا الذي كرمت عليّ)) ((وأنا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين)) ومقتضى الحكمة الأمر للأدنى بالسجود للأعلى دون العكس۔

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۰، ص ۴۸۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

الثاني: أن كل واحد من أهل اللسان يفهم من قوله تعالى: ((وعلم آدم الأسماء كلها)) الآية أن القصد منه إلى تفضيل آدم على الملائكة وبيان زيادة علمه واستحقاقه التعظيم والتكريم۔

الثالث: قوله تعالى: (إن الله اصطفى آدم ونوحاً وآل إبراهيم وآل عمران على العالمين)۔

ترجمہ: اور رسول جو انسانوں میں سے ہوں وہ فرشتوں کے رسولوں سے اور فرشتہ رسول عام انسانوں سے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ بہر حال فرشتہ رسولوں کو عام انسانوں سے افضل قرار دینا تو اجماع سے بلکہ ضرورت (دینی) سے ثابت ہے۔ رہا انسان رسولوں کا فرشتہ رسولوں سے اور عام انسانوں کا عام فرشتوں سے افضل ہونا تو یہ چند وجوہ سے ہے:

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس سے بطورِ حکایت کے اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمانے کی وجہ سے "بھلا بتایئے کیا یہی وہ شخص ہے جس کو آپ نے مجھ پر فضیلت اور برتری دی ہے، حالانکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے (جس کی فطرت میں بلندی ہے) اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے (جس کی فطرت میں پستی ہے اس لئے میں اعلیٰ ہوں اور وہ ادنیٰ ہے)" اور حکمت کا تقاضا اعلیٰ کے سامنے ادنیٰ کو سجدہ کرنے کا حکم دینا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سارے نام سکھا دیئے" سے اہل لسان میں سے ہر ایک یہی سمجھے گا کہ مقصود اس (تعلیمِ اسماء) سے ملائکہ پر حضرت آدم علیہ السلام کو فضیلت دینا اور ان کے علم کی زیادتی اور مستحقِ تعظیم و تکریم ہونے کو بیان کرنا ہے۔

تیسری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام اور آلِ عمران علیہ السلام کو تمام عالم پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی ہے"۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے کشف و شہودِ صحیح سے اہلِ سُنت وجماعت کے ان مندرجہ بالا عقائد کی مزید تشریح یوں بیان فرمائی ہے کہ ملائکہ کرام کی ولایت حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اور عام ولایتوں سے افضل ہے۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو ولایت میں بھی ملائکہ کرام سے افضل ہونا چاہیئے اور اسی طرح حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی حق تعالیٰ وتقدس کے مُقرب بندے ہیں ان کی ولایت بھی ملائکہ کرام کی ولایت سے افضل ہونی چاہیئے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات دورخ رکھتے ہیں۔ ان کا ایک رُخ تو ولایت کا ہے اور دوسرا رُخ نبوت کا۔ کیونکہ نبوت عنصرِ خاکی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور عنصرِ خاکی کو حق تعالیٰ وتقدس نے ایسا بلند تَر مقام عنایت فرمایا ہے کہ اس مقام تک ملائکہ کرام بھی نہیں پہنچ سکتے نیز حضراتِ ملائکہ کرام وحضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سب کے لئے ولایت ثابت ہے۔ مگر ولایت ظل سے شروع ہے اور نبوت اصل سے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نبوت میں رؤیتِ ذاتِ مقدسہ موجود ہے جبکہ ولایت میں رؤیتِ ذاتی نہیں پائی جاتی۔

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ا، ص ۱۰۲، مكتبة أهل السنة و الجماعة)

مختصر یہ کہ جس طرح ولایت میں حضراتِ ملائکہ کرام اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات دونوں شامل ہیں اسی طرح رسالت میں بھی دونوں شامل ہیں۔ مگر ولایت میں حضراتِ ملائکہ کرام کو فضیلت حاصل ہے جبکہ رسالت میں حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو فضیلت حاصل ہے۔ اس متن کا خلاصہ یہ ہے کہ عمومی طور پر حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے بالخصوص سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام ملائکہ کرام سے افضل ترین ہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی فضیلت جملہ مخلوقات پر مُسلم ہے۔

رہی بات اقربیت کی تو حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اپنے والدین کریمین کی وجہ سے اس دُنیا میں تشریف لائے ہیں جبکہ ملائکہ کرام اَمرِ ربی سے پیدا ہوئے ہیں یعنی ان کو توالد وتناسل کی ضرورت نہیں ہے تو اس وجہ سے ملائکہ کرام کی اَقربیت انسانوں کی بہ نسبت بہتر ہے کیونکہ ملائکہ کرام ہمیشہ حق تعالیٰ وتقدس کے حضور میں رہتے ہیں اسی لئے ان کو مُقرب کہا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ملائکہ کرام کی اَقربیت اَمرِ کُن سے شروع ہوتی ہے جبکہ انسان کی اَقربیت اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر دُنیا میں آجاتا ہے اور اس کی ولایت کا آغاز بھی دُنیا میں آنے کے بعد ہوتا ہے لہٰذا ملائکہ کی ولایت بشر کی ولایت سے بہتر ہے۔

] انیسواں عقیدہ

ایمان ان تمام دینی اُمور کے ساتھ جو ضرورت اور تَواتر کے طریق پر ہم تک پہنچے ہیں تصدیقِ قلبی سے مراد ہے، اور اقرارِ زبانی بھی ایمان کا رُکن کہا ہے جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے۔ اور کفر اور کافری اور کفر کے خصائص اور لوازم مثلاً زُنّار، باندھنی اور اس قسم کی اور رسوم سے جو اس میں پائی

جاتی ہیں تبرّٰی کرنا اور بیزار ہونا اس تصدیق کی علامت میں سے ہے۔ اور اگر عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ کوئی اس تصدیق کا بھی دعویٰ کرے اور کفر سے بیزاری اور تبرّٰی بھی ظاہر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص دو دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جو اِرتداد کے نشان سے داغ دار ہے۔ اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کا سا حکم ہے۔

لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ (النساء ۱۴۳)

ترجمہ: نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔

پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبرّٰی کرنا ضروری ہے، ادنٰی تبرّٰی یہ ہے کہ دل سے ہو، اور اعلیٰ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو۔ اور تبرّٰی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دُشمنوں کے ساتھ دُشمنی کی جائے وہ دُشمنی خواہ دل سے ہو جب کہ ان کے ضرر کا ڈر ہو، خواہ دل اور جسم سے ہو جب کہ ان کے ضرر کا ڈر نہ ہو۔

آیتِ کریمہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبۃ ۷۳)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

اسی مضمون کی تائید کرتی ہے کیونکہ اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی محبت ان کے دُشمنوں کی دُشمنی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرعہ صادق آتا ہے۔

تولّی بے تبرّٰی نیست ممکن

ترجمہ: دوستی دُشمنوں سے بیزاری کے بغیر ممکن نہیں۔

شیعہ نے جو یہ قاعدہ اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہوا ہے اور خلفاءِ ثلاثہ کے تبرّٰی کو اس محبت کی شرط قرار دیا ہے، نامناسب ہے۔ کیونکہ دوستوں کی محبت کے لئے شرط ہے کہ ان کے دُشمنوں سے تبرّٰی کیا جائے نہ کہ مطلق طور پر دُشمنوں کے سوا غیروں سے بھی۔ اور کوئی منصف عاقل اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ پیغمبر کے اصحاب علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اہلِ بیت علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے دُشمن ہوں۔ جب کہ ان بزرگواروں نے نبی علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں اپنے مالوں اور جانوں کو صَرف کر دیا اور جاہ وریاست کو برباد کر دیا ہے اور کس طرح اہلِ بیت کی دُشمنی کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں جب کہ نصِ قطعی کے ساتھ آنحضرت علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے قُرابت والوں کی محبت ثابت ہے اور دعوت کی اُجرت ان کی محبت مقرر کی ہے۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا (الشوریٰ ۲۳)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لیے اس میں اور خوبی بڑھائیں۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ بزرگی پائی اور شجرۂ انبیاء علیہم السلام بن گئے سب حق تعالیٰ کے دُشمنوں سے تبرّٰی کرنے کے باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (الممتحنة ۴)

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم تمہارے منکر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت ظاہر ہوگئی ہمیشہ کے لیے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

اور حق جلّ وعلا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے فقیر کی نظر میں اس تبرّٰی (دُشمنوں سے بیزاری) کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ اس بیزاری کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر اور کافروں کے ساتھ عداوت ہے۔ اور آلہہ آفاقی مثل لات وعزّٰی اور ان کے عبادت کرنے والے بالذات حق سلطانہٗ کے دُشمن ہیں۔ اور دوزخ کا دائمی عذاب اس بُرے فعل کی جزا ہے۔ اور آلہہ انفسی یعنی ہوائے نفسانی اور تمام بُرے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ غضب وعداوت ان کی نسبتِ ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے توصفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عقاب وعتاب ہے توافعال کی طرف راجع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان بُرے فعلوں کی جزا نہیں بنا، بلکہ ان کی معرفت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جب کفر اور کافرون کے ساتھ ذاتی عداوت ثابت ہوچکی تو ناچار رحمت ورأفت جو صفاتِ جمال میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی۔ اور رحمت کی صفت عداوتِ ذاتی کو دور نہ

کرے گی کیونکہ وہ چیز جو ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ اقویٰ اور اَرفع ہے۔ پس مقتضائے صفت مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتا۔

اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ:

سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي۔

ترجمہ: میری رحمت غضب پر بڑھی ہوئی ہے۔[1]

اس غضب سے مراد غضبِ صفاتی سمجھنا چاہیئے جو گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر کہیں کہ دُنیا میں کافروں کو رحمت نصیب ہے جیسے کہ تُو نے اوپر تحقیق کی ہے تو پھر دُنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دُور کر دیا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دُنیا میں کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں استدراج اور مکر ہے۔

آیت کریمہ:

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ (٥٥) نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ (المؤمنون ٥٦)

ترجمہ: کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے، یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج٢٣، ص ٩١، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اور آیتِ کریمہ:

سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُونَ (١٨٢) وَأُمۡلِي لَهُمۡ إِنَّ كَيۡدِي مَتِينٌ (الأعراف١٨٣)

ترجمہ: جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہو گی، اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بیشک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے۔

ان ہی معنوں پر شاہد ہیں۔

فائدہ جلیلہ

دوزخ کا دائمی عذاب صرف کفر کی جزا ہے۔ پھر اگر پوچھیں کہ ایک شخص باوجود ایمان کے کفر کی رسمیں بجالاتا اور کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے، اور علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے اور اس کو مُرتد سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ پس چاہیئے کہ علماء کے فتوے کے مؤجب وہ شخص آخرت کے عذابِ ابدی میں گرفتار ہو، حالانکہ اخبارِ صحیحہ میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ ایمان بھی ہو گا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے۔ تیرے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ شخص کافرِ محض ہے تو دائمی عذاب اُس کا نصیب ہے۔ عِیاذًا بِاللّٰهِ سُبۡحَانَهُ مِنۡهُ اور کفر کی رسموں کے بجالانے کے باوجود ذرّہ ایمان بھی رکھتا ہے تو دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہو گا۔ لیکن اس ذرّہ پھر ایمان کی برکت سے اُمید ہے کہ دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پائے گا۔

فقیر ایک دفعہ ایک شخص کی بیمار پُرسی کے لئے گیا۔ جس کا معاملہ نزع کی حالت کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ جب یہ فقیر اس کے حالکی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اُس کے دل پر بہت ہی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں۔ ان ظلمتوں کو دُور کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہ ظلمتیں اس کے دل پر سے دُور ہو جائیں۔ لیکن اس کے دل نے قبول نہ کیا۔ بہت سی توجہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ظلمتیں صفاتِ کفر سے پیدا ہوئی ہیں، جو اس میں پوشیدہ تھیں۔ اور وہ کدورتیں کفر اور اہلِ کفر کے ساتھ دوستی رکھنے کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔ توجہ کے ساتھ یہ ظلمتیں دُور نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ ان ظلمات سے اس کا پاک ہونا دوزخ کے عذاب پر موقوف ہے جو کفر کی جزاء ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذرہ بھر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیں گے جب اس میں اس حال کا مشاہدہ کیا تو دل میں گزرا کہ آیا اس شخص پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہ۔ توجہ کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہیئے۔

پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کافروں کی رسمیں بجالاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں ان پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے اور کفار کے ساتھ نہ ملانا چاہیئے، جیسے کہ آج اسی پر عمل ہے۔ اور اُمیدوار ہونا چاہیئے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

پس معلوم ہوا کہ اہلِ کفر کے لئے عفو اور مغفرت نہیں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النساء ۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔

اور اگر کافرِ محض ہے تو عذابِ ابدی اس کے کفر کی جزاء ہے۔ اور اگر ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے تو اس کی جزاء دوزخ کا عذابِ موقت ہے۔ اور اس کے تمام کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو اُن کو بخش دے اور چاہے تو اُن پر عذاب دے۔

فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب خواہ مؤقت ہو خواہ دائمی، کفر اور صفاتِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی، اور وہ اہلِ کبائر کہ جن کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو واحسان کے ساتھ مغفرت میں نہیں آئے یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دُنیا کے رنج اور تکلیفوں اور موت کی سُکرات اور سختیوں کے ساتھ نہیں ہوا۔ اُمید ہے کہ ان کے عذاب میں بعض کو عذابِ قبر کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور بعض کو قبر کی تکلیفوں کے علاوہ قیامت کی سختیوں اور ہول کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور ان کے گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہ چھوڑیں گے جس کے لئے عذاب ودوزخ کی ضرورت پڑے۔

آیتِ کریمہ:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ (الأنعام ۸۲)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امان ہے۔

اسی مضمون کی مؤید ہے کیونکہ ظلم سے مراد شرک ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا

ترجمہ: اور تمام اُمور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے سوا بعض اور بُرائیوں کی جزا بھی دوزخ کا عذاب ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (النساء ۹۳)

ترجمہ: اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے۔

اور اخبار (یعنی احادیثِ مبارکہ) میں بھی آیا ہے کہ جو شخص ایک نمازِ فریضہ کو عمداً قضا کرے گا اس کو ایک حُقبہ دوزخ میں عذاب دیں گے۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کفار کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قتل کا یہ عذاب اس شخص کے لئے ہے جو قتل کو حلال جانے، کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے، جیسے کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اور کفر کے سوا اور بُرائیاں جس کے لئے دوزخ کا عذاب آیا ہے وہ بھی صفاتِ کفر کی آمیزش سے خالی نہ ہوں گی۔ جیسے کہ اُس برائی کو خفیف سمجھنا اور اُس کے بجالانے کے وقت لاپرواہی کرنا اور شریعت کے اَمر و نہی کو خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث میں آیا ہے:

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي۔

ترجمہ: میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہو گی۔ [1]

اور دوسری جگہ فرمایا کہ:

أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ لَا عَذَابَ عَلَيْهَا فِي الْآخِرَةِ, جَعَلَ اللّٰهُ عَذَابَهَا فِي الدُّنْيَا الْقَتْلَ وَالزَّلَازِلَ وَالْفِتَنَ۔

ترجمہ: میری اُمت اُمتِ مرحومہ ہے، اس کو عذابِ آخرت نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عذاب فتنے، زلزلے اور قتل و غارت گری کی صورت میں دُنیا ہی میں رکھ دیا ہے۔ [2]

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۲۵، الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[2] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج۴، ص ۴۹۱، الناشر: دار الکتب العلمية - بيروت)

اور آیت کریمہ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ (الأنعام ۸۲) اسی مضمون کی مؤید ہے جیسے کہ مذکور ہوا۔ اور مشرکوں کے اطفال اور شاہقانِ جبل اور پیغمبروں علیہم السلام کے زمانۂ فترت کے مشرکوں کا حال اس مکتوب میں جو فرزندی محمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام لکھا ہے مفصل ذکر ہو چکا ہے وہاں سے معلوم کر لیں۔

اور ایمان کے کم وزیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْاِیْمَانُ لَایَزِیْدُ وَلَایَنْقُصُ۔

ترجمہ: ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ۔

ترجمہ: ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان قلبی تصدیق اور یقین سے مراد ہے جس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں۔ اور وہ جو زیادت اور نقصان کو قبول کرے دائرۂ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمالِ صالحہ کا بجالانا اس یقین کو روشن کر دیتا ہے۔ اور بُرے اعمال کا بجالانا اس یقین کو مکدر وسیاہ کر دیتا ہے۔ پس زیادت اور نقصان اعمال سے اعتبار سے اس یقین کے روشن ہونے میں ثابت ہوئی نہ کہ نفسِ یقین میں۔ بعض نے اس یقین کو جب کہ مُنجلی اور روشن معلوم کیا تو اس یقین کی نسبت جو انجلا اور روشنی نہیں رکھتا زیادہ نہیں کہہ دیا۔ گویا بعض نے غیر منجلی یقین کو یقین نہ جانا۔ اور ان ہی بعض نے منجلی کو یقین جان کر ناقص کہہ دیا اور بعض دوسروں نے جو زیادہ تیز نظر رکھتے تھے جب دیکھا کہ یہ زیادت اور نقصان صفاتِ یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفسِ یقین کی

طرف۔ تو اس سبب سے یقین کو غیرِ زائد و ناقص کہہ دیا۔ جس طرح کہ دو آئینے جو باہم برابر ہوں، لیکن انجلا اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو زیادہ روشن ہے اور نمائندگی زیادہ رکھتا ہے کہہ دے کہ یہ آئینہ بہ نسبت اس آئینے کے جس میں ویسی روشنی اور انجلا نہیں ہے، زیادہ ہے۔ اور دوسرا شخص کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے برابر ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی زیادت اور نقصان نہیں ہے۔ فرق صرف انجلا اور نمائندگی میں ہے جو ان دونوں آئینوں کی صفات ہیں۔ پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے اور حقیقتِ شے تک نافذ ہے۔ اور شخصِ اول کی نظر کوتاہ ہے اور صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچتی ہے۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَالَّذِینَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلة ۱۱)

ترجمہ: تو اُٹھ کھڑے ہو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کئے ہیں زائل ہو گئے۔ اور عام مؤمنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کی طرح نہ ہوا۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے عام مؤمنوں کے ایمان سے جو مؤمنوں کے درجوں کے اختلاف کے بموجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے، اور اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس اُمت کے ایمان سے زیادہ ہے انجلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے۔ اور زیادت کو صفاتِ کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیئے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں

سب باہم متحد ہیں۔ تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ہے۔ اور جس میں یہ صفات کامل نہیں ہیں، گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل اور خواص سے محروم ہے۔ لیکن باوجود اس تفاوت کے نفسِ انسانیت میں زیادت اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادت و نقصان کے قابل ہے۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ الۡمُلۡھِمُ لِلصَّوَابِ

اور نیز یہ کہتے ہیں کہ تصدیقِ ایمانی سے مراد بعض کے نزدیک تصدیقِ منطقی ہے جو ظن اور یقین کو شامل ہے۔ اس تقدیر پر نفسِ ایمان میں زیادت اور نقصان کی گنجائش ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد دلی یقین اور اذعان ہے نہ کہ معنی عام جو ظن کو بھی شامل ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اَنَا مُؤۡمِنٌ حَقًّا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اَنَا مُؤۡمِنٌ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اور در حقیقت ان میں نزاعِ لفظی ہے۔ لیکن مذہبِ اول باعتبارِ ایمان حال کے ہے اور مذہبِ ثانی باعتبارِ ایمان انجام اور عاقبت ہے۔ لیکن صورتِ استثناء سے کنارہ کرنا بہتر اور مناسب ہے کَمَا لَا یَخۡفٰی عَلَی الۡمُنۡصِفِ کہ منصف آدمی پر مخفی نہیں ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کفر اور کافری اور کفر کے خصائص اور لوازم مثلاً زنار، باندھنی اور اس قسم کی اور رسوم سے جو اس میں پائی جاتی ہیں تبرّی کرنا اور بیزار ہونا اس تصدیق کی علامت میں سے ہے، الخ" یعنی ایمان لغت میں تصدیق کا نام ہے یعنی خبر دینے والے کی بات کا یقین کر لینا اور اس کو مان لینا اور اس کو سچ قرار دینا۔ اور اصطلاحِ شریعت میں ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اگر ایمان میں صرف اقرار کرنا ہی کافی مانا جائے تو پھر سارے منافق مؤمنین کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے اور اگر ایمان میں صرف

تصدیق کو کافی مانا جائے تو اس طرح سارے اہلِ کتاب کو مؤمنین ماننا پڑے گا اور یہ دونوں باتیں خلافِ واقع اور محال و ناممکن ہیں۔

اگر کوئی شخص تصدیق و اقرار کے بعد بھی کفریہ اعمال کرے تو اس کا حکم یہ ہے کہ:

أن أحداً صدق بجميع ما جاء به النبي عليه السلام و سلمه و أقر به و عمل، و مع ذلک شد الزنار بالاختيار أو سجد للصنم بالاختيار نجعله كافراً لما أن النبي عليه السلام جعل ذلک علامة التكذيب و الإنكار. و تحقيق هذا المقام على ما ذكرت يسهل لک الطريق إلى حل كثير من الإشكالات الموردة في مسألة الإيمان۔

ترجمہ: ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی لائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کا اقرار کرتا ہے اور ان پر عمل بھی کرتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے اختیار سے زُنّار (ٹائی) باندھتا ہے اور اپنے اختیار سے بُت کو سجدہ کرتا ہے تو ہم اس کو کافر قرار دیں گے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان چیزوں کو تکذیب وانکار کی علامت قرار دیا ہے اور اس مسئلہ کی تحقیق جس انداز پر میں نے کی ہے تمہارے لئے مسئلۂ ایمان میں وارد کئے جانے والے بہت سے اشکالات کے حل کا راستہ آسان کر دے گا۔[1]

مسئلہ: اگر کسی شخص کو کفر کا کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا جائے یعنی اگر اسے کہا جائے کہ اگر آپ نے کفر کا کلمہ نہ پڑھا تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا یا آپ کے بدن کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا تو اگر اُس نے جان بچانے کے لئے کفری کلمات ادا کر لئے تو معذور سمجھا جائے گا اور اگر نہ کہے اور سزا پالی تو اجر پائے گا۔

---

[1](شرح العقائد النسفية، ج ١، ص ٢٩، مكتبة أهل السنة والجماعة)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النحل ١٠٦)

ترجمہ: جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

[بیسواں عقیدہ

اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔ اور ان سے بکثرت خرقِ عادات کے واقع ہونے کے باعث ان کی یہ بات عادتِ مستمرہ ہو گئی، اور کرامت کا منکر علمِ عادی اور ضروری کا منکر ہے۔ نبی علیہ السلام کا معجزہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور کرامت اس بات سے خالی ہے بلکہ اس نبی علیہ السلام کی متابعت کے اقرار کرنے کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔

فَلَا اِشْتِبَاهَ بَيْنَ الْمُعْجِزَةِ وَالْكَرَامَةِ كَمَا زَعَمَ الْمُنْكِرُوْنَ

ترجمہ: پس معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہ رہا جیسے کہ منکروں نے گمان کیا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں، اور ان سے بکثرت خرقِ عادات کے واقع ہونے کے باعث ان کی یہ بات عادتِ مستمرہ ہو گئی، الخ" یعنی اہلِ سُنت وجماعت کے عقیدے کے مطابق اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں۔ مگر ولایت کے لئے کرامت کا ہونا شرط نہیں ہے البتہ نبی علیہ السلام کے لئے معجزہ کا ہونا شرط ہے۔ جبکہ

معتزلہ اولیاء اللہ کی کرامات سے منکر ہیں معتزلہ کے عقائد کی تفصیل ولی کی تعریف اور ان کی کرامات کے حق ہونے کے بعد بیان کی جائے گی۔

والولي هو العارف بالله تعالى وصفاته بحسب ما يمكن، المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي المعرض عن الانهماك في اللذات والشهوات۔

وكرامته ظهور أمر خارق للعادة من قبله غير مقارن لدعوى النبوة، فما لا يكون مقروناً بالإيمان والعمل الصالح يكون استدراجاً، وما يكون مقروناً بدعوى النبوة يكون معجزة۔

والدليل على حقية الكرامة ما تواتر عن كثير من الصحابة ومن بعدهم بحيث لا يمكن إنكاره خصوصاً الأمر المشترك مطلق خارق للعادة، وإن كانت التفاصيل آحاداً۔

وأيضاً الكتاب ناطق بظهورها من مريم ومن صاحب سليمان عليه السلام، وبعد ثبوت الوقوع لا حاجة إلى إثبات الجواز۔

ترجمہ: اور ولی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی جس قدر ممکن ہو معرفت حاصل ہو جو عبادات کا پابند ہو، معاصی سے اجتناب کرنے والا ہو، لذات اور شہوات میں انہماک (بے حد مشغولیت) سے کنارہ کش ہو۔ اور اس کی کرامت اس کی طرف سے خارقِ عادت امر کا ظاہر ہونا ہے درآں حالیکہ وہ دعویٰ نبوت نہ کرتا ہو اور جو خارقِ عادت امر ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ نہ ہو تو وہ استدراج ہے اور جو دعویٰ نبوت کے ساتھ ہو وہ معجزہ ہے اور کرامت کے ثابت ہونے پر دلیل وہ خارقِ عادات اُمور ہیں جو بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں سے اس طرح متواتر ہیں کہ ان کا خاص طور پر امرِ مشترک کا انکار ممکن نہیں ہے، اگرچہ جزئیات اخبارِ احاد ہیں۔ نیز حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیر

سے کرامت ظاہر ہونے کے متعلق کتاب اللہ ناطق ہے اور وقوع ثابت ہونے کے بعد امکان ثابت کرنے کی حاجت نہیں۔[1]

خارق العادات اُمور کی پانچ اقسام ہیں:

اول: خارقِ عادت اگر مدعیٔ نبوت کے ہاتھ پر اس کی منشاء کے مطابق ظاہر ہو تو اسے معجزہ کہا جاتا ہے۔

دوم: اگر ولی سے صادر ہو جو کہ مدعیٔ نبوت نہ ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔

سوم: اگر عام مؤمن سے صادر ہو تو یہ معونت ہے۔

چہارم: اگر فاسق وفاجر اور ملحد وکافر سے صادر ہو تو یہ مکر واستدراج ہے۔

پنجم: اگر مدعیٔ نبوت سے اس کے منشاء کے خلاف ظاہر ہو تو وہ اہانت ہے تاکہ اس کی تکذیب واضح ہو جائے جیسے مسیلمہ کذاب نے ایک اندھے شخص کے لئے دُعا کی کہ اس کی آنکھ ٹھیک ہو جائے تو جو آنکھ ٹھیک تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔

معتزلہ اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو غیر نبی سے ممتاز کرنے والی چیز معجزہ یعنی خارقِ عادت کام کا اس سے ظاہر ہونا ہے۔ پس اگر اولیاء اللہ سے خارقِ عادت کام کا ظہور ممکن ہو جسے کرامت کہا جاتا ہے تو کرامت کے معجزہ ہونے کا شبہ ہو گا کیونکہ دونوں خارقِ عادت کام ہیں اور جب کرامت کے معجزہ ہونے کا شبہ ہو گا تو صاحبِ کرامت یعنی ولی کے صاحبِ معجزہ ہونے یعنی نبی ہونے کا شبہ پیدا ہو گا۔ ایسی صورت میں نبی علیہ السلام غیر نبی سے ممتاز نہ ہو گا اور غیر نبی کو لوگ نبی سمجھ بیٹھیں گے اور گمراہ ہو جائیں گے جس سے نبی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ہی

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ا، ص ٨٣، مكتبة أهل السنة والجماعة)

فوت ہو جائے گا۔ معتزلہ کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ جو خارقِ عادت اَمر ولی سے صادر ہو گا وہ اس ولی کی کرامت ہے اور جس نبی علیہ السلام کا وہ اُمتی ہے اس نبی کا معجزہ ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ پر خارقِ عادت امر کا ظاہر ہونا دراصل اس نبی علیہ السلام کی اتباع ہی کی برکت سے ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ شخص خارقِ عادت اَمر کا ظاہر ہونا دراصل اس نبی علیہ السلام کی اتباع ہی کی برکت سے ہے حتیٰ کہ اگر وہ شخص خارقِ عادت امر کے اظہار میں اپنی مستقل بالذات ہونے اور نبی علیہ السلام کی اتباع نہ کرنے کا دعویٰ کرے تو وہ شخص ولی نہ ہو گا اور اس شخص کے ہاتھ پر کرامت ظاہر نہ ہو گی۔ بلکہ جو خارقِ عادت امر ظاہر ہو گا وہ مکر واستدراج کہلائے گا نیز کرامت کے معجزہ ہونے کا شبہ اس وجہ سے بھی نہیں ہو سکتا کہ کرامت جس شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ مدعیٔ نبوت نہیں ہوتا بر خلاف معجزہ کے کہ وہ مدعیٔ نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا خارقِ عادت اَمر ہے۔

روافض کرامت کو تو مانتے ہیں مگر وہ کرامت کو بارہ اماموں کے ساتھ خاص کرتے ہیں جبکہ کرامت کے خصوص کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے عموم کی دلیل موجود ہے۔

[اکیسواں عقیدہ

اور فضیلت کی ترتیب خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ لیکن شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے آئمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اس بات کو نقل کیا ہے:

قَالَ الْشَيْخُ الْإِمَامُ أَبُو الْحسن الْأَشْعَرِيّ أَن تَفْضِيل أبي بكر ثم عمر على بقية الأمة قَطْعِيّ۔

ترجمہ: شیخ امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی ہے۔[1]

قَالَ الذَّهَبِيّ وَ قد تَوَاتر (عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه) ذَلِک عَنهُ فِي خِلَافَته و كرسي مَمْلَكَته وَبَين الجم الْغَفِير من شيعته أن ابابكر وعمر افضل الأمة ثمَّ قَالَ وَ رَوَاهُ عَن عَليّ نَيف وَثَمَانُونَ نفساوَعددمِنْهُم جمَاعَة ثمَّ قَالَ فقبح الله الرافضة مَا أجهلهم۔

ترجمہ: امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ سے ان کی خلافت و مملکت کے زمانہ میں اور آپ کے تابعداروں میں سے ایک جمِ غفیر کے درمیان یہ بات بطریق تواتر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اُمت سے افضل ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اَسی (۸۰) سے کچھ زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا بُرا کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔[2]

وروى البُخَارِيّ عَنهُ أَنه قَالَ خير النَّاس بعد النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَبُو بكر ثمَّ عمر رَضِي الله عَنْهُمَا ثمَّ رجل آخر فَقَالَ ابْنه مُحَمَّد ابْن الْحَنَفِيَّة ثمَّ أَنْت فَقَالَ إِنَّمَا أَنا رجل من الْمُسلمين۔

ترجمہ: اور بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کی فرمایا کہ نبی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب لوگوں میں سے بہتر حضرت ابو بکر رضی اللہ

---

[1](الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، ج ۱، ص ۱۷۱، الناشر: مؤسسة الرسالة-لبنان)

[2](الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، ج ۱، ص ۱۷۶، الناشر: مؤسسة الرسالة-لبنان)

تعالیٰ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر ایک اور شخص۔ پس اُن کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پس فرمایا میں تو ایک مسلمان شخص ہوں۔[1]

وَصحح الذَّهَبِيّ وَغَيره طرقا أُخْرَى عَن عَليّ بذلك وَفِي بَعْضهَا أَلا وَإِنَّهُ بَلغنِي أَن رجَالًا يفضلوني عَلَيْهِمَا فَمن وجدته فضلني عَلَيْهِمَا فَهُوَ مفتر عَلَيْهِ مَا على المفتري۔

ترجمہ: امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور جس کو میں پاؤں گا کہ مجھے ان پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری (بہتان باندھنے والا) ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہو گی جو مفتری کی ہوتی ہے۔[2]

وَأخرج الدَّارَقُطْنِيّ عَنهُ لَا أجد أحدا فضلني على أبي بكر وَعمر إِلَّا جلدته حد المفتري۔

ترجمہ: اور دار قطنی نے آپ سے روایت کی ہے کہ جس کو میں دیکھوں کہ مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت دیتا ہے تو میں اُس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی سزا ہے۔[3]

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اور ان کے سوا اور بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متواتر آئی ہیں، جن میں کسی انکار کی مجال نہیں ہے حتّٰی کہ عبد الرزاق جو اکابرِ شیعہ میں سے ہے کہتا ہے کہ:

أفضل الشَّيْخَيْنِ بتفضيل عَليّ إِيَّاهُمَا على نَفسه وَإِلَّا لما فضلتهما كفى بِي وزرا أَن أحبه ثمَّ أخالفه۔

---

[1] (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، ج ۱، ص ۱۷۶، الناشر: مؤسسة الرسالة - لبنان)

[2] (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، ج ۱، ص ۱۷۶، الناشر: مؤسسة الرسالة - لبنان)

[3] (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، ج ۱، ص ۱۷۶، الناشر: مؤسسة الرسالة - لبنان)

ترجمہ: میں شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس لئے فضیلت دیتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے خود اپنے اوپر اُن کو فضیلت دی ہے ورنہ میں اُن کو کبھی فضیلت نہ دیتا مجھے یہی گناہ کافی ہے کہ میں اس کو دوست رکھوں اور پھر اس کی مخالفت کروں۔[1]

كُلُّ ذٰلِكَ مُسْتَفَادٌ مِّنَ الصَّوَاعِقِ (یعنی یہ سب کچھ صواعقِ محرقہ سے لیا گیا ہے۔)

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔ پس اکثر اہلِ سنت اس بات پر ہیں کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد افضل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آئمہ اربعہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور وہ توقف جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارہ میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توقف سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ هُوَ الْاَصَحُّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ یہی درست ہے۔ اور ایسے ہی توقف جو بعض نے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ:

من علامات السنّة والجماعة تفضيل الشيخين, ومحبّة الختنين۔

ترجمہ: شیخین کی تفضیل اور ختنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی محبت سنت وجماعت کی علامات میں سے ہے۔[2]

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے۔ چونکہ حضراتِ ختنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں فتنہ وفساد لوگوں میں بہت ظاہر ہو گیا تھا۔ اور اس سبب سے

---

[1] (الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، ج ۱، ص ۱۷۷، الناشر: مؤسسة الرسالة - لبنان)

[2] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۳۱۲، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كره، الهند)

لوگوں کے دِلوں میں بہت کدورت آگئی تھی۔ اس لئے امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو مد نظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو سُنت کی علامات سے فرمایا ہے۔ بغیر اس اَمر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو۔ اور ہو بھی کیونکر جب کہ حنفیہ کی کتابیں اس مضمون سے بھری ہیں کہ ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ الغرض شیخین کی فضیلت یقینی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اس سے کمتر ہے۔ لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں، اور مبتدع اور ضال جانیں۔ کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے۔ ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علماء نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ وہ ایذاء جو پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جہت سے پہنچی ہے، وہ بعینہٖ اسی ایذاء کی طرح ہے جو امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جہت سے پہنچی ہے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اللہَ اللہَ فِي أَصحابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللہَ، وَمَنْ آذَى اللہَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔

ترجمہ: میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے گویا میرے ہی بغض کے باعث اُن سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذاء دی اس نے گویا مجھے ایذاء دی۔ اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی۔ اور

جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ایذاء دی وہ اس کا مواخذہ کرے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (الأحزاب ٥٧)

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح عقائد نسفی میں اس افضلیت کے حق میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دُور ہے۔ اور وہ تردید جو اس نے کی ہے وہ سراسر لاحاصل ہے۔ کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرتِ ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل اور مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ ایسی فضیلت عقلمندوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی۔ کیونکہ سلف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے جس قدر فضائل ومناقب حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت نقل کئے ہیں وہ اور کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت منقول نہیں ہیں۔

حتٰی کہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

مَا جَاءَ لِأَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الْفَضَائِلِ مَا جَاءَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ۔

ترجمہ: اور جو فضائل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت نہیں آئے۔

---

[1](سنن الترمذی، ج٥، ص ٦٩٦، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

اور باوجود اس امر کے امام مذکور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلفاءِ ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے سوا کچھ اور ہے۔ اور اس افضلیت پر اطلاع پانا دولتِ وحی کی ان مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنھوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کی ہے۔ اور وہ صحابہ ٔ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ پس جو کچھ شارح عقائدِ نسفی نے کہا ہے اگر مراد افضلیت سے کثرتِ ثواب ہے تو پھر توقف کی جہت ساقط ہے۔ کیونکہ توقف کی تب ہی گنجائش ہوتی ہے جب کہ اس افضلیت کو صاحبِ شریعت کی طرف سے صریح طور پر یا دلالت کے طور پر معلوم نہ کیا ہو۔ اور جب معلوم ہو چکی ہو تو پھر کیوں توقف کریں، اور اگر معلوم نہ کیا ہو تو پھر افضلیت کا حکم کیا کریں۔ اور جو شخص سب کو برابر جانے اور ایک دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ بوالفضول (فضول کام کرنے والا) اور احمق ہے۔ وہ کیسا عجب بوالفضول ہے جو اہلِ حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو اس فضولی کی طرف لے گیا ہے اور یہ جو صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے کہا ہے کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ خلافت امرِ دیگر ہے۔ اور افضلیت کی بحث دیگر اور اگر مان بھی لیں تو یہ بات اور اس قسم کی اور باتیں اس کے شطحیات (ظاہر شریعت کے خلاف کچھ گفتار کرنا اور خلافِ شرع کلمات کا بان پر لانا یعنی وہ کلمات جو مستی اور ذوق کے وقت بے اختیار زبان سے صادر ہو جائیں) کی قسم سے ہیں۔ جو تمسک کے لائق نہیں ہیں، اس کے اکثر کشفیہ معارف جو اہل سنت کے علوم سے جُدا واقع ہوئے ہیں، صواب اور بہتری سے دُور ہیں۔ ایسی باتوں کی وہی شخص متابعت کرتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلّد صرف ہے۔

اور جو کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں ان کو نیک توجیہ پر محمول کرنا چاہیئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیئے۔

تفتازانی نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی محبت میں افراط کرنے کے باوجود فرمایا ہے:

وَمَا وَقَعَ مِنَ الْمُخَالَفَاتِ وَالْمُحَارَبَاتِ لَمْ یَکُنْ عَنْ نِزَاعٍ فِیْ خِلَافَةٍ بَلْ عَنْ خَطَاءٍ فِی الْاِجْتِهَادِ۔

ترجمہ: اور جو لڑائی جھگڑے ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کے بارہ میں نزاع کے باعث نہ تھے، بلکہ اجتہاد میں خطاء کے سبب تھے۔

اور اس کے حاشیہ خیالی میں ہے کہ:

فَاِنَّ مُعَاوِیَةَ وَاَحْزَابَهُ بَغَوْا عَنْ طَاعَتِهِ مَعَ اعْتِرَافِهِمْ بِاَنَّهُ اَفْضَلُ اَهَلِ زَمَانِهِ وَاَنَّهُ الْاَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ مِنْهُ بِشُبْهَةٍ هِیَ تَرْکُ الْقِصَاصِ عَنْ قَتَلَةِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے لشکر نے اس کی طاعت سے سرکشی کی باوجود یکہ وہ مانتے تھے کہ وہ تمام اہلِ زمانہ سے افضل ہیں۔ اور نیز وہ اس سے امامت کے زیادہ مستحق ہیں از روئے شبہ کے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کا ترک کرنا ہے۔

اور حاشیہ قرۃ کمال قری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا وَلَیْسُوْا کَفَرَةً وَّلَا فَسَقَةً لِمَا لَهُمْ مِنَ التَّاوِیْلِ۔

ترجمہ: ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی حالانکہ نہ ہی وہ کافر ہیں اور نہ ہی فاسق کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے۔

اور شک نہیں کہ خطاءِ اجتہادی ملامت سے دُور ہے اور طعن و تشنیع سے مرفوع ہے۔

حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی صحبت کے حقوق کو مد نظر رکھ کر تمام اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔ اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث ان کو دوست رکھنا چاہیئے۔

مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ۔

ترجمہ: جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے گویا میرے ہی بغض کے باعث اُن سے بغض رکھا۔[1]

یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے متعلق ہے او ایسے ہی وہ بغض جو ان سے متعلق ہے وہ وہی بغض ہے جو مجھ سے متعلق ہے۔ ہم کو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں سے کچھ آشنائی نہیں ہے، بلکہ مناسب ہے کہ ہم ان سے بیزار رہیں۔ لیکن چونکہ سب کے سب حضرت پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کی محبت کے لئے ہم مامور اور ان کے بغض وایذاء سے ممنوع ہیں، اس لئے ہم حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی سب کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے بغض وایذاء سے دُور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کا بغض وایذاء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحابہٖ وسلم کے بغض وایذاء تک پہنچا دیتا ہے، لیکن محق کو محق او مخطی کو مخطی کہتے ہیں۔ یعنی حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطاء پر، اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔

اس مبحث کی تحقیق اُس مکتوب میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا ہے مفصل ذکر ہو چکی ہے، اگر کوئی بات مخفی رہ گئی تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔

---

[1](سنن الترمذی، ج۵، ص ۶۹۶، الناشر: شرکة مکتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)

عقائد کے درست کرنے کے بعد احکامِ فقہ کا سیکھنا ضروری ہے، اور فرض وواجب وحلال وحرام وسُنت ومندوب ومشتبہ ومکروہ کے جاننے سے چارہ نہیں ہے اور ایسے ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری سمجھیں اور اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں بڑی کوشش مد نظر رکھیں۔ نماز جو دین کا ستون ہے اس کے تھوڑے فضائل اور ارکان بیان کئے جاتے ہیں، غور سے سُنیں۔

اوّل وضو کے کامل اور پورے طور پر کرنے سے چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار تمام وکمال طور پر دھونا چاہیئے تاکہ وضو بروجہ سُنت ادا ہو۔ اور سَر کا مسح بالاستیعاب (یعنی سارے سر کا مسح) کرنا چاہیئے۔ اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہیئے، اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے لانے کو تھوڑا نہ جانیں۔ مستحب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور دوست ہے، اگر تمام دُنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کا بعینہٖ یہی حکم ہے کہ کوئی خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے قیمتی موتی خرید لے یا بے ہودہ اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرلے۔

کمالِ طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیئے، جو مؤمن کی معراج ہے۔ اور کوشش کرنی چاہیئے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہونے پائے بلکہ امام کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ ترک نہ کرنی چاہیئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیئے۔ اور قرأت میں قدر مسنون کو مد نظر رکھنا چاہیئے اور رکوع وسجود میں طمانیت ضروری ہے، کیونکہ بقول مختار یا فرض ہے یا واجب۔ اور قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد

طمانیت درکار ہے۔ کیونکہ فرض ہے یاواجب یاسُنت علیٰ اختلاف الاقوال۔ ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے درست بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسے کہ قومہ میں۔ اور رکوع وسجود کی کم تر تسبیحات تین بار ہیں، اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں علیٰ اختلاف الاقوال۔ اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے موافق ہے۔ شرم کی بات ہے کہ انسان اکیلا ہونے کی حالت میں باوجود طاقت کے اَقل تسبیحات پر کفایت کرے۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار کہے، اور سجدہ کرنے کے وقت اوّل وہ اعضاء زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دو ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور زانو اور ہاتھ رکھنے کے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیئے، اور سر کے اٹھانے کے وقت اوّل ان اعضاء کو اٹھانا چاہیئے جو آسمان سے نزدیک ہیں۔ پس پہلے پیشانی اُٹھانی چاہیئے، الخ۔ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدہ کے وقت نوک بینی پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا دونوں بغلوں کی طرف رکھنا چاہیئے۔ جب نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں اور مذکورہ بالا جگہوں پر لگائے رکھیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسر ہو گئی، اور خشوع والی نماز حاصل ہو گئی۔ جس طرح کہ نبی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سُنت ہے، اس کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے، انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب اور بے فائدہ نہیں ہے۔

صاحبِ شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل کیا ہے۔ ہمارے لئے صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ سب احکام

مفصل اور واضح طور پر کتبِ فقہیہ میں مذکور ہیں۔ یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علمِ فقہ کے مطابق عمل بجالانے پر ترغیب ہو۔

وَفَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ الْمُوَافِقَةِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّةِ بَعْدَ اَنْ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّةِ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طفیل ہم کو اور آپ کو دینی عقائد کے درست ہونے کے بعد شرعی علوم کے موافق اعمالِ صالحہ کے بجالانے کی بھی توفیق دیوے۔

اگر نماز کے فضائل اور اس کے مخصوصہ کمالات کے معلوم کرنے کا شوق ہو تو تین مکتوبوں کو جو ایک دوسرے کے قریب و متصل ہیں مطالعہ کریں۔ پہلا مکتوب (مکتوب نمبر ۲۶۰) فرزندی محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام پر اور دوسرا (مکتوب نمبر ۲۶۱) میر محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام پر، اور تیسرا (مکتوب نمبر ۲۶۳) مشیخت مآب میاں شیخ تاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام لکھا ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو پروں کے حاصل ہونے کے بعد اگر اللہ جل سلطانہٗ کی توفیق رہنمائی کرے تو صوفیہ کے طریقۂ عُلیہ کا سلوک کرے، نہ اس غرض کے لئے کہ اس اعتقاد اور عمل سے بڑھ کر کچھ چیز حاصل ہو، اور کوئی نئی بات ہاتھ آئے بلکہ مقصود یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت ایسا یقین اور اطمینان حاصل کریں۔ جو ہر گز کسی مشکک (شک کرنے والا) سے زائل نہ ہو۔ اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو، کیونکہ استدلال کے چوپاؤں ہوتے ہیں اور مستدل بے تمکین ہوتا ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۲۸)

ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

اور اعمال کی نسبت آسانی اور سہولت حاصل کریں اور سرکشی کو جو نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے دُور کریں۔ اور طریقہ صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور الوان وانوار کا معائنہ کریں۔ یہ بات خود لہو ولعب میں داخل ہے۔ کیا حسی صورتیں اور شکلیں کم ہیں کہ ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ساتھ غیبی صورتوں اور انوار کی تمنا کریں۔ یہ صورتیں اور وہ صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب حق جلّ وعلا کے مخلوق اور اس کے وجود پر دلالت کرنے والے نشانات ہیں۔

اور طریقِ صوفیہ میں سے طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سُنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو، اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں فتور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع ورقص کو جائز نہیں سمجھا اور ان احوال کا جو ان پر مترتب ہوتے ہیں کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ ذکرِ جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے۔ (بدعت کا حکم صرف طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے لئے نہ کہ دیگر تین سلاسل کے لئے) اور وہ فائدے اور ثمرے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کی۔

ایک دن میں حضرت ایشان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں تھا کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم اللہ کو بلند کہا، حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا۔ اور یہاں تک جھڑکا اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔

اور میں نے حضرت ایشاں سے سُنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علماءِ بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تھے تا کہ ان کو ذکرِ جہر سے منع کریں۔ علماء نے حضرت امیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکرِ جہر بدعت ہے نہ کیا کریں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہ کریں گے۔

جب اس طریقہ کے بزرگوار ذکرِ جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع اور رقص اور وجد کا ذکر کیا ہے اور احوال و مواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں۔ کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال واذواق حاصل ہوتے ہیں۔ اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشف وتوحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس امر میں حکماءِ یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علومِ شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرمہ اور مشتبہ اُمور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سماع ور قص در حقیقت لہو ولعب میں داخل ہے۔

آیہ کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ (لقمان ٦)

ترجمہ: اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں۔

سرود کے منع ہونے کے شان میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں اور کبائر تابعین سے ہیں کہتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيثِ سے مراد سرود ہے۔

وَفِی الْمَدَارِکِ لَھْوُ الْحَدِیْثِ السَّمَرُ وَ الْغِنَاءُ وَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمْ یَحْلِفَانِ اَنَّہُ الْغِنَاءُ۔

ترجمہ: تفسیر مدارک میں ہے کہ **لَهْوُ الْحَدِيْثِ** سے مراد سمر یعنی بے ہودہ قصے کہانیاں اور سرود ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بے شک وہ غنا اور سرود ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حق تعالیٰ و تقدس کے قول:

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ (الفرقان ۷۲)

ترجمہ: اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَیْ لَا يَحْضَرُوْنَ الْغِنَاءَ۔

ترجمہ: یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔

اور امام الہدیٰ حضرت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت کی گئی ہے کہ:

مَنْ قَالَ لِمُقْرِئِ زَمَانِنَا اَحْسَنْتَ عِنْدَ قِرَاءَتِهٖ يَكْفُرُ وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَءَتُهٗ وَاَحْبَطَ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ حَسَنَاتِهٖ۔

ترجمہ: جس نے ہمارے زمانہ کے کسی قاری کو قرأت کے وقت کہا کہ تُو نے بہت اچھا پڑھا (تو کہنے والا) کافر ہو جاتا ہے اور اُس کی عورت اُس سے جدا ہو جاتی ہے، اور اس کی تمام نیکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

اور حضرت ابو نصیر الدبوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کی گئی ہے اور انہوں نے حضرت قاضی ظہیر الدین خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کی ہے کہ:

مَنْ سَمِعَ الْغِنَاءَ مِنَ الْمُغْنِیْ وَغَيْرِهٖ اَوْ يَرٰى فِعْلًا مِّنَ الْحَرَامِ فَيُحْسِنُ ذٰلِكَ بِاِعْتِقَادٍ اَوْ بِغَيْرِ اِعْتِقَادٍ بَصِيْرُ مُرْتَدًّا فِی الْحَالِ بِنَآءً عَلٰى اَنَّهٗ اَبْطَلَ حُكْمَ الشَّرِيْعَةِ وَمَنْ اَبْطَلَ حُكْمَ الشَّرِيْعَةِ فَلَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا عِنْدَ كُلِّ مُجْتَهِدٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى طَاعَتَهٗ وَاَحْبَطَ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ حَسَنَاتِهٖ۔

ترجمہ: جس نے کسی گانے والے یا کسی اور سے سرود سُنا یا فعلِ حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا از روئے اعتقاد کے یا بغیر اعتقاد کے تو اُسی وقت مُرتد ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا۔ اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مؤمن نہیں رہتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی طاعت کو قبول کرتا ہے اور اس کی سب نیکیوں کو دُور کر دیتا ہے۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہُ مِنۡ ذٰلِکَ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

آیات واحادیث اور روایاتِ فقہیہ غنا اور سرود کی حُرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایتِ شاذہ کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی فقہیہ نے کسی زمانہ میں بھی سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور نہ ہی رقص وپاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ہمام ضیاء الدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ ملتقط میں مذکور ہے:

"اور صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں ہے، صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا اَمر اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول معتبر ہے نہ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابی حسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل"۔

اس زمانہ کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کرکے سرود ورقص کو اپنا دین وملت بنالیا ہے، اور اسی کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے۔

الَّذِینَ اتَّخَذُوا دِینَھُمۡ لَھۡوًا وَّلَعِبًا (الأعراف ۵۱)

ترجمہ: جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا۔

اور روایتِ سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعلِ حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مُرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہیئے کہ سماع ورقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کیسا بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے۔ اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے اُمور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سُننے میں آتا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ اور سرود و قصیدہ خوانی کی مجلس جمعہ کی راتوں میں منعقد کرتے ہیں۔ اور اکثر یار اس اَمر میں موافقت کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مُرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور شرعی حُرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحقیقت اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے یار اس ارتکاب میں کون سا عذر پیش کریں گے۔ ایک طرف حُرمتِ شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت نہ اہلِ شریعت اس فعل سے راضی ہیں اور نہ ہی اہلِ طریقت۔ اور اگر حُرمتِ شرعی بھی نہ ہوتی تو پھر بھی طریقت میں صرف کسی نئے امر کا پیدا کرنا بُرا تھا۔ پھر ایسے اَمر کیوں کر بُرے نہ ہوں۔ جب کہ حرمت شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب مرزا جی اس امر سے راضی نہ ہوں گے۔ لیکن آپ کے آداب کو مد نظر رکھ کر صریح طور پر منع نہ کرتے ہوں گے۔ اور یاروں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے اس فقیر نے چونکہ اپنے آپنے میں کچھ توقف دیکھا ہے اس لئے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جی کی خدمت میں لے جائیں اور اول سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وضو کے کامل اور پورے طور پر کرنے سے چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار تمام و کمال طور پر دھونا چاہیئے تاکہ وضو بروجہ سُنت اداہو۔ اور سَر کا مسح بالاستیعاب (یعنی سارے سر کا مسح) کرنا چاہیئے، الخ" یعنی تصوف میں قدم رکھنے سے پہلے دو چیزیں فرض ہیں ایک عقائد کا علم اور دوسرا فقہ کا علم۔ ان علوم کے حصول کے بغیر تصوف میں قدم رکھنا زندیقیت اور گمراہی سے خالی نہیں ہے اگر کسی شخص کے پاس عقائد کا علم نہ ہو تو اسے فقہ سے کیا فائدہ اور جس کے پاس فقہ کا علم نہ ہو اس کو تصوف سے کیا لینا دینا۔ مگر صد افسوس اول تو ہمارے اکثر مشائخ عقائد کی کتابوں کے نام تک نہیں جانتے تو لوگوں کو عقائد کی کیا تعلیم دیں گے؟ اور دوسرا یہ کہ دورِ حاضر میں لوگ پہلے تصوف میں داخل ہوتے ہیں پھر ان میں سے بعض نماز کو سیکھنے اور اس کی پابندی کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی یہ بے خرد لوگ انتہاء سے ابتداء کی اُلٹی جانب سفر کرنے میں عمریں ضائع کر دیتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے عقائد کے بعد فقہ کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے نماز جو کہ دین کا ستون ہے اس کے تھوڑے سے فضائل اور ارکان بیان کرنا ضروری سمجھا۔

لابد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئا الطهارة من الحدث وطهارة الجسد والثوب، الخ۔

ترجمہ: نماز کے صحیح ہونے کے لئے ستائیس (۲۷) چیزیں ضروری ہیں یعنی حدث سے پاک ہونا اور بدن اور کپڑے کا پاک ہونا، الخ۔[1]

نور الایضاح کے مصنف حضرت شیخ حسن بن علی شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز کے صحیح ہونے کے لئے ستائیس (۲۷) شرائط وارکان بیان فرمائے ہیں حالانکہ دوسرے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے کم تعداد بیان فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے نماز کے خاص خاص شرائط وارکان کو بیان فرمایا ہے اور نُور الایضاح کے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک نماز کی تمام شرائط وارکان کو بیان فرمایا ہے۔

چونکہ نماز دین کا ستون ہے اور نماز کی بنیاد پاکی پر ہے، اور پاکی چاہے جسد کی ہو چاہے کپڑوں کی، ضروری ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے استنجاء کا صحیح طریقے سے کرنا ضروری ہے اگر استنجاء صحیح طریقے سے نہ کیا جائے تو پیشاب کے قطرے آنے سے ایک تو وضو ٹوٹ جائے گا اور دوسرا جسد اور کپڑے دونوں ہی ناپاک ہو جائیں گے۔ تو اس صورت میں اس شخص کی نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے؟ اور احادیثِ مبارکہ میں جو زیادہ تَر عذابِ قبر کی پیشن گوئی پیشاب کی چھینٹوں اور قطروں کی وجہ سے کی گئی ہے تو آیا ایسا شخص اس عذاب کا حقدار نہیں ٹھہرے گا؟

فقہ کی کُتب میں آیا ہے کہ:

يلزم الرجل الاستبراء حتى يزول أثر البول ويطمئن قلبه على حسب عادته إما بالمشي أو التنحنح أو الاضطجاع أو غيره ولا يجوز له الشروع في الوضوء حتى يطمئن بزوال رشح البول۔

---

[1](نور الایضاح، ج ۱، ص ۴۱، الناشر دار الحکمۃ، دمشق)

ترجمہ: آدمی پر پاکیزگی لازم ہے یہاں تک کہ پیشاب کا اثر زائل ہو جائے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے اس کی عادت کے اعتبار سے، یا چل کر، یا کھنکار کر، یا کروٹ سے لیٹ کر یا اس کے علاوہ (یعنی جس طرح بھی اسے اطمینان حاصل ہو) اور اس کے لئے اس وقت تک وضو کا شروع کرنا جائز نہیں جب تک یہ پیشاب کے قطرے ختم ہونے سے مطمئن نہ ہو جائے۔[1]

مقدمہ غزنویہ میں استنجاء، استبراء اور استنقاء کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ:

أن الاستنجاء استعمال الحجر أو الماء والاستبراء نقل الأقدام والركض بها ونحو ذلك حتى يستيقن بزوال أثر البول والاستنقاء هو النقاوة وهو أن يدلك الأحجار حال الاستجمار أو بالأصابع حال الاستنجاء بالماء حتى تذهب الرائحة الكريهة۔

ترجمہ: استنجاء سے مراد پتھر یا پانی کا استعمال کرنا ہے۔ استبراء سے مراد ٹہلنا، پاؤں کو زمین پر مارنا یا اس کی طرح کوئی اور طریقہ اختیار کرنا تاکہ پیشاب کا اثر زائل ہونے کا یقین حاصل ہو جائے۔ اور استنقاء سے مراد صفائی و پاکیزگی کا حاصل کرنا ہے اس طرح کہ ڈھیلا لینے کے وقت ڈھیلے سے اتنا ملے یا پانی سے دھونے کے وقت انگلیوں سے اتنا ملے کہ نجاست کی بدبو جاتی رہے۔[2]

تو جو لوگ استنجاء، استبراء اور استنقاء کے طریقہ پر عمل نہیں کرتے تو آیا انہوں نے کبھی اپنی نمازوں، جسد، کپڑوں اور عذابِ قبر کے بارے میں سوچا ہے کہ اس کا کیا بنے گا؟

نتر لغت میں کسی چیز کو سختی کے ساتھ دبانے کو کہتے ہیں یعنی استنجاء کے وقت اپنے ذَکر کو دبا کر اس سے پیشاب کے باقی حصہ کو نکالنا۔ چنانچہ ہر نتر استبراء ہے لیکن ہر استبراء نتر نہیں ہے۔

وُجُوبُ النَّتْرِ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَنَفِيَّةِ، وَ الْمَالِكِيَّةِ، وَ اخْتَارَهُ۔

---

[1] (نور الایضاح، ج ۱، ص ۱۴، الناشر دار الحکمة، دمشق)

[2] (نور الایضاح، ج ۱، ص ۴۳، الناشر: دار الکتب العلمیة بیروت - لبنان)

ترجمہ: حنفیہ اور مالکیہ کا قول ہے کہ نتر واجب ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ۔

ترجمہ: پیشاب (کی نجاست) سے بچو کیونکہ عذابِ قبر کا زیادہ حصہ اسی (پیشاب کی) وجہ سے ہے۔[2]

حضرت عیسیٰ بن یزداد یمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْتُرْ ذَكَرَهُ ثَلَاثًا۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اس کو اپنا آلہٗ تناسل تین بار دبالینا چاہیئے (تاکہ اس کے اندر جو قطرات ہیں وہ نکل جائیں)۔[3]

یہ حدیث آلہٗ تناسل کے نچوڑنے کے حکم میں صریح ہے۔

استنجاء کو صحیح طریقے سے سیکھنے کے بعد وضو کے فرائض، واجبات، سُنت، مستحبات، مکروہات اور مفسدات کو فقہ کی کُتب سے سیکھ کر اس پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ نماز کی ادائیگی درست طریقے سے ہو۔

---

[1](الموسوعةالفقهيةالكويتية، ج۴۰، ص۲۳، صادر عن: وزارةالأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت)

[2](سنن الدارقطني، ج۱، ص۱۲۸، الناشر: دار المعرفة - بيروت)

[3](مسنداحمد، ج۳۱، ص۳۹۹، الناشر: مؤسسةالرسالة)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَکَّۃَ إِلَی الْمَدِینَۃِ حَتَّی إِذَا کُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِیقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّئُوا وَھُمْ عِجَالٌ فَانْتَھَیْنَا إِلَیْھِمْ وَأَعْقَابُھُمْ تَلُوحُ لَمْ یَمَسَّھَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنْ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ۔

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس آئے، راستے میں جب ہم ایک پانی (والی منزل) پر پہنچے تو عصر کے وقت کچھ لوگوں نے جلدی کی، وضو کیا تو جلدی میں تھے، ہم ان تک پہنچے تو ان کی ایڑیاں اس طرح نظر آرہی تھیں کہ انہیں پانی نہیں پہنچا تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے آکر فرمایا: ان ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے، وضو اچھی طرح کیا کرو۔[1]

اس کے علاوہ دیگر احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ اگر وضو میں ایک ناخن کے سَر کے اندازے سے بھی کوئی جگہ خشک رہ گئی تو اس شخص کا وضو درست نہیں ہے۔

اسی طرح سَر کے مسح میں سَر کے بعض حصہ کا مسح کرنے پر اکتفانہ کرے بلکہ حنفی مذہب کے مطابق وضو میں سارے سَر کا مسح کرے اور سَر کا مسح کرنے کا سُنت طریقہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں کتاب الطہارات میں خط کشیدہ متن وَیَسْتَوْعِب رأسه بالمسح کے حاشیہ نمبر ۲۴ پر تفصیل سے بیان ہوا ہے وہاں مطالعہ کریں۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اور انگلیوں کے خلال کرنے میں بھی بہت ہی احتیاط سے کام لے کیونکہ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کیا کہ:

يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ. قَالَ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الأَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلاَّ أَنْ تَكُونَ صَائِمًا۔

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! مجھے وضو کے بارے میں ارشاد فرمائیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: وضو خوب کامل کیا کرو اور انگلیوں کے درمیان خلال کیا کرو، اور ناک میں خوب پانی چڑھایا کرو، مگر یہ کہ روزے سے ہو (یعنی پھر احتیاط کرو)۔[1]

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ۔

ترجمہ: جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کے بیچ خلال کرو۔[2]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنے کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کریں اور پاؤں کے خلال میں بائیں ہاتھ کی چھنگلی (چھوٹی) انگلی سے دائیں پاؤں کی چھنگلی انگلی کے نیچے سے اچھی طرح خلال شروع کرتے ہوئے بائیں پاؤں کی چھنگلی انگلی پر ختم کریں۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۴، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[2] (سنن الترمذی، ج ۱، ص ۵۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي-مصر)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب وضو کرتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو اپنی چھنگلی اُنگلی سے ملتے تھے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کمالِ طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیئے، جو مؤمن کی معراج ہے۔ اور کوشش کرنا چاہیئے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہونے پائے بلکہ امام کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ ترک نہ کرنی چاہیئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیئے اور قرآت میں قدر مسنون کو مد نظر رکھنا چاہیئے، الخ" طہارتِ کاملہ یعنی نجاستِ حکمیہ و نجاستِ حقیقیہ، نجاستِ غلیظہ، نجاستِ خفیفہ، حدثِ اصغر و حدثِ اکبر اور اکمال وضو کے بعد نماز جو کہ مؤمن کی معراج ہے اس کی ادائیگی کرے۔

نجاستِ حکمیہ: وہ نجاست جو بظاہر دیکھنے میں نہ آئے لیکن شریعت کا حکم ہونے کی وجہ سے ناپاکی مان کر اس سے پاکی حاصل کرنا فرض ہوتا ہے۔ حدثِ اصغر یعنی وضو کا فرض ہونا اور حدثِ اکبر یعنی غسل کا فرض ہونا اسی کی دو اقسام ہیں۔

نجاستِ حقیقیہ: وہ نجاست جو دیکھنے میں آتی ہو اور شریعت نے اسے ناپاک قرار دیا ہو۔

---

[1](سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۷، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

نجاستِ حقیقی کی درج ذیل اقسام ہیں:

نجاستِ خفیفہ: حرام پرندوں کی بیٹ اور حلال چوپایوں مثلاً بکری، گائے، بیل، بھینس، اونٹ اور گھوڑے کا پیشاب نجاستِ خفیفہ ہے۔

نجاستِ غلیظہ: خون، آدمی کا پاخانہ اور پیشاب اور سؤر کے جسم کا ہر حصہ حتیٰ کہ اس کے بال بھی، اور گھوڑے، گدھے، خچر کی لید، گائے، بیل، بھینس کا گوبر، بکری بھیڑ کی مینگنی، مرغی، بطخ، مرغابی کی بیٹ، کتے اور بلی کا پاخانہ اور پیشاب، گدھے اور خچر اور تمام حرام جانوروں کا پیشاب اور شراب وغیرہ یہ سب چیزیں نجاستِ غلیظہ ہیں اور چھوٹے دودھ پیتے بچے کا پاخانہ بھی نجاستِ غلیظہ ہے۔

اور نماز کو مستحب اوقات میں جو کہ فقہ کی کُتب میں مذکور ہیں ادا کرے۔

ويستحب الإسفار بالفجر والإبراد بالظهر في الصيف وتقديمه في الشتاء وتأخير العصر مالم تتغير الشمس في الصيف والشتاء ويستحب تعجيل المغرب لأن تأخيرها مكروه لما فيه من التشبه باليهود وتأخير العشاء إلى ماقبل ثلث الليل ويستحب في الوتر لمن يألف صلاة الليل أن يؤخره إلى آخر الليل فإن لم يثق بالانتباه أوتر قبل النوم۔

ترجمہ: فجر کی نماز میں اسفار (روشنی) کرنا اور گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈک میں ادا کرنا اور سردی کے موسم میں اس کو مقدم کرنا مستحب ہے اور گرمی اور سردی میں عصر کو مؤخر کرنا جب تک کہ سورج متغیر نہ ہو اور مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس نماز کی تاخیر مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور عشاء کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا اور اس شخص کے لئے جو رات کی نماز (یعنی تہجد) کو دوست رکھتا ہے اس کے لئے وتر میں آخری رات تک

مستحب ہے پھر اگر اس کو (سحری کے وقت) جاگنے پر بھروسہ نہ ہو تو وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے۔[1]

دورِ حاضر میں اکثر مساجد میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد بھی امام مسجد ۵ سے ۷ منٹ تک بیٹھے رہتے ہیں اور جماعت شروع نہیں کرتے اگر تاخیر کی وجہ پوچھیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے علماء نے فرمایاہے کہ مغرب کی اذان کے بعد کچھ انتظار کرنے کے بعد جماعت کریں تو اس میں ثواب ہے۔

جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایاہے کہ:

لاتزال أمتي بخير ماعجلوا المغرب وأخروا العشاء۔

ترجمہ: میری اُمت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب تک کہ مغرب کو جلدی ادا کرے اور عشاء کو تاخیر سے ادا کرے۔[2]

حضرت مرثد بن عبداللہ یزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

لَايَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ أَوْعَلَى الْفِطْرَةِ مَالَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ حَتَّى يَشْتَبِكَ النُّجُومُ۔

ترجمہ: میری اُمت اس وقت تک بھلائی یا (شاید یہ کہا) فطرت پر رہے گی جب تک مغرب میں ستاروں کے روشن ہونے تک تاخیر نہیں کرے گی۔[3]

---

[1](الهداية فی شرح بداية المبتدی، ج ۱، ص ۵۲، دار احياء التراث العربي - بيروت - لبنان)
[2](الهداية شرح البداية، ج ۱، ص ۳۹، الناشر المكتبة الإسلامية)
[3](المستدرک علی الصحيحين للحاكم، ج ۱، ص ۳۰۳، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت)

اور اسی طرح قرأت میں بھی قدرِ مسنون کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے کیونکہ:

فيه كتاب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى الأشعري رضي الله عنه أن اقرأ في الفجر والظهر بطوال المفصل وفي العصر والعشاء بأوساط المفصل وفي المغرب بقصار المفصل ولأن مبنى المغرب على العجلة والتخفيف أليق بها۔

ترجمہ: اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف فرمان ہے کہ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل پڑھا کرو، اور عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل کیونکہ مغرب کی بنیاد جلدی پر ہے اور جلدی کے مناسب تخفیف ہے۔[1]

سورۃ الحجرات سے والناس تک کی سورتوں کو مفصل کہا جاتا ہے پھر ان میں سے سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ البروج تک کی سورتوں کو طوالِ مفصل کہا جاتا ہے۔ اور سورۃ البروج سے سورۃ البینۃ تک کی سورتوں کو اوساطِ مفصل کہا جاتا ہے اور سورۃ البینۃ سے لے کر قرآن عظیم الشان کے آخر تک کی سورتوں کو قصارِ مفصل کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَحزِرُ قِيَامَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنْ الظُّهْرِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنْ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ۔

---

[1] (الهداية شرح البداية، ج ۱، ص ۵۴، الناشر المكتبة الإسلامية)

ترجمہ: ہم ظہر اور عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قیام سے اندازہ لگایا کرتے تھے تو ہم نے اندازہ لگایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں اتنا قیام فرماتے جتنی دیر میں سورۃ الم تنزیل سجدہ کی تلاوت کی جا سکے اور آخری دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا قیام پہلی دو رکعتوں کے نصف کے برابر تھا۔ پھر ہم نے عصر کی پہلی دو رکعتوں میں عصر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قیام کا اندازہ لگایا تو یہ ظہر کی آخری دو رکعتوں کی قرأت کے برابر تھا اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں عصر کی پہلی دو رکعتوں کے نصف کے برابر۔[1]

امام کو چاہیئے کہ تسبیحات مقتدیوں کے حال کے موافق پڑھے، مگر آج کل اس کے برعکس عمل ہو رہا ہے امام جماعت کراتے وقت تو لمبی نماز پڑھاتا ہے مگر جب اکیلا نماز پڑھے تو نہایت مختصر پڑھتا ہے جو کہ بہت شرم کی بات ہے اور احادیثِ مبارکہ کے بالکل خلاف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی آدمی لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف (مختصر) کرے کیونکہ ان میں بیمار، کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں البتہ جب تم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی پڑھے۔[2]

---

[1] (صحیح مسلم، ج۲، ص۴۶۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح البخاری، ج۳، ص۱۱۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

نیز حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُولَ اللّٰہِ لَا أَکَادُ أُدْرِکُ الصَّلَاۃَ مِمَّا یُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ فَمَا رَأَیْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَۃٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ یَوْمِئِذٍ فَقَالَ أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّکُمْ مُنَفِّرُونَ فَمَنْ صَلَّی بِالنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَإِنَّ فِیھِمْ الْمَرِیضَ وَالضَّعِیفَ وَذَا الْحَاجَۃِ۔

ترجمہ: ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! میرے لئے نماز باجماعت پڑھنا مشکل ہو گیا ہے کیونکہ فلاں صاحب نماز بہت لمبی پڑھاتے ہیں۔ (ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:) میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم دین سے نفرت دلانے والے ہو، دیکھو جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیئے کہ تخفیف کرے کیونکہ ان (مقتدیوں) میں بیمار، ضعیف اور صاحبِ حاجت بھی ہوتے ہیں۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ذکرِ جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے، الخ" یعنی اس میں ریا (دکھلاوے) اور سُمعہ (لوگوں کو سُنانے) کا خدشہ موجود ہونے کی وجہ سے۔

حق تعالیٰ وتقدس کا ارشاد ہے کہ:

وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِي نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَخِیفَۃً وَدُونَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَکُنْ مِنَ الْغَافِلِینَ (الأعراف ۲۰۵)

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری (عاجزی) اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے صبح اور شام اور غافلوں میں نہ ہونا۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۶۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى وَادٍ هَلَّلْنَا وَكَبَّرْنَا ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّهُ مَعَكُمْ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالَى جَدُّهُ۔

ترجمہ: ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہمراہ جارہے تھے جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تو زور سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللّٰهُ اَكْبَر کہتے۔ جب ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ وہ تو تمہارے ساتھ ہی ہے۔ بے شک وہ خوب سُنتا ہے اور انتہائی قریب ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جاننا چاہیئے کہ سماع ورقص در حقیقت لہو ولعب میں داخل ہے۔ آیتِ کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ (لقمان ٦) "اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں" سرود کے منع ہونے کے شان میں نازل ہوئی ہے، الخ"۔

یعنی حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حسن، عکرمہ، اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ہے:

قَالُوا: لَهْوُ الْحَدِيثِ هُوَ الْغِنَاءُ وَالْآيَةُ نَزَلَتْ فِيهِ, قال أبو الصهباء الْبَكْرِيُّ سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ فَقَالَ: هُوَ الْغِنَاءُ وَاللهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ, يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج١٠، ص١٦٩، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ لَهْوُ الْحَدِيثِ سے گانا سُننا مراد ہے اور غناہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، ابو الصہباء بکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار فرمایا: قسم ہے اس کی ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ (لَهْوُ الْحَدِيثِ) غناء ہے اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ گانا دل میں بغض وعداوت کو جنم دیتا ہے۔[1]

اور فتاویٰ شامی میں ہے کہ:

التَّرْجِيعُ بِالْقُرْآنِ وَالْأَذَانِ بِالصَّوْتِ الطَّيِّبِ طَيِّبٌ إنْ لَمْ يَزِدْ فِيهِ الْحُرُوفَ وَإِنْ زَادَ كُرِهَ لَهُ وَلِمُسْتَمِعِهِ، وَقَوْلُهُ أَحْسَنْتَ إنْ لِسُكُوتِهِ فَحَسَنٌ وَإِنْ لِتِلْكَ الْقِرَاءَةِ يُخْشَى عَلَيْهِ الْكُفْرُ۔

وفي رد المحتار: لِأَنَّهُ جَعَلَ الْحَرَامَ الْمُجْمَعَ عَلَيْهِ حَسَنًا ط وَلَعَلَّهُ لَمْ يَكْفُرْ جَزْمًا لِأَنَّ تَحْسِينَهُ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ حَيْثُ كَوْنُهُ أَخْرَجَ الْقُرْآنَ عَنْ وَضْعِهِ ، بَلْ مِنْ حَيْثُ تَنْعِيمُهُ وَتَطْيِيبُهُ تَأَمَّلْ. وَيَقْرُبُ مِنْ هَذَا مَا يُقَالُ فِي زَمَانِنَا لِمَنْ يُغْنِي لِلنَّاسِ الْغِنَاءَ الْمُحَرَّمَ: بَارَكَ اللَّهُ طَيَّبَ اللَّهُ الْأَنْفَاسَ ، فَإِنْ قَصَدَ الثَّنَاءَ عَلَيْهِ وَالدُّعَاءَ لَهُ لِسُكُوتِهِ فَحَسَنٌ وَإِنْ لِغِنَائِهِ فَهُوَ مَعْصِيَةٌ أُخْرَى مَعَ السَّمَاعِ يُخْشَى مِنْهَا ذَلِكَ فَلْيُتَنَبَّهْ لِذَلِكَ۔

ترجمہ: خوش الحانی سے قرآن پڑھتے ہوئے اور اذان دیتے ہوئے آواز کو حلق میں گھمانا اچھا ہے لیکن اس شرط پر کہ اس میں کسی حرف کا اضافہ نہ کرے۔ اگر وہ حروف کا اضافہ کرے تو یہ اس کے لئے اور اس کے سُننے والے کے لئے مکروہ ہے، اور اگر اُسے یہ کہا کہ تُو نے بہت اچھا عمل کیا تو اگر یہ سکوت کے لئے ہو تو حَسَن ہے، اور اگر اس قرآت کے لئے کہا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔

---

[1] (تفسير البغوى، ج٣، ص ٥٨٦، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

اور **ردالمحتار** ہی میں ہے کیونکہ وہ حرام جس پر اجماع کیا گیا ہے اس کو اس نے حَسن قرار دیا ہے، شاید انہوں نے اس یقین کے ساتھ کافر قرار نہیں دیا۔ کیونکہ اس کا اسے خوبصورت بنانا اس میں سے نہیں کہ یہ آدابِ قرآن کو اس کی وضع سے نکال دیتا ہے۔ بلکہ اس پر جو یہ حکم لگایا گیا ہے اس کی نغمگی اور تطریب کی وجہ سے ہے۔ تامل اس کے قریب قریب ہے جو ہمارے زمانہ میں اس آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے جو لوگوں کے لئے ایسا گانا گاتا ہے جو حرام ہو **بارک اللہ طیب الانفاس**۔ اگر اس کے سکوت کی وجہ سے وہ اس کی ثناء کا قصد کرے اور دُعا کا قصد کرے تو یہ اچھا ہو گا اگر اس کی غناء کی وجہ سے ایسا کرے تو یہ سماع کے ساتھ ایک اور معصیت ہو گی جس سے ڈرا جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے متنبہ رہے۔[1]

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لا ھل بیتھم اجمعین آمین

(نور الخلائق، جلد چہارم)

---

[1](ردالمحتار، ج٦، ص ٤٢١، الناشر: دارالفکر-بیروت)

مکتوب نمبر ۲٦۷

[مرزا احسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ وہ اسرار و دقائق جن کے ساتھ حضرت ایشاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متمیز ہوئے ہیں ان میں سے تھوڑا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتے۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی ان کی نسبت گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ اسرار چراغِ نبوت سے مقتبس ہیں اور ملائکہ علیّین بھی اس دولت میں شریک ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ و دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے کرم اس حقیر کے نام لکھا ہوا تھا، اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرًا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

(یہ فقیر) حق جل سلطانہٗ کے انعامات کیا کیا لکھے اور ان کا کیا شکر ادا کرے۔ وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے، خداوند جل سلطانہٗ کی توفیق سے ان میں سے اکثر لکھے جاتے ہیں۔ اور ہر اہل و نااہل یعنی کس و ناکس کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ خاص اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر متمیز ہے ان کا تھوڑا سا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی اس مقولہ کی نسبت گفتگو نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے فرزندِ عزیز کے ساتھ بھی جو فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقاماتِ سلوک و جذبہ کا نسخہ ہے۔ ان اسرار و دقائق کی کوئی رمز بیان نہیں کرتا۔ اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ فرزندِ عزیز محرمانِ اسرار سے ہے، اور خطا و غلطی سے محفوظ ہے۔ لیکن کیا کرے کہ معانی کی دِقت اور باریکی زبان پکڑ لیتی ہے، اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے۔

وَيَضِيقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ

ترجمہ: میرا سینہ بند ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔

نقدِ وقت ہے اور وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں کہ فقیر ان کو بیان نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے ہی نہیں جاسکتے۔

فریادِ حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست

ہم قصہ غریب وحدیثِ عجیب ہست

ترجمہ: حافظ کی یہ تمام فریاد بے فائدہ نہیں، دراصل قصہ بھی غریب اور حالت بھی عجیب ہے۔

یہ دولت جس کے چھپانے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے چراغِ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور ملائکہ ملاء اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے تابعداروں میں سے جس کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں وہ بھی اس دولت میں میرا شریک ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دو طرح کے علم سیکھے ہیں۔ ایک تو وہ علم ہے جس کو میں تمہارے سامنے منتشر اور بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر میں اس کو تمہارے پاس ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دو۔

اور یہ دوسرا علم علمِ اسرار ہے کہ جس علم تک کسی کا فہم نہیں پہنچتا۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دوسرے اُمید ہے کہ مکتوب جو حضرت خواجہ زادگان کی خدمت میں لکھا ہے آپ کی نظرِ شریف سے گزرا ہو گا۔]

تشریح

کامل انسان اسرار ورموز میں سے بعض باتیں تو بیان کر سکتا ہے مگر بعض کے بیان کرنے سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسے منع فرمایا ہوتا ہے وہ بھی اس طرح اولیاء اللہ کے لئے جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی ذات ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں ان معارف کو جنہیں بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن رموز واسرار کو بیان کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان دنوں میں فرق کو جُدا جُدا بیان فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وہ اسرار ود قائق جن کے ساتھ حضرت ایشاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متمیز ہوئے ہیں ان میں سے تھوڑا حصہ بھی ظہور میں نہیں لاسکتے، الخ" یعنی مسائلِ تصوف کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

اوّل: مسائلِ معارف ہیں جس طرح کہ معرفتِ توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی، حق تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات کی معرفت کا بیان، جذبہ وسلوک کی معرفت، فناوبقا، نفسِ انسانی کی صفات کا بیان اور اجزائے انسانی کے کمالات کا بیان۔

دوم: رموز واسرار ہیں جس طرح کہ متشابھات اور حروفِ مقطعاتِ قرآنی جو کہ سب حق تعالیٰ وتقدس اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان رموز واسرار ہیں۔ لہٰذا رموز واسرار کا جو معاملہ ہے ان کا افشاء کرنا اور ان کو بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر اولیاء اللہ میں سے کوئی کامل ومکمل ولی متشابھات اور حروفِ مقطعاتِ قرآنی کے اسرار سے واقف ہو جائے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ ان اسرار کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے جس طرح کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی

اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجھے اجازت فرمائیں تو میں قیامت تک ہونے والی سب چیزیں بیان کر دوں تو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں منع فرمایا کہ خاموش رہو۔

اسی طرح دوسری حدیث میں بھی وارد ہے جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِعَاءَیْنِ فَأَمَّا أَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہُ قُطِعَ ھَذَا الْبُلْعُومُ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے (علم کے) دو ظرف (برتن) یاد کئے، ان میں سے ایک تو میں نے ظاہر کر دیا ہے، اگر دوسرے کو بھی ظاہر کر دوں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔[1]

متشابہات اور حروفِ مقطعاتِ قرآنی اللہ سبحانہٗ وتعالٰی اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان رموز ہیں، ان پر عوام الناس کے سامنے لب کشائی کرنا گستاخی وبے ادبی ہے مگر آپس میں جس طرح کہ حضرت زید بن حارث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی تو ایسے محرمانِ راز ایک دوسرے کے لئے وہ اسرار ورموز بیان کر سکتے ہیں۔

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس جنھوں نے ازروئے ارادہ ایک بال برابر بھی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۰۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانی نہیں کی تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کامل و مکمل متابعت کی وجہ سے ان رموز واسرار سے بہت کچھ واقفیت عنایت فرمائی۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان متشابہات اور حروفِ مقطعاتِ قرآنی کے رموز واسرار کو نشر وبیان کے منافی سمجھتے تھے اس لئے انہیں نشر وبیان نہیں فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک دن مخدوم زادگان یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرزندانِ رشید حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت خواجہ محمد اسمٰعیل قدس اللہ تعالیٰ سرہم الاقدس جنہوں نے فنا وبقا اور ولایتِ صغریٰ وکبریٰ کے سارے مقامات طے کر لئے تھے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بعد میں مرتبۂ انتہاء میں ان کو بھی متشابہات اور حروفِ مقطعاتِ قرآنی کے رموز واسرار کے ادراک سے واقفیت عطا فرمادی تھی، انہوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جناب سے متشابہات اور حروفِ مقطعاتِ قرآنی لئ رموز واسرار کی شرح کا مطالبہ کیا اور عرض کیا کہ میں بھی صاحبِ اسرار ہوں اور میں ان رموز واسرار کو پوشیدہ رکھوں گا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے انہیں فرمایا کہ بے شک آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحبِ اسرار تو ہیں مگر شیطانِ لعین ہر جگہ دخل دے سکتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ شیطانِ لعین ان اسرار کو سُن کر افشاء نہ کر دے۔ مگر فرزندِ رشید حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس متواتر اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ حق تعالیٰ وتقدس نے چونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شیطانِ لعین کو دفع کرنے کی قوت عنایت فرمائی ہے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی توجہاتِ عالیہ اور قوتِ باطنی سے شیطانِ لعین کو اس مجلس میں حاضر ہونے سے روک دیں۔ اسی اثناء میں ایک ایسی صورتحال پیدا ہو گئی جس میں سب کو یہ احساس ہوا کہ شیطانِ لعین اب اس مجلس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کے

بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے قٓ جو کہ مقطعاتِ قرآنی کے حروف میں سے ہے اس کی تشریح کرنا شروع فرما دی، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس نورانی بیان کے دوران تمام حاضرینِ مجلس بے خود اور بے ہوش ہو گئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس نورانی بیان کو سُننے کی طاقت نہ لا سکے۔

[میرے مکرم مخدوم! کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے جو دین میں پیدا کریں۔ طریقت کی برکتیں اس وقت تک فائز ہوتی رہتی ہیں جب تک کہ طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ ہو۔ اور جب کوئی نیا امر طریقت میں پیدا ہو جائے تو اسی وقت اس طریق کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ پس طریقت کی محافظت کرنا اور طریقت کی مخالفت سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جہاں اپنی طریقت کی مخالفت کسی سے دیکھیں زجز و مبالغہ سے اس کو منع فرمائیں اور طریقت کی ترویج و تقویت میں کوشش کریں۔ وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جب کوئی نیا امر طریقت میں پیدا ہو جائے تو اسی وقت اس طریق کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے، الخ" مخدوم زادگان یعنی حضرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرزندان سماع کی جانب میلان رکھتے تھے تو اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان مخدوم زادگان کو تاکید و مبالغہ کے ساتھ منع فرمایا کہ جس طرح سماع و نغمہ سُنتِ سُنیہ کے مخالف ہے اس طرح طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اور ان کے مشائخِ عظام کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے لہٰذا صوفیاء

کرام پر لازم ہے کہ اس کے ارتکاب سے دُور رہیں تا کہ ان پر اس طریق کے فیوض وبرکات کا راستہ بند نہ ہو بلکہ کھلا رہے۔

عصرِ حاضر میں اکثر صوفیاء نے چاروں سلاسل کا جو طریقہ اور اذکار سینہ بہ سینہ اور ان کی کُتب میں ان کی تحریر و تقریر سے ثابت ہے اس میں اپنی مرضی سے نئی نئی بدعات پیدا کر رکھی ہیں جو دین میں بدعت پیدا کرنے سے کم نہیں ہے اس عمل کی وجہ ان صوفیاء نے اپنے آپ پر ان چاروں سلاسل کے فیوض وبرکات کا راستہ بند کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ان چاروں طُرق کے مشائخ کرام کے اصل طریقہ پر عمل کرنے اور اسی طریقہ کے مطابق نشر واشاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان طُرق میں احداث کرنے سے محفوظ فرمائے تا کہ حق تعالیٰ وتقدس ہم پر فیوض وبرکات کے راستے بند نہ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین اٰمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۶۸

[خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کا علم کون سا ہے؟ اور ان علماء سے جو حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ میں واقع ہوئے ہیں کون سے ہیں۔ اور اس بیان میں کہ علمِ اسرار جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے باقی رہا ہے وہ علم توحیدِ وجودی کے ان اسرار سے ماسوا ہے جن کے ساتھ اولیاءِ اُمت نے تکلم کیا ہے، اور احاطہ و سریان و قُرب و معیت اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ان حدود کے فقراء کے احوال واوضاع شکر کے لائق ہیں۔

وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَلَامَتُکُمْ وَعَافِيَتُکُمْ وَثَبَاتُکُمْ وَاِسْتِقَامَتُکُمْ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی تندرستی اور عافیت اور ثابت قدمی اور استقامت چاہتے ہیں۔

چونکہ علمِ وراثت کی بحث درمیان آگئی ہے اس لئے چند کلمے اس کی نسبت بمقتضائے وقت لکھے جاتے ہیں۔

اخبار میں آیا ہے کہ:

أَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ۔

ترجمہ: بے شک علمائے (حق) انبیائے (کرام علیہم الصلوات والتسلیمات) کے وارث ہیں۔[1]

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۱۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وہ علم جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی رہا ہے، دو قسم کا ہے۔ ایک علمِ احکام، دوسرا علمِ اسرار۔ اور عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علموں سے حصہ حاصل ہو نہ کہ وہ شخص جس کا ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو۔ اور دوسرا علم اس کے نصیب نہ ہو کہ یہ بات وراثت کے منافی ہے کیونکہ وارث کو موروث کے سب قسم کے ترکہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے۔ اور وہ شخص جس کو بعض معین سے حصہ ملتا ہے وہ غرما یعنی قرض خواہوں میں داخل ہے کہ جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے۔

اور ایسے ہی آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

ترجمہ: میری اُمت کے علماء (دعوت وارشاد میں) بنی اسرائیل کے نبیوں علیہم السلام کی طرح ہیں۔[1]

ان علماء سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غُرما کہ جنہوں نے بعض ترکہ سے حصہ لیا ہے۔ کیونکہ وارث کو قُرب وجنسیت کے لحاظ سے موروث کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ برخلاف غریم کے کہ اس علاقہ سے خالی ہے۔ پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہو گا۔ مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کریں اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ علمِ احکام کا عالم ہے اور عالمِ مطلق وہ ہے جو وارث ہو، اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے پورا حصہ حاصل ہو۔ اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ علمِ اسرار علمِ توحیدِ وجودی سے مراد ہے۔ اور کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ کرنا اور حق تعالیٰ کے احاطہ اور سریانِ وجود اور قُرب ومعیت سے کنایہ ہے، جس طرح پر کہ اربابِ احوال کے

[1](تفسير الفخر الرازى، ج ۱۷، ص ۲۶۷، الناشر: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

نزدیک مکشوف ومشہود ہے۔ حَاشَاوَ کَلَّا ثُمَّ حَاشَاوَ کَلَّا کہ اس قسم کے علوم ومعارف علمِ اسرار سے ہوں، اور مرتبۂ نبوت کے لائق ہوں۔ کیونکہ ان معارف کی بناء سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر ہے جو صحو کے منافی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا علم کیا علمِ احکام اور کیا علمِ اسرار سب صحو دَر صحو ہے کہ سُکر کا ایک شمہ بھی اس کے ساتھ نہیں ملا ہے۔ بلکہ یہ معارف اس مقامِ ولایت کے مناسب ہیں جو سُکر میں قدمِ راسخ رکھتا ہے۔ پس یہ علوم اسرارِ ولایت کے ہیں نہ کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے اسرار سے۔ اگرچہ نبی علیہ السلام سے ولایت بھی ثابت ہے لیکن اس کے احکام مغلوب ہیں اور احکامِ نبوت کے مقابلہ میں مضمحل اور ناچیز ہیں۔

بلے ہر جا شود مہر آشکار

ستارا جز نہان بودن چہ یارا

ترجمہ: ہاں جہاں جہاں سورج چمک رہا ہو وہاں ستارے کو چھپنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کمالاتِ نبوت دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور کمالاتِ ولایت ان کے مقابلہ میں ایک قطرۂ ناچیز کا حکم۔ لیکن کیا کریں جن لوگوں کو کمالاتِ نبوت تک رسائی نہیں انہوں نے کہا ہے کہ:

اَلْوَلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَّۃِ۔

ترجمہ: ولایت نبوت سے افضل ہے۔]

تشریح

حضراتِ انبیاء عظام علٰی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے دو قسم کے علوم باقی رہے ہیں، ایک علمِ احکام اور دوسرا علمِ اسرار۔ تو پس جو عالم ان دونوں علوم سے فیض یاب و سیراب ہے اس کو

حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا وارث کہا جاتا ہے اور جو ان دونوں علوم سے فیض یاب نہیں ہوتا اس کو حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا وارث نہیں کہا جا سکتا۔ تو اب اگر کوئی اپنے آپ کو حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث کے زمرے میں شامل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو ان دونوں علوم سے سیر اب کرے۔ اور اگر کوئی ایک حصہ پر عمل کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے تو غریم کہلائے گا نہ کہ وارث۔ آج کل علماء اور صوفیاء کے درمیان بعض لوگوں نے دراڑیں ڈال دی ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ علم کا کام جُدا ہے اور تصوف کا کام جُدا، اور اسی طرح بعض صوفیاء تصوف اور علم کو جُدا جُدا سمجھتے ہیں بدیں وجہ ان دونوں میں سے کوئی بھی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا وارث نہیں بن سکتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ علمِ اسرار علمِ توحیدِ وجودی سے مراد ہے، اور کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ کرنا، الخ" یعنی حالانکہ یہ مرتبہ ولایت کی ابتداء سے ہے اور منتہیان اولیاء کرام اس معرفت سے برتر ہیں۔ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے مرتبہ تک کون پہنچ سکتا ہے؟ یعنی اسرار دو قسم کے ہیں ایک اسرارِ ولایت ہیں اور دوسرے اسرارِ نبوت۔ اسرارِ ولایتِ صغریٰ معارفِ سُکریہ سے عبارت ہیں جبکہ اسرارِ نبوت وہ اسرار ہیں جو اکثر اولیاء عظام کے ادراک سے بلند تر ہیں۔ جس طرح مقطعاتِ قرآنی ومتشابھات اور وہ اسرار جو کہ حق تعالیٰ وتقدس نے اپنے محبوبان کو عنایت فرمائے ہیں جو ولایتِ کبریٰ میں میسر آتے ہیں اور یہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے۔ پھر بھی حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات

کے کمالات ان کے کمالاتِ نبوت کی جانب میں مضمحل و مستور ہوتے ہیں۔ اولیاء کرام اس ولایت تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

مختصر یہ کہ اسرارِ ولایت پر تو بات ہو سکتی ہے مگر اسرارِ نبوت پر زبان نہیں کھولنی چاہیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو تصوف میں اپنے ہی ہاتھوں سے گمراہ اور بدبخت نہ کریں کہ کسی صوفی کی کوئی کتاب پڑھ لے اور اس سے بعض معارف یاد کر کے کہنے لگے کہ میں بھی اسرارِ نبوت سے واقف ہوں۔(نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کیونکہ ان معارف کی بناء پر سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر ہے جو صحو کے منافی ہے، الخ"۔

حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم ہوازن قشری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

ومن ذٰلِکَ فالصحو رجوع إلَى الإحساس بَعْدَ الغيبة والسكر غيبة بوارد قوي والسكر زيادة عَلَى الغيبة والسكر لا يَكُون إلا لأَصْحَاب المواجد, فَإذَا كوشف العبد بنعت الجمال حصل السكر, وطالب الروح, وهام القلب۔

ترجمہ: احساس کی طرف لوٹ آنے کا نام "صحو" ہے، اور کسی قوی کیفیت کے وارد ہونے کی وجہ سے احساس سے غائب ہونے کو "سُکر" کہتے ہیں۔ غیبت کے مقابلہ میں "سُکر" کو ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے، اور سُکر صرف اصحابِ وجد پر طاری ہوتا ہے چنانچہ جمالِ الٰہی کی صفت کے کشف پر صوفی کو "سُکر" حاصل ہوتا ہے۔ رُوح طرب میں آتی ہے اور دِل حیران رہتا ہے۔[1]

[اور ایک جماعت نے اُس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی ولایت اُس کی نبوت سے افضل ہے، ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر غائب پر حکم کیا ہے۔ صحو پر سُکر کو

[1](الرسالة القشيرية, ج ١, ص ١٧٦, الناشر: دار المعارف, القاهرة)

ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کے نزدیک ہے، اگر صحو کی حقیقت کو جانتے ہر گز سُکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ترجمہ: عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

جن لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سُکر کو اس پر ترجیح دی ہے کاش کہ خواص کے سُکر کو بھی عوام کے سُکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم پر جرأت نہ کرتے۔ کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو، سُکر سے بہتر ہے۔ اگر صحو و سُکر مجازی ہے تو یہ حکم ثابت ہے، اور اگر حقیقی ہے تو پھر ولایت کو نبوت سے افضل کہنا اور سُکر کو صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہے جیسے کہ کوئی کفر کو اسلام پر ترجیح دے۔ اور جہل کو علم سے بہتر جانے، کیونکہ کفر و جہل مقامِ ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبۂ نبوت کے مناسب۔

منصور (حسین بن منصور الحلاج) کہتا ہے:

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللهِ وَ الْكُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

ترجمہ: میں نے اللہ تعالیٰ کے دین سے کُفر کیا اور میرے نزدیک کفر ضروری ہے اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک کفر قبیح ہے۔

(یاد رہے کہ منصور حلاج کا یہ قول شطیحات اور کلماتِ سُکریہ میں سے ہے اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔)]

تشریح

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ایک جماعت نے اُس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی ولایت اُس کی نبوت سے افضل ہے، ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر غائب پر حکم کیا ہے، الخ" یعنی صوفیاء نے یہ گمان وخیال کیا ہے کہ ولایت میں چونکہ اولیاء عظام کا رُخ حق تعالیٰ وتقدس کی جانب ہوتا ہے اور نبوت میں جو کہ تبلیغ سے عبارت ہے اس میں حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا رُخ مخلوق کی جانب ہوتا ہے تو اس بناء پر مخلوق کی جانب رُخ ہونے کی بہ نسبت حق تعالیٰ وتقدس کی جانب رُخ ہونا افضل ہے۔

اس درج بالا مضمون سے دو نظریات سامنے آتے ہیں:

نظریۂ اول میں مطلق ولایت کو نبوت سے افضل سمجھا گیا ہے۔

نظریۂ دوم میں نبی کی ولایت کو اس کی نبوت سے افضل سمجھا گیا ہے۔

حقیقت میں یہ دونوں فریق کمالاتِ نبوت سے بے خبر ہیں کہ عروجِ نبوت میں بھی رُخ حق تعالیٰ وتقدس ہی کی جانب ہوتا ہے اور نزول میں مخلوق کی جانب۔ مگر عروجِ نبوت کمالاتِ اصلیہ کے ساتھ ہیں اور عروجِ ولایت کمالاتِ ظلیہ کے ساتھ۔ اسی لئے ولایتِ صغریٰ حصولِ کمالات کے وقت ظلیہ ہوتی ہے جو کہ صفات کے ظلال سے عبارت ہے اور کمالاتِ ولایتِ نبوت جو کہ ولایتِ کبریٰ ہے یہ صفات مقدسہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور حضرت انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ بحت کے ساتھ ارتباط رکھتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی نبوت ان علیہ السلام کی ولایت سے افضل ہے تو حضراتِ اولیاء کرام کی ولایت سے بطریقۂ اولیٰ بہتر ہے۔

یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ کمالاتِ ظلیہ کے طے کئے بغیر کمالاتِ اصلیہ کا وصول حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبتِ اقدسہ کے ساتھ مربوط ہے، جس طرح کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحبتِ اقدسہ کی وجہ سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابتداء میں ہی ان کمالات پر مشرف ہوئے ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بعض کمالاتِ ظلیہ کو طے کرنے کے بعد کمالاتِ اصلیہ تک پہنچے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ ابتداء میں ہی کمالاتِ اصلیہ تک رسائی حاصل کرلینا سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ اقدسہ کا خاصہ ہے۔ مگر ممکن ہے کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کمالِ متابعت کے سبب کامل و مکمل عارف کی صحبت سے بھی ابتداء ہی میں کمالاتِ اصلیہ کے وصول کو پا لے۔ جس طرح عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی صحبت کی برکت سے ابتداء ہی میں کمالاتِ اصلیہ تک پہنچ گئے تھے۔ سبحان اللہ! حق تعالیٰ وتقدس نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو کس قدر حضراتِ انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت نصیب فرمائی تھی کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبتِ اقدسہ کی تاثیر سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک صحبت کے مشابہ تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جن لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سُکر کو اس پر ترجیح دی ہے، الخ" یعنی ان بزرگان نے خواص کے صحو

کو عوام کے صحو کی مانند سمجھا ہے ان احباب نے یہ نہیں جانا کہ خواص کے صحو میں باطن حق کی جانب اور ظاہر خلق کی جانب ہوتا ہے۔ مگر عوام کے صحو میں باطن و ظاہر دونوں ہی خلق کی جانب ہوتے ہیں۔ خواص بھی دُنیا کے ساتھ میل ملاپ رکھنے والے ہیں مگر عوام کی طرح نہیں کیونکہ عوام غیر پر گرفتار ہیں۔ تو اس بناء پر عوام کا صحو جُدا چیز ہے اور خواص کا صحو جُدا۔ اور اسی طرح خواص کا سُکر فنا سے عبارت ہے اور عوام کا سُکر جنون و دیوانگی سے عبارت ہے۔

[حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کفرا سے استعاذہ اور پناہ مانگتے ہیں۔

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (الإسراء ۸۴)

ترجمہ: تم فرماؤ سب اپنے کَینڈے (انداز) پر کام کرتے ہیں۔

جس طرح عالمِ مجاز میں اسلام کفر سے بہتر ہے۔ اسی طرح حقیقت میں بھی اسلام کو کفر سے بہتر جاننا چاہیئے۔

فَإِنَّ الْمَجَازَ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ۔

ترجمہ: مجاز حقیقت کا پُل ہے۔

اگر کہیں کہ مقامِ ولایت میں جس طرح کہ مرتبۂ جمع میں کفر و سُکر و جہل ثابت ہے، اسی طرح مرتبۂ فرق بعد الجمع میں اسلام و صحو و معرفت بھی متحقق و ثابت ہے۔ تو کفر و سُکر و جہل کو مقامِ ولایت کے مناسب کہنا کس معنیٰ کے باعث ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کفرا سے استعاذہ اور پناہ مانگتے ہیں، الخ“۔

یعنی حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یوں دُعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں کفر اور فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر کہیں کہ مقامِ ولایت میں جس طرح کہ مرتبۂ جمع میں کفر و سُکر و جہل ثابت ہے، الخ"۔

یعنی حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم ہوازن قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

وَكَانَ الأستاذ أَبُو عَلِي الدقاق يَقُول: الفرق مَا نسب إليک والجمع مَا سلب عَنْک، ومعناه أَن مَا يَكُون كسبا للعبد من إقامة العبودية وَمَا يليق بأحوال البشرية فَهُوَ فرق، وَمَا يَكُون من قبل الحق من إبداء معان وإسداء لطف وإحسان فَهُوَ جمع هَذَا أدني أحوالهم فِي الجمع والفرق، لأنه من شهود الأفعال فمن أشهده الحق سبحانه أفعاله من طاعاته ومخالفته فَهُوَ عَبْد بوصف التفرقة، ومن أشهده الحق سبحانه مَا يوليه من أفعال نَفْسه سبحانه فَهُوَ عَبْد يشاهد الجمع، فإثبات الخلق من بَاب التفرقة وإثبات الحق من نعت الجمع، ولا بد للعبد من الجمع والفرق، فَإِن من لا تفرقة لَهُ لا عبودية لَهُ، ومن لا جمع لَهُ لا معرفة لَهُ، فقوله: (إِيَّاکَ نَعْبُدُ) (الفاتحة٥) إشارة إِلَى الفرق وقوله (وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ) (الفاتحة٥) إشارة إِلَى الجمع۔

ترجمہ: حضرت استاد ابو علی الدقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کی نسبت تمہاری ہے وہ "فرق" ہے اور جو چیز تم سے چھین لی جائے وہ "جمع" ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ بات جس کا تعلق انسان کے کسب و کوشش سے ہے وہ "فرق" ہے مثلاً بندگی اور اعمال کو برقرار رکھنا جو بشریت کے حالات کے مناسب ہیں۔ اور جو اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں مثلاً معانی کا اظہار اور

---

[1] (سنن النسائی، ج٨، ص٢٦٧، الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

دیگر لطف واحسان وہ "جمع" کہلاتے ہیں۔ اس لئے اس میں افعال کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ جمع اور فرق کے اعتبار سے یہ حالت صوفیاء کی ادنٰی حالت خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ جس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے افعال کا مشاہدہ کرا دے مثلاً اطاعت ونافرمانی تو یہ تفرقہ کی صفت کا حامل ہو گا اور جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بندے کو ان ذاتی افعال کا مشاہدہ کرائے جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتے ہیں تو یہ بندہ "جمع" کا مشاہدہ کرنے والا ہو گا۔ حاصل یہ کہ مخلوق کا اثبات "تفرقہ" کہلاتا ہے۔ اور اثباتِ حق "جمع" ہے۔ ہر بندے کے لئے جمع اور فرق کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس میں تفرقہ نہیں اس میں عبودیت نہیں اور جسے جمع حاصل نہیں اسے معرفت حاصل نہیں۔ چنانچہ جب بندہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ کہتاہے تو یہ فرق کی طرف اشارہ ہے اور وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جمع کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ [1]

نیز حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم ہوازن قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

فمن أثبت نَفْسه و أثبت الخلق و لكن شاهد الكل قائما بالحق، فهذا هُوَ جمع و إذا كَانَ مختطفا عَن شهود الخلق مصطلما عَن نَفْسه مأخوذا بالكلية عَنِ الإحساس بكل غَيْر بِمَا ظهر و استولى من سلطان الحقيقة فذاك جمع الجمع۔

ترجمہ: پس جو اپنے نفس کو ثابت کرے ساتھ ہی یہ مشاہدہ کرے کہ ان کا قیام حق کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ جب مخلوق کے مشاہدہ سے ہٹ چکا ہو، اپنی ذات سے کٹ چکا ہو، اس سلطان کی حقیقت کی وجہ سے، جو اس پر ظاہر اور غالب آچکی ہے، اپنے احساس سے کلیۃً غافل ہو تو یہ "جمع الجمع" ہے۔ [2]

[میں کہتا ہوں کہ صحو وغیرہ کو مرتبۂ فرق ثابت کرنا مرتبۂ جمع کی نسبت ہے جو سراسر سُکر واستتار ہے۔ ورنہ اس مرتبہ کا صحو بھی سُکر کے ساتھ اور اس کا اسلام کفر کے ساتھ اور اس کی معرفت

---

[1] (الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۱۲٦، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

[2] (الرسالة القشيرية، ج ۱، ص ۱۲۸، الناشر: دار المعارف، القاهرة)

جہل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر فقیر کتاب میں گنجائش جانتا تو مرتبۂ فرق کے احوال و معارف کو مفصل طور پر ذکر کرتا۔ اور اس مرتبہ میں سُکر وغیرہ کے ملنے کو بیان کرتا۔ دانا لوگ شاید اس معنی کو دانائی سے بھی معلوم کر لیں گے اَلْعَجَبُ کُلُّ الْعَجَب نہایت ہی تعجب ہے کہ یہ لوگ کمالاتِ نبوت سے کیسے بے خبر رہے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس مرتبہ کا صحو بھی سُکر کے ساتھ اور اس کا اسلام کفر کے ساتھ اور اس کی معرفت جہل کے ساتھ ملی ہوئی ہے، الخ" یعنی ولایت کی حالتِ صحو خالص نہیں ہوتی بلکہ اس میں سُکر ملا ہوا ہوتا ہے جبکہ مقامِ نبوت کی حالتِ صحو خالص ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اَلْعَجَبُ کُلُّ الْعَجَب نہایت ہی تعجب ہے، الخ" یعنی:

ای عجبا لهم کیف جهلوا بکمالات النبوة ام کیف حرموا العلم بفضائلها ولم یعرفوا خصائصها وهی بینة مما فیه بیضاء نقیة۔

ترجمہ: ان کے لئے کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہ کس طرح نبوت کے کمالات سے بے خبر اور ناواقف رہے ہیں یا یہ لوگ کس طرح نبوت کے فضائل کے علم سے محروم رہے ہیں، اور ان کی خصوصیات کو نہیں جانتے تھے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ (یعنی نبوت کی خصوصیات اور فضائل) ان میں واضح اور روشن ہیں۔

[اس قدر تو سمجھنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے جو اس قدر بڑائی اور بزرگی حاصل کی ہے تو وہ نبوت کی راہ سے حاصل کی ہے نہ کہ ولایت کی راہ سے۔ ولایت، نبوت کے لئے خادم کی طرح ہے اگر ولایت کو نبوت پر کچھ زیادتی ہوتی تو ملائکہ ملاء اعلیٰ جن کی ولایت تمام ولایات سے اکمل ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل ہوتے۔ اور اس طائفہ میں سے ایک گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل جان کر ملاء اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے اکمل خیال کیا تو ناچار ملاء اعلیٰ کے ملائکہ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل قرار دے دیا اور جمہور اہلِ سُنت سے دور جا پڑے۔ یہ سب کچھ ان سے نبوت کی حقیقت سے واقف نہ ہونے کے باعث ہوا۔

اور جب کہ لوگوں کی نگاہ میں عہدِ نبوت کے دُور ہو جانے کے باعث کمالاتِ نبوت ولایت کے کمالات کے سامنے حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے (اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے) اس باب میں (فقیر نے) کلام کو طوالت دی ہے۔ او حقیقتِ معاملہ کو تھوڑا سا ظاہر کر دیا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (آل عمران ۱۴۷)

ترجمہ: اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں ان کافر لوگوں پر مدد دے۔

میرے برادر ارشد میاں شیخ داوٗد چونکہ آپ کی طرف آ رہے تھے اس لئے اس دردِ سَری کے باعث بن گئے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”اور اس طائفہ میں سے ایک گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل جان کر ملاء اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے اکمل خیال کیا، تو ناچار ملاء اعلیٰ کے ملائکہ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل قرار دیا، الخ“۔ یعنی یہ گروہ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتا ہے۔ لہٰذا ملاء اعلیٰ کو کہ جس کی ولایت ولایتِ نبوت سے بلند تر ہوتی ہے اس کو حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی بہ نسبت بہتر کہا ہے۔ جس طرح حضرت امام غزالی اور امام الحرمین (یعنی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی نیشاپوری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفیٰ ۴۷۸ ہجری)۔

حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت حق تعالیٰ و تقدس کی صفات سے مستفاد ہے۔ جبکہ ولایتِ ملاء اعلیٰ حق تعالیٰ و تقدس کی شیوناتِ ذاتیہ کے معارف ہیں اور حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت حق تعالیٰ و تقدس کی ذاتِ بحت کے کمالات ہیں۔ یہ طائفہ جس نے ولایت کو نبوت سے بہتر سمجھا ہے، ولایت تک پہنچا ہے مگر کمالاتِ نبوت سے بے بہرہ ہے اگر یہ طائفہ کمالاتِ نبوت تک پہنچا ہوتا اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا تو کبھی بھی خواص ملائکہ کو خواص البشر سے افضل نہ سمجھتا۔

چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ترجمہ: جب حقیقت کو نہ جان سکے تو افسانے کا راستہ اختیار کیا۔

(نور الخلائق، جلد چہارم)

مکتوب نمبر ۲۶۹

[مرتضٰی علی خان کی طرف صادر فرمایا:

دِینی دُشمنوں کی اہانت کرنے اور اُن بیوقوفوں اور بدبختوں کے جھوٹے خداؤں کی توہین وتخریب پر ترغیب دینے اور اس عظیم مرتبہ کام کے لئے اپنی تمنا ظاہر کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

ہر شخص کے دل میں کسی نے کسی اَمر کی تمنا ضرور ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دُشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے، اور اُن بدبختوں کی اہانت کی جائے، اور اُن کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل وخوار کیا جائے۔ یہ فقیر یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اور کوئی عمل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار آپ کو اس عمل پسندیدہ کے لئے ترغیب دیتا ہے، اور اس کام کا بجالانا نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اُس گندے مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر واہانت کے لئے مقرر ہوئے ہیں اس لئے پہلے اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے کیونکہ بہت لوگ اُس مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم وتوقیر کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ اُس نے ہم کو اِس بلا میں مبتلا نہ کیا، اس نعمتِ عظمٰی کے شکر ادا کرنے کے بعد اُن بدبختوں اور اُن کے جھوٹے خداؤں کی تحقیر اور توہین میں بہت کوشش کرنی چاہیئے، اور ظاہر وباطن میں جس قدر ہو سکے اُن لوگوں کی بربادی میں کوشش کرنی چاہیئے اور اُس

تراشیدہ وناتراشیدہ بُت کی ہر طرح اہانت کرنی چاہیئے۔ اُمید ہے کہ بعض سُستیاں جو آپ سے وقوع میں آئی ہیں، اِس عمل سے اُن کی تلافی اور کفارہ ہو جائے گا۔ بدن کی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہے، ورنہ فقیر خود حاضر خدمت ہو کر اس اَمر کی ترغیب دیتا، اور اس تقریب سے اُس پتھر پر تف ڈالتا، اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جانتا، اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جھوٹے معبودوں جو کہ لوگوں نے اپنے لئے بنا رکھے ہیں اور دِن رات اس بُت پرستی جیسے بیہودہ عمل میں مصروف ہیں، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان لوگوں کے ان اعمال کی توہین و تخریب پر ترغیب اور مذمت فرمائی ہے۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ آج کل علماء کرام، مشائخ عظام اور اہلِ قلم ان باتوں پر فخر کرتے ہیں اور ان ہی میں سے جو لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں تو یہ اُلٹا اُن کو بُرا بھلا کہتے ہیں، بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اس عمل کو بُرا بھلا سمجھتے۔ گزشتہ دور میں علماء، مشائخ عظام اور اہلِ قلم شرک، کُفر، بُت پرست اور بدعت کو جب دیکھتے تو اس کی مذمت کرتے اور اس کو بُرا بھلا کہتے تھے مگر آج کل اس کے برعکس معاملہ ہے آج کل اگر کوئی شرک، کفر، بُت پرستی اور بدعت کو بُرا بھلا کہے تو لوگ اس پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ قدامت پسند مسلمان ہے اسلام میں تو سختی نہیں مگر یہ لوگ اسلام کو دوسرے رنگ میں پیش کر رہے ہیں اس طرح تو لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس کی مثالیں دورِ حاضر میں موجود ہیں اور آپ کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ اور جس شخص نے بھی کفر وبدعت کا ساتھ دیا وہ نہ تو علم سے واقف ہے نہ ہی تصوف سے واقف ہے اور نہ ہی اہلِ قلم میں سے ہے بلکہ ان لوگوں نے صرف اصل علماء ومشائخ اور اہلِ قلم کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دُشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے، الخ" یعنی شاید کہ اس وقت بادشاہِ وقت کی طرف سے مرتضٰی خان کو لوگوں کی سَر کوبی کے لئے ضلع دَکن کے لئے مقرر کیا گیا تھا، کیونکہ اس جگہ بُت اور بُت خانوں کو مرکزیت حاصل تھی۔ اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مرتضٰی خان کو بُت خانوں کی توہین اور ان ہندوؤں کے باطل معبودوں کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے وصیت فرمائی اور اسی طرح بغض فی اللہ کا اظہار فرمایا جو کہ عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (التوبۃ۷۳)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

نیز حق تعالیٰ وتقدس کا ارشاد ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا (الممتحنۃ ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں۔

سفر السعادۃ جو کُتبِ حدیث میں سے ہے اس میں یہ حدیث شریف موجود ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب اہلِ جنت اپنی مقررہ جنت میں داخل ہو

جائیں گے، تو وہ اس جگہ لوگوں کا ایک گروہ دیکھیں گے کہ جن کے درجات دوسروں کے درجات سے آسمان کی بلندی کے اندازے سے بلند ترین مقام پر ہوں گے، تو اہلِ جنت ملائکہ کرام سے دریافت کریں گے کہ یہ کون لوگ ہیں اور انہوں نے ایسا کون سا عمل کیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو یہ امتیازی مقام اور درجہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ ملائکہ کرام ان سے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دُنیا میں حُب فی اللہ اور بغض فی اللہ کو سرانجام دیا ہے، اور اسی حُب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی وجہ سے یہ لوگ آج اس امتیازی مقام ور درجہ پر سرفراز ہیں"۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بدن کی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہے اور نہ فقیر خود حاضر خدمت ہو کر اس اَمر کی ترغیب دیتا، اور اس تقریب سے اُس پتھر پر تف ڈالتا، اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جانتا، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس دَمہ کی بیماری میں مبتلا تھے موسم بھی نسبتاً بہت سرد تھا جو کہ ان کی صحت کے موافق نہیں تھا۔ اور بالآخر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اسی بیماری کی وجہ سے دارِ فانی میں داخل اَجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعون۔

ان قال لی مت مت سمعا و طاعتا

و قلت لداعی الموت اھلا و مرحبا

ترجمہ: اگر اُس نے مجھ سے کہا کہ سماعت اور اطاعت کرتے ہوئے مر جاؤ تو میں داعیٔ اجل کو مرحبا کہتے ہوئے مر جاؤں گا۔

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۰

[شیخ نُور محمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ بعض صحبتیں گوشہ نشینی سے افضل ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

شیخ نُور محمد آپ نے (ہم) دور اُفتادوں کو اس طرح سے فراموش کر دیا ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں کرتے۔ آپ کی دلی خواہش گوشہ نشینی کی تھی جو آپ کو میسر ہوگئی۔ لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حال پر قیاس کرنا چاہیئے کہ چونکہ گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کرکے حضرت خیر البشر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت میں حاضر نہ ہو سکے، اس لئے صحبت کے کمالات اُن کے نصیب نہ ہوئے، اور تابعین میں سے ہوگئے، اور پہلے درجے کی فضیلت اور خیریت سے نکل کر دوسرے درجہ میں جاپڑے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہر روزہ صحبت نئی طرز پر ہے۔

من استوی یوماہ فھو مغبون۔

ترجمہ: جس کے دونوں دِن برابر ہیں وہ نقصان میں ہے۔[1]

وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّحِیَاتُ

---

[1] (مسند الفردوس، ج ۱، ص ۳۹۳)

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب لوگوں پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب میں شیخ نُور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ مجھ سے ذکر لے کر چلے گئے اور ہمیں فراموش کر دیا حالانکہ یہ عمل فوائد و ثمرات اور فیوضات وبرکات کے حصول میں کمی کا باعث ہے کیونکہ شیخ کی ہر صحبت پچھلی صحبت سے مختلف ہوتی ہے اور ہر صحبت کے جُدا اثرات ہوتے ہیں مگر آپ صحبت کے فیوض وبرکات اور مسائل عقائد وفقہ اور تصوف سے محروم ہین آپ نے ہم سے کیوں دوری اختیار کی پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے شیخ نُور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درج ذیل مثال سے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ آپ مجلس میں آنا اور جانا ترک نہ کریں تا کہ یہ محرومی کا سبب نہ بنے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ "بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حال پر قیاس کرنا چاہیئے، الخ" یعنی اگرچہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ محبت واخلاص رکھتے تھے اور خیر تابعین تھے لیکن اس حد درجہ محبت واخلاص کے باوجود آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان لوگوں کے مقام تک نہ پہنچ سکے جو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ اقدسہ سے مشرف ہوئے۔ اسی وجہ سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

کمالات حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کمالات سے پائین تَر واقع ہوئے ہیں۔اس کی وجہ صرف اور صرف سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ اقدسہ کی برکات تھیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے ان فرمودات سے معلوم ہوا کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نائبان کی صحبت بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ اقدسہ کے مشابہ ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین أمین

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۱

[ایک واقعہ کے استفسار کے حل میں شیخ حسن بَرکی کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

میرے معزز بھائی شیخ حَسن (خدائے تعالیٰ اُس کے حال کو اچھا کرے اور اُس کو کمال تک پہنچائے) کا مکتوبِ مرغوب پہنچا۔ وہ واقعہ جو آپ پر ظاہر ہوا تھا، اور آپ نے لکھا تھا اُس کا حال واضح ہو۔ آپ اُمیدوار رہیں اور جو کچھ آپ کو امر کیا گیا ہے اُس کے بجالانے میں دل و جان کے ساتھ کوشش کریں اور احکامِ شرعیہ بجالانے سے سَرِ مُو تجاوز نہ کریں، اور اہلِ سُنت و جماعت کے عقائدِ حقہ کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و پیراستہ رکھیں۔

کار اینست غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

اگر آپ کے والدین پسند کریں اور اخوند واُستاد بھی راضی ہوں تو ہندوستان کی سَیر کو غنیمت جانیں، وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت شیخ حسن برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افغانستان کے صوبہ لوگر کے رہنے والے ہیں اور وہیں پر ان کا روضہ ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلفاء میں سے ہیں چونکہ وہ ان کا ابتدائی دور تھا اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہیں نصیحت اور تنبیہ فرما رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے انہیں فرمایا کہ "آپ امیدوار ہیں اور جو کچھ آپ کو اَمر کیا گیا ہے اُس کے بجالانے میں دِل وجان کے ساتھ کوشش کریں، الخ" یعنی شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور وہ اَوراد واَذکار جن پر اس فقیر کی طرف سے آپ کو مامور کیا گیا ہے اُن پر عمل درآمد کرنے کی سعی کرتے رہیں اور جو چیز آپ نے اس واقعہ میں دیکھی ہے اُمید ہے کہ آپ اس کے مصداق تک پہنچ جائیں گے اور اس کو بیداری میں بھی دیکھ لیں گے۔

واقعہ ایک حالت ہے جو کہ خواب کی تشبیہ ہے جس وقت عالمِ قدس کا فیض و تجلی سالک کی رُوح تک پہنچ جائے تو یہ رُوح کو مغلوب اور بدن کی تدبیر سے غافل کردیتی ہے تو اس وقت سالک کے لئے خواب کی طرح کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس دوران سالک جو چیز دیکھے یا سُنے اس کو واقعہ کہا جاتا ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۲

[میر سیّد محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا:

ایمان بالغیب اور ایمان شہودی اور توحیدِ شہودی اور توحیدِ وجودی کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ فنا کے مکمل ہونے میں جو درکار ہے وہ توحیدِ شہودی ہے۔ توحیدِ وجودی کچھ درکار نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی اقسام کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ ایمان بالغیب کی ایمانِ شہادت پر فضیلت ہے، اور اس بیان میں کہ اوّل اوّل جس شخص نے توحیدِ وجودی کو ظاہر کیا ہے، فتوحاتِ مکیہ والا ہے۔ اور گذشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید واتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن توحیدِ شہودی پر محمول ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد سعادت پناہ برادر اور معزز میر محب اللہ کو واضح ہو کہ اُس واجب الوجود کی ذاتِ پاک اور اس کی تمام صفات کے ساتھ غیب سے ایمان لانا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اُن کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اُن کی نسبت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سی نسبت ہے۔ اگرچہ قلیل بلکہ اَقل ہے اور علماء اور عامہ ٔمؤمنین کا حصہ ہے، اور ایمانِ شہودی عامہٗ صوفیاء کا حصہ ہے، خواہ وہ اربابِ عزلت یعنی گوشہ نشین ہوں۔ خواہ اربابِ عشرت یعنی لوگوں میں رہنے والے ہوں، کیونکہ اربابِ عزلت اگرچہ مرجوع ہیں، لیکن انہوں نے پورے طور پر رجوع نہیں کیا ہے، ان کا باطن اُسی فوق کی طرف نگران ہے۔ یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق جل شانہٗ کے ساتھ۔ اسی لئے ایمانِ شہودی ہر وقت اُن کے نصیب میں ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات چونکہ کُلی طور پر مرجوع ہیں اور ظاہر وباطن میں خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہیں۔ اس لئے ایمان بالغیب اُن کا حصہ ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے بعض

رسالوں میں اِس اَمر کی تحقیق کی ہے کہ باوجود رجوع کے فوق کا نگران رہنا نقصان اور انجام تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔ اور کُلی طور پر رجوع کرنا نہایت النہایت تک پہنچنے کی علامت ہے۔ صوفیاء نے کمال کو جمع بین التوجہین یعنی دونوں توجہوں کے جمع ہونے میں جانا ہے، اور تشبیہ اور تنزیہ کے جامع کو کاملین میں سے سمجھا ہے۔

آن ایشانند و من چنینم یارب

ترجمہ: (یااللہ) وہ تواُس طرح ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جب مقامِ دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں اور عالمِ بقا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رجوع کی مصلحت مکمل ہو جاتی ہے تو بڑے شوق کے ساتھ اَلرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کی ندا لگا کر کُلی طور پر حق جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور مراتبِ قُرب میں ناز وادا کی حالت میں آجاتے ہیں۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا
وَ لِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: اربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں اور بے چارے عاشق مسکین کے لئے وہی ہے جو وہ درد و غم کے گھونٹ پی رہا ہے۔

فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت کثرت بالکل نظر سے دور ہو جائے، حتٰی کہ اسماء وصفات بھی ملحوظ نہ ہوں اور احدیتِ مجردہ کے سوا اور کچھ مشہود نہ ہو۔

ثُمَّ عُوْمِلَ مَعَهٗ مَا عُوْمِلَ مَعَهٗ

ترجمہ: پھر اس کے ساتھ معاملہ کیا گیا جو کیا گیا۔

اور رجوع کے وقت نظر سب کی سب کثرت پر پڑے، اور عامہ مؤمنین کی طرح خلق کے سوا اور کوئی اَمر مشہود نہ ہو، اور طاعت کے ادا کرنے اور خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے سوا اُس کا کوئی کام نہ ہو۔ اور جب دعوت کے کام کو پورا کرے اور عالمِ فانی کو وداع کرے تو پورے طور پر جنابِ قدس کی طرف متوجہ ہو کر اپنا سامان غیب سے شہادت کی طرف لے جائے اور معاملہ گوش سے آغوش تک پہنچ جائے۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ایمان بالغیب اور ایمانِ شہودی کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے اور یہ بات بھی فرمائی ہے کہ توحیدِ وجودی کی ابتداء سنہ ۵۸۰ ہجری کے بعد ہوئی اور اس سے پہلے سب لوگ توحیدِ شہودی پر تھے تو یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہمہ وقت اس کوشش میں رہتے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد بیان کریں توحیدِ شہودی کو اجاگر کریں کیونکہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ الغرض کہ سنہ ۵۸۰ ہجری سے پہلے تک سب کے عقائد اہلِ سُنت وجماعت کے تھے یعنی جب توحیدِ وجودی کا سلسلہ شروع ہو گیا تو پھر لوگوں کے ذہنوں میں کچھ شبہات پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہلِ سُنت وجماعت سے احتراز کیا ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کیفیت طاری تھی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض چیزیں اپنی کشفیات سے بیان کی ہیں اسی لئے

ہم کوشش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے لے کر حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ تک جو توحید ہم نے ان احباب سے سیکھی ہے اس پر عمل پیرا رہیں اور توحیدِ وجودی کو ہم کشفیات و کیفیات اور سالک کی حالت پر حمل کرتے ہیں کہ یہ کیفیات سالک پر آسکتی ہیں مگر اس کا عقیدہ ایسا نہیں ہوتا۔ تاہم کوئی اس سے یہ مراد نہ لے کہ (نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِک) حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فلاں فلاں باتوں کی وجہ سے اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

اس مکتوب کی تشریح کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے اس لئے کہ اگر ہم مقدمات نہ رکھیں تو پھر اس مکتوب کی تشریح میں گڑبڑ پیدا ہونے کا اندیشہ رہے گا۔

مقدمۂ اول: ایمان بالغیب کی دو اقسام ہیں: پہلا عوام او علماءِ ظواہر کا ایمان ہے کہ یہ لوگ مراتبِ وجوب کے شہود تک نہیں پہنچے ہوتے اور ان کا ایمان بالغیب ہوتا ہے۔

دوم: حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان بالغیب ہے اس لئے کہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات مراتبِ وجوب کے شہود پر مشرف اور ظاہر وباطن کی طرف رجوع اور دعوتِ خلق پر مامور ہیں لہٰذا ان کا ایمان مراتبِ شہود کے طے کرنے کے بعد نزول کے وقت ایمان بالغیب ہوتا ہے، اور حضراتِ کامل و مکمل اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایمان بھی اسی قسم سے ہے۔

عوام اور علماءِ ظواہر کے ایمان بالغیب اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان بالغیب کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ عوام اور علماءِ ظواہر کے ایمان بالغیب میں ظلمانی حجابات اور قلبی و نفسانی کدورات موجود ہیں جبکہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات

کے ایمان بالغیب میں کسی قسم کے ظلمانی ونورانی حجابات باقی نہیں رہتے یعنی یہ حضراتِ مراتبِ وجوبی کے شہود کے بعد رجوع فرما کر دعوتِ خلق پر مامور ہو جاتے ہیں جس طرح وہ وزیر جو بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہو تو اس وزیر اور بادشاہ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور عینِ حال میں یہ وزیر خدمتِ خلق پر مامور ہوتا ہے اور اس کی توجہ خلق کی طرف ہوتی ہے اگرچہ یہ حضرات حق تعالیٰ وتقدس کے حضور میں خوش ہوتے ہیں مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ نزول پر بھی راضی ہو جاتے ہیں۔

جیسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (هود ۱۱۲)

ترجمہ: تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے۔

حضرت صالح احمد طه الدومانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں کہ:

اريدوصالەويريدهجرى

فاترک مااريدلمايريد

ترجمہ: میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ میری جُدائی چاہتا ہے، اس لئے میں اس کی خواہش کے لئے اپنی خواہش کو ترک کرتا ہوں۔

مقدمۂ دوم: حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی دو اقسام ہیں:

اوّل: وہ حضراتِ اولیاء کرام جنہوں نے کُلی طور پر ظاہراً وباطناً نزول فرمایا ہو اور کمالاتِ عروجی کے مراتب طے کرنے کے بعد دعوتِ خلق پر مامور ہو جائیں تو ان کا ایمانِ شہودی ایمانِ غیبی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے نائبانِ اتم ہیں اور اس قسم کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو اولیاءِ عشرت (یعنی لوگوں

میں رہنے والے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) بھی کہا جاتا ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ یہ حضرات مخلوق کے ساتھ اختلاط وارتباط رکھتے ہیں اور ان کو دینِ حق کی طرف بلاتے ہیں۔

دوم: اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان احباب سے عبارت ہیں کہ ان کی روح عروج میں رہتی ہے اور ان کے نفس نزول کرتے ہیں۔ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ طبقہ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک اربابِ عزلت ہے اور دوسرا اربابِ عشرت ہے۔ جس طرح قطبِ مدار، ابدال وغیرہ جو کہ اولیاء عزلت ہیں اور ان کا کام امداداتِ غیبی ہے اور اربابِ عشرت جس طرح قطبِ ارشاد اور دیگر مرجوعین اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں جن کی روح عروج میں اور ان کے نفس نزول میں رہتے ہیں یہ بھی ایک اندازے سے حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی نیابت رکھتے اور اہلِ عشرت ہیں اور اس طائفہ کا ایمان بھی نزولِ نفس کے نقطۂ نظر سے ایمانِ غیبی اور روح کے نقطۂ نظر سے جو کہ عروج کے مراتب میں ہوتی ہے ایمانِ شہودی ہے۔ یعنی اس طائفہ کا نفس مخلوق کی طرف متوجہ جبکہ ان کی روح حق تعالیٰ وتقدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس طائفہ کی دعوت اوّل طائفہ کی دعوت کی مانند ہے جو کہ ظاہر وباطن میں دعوتِ خلق پر مامور ہیں کامل ومکمل نہیں ہیں۔

دوسرے قسم کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مستہلکین ہیں جو کہ ظاہر وباطن سے عروج میں ہیں اور نزول نہیں کرتے۔ یعنی یہ طائفہ مخلوق کو دعوت نہیں دیتا۔ یہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مستہلکین ہیں اور اس طائفہ کا شرف ونصیب اور فضیلت وصواب مرجوعین کا نصیب ہے۔ شرف یعنی قُرب، فضیلت یعنی کثرتِ ثواب۔

مقدمہ سوم: جامع تنزیہ و تشبیہ دو معنی رکھتے ہیں:

اوّل یہ کہ سالک ممکنات کو عنوانِ وجوب میں دیکھتے اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ و تقدس جامع تنزیہ و تشبیہ ہے جیسے منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اَنَا الْحَق یعنی طرح کہ مرتبۂ تنزیہ واجب ہے، تشبیہ بھی واجب ہے۔ تو اسی بناء پر ممکن کو عنوانِ وجوب میں دیکھتے ہیں، یعنی ایسے سالک کو ہر چیز خدا ہی خدا نظر آتی ہے۔ دوسرا یہ کہ سالک رُوح کے لحاظ سے تنزیہ کی طرف متوجہ اور عروجات میں اشتغال رکھتا ہے اور نفس کے لحاظ سے تشبیہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرح کہ اس کا نفس تزکیہ کے بعد رجوع کر کے خلق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، یعنی سالک رُوح کے لحاظ سے واجب کی طرف متوجہ اور نفس کے لحاظ سے امکان کی طرف متوجہ ہے۔

مقدمۂ چہارم: جو عارف کُلیت پر یعنی روح و نفس کے ساتھ رجوع کر لے اور اس کا ایمان غیبی ہو جائے تو اس عارف کا ایمان موت کے احتضار کے وقت دوبارہ شہودی ہو جاتا ہے جس طرح کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب دُنیا میں مخلوق کو دعوت الی اللہ فرماتے تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ایمانِ شہودی ایمانِ غیبی میں تبدیل تھا مگر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احتضار کا وقت قریب آیا تو اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ایمانِ غیبی، ایمانِ شہودی میں تبدیل ہو گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى سَقْفِ الْبَيْتِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى۔

ترجمہ: جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وفات قریب ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر غشی طاری ہوگئی، پھر افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے گھر کی چھت کی طرف نظر کی، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ کا طلب گار ہوں۔[1]

جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے الفاظ مبارک سُنے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ تمام مخلوقات میں سے بہترین ہستی آج مجھے چھوڑ کر اپنے معشوقِ حقیقی کے ساتھ وصل ہوگئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن

[کوئی ناقص پورے طور پر رجوع کرنے کو نقص خیال نہ کرے، اور توجہ باطن کو جو حق سبحانہٗ کی طرف ہوتی ہے بہتر نہ جانے۔ کیونکہ صاحبِ رجوع اپنے اختیار کے ساتھ مقامِ رجوع میں نہیں آیا۔ بلکہ اُس نے حق تعالیٰ کی مراد کے موافق اعلیٰ سے اسفل کی طرف نزول کیا ہے۔ اور وصل سے ہجر کے ساتھ قرار پکڑا ہے۔ پس صاحبِ رجوع حق تعالیٰ کی مراد پر قائم اور اپنی مراد سے فانی ہے۔ اور صاحبِ توجہ وصل وشہود کے ساتھ محفوظ اور قُرب ومعیت کے ساتھ خوش ہے۔

ہجرے کہ بود مرادِ محبوب

از وصلِ ہزار بار خوش تر

ترجمہ: وہ ہجر جسے محبوب چاہے، وصل سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۱۳، ص۳۷۰، المکتبۃالفاروقیۃ)

لِاَنّیْ فِی الْوِصَالِ عُبَیْدُ نَفْسِیْ
وَفِی الْھِجْرَانِ مَوْلیٰ لِلْمَوَالِیْ
وَشُغْلِیْ بِالْحَبِیْبِ بِکُلِّ حَالٍ
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ شُغْلِیْ بِحَالِیْ

ترجمہ: میں حالتِ وصال میں اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں اور ہجر میں اپنے مولیٰ کا اور ہر حال میں میرا اپنے حبیب کے ساتھ مشغول رہنا اپنے حال میں مشغول رہنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔

رجوع کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں، صاحبِ توجہ کو صاحبِ رجوع کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ یہ رجوع نبوت کے فضائل میں سے ہے اور وہ توجہ ولایت کے آثار سے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال تک نہیں پہنچتا۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "رجوع کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں، الخ" یعنی صاحبِ رجوع حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا نائب اَتم ہے اور مرادِ حق سے قائم ہوتا ہے اور مرادِ حق مخلوق کو دعوت وارشاد کرنا ہے۔ یعنی جس طرح حق تعالیٰ وتقدس حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کو اَمر فرماتا ہے کہ آپ علیہ السلام دعوتِ خلق میں مصروف ہو جائیں تو جو دیدارِ حق پر مشرف ہوتا ہے اس کا نفس تو یہ خواہش کرتا ہے کہ دیدارِ حق پر ہی مشرف رہوں لیکن یہاں حق تعالیٰ وتقدس کا اَمر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام دعوتِ خلق کریں

لہٰذا یہ حضرات اپنے نفس کی خواہش کو چھوڑ کر حق تعالیٰ وتقدس کے اَمر پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں تو اس لئے جو حق تعالیٰ وتقدس کے اَمر پر عمل پیرا ہو تا ہے وہی صاحبِ فضائل و کمالات ہو تا ہے اور وہ عارف جو یہ چاہتا ہو کہ میں شہود پر رہوں تو وہ گویا اپنی مراد چاہتا ہے۔ یعنی ان ہر دو میں سے ایک تو اپنے محبوب کی مراد کی اطاعت کرتا ہے اور دوسرا اپنے نفس کی مراد کی اطاعت کرتا ہے ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اسی بناء پر صاحبِ عروج ان فضائل و کمالات کا صاحب نہیں ہو تا بلکہ صاحبِ عروج اپنی مراد کے ساتھ ہے اور اس کی مراد محبوب کے شہود سے عبارت ہے اس کا ایمان غیب پر تبدیل نہیں ہوا ہو تا اور نہ ہی یہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی نیابت تک پہنچا ہو تا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تصوف میں جو سالک یہ خواہش رکھے کہ مجھے کشف و شہود ہو تا رہے جبکہ حق تعالیٰ وتقدس نے اسے نماز وروزہ اور ذکر واذکار کا اَمر فرمایا ہے تو اسے چاہیئے کہ درج بالا احکامات کو مدِ نظر رکھے تا کہ اصل کام سے کہیں دُور نہ ہٹ جائے۔ جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "صاحبِ توجہ کو صاحبِ رجوع کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، الخ" یعنی صاحبِ توجہ بحق مراتبِ ظلال میں قرار پذیر ہیں اور بر عکس صاحبانِ توجہ بخلق کے جو مراتبِ واجبی کی سیر کو تکمیل کرنے کے بعد عروج ونزول کے کمال کو طے کرکے دعوتِ خلق کی طرف متوجہ ہو گئے۔

[تشبیہ اور تنزیہ کے جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ تنزیہ کے ساتھ ایمان سب مؤمنوں کو حاصل ہے۔ عارف وہ ہے جو ایمان بہ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے۔ اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے، اور صانع کا صنع میں مطالعہ کرے۔

غرض صرف تنزیہ کی طرف توجہ کا رہنا اُن کے نزدیک نقص ہے۔ اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کا مشاہدہ کرنا اُن کے نزدیک سراسر عیب ہے۔ یہ لوح احدیت صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص خیال کرتے ہیں اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کرنے کو محدود و مقید خیال کرتے ہیں۔

سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت تنزیہ صَرف کی طرف ہے، اور تمام آسمانی کتابیں ایمانِ تنزیہی کو بیان کرتی ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات آفاقی وانفسی خداؤں کی نفی کرتے ہیں۔ اور اُن کے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں۔ اور اُس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون و بیچگون ہے رہنمائی کرتے ہیں۔ کبھی کسی نے نہیں سُنا کہ کسی پیغمبر علیہ السلام نے ایمانِ تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے سوا تمام خداؤں کی نفی کرتے ہیں۔

قُلۡ یَاأَهۡلَ الۡكِتَابِ تَعَالَوۡا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ أَلَّا نَعۡبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهِ شَيۡئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا أَرۡبَابًا مِنۡ دُونِ اللّٰهِ فَإِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُولُوا اشۡهَدُوا بِأَنَّا مُسۡلِمُونَ (آل عمران ٦٤)

ترجمہ: تم فرماؤ اے کتابیو ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہ لوگ بے شمار اسباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کا ظہور خیال کرتے ہیں اور کتاب و سُنت کو اپنے مطالب کے لئے بطریقِ شہادت پیش کرتے ہیں۔

قرآن:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید۳)

ترجمہ: وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الأنفال۱۷)

ترجمہ: اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح۱۰)

ترجمہ: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

احادیث:

اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ۔

ترجمہ: یا اللہ تو ہی اوّل ہے اور تجھ سے پہلے کوئی شے نہیں ہے، اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں ہے، اور تو ہی ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی شے نہیں، اور تو ہی باطن ہے، تیرے سوا کوئی شے نہیں ہے۔[1]

اس میں کچھ شہادت نہیں ہے، کیونکہ ان عبارتوں میں کامل طور پر وجودِ ماسوا کے کمال کی نفی کا حصر ہے نہ کہ اصلِ وجود کی نفی۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

---

[1](صحیح مسلم، ج۱۳، ص ۲۳۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: نماز نہیں ہوتی مگر فاتحہ کتاب کے ساتھ۔[1]

اور فرمایا:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ۔

ترجمہ: جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں۔[2]

کتاب وسُنت میں اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ توجیہ نصوص کی تاویل نہیں ہے، جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ کمالِ بلاغت پر نصوص کو حمل کیا گیا ہے، اور عرف میں جب کسی شخص کے اَمرِ رِسالت کو ضروری اور مہتم بالشان ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اُس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے ابلغ ہے۔ اور جب فاعل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے اس کے قدر واندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالک قادر کی التفات وتوجہ مد نظر ہو۔ تو اس وقت مالک کو لائق ہے کہ یہ کہہ دے کہ اس فعل کو میں نے ہی کیا ہے۔ یہ بات بھی نہ اتحادِ فعل پر اور نہ اتحادِ ذات پر دلالت کرتی ہے۔ حاشا وکلا کہ بندۂ غلام کا فعل عین مالکِ مقتدر کا فعل ہو، یا اُس کی ذات کا عین بن جائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "تشبیہ اور تنزیہ کے جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ تنزیہ کے ساتھ ایمان سب مؤمنوں کو حاصل ہے۔ عارف وہ ہے جو حق تعالیٰ وتقدس کو جامع تنزیہ وتشبیہ جانے۔ اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس تعجب کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ: انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات

[1] (سنن الکبریٰ للبیھقی، ج۲، ص۹۲، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان)

[2] (مسند احمد، ج۲۰، ص۳۳، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)

کی دعوت تنزیہ صَرف کی طرف ہے۔ اور کبھی کسی نے نہیں سُنا کہ کسی پیغمبر علیہ السلام نے ایمان تشبیہ کی طرف دعوت کی ہو، اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو، الخ" یعنی اگر صوفیہ وجودیہ حقیقت تک پہنچ جاتے تو اس طرح کی باتیں نہ کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ وجودیہ کہتے ہیں کہ اگر ہم حق تعالیٰ و تقدس کو جامع تنزیہ و تشبیہ نہ جانیں اور صرف خالص تنزیہ کے ساتھ مربوط ہو جائیں تو اس صورت میں مرتبۂ وجوب محدود و مقید ہو جائے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس کو جامع تنزیہ و تشبیہ کہا جائے تاکہ مراتبِ وجوبی محدود نہ ہو جائیں اور ممکنات کو بھی واجب سمجھا جائے۔ مگر صوفیہ محققین فرماتے ہیں کہ صوفیہ وجودیہ کی یہ گفتار کرنا سُکر کی حالت کی وجہ سے ہے حقیقت میں ممکن، ممکن (یعنی مخلوق) ہے اور واجب، واجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ موجودِ حقیقی ہے اور صاحبِ وجودِ خارجی ہے جبکہ ممکن صاحبِ وجودِ حقیقی نہیں ہے اور مرتبۂ وہم میں دائرۂ موہومہ کی مانند تخلیق کیا گیا ہے جو کہ نقطہ جوالہ سے پیدا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ و تقدس نے اس ثبات پر استقرار عطا فرمایا ہے تاکہ اس پر تنعیم اور تعذیبِ اَبدی مرتب ہو جائے اور یہ موہوم صوفسطائیہ کے موہوم کی مانند نہیں ہے مگر موہوم موجودِ خارجی کو تحدید نہیں کر سکتا، تاکہ واجب محدود ہو جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "تمام آسمانی کتابیں ایمانِ تنزیہی کو بیان کرتی ہیں، الخ" یعنی کسی پیغمبر علیہ السلام نے مرتبۂ تشبیہ کو واجب نہیں کیا اور نہ ہی خلق کو خالق کا ظہور جانا ہے اور خالقیت و وجوب کو ممکن نہیں بنایا اور خلق کو حق تعالیٰ و تقدس کی مخلوق کہا ہے نہ کہ اس کا ظہور۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کتاب وسُنت کو اپنے مطالب کے لئے بطریقِ شہادت پیش کرتے ہیں، اس میں کچھ شہادت نہیں ہے، کیونکہ ان عبارتوں میں کامل طور پر وجود ماسوا کے کمال کی نفی کا حصہ ہے نہ کہ اصل وجود کی نفی، الخ" یعنی نص کے معنی یہ ہیں کہ ماسویٰ وجودِ حقیقی وکامل نہیں رکھتا یعنی ان لوگوں کا وجود ناقص ہے۔

[ان لوگوں نے شاید انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مذاق کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ اُن کی دعوت کا مدار، اثنینیت یعنی دُوئی اور غیر کے وجود اور غیریت پر ہے۔ ان کی عبارتوں کو توحید واتحاد پر حمل کرنا بیہودہ تکلف ہے۔ اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا، اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہوتے اور اس کے ماسوائے کی عبادت اس کی عبادت ہوتی جیسے کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے تو پھر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات مبالغہ اور تاکید کے ساتھ ان کی پرستش سے کیوں منع کرتے۔ اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مترتب کرتے۔ اور ان کے پجاریوں کو خُدا کا دشمن کیوں کہتے۔ جب تک ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع نہ بخشیں، عینیت کی دید جو جہالت سے اُن میں پیدا ہوگئی ہے دور نہیں ہوتی، اور نہ ہی ان کی عبادت کو حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت جانتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان لوگوں نے شاید انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مذاق کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ ان کی دعوت کا مدار، اثنینیت یعنی دُوئی اور غیر کے وجود اور غیریت پر ہے، الخ" یعنی یہ مخلوق کو غیرِ خالق سمجھتے ہیں یا بہ عبارتِ دیگر یہ واجب وممکن کو دو متغیر اشیاء کہتے ہیں، مخلوق کو عابد اور خالق کو معبود سمجھتے ہیں اور خلق کو عبادت اور معرفتِ حق پر دعوت کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا، اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہوتے، اور اس کے ماسوائے کی عبادت اس کی عبادت ہوتی، الخ" یعنی اگر ماسویٰ حق تعالیٰ وتقدس کے ظہورات ہوں تو ان کی عبادت عین حق تعالیٰ وتقدس کی عبادت ہے پس حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت عبادتِ حق اور معرفتِ حق پر اور اسی طرح حضراتِ انبیاءِ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا لوگوں کو غیرِ حق کی عبادت الٰہہ باطلہ کی عبادت سے منع کرنے کا کیا مفہوم و معنی ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ عالمِ ظہوراتِ حق نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ وتقدس کی مخلوق ہیں جس طرح کہ اس کی تفصیل قبلًا بیان ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کی عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے صرف اور صرف وہی ذاتِ مقدسہ عبادت کے لائق ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جب تک ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع نہ بخشیں، عینیت کی دید جو جہالت سے اُن میں پیدا ہو گئی ہے، دور نہیں ہوتی، الخ" یعنی اگر حق تعالیٰ وتقدس ظہورات کی ممکنات ہوتا اور اس میں غیریت نہ ہوتی تو لازم تھا کہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات ان حقائق کے بارے میں لوگوں کو سمجھا دیتے تو یہ حضرات ان کو غیر کی عبادت سے ممانعت نہ فرماتے اور واجب و ممکن دونوں کو مستحقِ عبادت فرما دیتے حالانکہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات نے ماسوا کی عبادت کرنے کو بصورتِ عموم ممنوع قرار دیا ہے اور باطل الٰہہ کی عبادت کرنے والوں کو مشرک فرمایا ہے۔

[ان لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں علیہم الصلوات والتسلیمات نے عوام لوگوں کے قصورِ فہم کے باعث توحیدِ وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بناء غیر و غیریت پر رکھی ہے، اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے۔

یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سُننے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو کچھ کہ واقعی اور نفس الامری ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔ جب نفس الامر میں ایک ہی موجود ہو اور اس کا غیر کچھ موجود نہ ہو، تو مناسب نہیں کہ اس کو چھپا کر نفس الامر کے خلاف ظاہر کریں۔ خاص کر وہ احکام جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اظہار اور اعلان کے وہ زیادہ حق دار ہیں، کوتاہ نظر خواہ ان کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن حکیم کی آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کو سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں۔ ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے، اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔ یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسوا کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں۔ اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے مؤحد کہتے ہیں اگرچہ ہزار بُت کی عبادت کرے، اس خیال سے کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں۔ اور ان کی عبادت حق تعالیٰ کی عبادت ہے، انصاف کرنا چاہیئے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کون مشرک ہے۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے وحدت الوجود کی طرف دعوت نہیں کی، اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے، بلکہ ان کی دعوت وحدتِ معبود جل شانہٗ کی طرف ہے، اور انہوں نے ما سوا کی عبادت کو شرک کہا ہے۔

اگر صوفیہ وجودیہ ماسوا کو غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں تو بھی شرک کو دفع نہیں کر سکتے کیونکہ ماسوا کو ماسوا ہی جانیں یا نہ جانیں۔ ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے۔ اور عینیت سے کنارہ کرتے ہیں۔ اور عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اور شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُس کے متبعین کے ساتھ انکار سے پیش آتے اور اُن کو برائی سے یاد کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے بلکہ نہ ہی حق تعالیٰ کا عین اور نہ ہی حق تعالیٰ کا غیر جانتے ہیں۔ یہ بات بھی ثواب سے دُور ہے۔

اَلْاِثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ۔

ترجمہ: دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں۔

قضیہ مقررہ ہے۔ اثنینیت یعنی دوئی کا منکر عقل کا مخالف ہے۔ ہاں متکلمین نے صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے بارہ میں لَا هُوَ وَلَا غَيْرَهٗ کہا ہے۔ اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لے کر اِس اَمر کو مد نظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم جُدا اور الگ ہونا جائز ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات حضرتِ ذات سے الگ نہیں ہیں، اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات وصفاتِ قدیمہ کے درمیان انفکاک یعنی الگ ہونا جائز متصور ہو سکتا ہے۔ پس لَا هُوَ وَلَا غَيْرَهٗ صفاتِ قدیمہ میں صادق ہے، برخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مفقود ہے۔

كان الله ولم يكن معه شيء۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی۔[1]

---

[1](کنز العمال، ج ۱۰، ص ۳۷۰، الناشر: مؤسسة الرسالة)

پس عالم کی غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دُور ہے۔ ان لوگوں نے اپنے حقیقتِ حال تک پہنچنے کے باعث عالم کو صفاتِ قدیمہ کی طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کو اس جگہ اطلاق کیا ہے۔ یہ لوگ جب عینیتِ عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو اُن پر لازم ہے کہ غیریتِ عالم کے قائل ہوں۔ اور توحیدِ وجودی والوں کے زمرے سے نکل آئیں۔ اور عالم کے متعدد وجود کے قائل ہو جائیں، اور توحیدِ وجودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں ہے۔ جیسے کہ شیخ محی الدین اور اُس کے تابعین نے کہا ہے اور عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے۔ حَاشَا وَکَلَّا بلکہ اُن معنوں کے اعتبار سے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب۔ جیسے کہ اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ لوگ اس شخص کو جو وجود کا قائل ہے اور ماسوا کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے مشرک کہتے ہیں، الخ" یعنی طائفہ وجودیہ کے نزدیک مؤحد وہ لوگ ہیں جو ایک وجود کے قائل ہوں اس خیال سے کہ یہ سب حق تعالیٰ و تقدس کے ظہورات ہیں۔ اور مؤحد وہ لوگ ہیں جو واجبِ حق تعالیٰ و تقدس کے بغیر بندہ کو بندہ سمجھیں اور صرف اور صرف واجبِ حق تعالیٰ و تقدس ہی کو عبادت اور پرستش کے لائق جانیں اور کسی شخص کو واجبِ حق تعالیٰ و تقدس کی عبادت اور اس کی خالقیت میں شریک نہ جانیں۔ خلاصہٗ کلام یہ ہے کہ ممکن کو ممکن اور واجب کو واجب جانیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بعض متاخرین، عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے۔۔۔۔ بلکہ نہ ہی حق تعالیٰ کا عین اور نہ ہی حق تعالیٰ کا غیر جانتے ہیں، الخ"

یعنی طائفہ وجودیہ کا ایک گروہ عالم کو عینِ حق اور دوسرا طائفہ عالم کو نہ عینِ حق جانتا ہے نہ غیرِ حق۔ یہ گفتار و نظریہ کُلی طور پر صواب سے دُور ہے اس لئے کہ واجب، واجب ہے اور ممکن، ممکن۔

اور یہ دو چیزیں اپنے مابین متغائر ہیں، قضیہ مقررہ ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے:

كان الله ولم يكن معه شيء۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی۔[1]

یعنی عالم حق تعالیٰ وتقدس کا غیر ہے کیونکہ اگر عالم حق تعالیٰ وتقدس کا غیر نہ ہوتا تو پھر لازم تھا کہ یہ ہمیشہ حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ ہوتا۔ اور یہ کہ متکلمینِ عقائد نے صفاتِ واجبی کے بارے میں لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ کہا ہے سچ ہے، اس لئے کہ صفاتِ ہمیشہ حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ تھیں، ہیں اور رہیں گی اور حق تعالیٰ وتقدس کی صفات حضرتِ ذاتِ مقدسہ سے جُدا نہیں ہیں۔ اور متکلمین نے غیریتِ مصطلح کی نفی کی ہے نہ کہ غیریتِ مطلق کی نفی۔ اور غیریتِ مصطلح وہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے جُدا کیا جاسکے اور صفاتِ ثمانیہ کو تو حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔ تو اسی بناء پر یہ غیر مصطلح نہیں ہیں اگرچہ عینِ ذاتِ مقدس بھی نہیں ہیں اور غیریت رکھتی ہیں۔ اس کی مثال سخی مؤمن ہے یہ سخاء عین انسان نہیں ہے بلکہ یہ سخاء اس مؤمن سے جدا بھی نہیں ہے تو اسی طرح صفاتِ باری تعالیٰ نہ عینِ ذات ہیں اور نہ ذات سے جُدا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے۔ حَاشَا وَكَلَّا بلکہ اُن معنوں کے اعتبار سے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب، الخ" یعنی خارج میں دو وجود موجود نہیں ہیں بلکہ ایک وجودِ

---

[1] (كنز العمال، ج١٠، ص٣٧٠، الناشر: مؤسسة الرسالة)

اصلی موجود ہے جو کہ حق تعالیٰ وتقدس کے وجود سے عبارت ہے اور دیگر وجودِ ظلی اور یا وجودِ وہمی ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس نے اس وجودِ وہمی کو اتقان واستقرار بخشا ہے جس طرح حق تعالیٰ وتقدس قدرت رکھتا ہے کہ دائرۂ موہومہ کو جو کہ نقطۂ جوالہ سے پیدا ہوا ہے اس کو اتقان و ثبوت عطا فرما دے۔ جس طرح کہ ایک زمانہ میں ہندوستان کے جادوگروں نے بادشاہِ وقت کے حضور میں اپنے جادو کے ذریعے گھنے درختوں کا ایسا اختراع کیا کہ بادشاہ نے ان سب کو اپنے سامنے موجود انداز میں دیکھا۔ اور سلطانِ وقت یہ جانتا تھا کہ اگر جادوگروں کو جادو کرنے کے دوران ہی قتل کر دیا گیا تو اس کا جادو اپنے حال پر باقی رہ جائے گا تو سلطانِ وقت نے ان جادوگروں کو قتل کر دیا اور اس وہمی جادو کے ذریعے سے ظاہر کئے گئے وہ گھنے درخت تاحال باقی ہیں۔

[سوال: صوفیہ وجودیہ دووجود کے کہنے والے کو جو مشرک کہتے ہیں وہ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ دوبین ہیں، اور دوبین طریقت کا مشرک ہے۔

جواب: دوبینی (دو دیکھنا) جو طریقت کا شرک ہے، توحیدِ شہودی سے دفع ہو جاتا ہے، توحیدِ وجودی اس مقام میں کچھ درکار نہیں ہے۔ کیونکہ سالک کا مشہود وملحوظ ایک ذاتِ مقدس کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو۔ اور طریقت کا شرک دور ہو جائے۔ دن میں جو آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھتے دوبینی کا دفعیہ حاصل ہے۔ اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوں، مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہو، خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کمال اس صورت میں ہے کہ اشیاء موجود ہوں اور سالک کمالِ فنا کے باعث جو اپنے مطلوبِ حقیقی سے رکھتا ہے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے، بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اُس کے دیدۂ بصیرت

میں نہ آئے۔ اور اگر اشیاء موجود نہ ہوں، فنا کس سے متحقق ہو گی اور فانی کس سے ہو گا اور کس کو فراموش کرے گا۔

سب سے اوّل جس شخص نے توحیدِ وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے، اس سے گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحیدِ وجودی کی خبر دیتی ہیں لیکن توحیدِ شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں، کیونکہ حق جل شانہٗ کے غیر کو جب نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں کہ:

لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللهِ

ترجمہ: میرے جُبہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہیں۔

اور بعض سُبْحَانِيْ مَا اَعْظَمَ شَانِيْ کی ندا پکار اٹھتے ہیں اور بعض:

لَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهٗ دَيَّارٌ

ترجمہ: گھر میں اُس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے۔

کی آواز بلند کرتے ہیں، یہ سب پھول ایک ہی یک بنی کی شاخ سے کھلے ہیں۔ ان عبارتوں میں کوئی بھی وحدت الوجود پر دلالت نہیں کرتی، اور جس شخص نے اس مسئلہ کو ابواب اور فصلوں کی شکل میں لکھا ہے اور صَرف و نحو کی طرح اس کو جمع کیا ہے حتیٰ کہ اس نے کہا ہے کہ خاتم النبوت بعض علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے۔ اور خاتم الولایت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے آپ کو جانتا ہے اور شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ پادشاہ اپنے خزانچی سے اگر کوئی چیز لے لے تو اس میں کیا نقصان ہے۔

غرض فنا و بقا اور ولایتِ کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لئے توحیدِ وجودی کی کوئی ضرورت نہیں۔ توحیدِ شہودی حاصل ہونی چاہیئے، تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوا کا نسیان حاصل ہو جائے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی سالک ابتدا سے انتہاء تک سیر کر جائے، اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف سے کوئی بھی اُس پر ظاہر نہ ہو، بلکہ نزدیک ہے کہ ان علوم سے انکار کر دے۔

فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اُس راستہ سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور کا متضمن ہے، اور نیز اس راہ کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچتے ہیں اور اکثر راہ ہی میں رہ جاتے ہیں۔ اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیر اب ہو جاتے ہیں، اور اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں، اور وصل سے محروم رہتے ہیں، یہ امر تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہُ الۡمُلۡھِمُ لِلصَّوَابِ

اور نیز فقیر کو اگرچہ راہِ ثانی سے سلوک میسر ہوا ہے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور سیر محبوبی کے ساتھ راستہ کے جنگلوں اور میدانوں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کروایا اور کمال کرم کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچایا، اور جب معاملہ مسترشدوں یعنی مُریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ایک اور راہ ہے جو وصول کے زیادہ قریب اور حصول میں زیادہ آسان ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھۡتَدِیَ لَوۡ لَا اَنۡ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدۡ جَاءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حق بات لائے۔

تنبیہ: سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ موجودات متعددہ ہوں اور حق تعالیٰ کا ماسویٰ بھی موجود ہو تو پھر بھی ہو سکتا ہے کہ فنا و بقا متحقق ہو جائے نہ یہ کہ ماسویٰ معدوم و ناچیز ہو جائے۔ یہ

بات باوجود ظہور کے اکثر خواص پر پوشیدہ رہی ہے، پھر عوام کا کیا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے توحیدِ شہودی کو عین وجودی خیال کر کے وحدت الوجود کی معرفت کو راستہ کی شرط جانا ہے، اور دو وجود کہنے والے کو ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ کرنے والا) سمجھا ہے۔ اور کثرت کے آئینوں میں وحدت کے مشاہدہ کو انجام کار تصور کیا ہے، ان میں بعض نے یہاں تک صریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہٖ من الصلوات وافضلہا ومن التسلیمات اکملہا کمالاتِ نبوت حاصل ہونے کے بعد شہودِ وحدت اور کثرت کے مقام میں رہے۔ اور آیتِ کریمہ: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر ۱) سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ "تحقیق ہم نے تجھ کو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ عطا کیا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوثر کی واؤ کے درمیان آنے جو حروف کثر کے درمیان ہے یہ اشارات سمجھے ہیں۔ حَاشَا وکَلَّا اس قسم کے معارف مقامِ نبوت کے لائق ہوں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات خدائے بیچون جل شانہٗ کی طرف دعوت کرتے رہے ہیں۔ اور جو چیز چون کے آئینوں میں گنجائش نہیں رکھتی وہ بے چونی سے بے نصیب ہے۔ اور چونی اور چندی کے داغ سے داغ دار ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دے، شاید یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو اپنے کمالات کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح جانتے ہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ چھوٹا منہ بڑی بات۔

چو آن کرمے کہ در سنگے نہان است
زمین و آسمانِ او ہمان است

ترجمہ: جس طرح وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہے اس کا زمین و آسمان وہی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت میں یہ کمینہ اور عاجز اس قسم کی معرفت سے جو اوّل اوّل حاصل ہوئی تھی ندامت واستغفار کرتا ہے۔ اور اس شہود کو نصاریٰ کے حلول کی طرح اس پاک جناب سے نفی کرتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا اور جانا گیا سب اُس کا غیر ہے۔ کلمہ لَا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیئے، پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے اور اس پاک بارگاہ سے منتفی اور دور ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکال دیا ہے اور مشاہدہ اور معائنہ کی گرفتاری سے نجات بخشی ہے، اور میرے اسباب کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔

جَزَاہُ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَنِّیۡ خَیۡرَ الۡجَزَآءِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اُن کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔

میں صرف ایک ہی بات سے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا مُرید اور حلقہ بگوش ہوں، اور واقعی اولیاء میں سے شاید ہی کسی نے اس طرح کی عبارت بیان کی ہو۔ اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طرح پر نفی کی ہو۔ اس مقام میں آپ کے اس سخن کی حقیقت کو جہاں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت بہاؤالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حرام ہے، اگر اس کی ابتداء بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی انتہاء نہ ہو، ڈھونڈنی چاہیئے۔ کیونکہ بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باوجود اس بزرگی کے شہود ومشاہدہ سے آگے نہیں نکلے۔ اور "سُبۡحَانِیۡ مَا اَعۡظَمَ شَانِیۡ" کے تنگ کوچہ سے قدم باہر نہیں رکھا۔ برخلاف ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے کہ جنھوں نے ایک ہی کلمہ لَا سے اس کے تمام مشاہدات کی نفی فرمادی اور سب کو حق تعالیٰ کا غیر ثابت کر دیا۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی

تنزیہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے نزدیک تشبیہ ہے اور اس کا بیچون ان کے نزدیک چون اور کمالِ نقص ہے۔ ناچار اس کی انتہاء جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھی، خواجہ قدس سرہٗ کی ابتداء ہو گی۔ کیونکہ بدایت تشبیہ سے ہے، اور نہایت تنزیہ کے ساتھ۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخرِ حال میں بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس نقص پر اطلاع بخشی گئی کہ وہ موت کے وقت اس طرح کہتے تھے:

مَاذَکَرْتُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃٍ وَمَا خَدَمْتُکَ اِلَّا عَنْ فَتْرَۃٍ

ترجمہ: میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے، اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سُستی سے۔

اس نے پہلے حضور کو غفلت جانا، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا حضور نہ تھا۔ بلکہ ظلال میں سے ایک ظل کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا۔ پس ناچار حق تعالیٰ سے غافل رہے، اور حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ ظلال و ظہورات سب کے سب مبادی اور مقدمات اور معارج اور مُعِدَّات ہیں۔ اور یہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں، واقع کے موافق ہے۔ کیونکہ ابتداء ہی سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہے۔ اور اسم وصفت سے ذات کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

اس طائفہ عَلیہ کے مبتدیوں کو یہ دولت اپنے شیخِ مقتداء سے جو اس کمال کے ساتھ مشرف ہوتا ہے بطریقِ انعکاس حاصل ہو جاتی ہے، خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں۔ پس ناچار کاملوں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں مندرج تسلیم کرنی پڑے گی۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر اَحدیت کی توجہ ان میں غالب آجائے اور ظاہر کو بھی باطن کے ہم رنگ کر دے تو سالک مشاہداتِ سفلی سے جو ممکنات کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں، آزاد ہو جاتا

ہے اور معارفِ تشبیہی سے خلاصی پا جاتا ہے۔ اور اگر یہ توجہ غالب نہ سکے اور صرف باطن پر ہی لگی رہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کی لذت پاتا ہے، اور توحید واتحاد سے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شہود ان کے حق میں ظاہر پر ہی محدود رہتا ہے، باطن میں کچھ سرایت نہیں کرتا۔ ان کا باطن اَحدیتِ صَرف کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ان کا ظاہر کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اس وقت ممکن ہے کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کے باعث باطنی توجہ معلوم نہ ہو۔ اور شہودِ ظاہر کے سوا اور کوئی اَمر مفہوم نہ ہو۔ جیسے کہ ابتداء میں ان سطور کے لکھنے والے کا حال تھا کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کے باعث باطنی توجہ سے جو اَحدیتِ صرف کی طرف تھی، بالکل آگاہی نہ رکھتا تھا اور کُلی طور پر اپنے آپ کو کثرت میں وحدت کی طرف متوجہ پاتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد حضرتِ حق سبحانہٗ نے باطن کی توجہ پر اطلاع بخشی ار باطن کو ظاہر پر نصرت دی، اور معاملہ کو یہاں تک پہنچایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ

ترجمہ: اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

وہ معارفِ توحیدی اور مشاہداتِ سفلی جو اس خاندان بزرگ کے بعض خلفاء سے سرزد ہوئے ہیں، وہ بھی اس قسم سے ہیں نہ یہ کہ لوگ ظاہر و باطن میں اسی شہود کی طرف متوجہ اور اسی معرفت کے گرفتار رہے ہیں۔ بَرخلاف دوسرے بزرگوں کے جو ظاہر و باطن میں اور اس شہود کو تشبیہ اور تنزیہ کا جامع جان کر اسی کو کمال سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا باطن بھی اگرچہ تنزیہ صَرف کے ساتھ ایمان رکھتا ہے، لیکن گرفتاری اور ہے اور ایمان کچھ اور۔ اور حال اور ہے اور علم کچھ اور چیز۔ وہ لوگ

جو تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے اور مشاہدۂ سفلی کے سوا کسی اور اَمر کے معتقدات نہیں ہیں، وہ مُلحدوں میں سے ہیں، جو اس بحث سے خارج ہیں۔

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے۔ اور تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے، در حقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے۔ اس میں ان کا مشہود ان کا خیال اور من گھڑت اَمر ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب نہیں ہے۔ اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے۔ اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے۔ ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی بیہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے اور حق تعالیٰ کے غیر کو خُدا نہ جاننا چاہیئے، مانا کہ یہ لوگ خطاکار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور خطار کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں۔ لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے۔ کاش کہ مجتہدِ مخطی کے مقلدوں کی ہی طرح ہوتے، اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔ قیاس واجتہاد اصولِ شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو اَمر ہوا ہے۔ برخلافِ کشف اور الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے، لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے۔ پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیئے اور دین کے اصول کو ان کی آراء کے موافق تلاش کرنا چاہیئے، اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے بَرخلاف کہیں یا کریں اس کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ اور حُسنِ ظن کے ساتھ ان کے طعن سے لب بند رکھنے چاہئیں اور اُن کی اِس قسم کی باتوں کو شطحیات (ظاہرِ شریعت کے خلاف کچھ گفتار کرنا اور خلافِ شرع کلمات کا زبان پر لانا یعنی وہ کلمات جو مستی اور ذوق کے وقت بے اختیار زبان سے صادر ہو جائیں) سے جاننا چاہیئے، اور ظاہر کی طرف سے مصروف و پھرا ہوا خیال کرنا چاہیئے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں بعض صوفیہ عام لوگوں کو اپنے کشفیہ اور الہامیہ اُمور مثلاً وحدت الوجود کے ساتھ ایمان لانے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان کی تقلید کی ترغیب دلاتے ہیں، اور ان کے عدم ایمان پر دھمکاتے ہیں، کاش کہ یہ لوگ اِن اُمور کے عدمِ انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور دھمکی فرماتے۔ کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدمِ انکار اور چیز۔ ان اُمور کے ساتھ ایمان لانا لازم اور ضروری نہیں ہے، ہاں ان اُمور بچنا چاہیئے، ایسانہ ہو کہ ان اُمور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچادے۔ اور حق تعالیٰ کے اولیاءکے ساتھ بغض وعداوت پیدا ہو جائے، علمائے اہلِ حق کے موافق کام کرنا چاہیئے، اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حُسنِ ظن کے ساتھ سلوک کرنا چاہیئے، اور لا و نعم پر جرأت نہ کرنی چاہیئے۔

هَذَاهُوَ الْحَقُّ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَ الْاِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيطِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ

ترجمہ: یہی وہ حق ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے مدعی اسی شہود و مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس اثناء میں روٗیتِ بصری کے بھی قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہٗ کی ذات کو دیکھتے ہیں۔ اور نیز کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک بار ہی شبِ معراج میں حاصل ہوئی تھی، ہم کو ہر روز میسر ہے۔ اور وہ نور جو اِن کے دیکھنے میں آتا ہے اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں، اور اس نُور کو مرتبۂ بے کیفی خیال کرتے ہیں۔ اور مراتبِ عروج کی نہایت اس کے ظہور تک تصور کرتے ہیں۔۔

تَعَالَی اللّٰہُ سُبْحَانَهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اُس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بلند ہے۔

اور نیز حضرتِ حق جل شانہٗ کے ساتھ مکالمہ وکلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایاہے، کبھی دُشمنوں کے حق میں حضرتِ عزّ شانہٗ کی طرف سے کئی قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں اور کبھی اپنے دوسروں کو بشارت دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کی تہائی یاچوتھائی حصہ تک میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے کلام کرتارہا۔ اور ہر طرح کی باتیں پوچھتارہا اور جواب لیتارہا۔

لَقَدِ اسۡتَكۡبَرُوا فِيٓ أَنفُسِهِمۡ وَعَتَوۡ عُتُوّٗا كَبِيرٗا (الفرقان ۲۱)

ترجمہ: بے شک اپنے جی میں بہت ہی اُونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔

ان لوگوں کی باتوں سے یہ سمجھ آتاہے کہ یہ لوگ اس نُورِ مرئی کو عینِ حق تعالیٰ سمجھتے ہیں۔ اور اس نُور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یااس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نُور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افتراء اور صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کانہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لئے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا۔

سُبۡحَانَکَ عَلَی حِلۡمِکَ بَعۡدَ عِلۡمِکَ سُبۡحَانَکَ عَلَی عَفۡوِکَ بَعۡدَ قُدۡرَتِکَ

ترجمہ: یااللہ تُو پاک ہے کہ ہماری بُرائیوں کو جان کر حلم فرماتاہے، یااللہ تو پاک ہے کہ ہمیں قدرت کے باوجود معاف فرماتاہے۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم صرف رُویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہوگئی۔ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلبِ رؤیت کے بعد لَنۡ تَرَانِیۡ کازخم کھایا۔ اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ اور اس طلب سے تائب ہوئے اور حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو رب العالمین کے محبوب اور تمام اولین وآخرین موجودات میں سے بہترین ہیں۔ باوجود اس کے معراجِ بدنی کی دولت سے مشرف ہوئے، اور عرش وکرسی سے گزر کر مکان وزمان سے بھی اوپر چلے گئے۔ باوجود قرآنی اشارتوں کے حضور علیہ وعلیٰ اٰلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء حضور علیہ وعلیٰ اٰلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی عدمِ رؤیت کے قائل ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَارَاٰی رَبَّہٗ سُبْحَانَہٗ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ۔

ترجمہ: یعنی صحیح یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا ہے۔

یہ بے سروسامان اپنے خیالِ باطل میں ہر روز خدا کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ایک دیدار میں بھی علماء کی قیل وقال ہے۔

فَقَبَّحَھُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَا اَجْھَلَھُمْ

ترجمہ: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو خوار کرے یہ کس قدر جاہل ہیں۔

اور نیز ان لوگوں کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کو جس کو یہ لوگ سُنتے ہیں، حق سبحانہٗ سے وہی نسبت ہے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ جانتے ہیں۔ یہ عین الحاد ہے کہ حاشا وکلّا کہ حضرتِ حق سبحانہٗ سے تکلم کے طریق پر کوئی ایسا کلام صادر ہو، جس میں ترتیب، تقدیم اور تاخیر ہو جو حدوث کی علامات میں سے ہیں۔ شاید مشائخِ کبار کی باتوں نے ان کو غلطی میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ مشائخ نے بھی حضرت حق جل سلطانہٗ کے ساتھ کلام ومکالمہ کیا ہے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ مشائخِ کبار اس کلام کو حضرتِ حق سبحانہٗ کے ساتھ ایسی نسبت نہیں دیتے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ دے سکیں۔ بلکہ وہی نسبت ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور اس میں کوئی محظور (رکاوٹ) اور قباحت نہیں۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شجرۂ مبارکہ سے حق تعالیٰ کا کلام سُنا تو اس کلام کو حق تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ وہ نسبت جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی وہ کلام جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا اس کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ کلام بھی حق تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا منکر کافر وزندیق ہے۔ گویا حق تعالیٰ کا کلام، کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی کے درمیان مشترک ہے۔ جس کو حق تعالیٰ کسی اَمر کے ذریعے ایجاد فرماتا ہے۔ پس کلامِ لفظی بھی حق تعالیٰ کا کلام ہو گا۔ ناچار اس کا منکر بھی کافر ہو گا۔

فَافْهَمْ فَاِنَّ هٰذَا التَّحْقِيْقَ يَنْفَعُکَ فِيْ کَثِيْرٍ مِّنَ الْمَوَاضِعِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ

ترجمہ: پس سمجھ کیونکہ یہ تحقیق بہت جگہ تجھے نفع دے گی، اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کمال اس صورت میں ہے کہ اشیاء موجود ہوں اور سالک کمال فنا کے باعث جو اپنے مطلوبِ حقیقی سے رکھتا ہے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا اپنے اس فرمان سے صوفیہ وجودیہ کی تردید کرنا ہے اس لئے کہ فنا کی شرط یہ ہے کہ ممکنات موجود ہوں اور غیریت رکھتی

ہوں او سالک ان کو فراموش اور ماسوٰی کی طرف کسی قسم کی توجہ نہ کرے تا کہ یہ مراتبِ واجبی تک پہنچ جائے اور اگر امکان وماسویٰ کو عین واجب کہے تو پھر فنا کا کیا مفہوم ہو گا؟ اور سالک کس چیز کو فراموش کرے گا تا کہ مرتبۂ فنا پر مشرف ہو سکے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ سب پھول ایک ہی یک بنی کی شاخ سے کھِلے ہیں، الخ" یعنی صاحبانِ توحیدِ وجودی نے چونکہ ماسویٰ کو نہیں دیکھا تبھی اس طرح گفتار کرتے ہیں اور اس طرح کہنا توحیدِ شہودی کے بیان کی دلیل ہے نہ کہ توحیدِ وجودی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے، الخ" یعنی اگرچہ فصوص الحکم کے شارحین نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں بہت زیادہ توجیہات کی ہیں اور ہر ایک توجیہ بیان کی ہے مگر حقیقت میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں توجیہ وہی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے مکتوبات شریف میں فرمائی ہے کہ سیر محبوبان سیر اجمالی ہے یہاں تک کہ وہ اس میں پہنچ جاتے ہیں اور محبوبان ظلال کی طرف توجہ نہیں کرتے تو اسی بناء پر یہ بات امکان رکھتی ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس کے ظلال سے ظلی صفات شیخ کے کشف کے واسطہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس لئے کہ اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں سے ہر فرد کے کمالات اسی اُمت کے نبی علیہ السلام کی متابعت کی برکت کی وجہ سے ہیں اسی وجہ سے ہر کمال جو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں کو میسر ہوتا ہے وہ کمال اس اُمت کے پیغمبر متبوع کو بھی راجع ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان یہ معنی نہیں رکھتا کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے افضلیت رکھتاہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شیخ سے کمالات کو اخذ کرتے ہیں بلکہ حضرت شیخ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت اور پیروکاروں میں سے ہیں تو اسی بناء پر وہ کمال جو کہ حضرت شیخ کو مراتبِ ظلال سے حاصل ہوا ہے وہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تک بھی پہنچا ہے۔ یہ امر حقیقت میں خدمت کی ایک نوع ہے جو کہ خادم کے توسط سے مخدوم تک پہنچی ہے اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شانِ مبارک اس کمال کے حصول سے بہت ہی زیادہ بلند تر ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کمال کے لئے محتاج نہیں رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیئے اور دین کے اصول کو اُن کی آراء کے موافق تلاش کرنا چاہیئے، الخ" یعنی اہلِ سنت وجماعت کے چار اُصول ہیں:

اوّل: کتاب اللہ (قرآنِ عظیم الشان)، دوم: سُنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (احادیثِ مبارکہ)، سوم: اجماع، چہارم: قیاس۔

سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانۂ اقدسہ سے لے کر آج تک ان ہی چار اُصولوں پر ہر جگہ جمع کثیر سے عمل جاری وساری ہے جو کہ درجہ تواتر کو پہنچ چکا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کی تہائی یا چوتھائی حصہ تک میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے کلام کرتا رہا، الخ" یعنی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ممکنات (مخلوق) میں سے کسی چیز سے آواز آتی ہے جسے انسان سُن پاتا ہے۔ جس طرح کہ ایک روز حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دشت وبیابان میں سفر فرما رہے تھے اچانک اُن کو ایک آواز سنائی دی کہ اے شبلی! کن مثلی یہ آواز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نہیں تھی بلکہ یہ ایک درخت سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سُنائی دے رہی تھی۔

[جاننا چاہیئے کہ وہ وجود جو ممکنات کے لئے ہم ثابت کرتے ہیں، تمام صفات کی طرح ایک ضعیف وجود ہے۔ ممکن کے علم کی واجب کے علم کے مقابلہ میں کیا مقدار ہے، اور قدرتِ قدیمہ کے مقابلہ میں قدرتِ حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے۔ ایسے ہی ممکن کا وجود واجبِ تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں لاشئ محض ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے فرق کے باعث شک میں پڑ جائے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کے طور پر ہے یا ایک فرد پر بطریقِ حقیقت ہے اور دوسرے پر بطریقِ مجاز۔ کیا نہیں جانتے کہ صوفیہ میں سے بعض لوگوں نے شقِ ثانی پر یقین کیا ہے۔ اور ممکن کے وجود پر وجود کا اطلاق کرنا مجاز کے طور پر سمجھا ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتے۔ مگر عوام یا اخصِ خواص۔ اخص سے مراد انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اُن کی اُمتوں میں سے وہ لوگ ہیں جو ان کی ولایتِ اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور وہ دائرۂ ظلال کو پورے طور پر طے کر چکے ہیں۔ عوام ظاہر بین ہیں، جو واجبِ تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کی اقسام جانتے ہیں، اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں۔ اخصِ خواص تیز نظر والے ہیں، جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد سے جانتے ہیں، اور افراد وجود کے مراتب کے

تفاوت کو وجود کی صفات اور اعتبارات کی طرف لوٹاتے ہیں۔ نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تاکہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز۔ اور گروہِ متوسطین جو عوام کے رُتبہ سے قدم آگے رکھتے ہیں، اور اخصِ خواص کے کمالات سے کوتاہ دَست ہیں، مشکل ہے کہ ممکنات کے وجود کے قائل ہوں۔ اور ممکن کے وجود پر بطریقِ حقیقت وجود کا اطلاق کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ممکن کو اس علاقہ سے موجود کہتے ہیں کہ وجود کے ساتھ اس کی نسبت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ پانی سورج کی دھوپ سے گرم ہے، نہ یہ کہ وجود اس کے ساتھ قائم ہے تاکہ حقیقت کے طور پر موجود ہو۔ اس گروہ میں سے بعض لوگ ممکن کے وجود سے ساکت وخاموش ہیں اور نفی واثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے۔ اور واجبِ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو موجود نہیں جانتے۔ ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جیسے کہ وجود کا عین نہیں جانتے وجود کا غیر بھی نہیں جانتے۔ اور ان میں سے ایک گروہ نے اس طرح تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجبِ تعالیٰ موجود ہے اس وجود کے ساتھ ممکن بھی موجود ہے۔ اس عبارت سے بھی ممکن کے وجود کی نفی کرتے ہیں۔ غرض ممکن کا وجود ثابت کرنے کے لئے بڑی تیز نظر ہونی چاہیئے، تاکہ واجبِ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اس کو دیکھ سکیں۔ تیز نظر والے لوگ دِن میں آفتاب کی روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور جس کی نظر تیز نہیں ہوتی، وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کے وجود کی طرح ہے کہ جو تیز نظر والا ہے وہ دیکھ سکتا ہے اور جس کی نظر کمزور ہے اس دید سے اسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

اگر کوئی پوچھے کہ عوام باوجود ضعفِ بصر اور کوری بصیرت کے کس طرح ممکنات کے وجود کو دیکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ واجبِ تعالیٰ کے وجود کے انوار کی چمک اس کے دیکھنے سے مانع ہے تو میں کہتا ہوں کہ عوام اربابِ علم میں سے ہیں نہ کہ اربابِ دید میں سے۔ ہماری گفتگو اربابِ دید کی نسبت ہے

نہ کہ اربابِ علم کی نسبت۔ کیونکہ اربابِ علم اس بحث سے خارج ہیں۔ گویا واجب تعالیٰ کے انوار کا ظہور ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس وجودِ ممکنات کے دیکھنے سے مانع نہ ہو گا، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ انوار کا ظہور وجودِ ممکنات کے دیکھنے سے مانع ہے نہ کہ وجودِ ممکنات کے علم سے مانع ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اشیاء کا علم سماع و تقلید سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور نظر واستدلال سے بھی متصور ہو سکتا ہے۔ جیسے روزِ روشن میں آفتاب کی روشنی کے باجود ستاروں کے وجود کا علم ضعیف نظر والوں کو بھی حاصل ہے۔ اسی طرح عوام کو وجودِ ممکنات کا علم حاصل ہے نہ کہ وجودِ ممکنات کا شہود۔ کیونکہ شہود صفاتِ بصیرت سے ہے، اور ان کی بصیرت کی آنکھ اندھی۔ مشہودِ مَلک (فرشتہ) ہو یا ملکوت (عالمِ اسماء)، جبروت (عالمِ صفات) ہو یا لاہوت (عالمِ ذات)۔

اے عزیز! عوام جس طرح اس بحث میں اَخصِ خواص کے ساتھ شریک ہیں اور کئی دیگر باتوں میں بھی ان کے درمیان شرکت ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہت سے احکام میں عوام کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور خلقت اور اہل وعیال کے ساتھ رہنے سہنے میں عوام کی طرح گزارہ کرتے ہیں۔ اپنے اہل وعیال کے ساتھ حضور اکرم علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے حُسنِ معاشرت کے حالات مشہور ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام امامین (حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بوسے لے رہے تھے، اور کمال انبساط اور خوشی کے ساتھ سلوک کر رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کی کہ میرے گیارہ لڑکے ہیں، میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ تو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اپنے مہربان بندوں کو عطا فرماتا ہے"۔

چونکہ اخص خواص بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں، خواہ وہ شرکت باعتبار صورت کے ہو اس لئے عوام اپنی نارسائی کے باعث ان کے کمالات سے تھوڑا حصہ پاتے ہیں، اور اُن کو اپنی ہی طرح خیال کرتے ہیں، اور وہ شخص جو اوصاف وشمائل میں اُن سے جُدا ہو اس کو بہتر اور بزرگ جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے اُن اوصاف واخلاق کو جو اُن کے اوصاف واخلاق سے جُدا ہیں ان اوصاف واخلاق سے جو اُن کے اوصاف واخلاق کی مانند ہیں بہتر جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ اخلاقِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں موجود ہوں۔

سُنو! مخدوم فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت ایک حکایت منقول ہے کہ جب اُن کا کوئی لڑکا فوت ہو جاتا اور اُس کے مرنے کی خبر اُن کو پہنچتی تو ان کی طبیعت میں کوئی تغیر و تبدل نہ آتا، اور وہ اس طرح فرمادیتے کہ سگ بچہ مر گیا، جاؤ اس کو باہر پھینک دو۔

اور جب حضور سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوا تو حضور اکرم علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام اُس کے مرنے پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا:

وَإِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا إِبْرَاهِیمُ لَمَحْزُونُونَ۔

ترجمہ: اے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہم تیری جدائی سے بہت غمزدہ ہیں۔[1]

یعنی بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ اپنے غم کا اظہار فرمایا۔ پس حضرت گنج شکر بہتر ہیں یا حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام؟ عوام کالانعام کے نزدیک معاملہ اوّل بہتر ہے۔ اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری سمجھتے ہیں۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَنۡ مُعۡتَقَدَاتِھِمُ السُّوۡءِ

---

[1] (صحیح البخاری، ج۵، ص۵۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہم کو اُن کے بُرے عقیدے سے بچائے۔

کیونکہ یہ ابتلاء وآزمائش کا مقام ہے، عوام کو مشتبہ کرنا اور شبہ میں ڈالنا عین وحکمت ومصلحت ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَ ارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا بَاطِلَ بَاطِلًا وَ ارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْبَشَرِ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَ مِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا

ترجمہ: اے اللہ! حضرت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل ہم کو حق دکھا، اور حق کی تابعداری ہمارے نصیب کر، اور باطل کو باطل کر کے دکھا، اور اس (باطل) سے ہم کو بچا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے فرق کے باعث شک میں پڑ جائے، الخ" یعنی وجودِ ممکن ضعیف وغیرہ کامل کے اندازہ سے ہے جو کہ حق تعالیٰ وتقدس کے وجود کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتے۔ تو اسی بناء پر ناظر کو قطعاً کسی قسم کا شک وتردّد نہیں ہوتا کہ ممکن پر اطلاقِ وجود حقیقت کے طریق پر پیدا ہے یا مجاز کے طریق پر۔ تو اس وجہ سے قضیہ تشکیک کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔

الف: وجود کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

اوّل: وجودِ اصلی وخارجی ہے جس طرح کہ ذاتِ مقدس کا وجود اور حق تعالیٰ وتقدس کی صفاتِ ثمانیہ۔

دوم: وجودِ ظلی ہے جس طرح ممکنات کا وجود۔

سوم: وجودِ وہمی غیر خارجی ہے جس طرح دائرۂ موہومہ کا وجود جو کہ نقطۂ جوالہ سے پیدا شدہ ہے۔

ب: ناظرینِ وجود کو بھی مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

اوّل: عوام اور علمائے ظواہر کا طبقہ۔

دوم: صوفیہ متوسطین و غیر منتہی جو کہ مراتبِ ظلال میں قرار پذیر ہیں اور مقاماتِ اصلیہ کے شہود پر نہیں پہنچے ہیں۔

سوم: صوفیہ منتہی جو کہ مراتبِ وجوب کے شہودِ اصل پر مشرف ہیں۔

ج: ادراک کے وسائل اور ممکنات کی دید کو بھی مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

اوّل: رؤیتِ بصری یعنی سَر کی آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ۔

دوم: سماع اور غیر سے سُننا۔

سوم: باطن کی بصیرت کا شہود۔

اوّل: صوفیہ منتہی جو کہ مراتبِ وجوب کے شہودِ اصل پر مشرف ہیں۔ ان کی دید مراتبِ وجوب کے سُرمہ کے نُور سے سُرمگیں ہوئی ہیں۔ تو اس بناء پر انوارِ وجوب کے عینِ شعشعان (پَرتَو روشنی) میں عالمِ امکان کو بھی دیکھ سکتے ہیں اسی وجہ سے اس طائفہ کے نزدیک وجودِ اصلی اور حقیقی جو کہ خارج میں موجود ہے وہ حق تعالیٰ و تقدس کا وجود ہے اور بس۔ ممکنات کے وجود کے لئے وجودِ ظلی اور غیر اصلی یا وجودِ وہمی متقن کہتے ہیں۔

دوم: ناظرینِ دوم جو کہ صوفیہ متوسط سے عبارت ہیں یہ لوگ ابھی تک مراتبِ اصلی کے شہود پر مشرف نہیں ہیں اور شہودِ ظلال کے مراتب میں قرار پذیر ہیں اسی بناء پر مراتبِ ظلال کے

شعشعان ان کی بصیرت کو تحتِ تاثیر قرار دیتے ہیں اور یہ مغلوب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ممکنات کے وجود کو نہیں دیکھ سکتے اور اس پر بھی وجود کا اطلاق نہیں کرتے اور سب کو واجب کہتے ہیں۔ اس طائفہ میں سے بعض ممکنات کو ظہوراتِ وجوب سمجھتے ہیں اور ان میں سے بعض ممکنات کو بطریقِ مجاز موجود کہتے ہیں۔

عوام اور علمائے ظواہر کا علم جو کہ ممکنات کے وجود کے قائل ہیں ہماری بحث سے خارج ہیں۔ اس لئے کہ ہماری بحث شہودِ بصیرت ہے اور یہ تیسرا طائفہ اس نعمت سے بے بہرہ ہے اور ان کا علم حواسِ ظاہری اور سماع پر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اے عزیز! عوام جس طرح اس بحث میں اخصِ خواص کے ساتھ شریک ہیں، اور کئی دیگر باتوں میں بھی ان کے درمیان شرکت ثابت ہے، الخ" یعنی عارف اور خواصِ اولیاء متوسطین عوام سے جُدا ہیں کیونکہ اخصِ خواص کی خاصیت عوام کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اس لئے کہ منتہیان معاشرتی زندگی میں عوام کے ساتھ امتیاز نہیں رکھتے جس طرح کہ مریض کی عیادت کرنا وغیرہ اُمورِ مسنونہ عوام کے ساتھ مشارکت وہمدردی اور آمیزش رکھتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ منتہیان کامل حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے نائبان ہیں اور ظاہر وباطن میں خلق کی طرف متوجہ ہیں۔ لہٰذا زیادہ عوام کا تعلق اس طائفہ میں سے نہیں ہے اور عوام ان لوگوں کو مطلق اپنی مانند اور ولایت سے خالی سمجھتے ہیں۔ متوسطان کے برعکس کہ یہ لوگ مراتبِ ظلال میں قرار پذیر ہیں اور ابھی بھی کمالِ نبوت کے انوار سے بہرہ ور نہیں ہوئے ہیں۔ اسی بناء پر مریض کی عیادت وغیرہ اُمورِ معاشرتی میں عوام کے ساتھ آمیزش نہیں رکھتے بلکہ اس قسم کے مسائل سے غفلت ولاپرواہی کرتے ہیں ان کے اخلاق

واطوار عوام سے جُدا ہوتے ہیں۔ تو اسی وجہ سے عوام اس طائفہ کو اُمورِ معاشرت میں نہیں پاتے اور عوام ان لوگوں کو اولیاء تصور کر لیتے ہیں۔

[اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان اور ان اولیاء کا ایمان جو اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملحق ہیں، دعوت کی طرف رجوع کرنے کے باعث غیب کے ساتھ بدل جاتا ہے، جس طرح کوئی شخص دن میں آفتاب دیکھے اور آفتاب کے وجود کے ساتھ ایمانِ شہودی حاصل کر لے۔ اور جب رات ہو جائے تو اس کا ایمان شہودی ایمانِ غیب کے ساتھ بدل جائے۔ اور علماء کا ایمان اگرچہ غیب کے ساتھ ہے، لیکن اُن کے غیب نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے باعث حدث کا حکم پیدا کر لیا ہے اور نظریت سے نکل چکا ہے۔

علماء سے مراد اس جگہ علمائے آخرت ہیں کہ علمائے دُنیا۔ کیونکہ علمائے دُنیا عام مؤمنین میں داخل ہیں اور ایمان بالغیب جو عام مؤمنین کی طرف منسوب ہے اس کی اقسام میں سے بہترین قسم وہ ایمان ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید سے وابستہ ہے اور قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تعلق رکھتا ہے۔

سوال: علماء نے فرمایا ہے کہ ایمانِ استدلالی ایمانِ تقلیدی سے بہتر ہے۔ حتٰی کہ بہت سے علماء نے استدلال کو ایمان کی شرائط میں سے بیان کیا ہے، اور ایمانِ تقلیدی کو معتبر نہیں جانتے اور تُو نے ایمانِ تقلیدی کو بہتر کہا ہے۔

جواب: وہ ایمان جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہی ایمانِ استدلالی ہے۔ کیونکہ صاحبِ تقلید دلیل کے ساتھ جانتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات تبلیغِ

رسالت میں صادق ہیں۔ کیونکہ وہ شخص جس کی اللہ تعالیٰ معجزات کے ساتھ تصدیق کرے، بے شک سچا ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جن کی تائید معجزات کے ساتھ ہوئی ہے، سب کے سب صادق اور راست ہیں۔ تقلید غیر معتبر یہ ہے کہ ایمان میں اپنے داد کی تقلید کرے، اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی صداقت اور اُن کی تبلیغ کی حقیقت کو منظور نہ رکھے، اور یہ ایمان اکثر علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

باقی رہا وہ استدلال جو اَربابِ نظر (منطقی) اپنے مقدمات کے ساتھ حاصل کرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ ترتیب سے ایمان کا نتیجہ ظاہر یا اخذ کرتے ہیں۔ یہ استدلال ایک ایسا امر ہے جو امکان کے نزدیک اور وقوع سے دُور ہے، اور مقامِ استدلال میں واجبِ تعالیٰ کے اثبات کے لئے اربابِ نظر میں سے مولانا سید جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا معلوم نہیں کہ اور بھی کوئی گزرا ہو۔ کیونکہ وہ محقق بھی ہے اور متاخر بھی۔ اس نے اس امرِ عالی کے ثابت کرنے میں بہت کوشش کی ہے، باوجود اس اَمر کے اُس کے استدلالی مقدمات میں سے کوئی ایسا مقدمہ نہیں ہے جس میں اُس کے رسالوں کے محشی منع یا نقص کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں۔ اور اچھے اچھے اعتراض نہ کئے ہوں، اُس صاحبِ استدلال پر نہایت ہی افسوس ہے جو ایمان کو صرف استدلال ہی سے حاصل کرے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید اُس کی دستگیری اور مدد نہ کرے۔

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران ۵۳)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اُن اولیاء کا ایمان جو اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملحق ہیں، دعوت کی طرف رجوع کرنے کے باعث غیب کے ساتھ بدل جاتا ہے، الخ" یعنی ایمان کی دو انواع ہیں ایک ایمانِ شہودی اور دوسرا ایمان بالغیب۔

اوّل: ایمانِ شہودی جو اولیاءِ متوسطین کا نصیب ہے کہ اس طائفہ نے ظلال کو اصل تصور کیا ہے اور مراتبِ ظلال کے شہود پر خوش ہیں۔

دوم: ایمان بالغیب جو کہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات اور منتہیان اولیاء کرام کا خاصہ ہے کہ یہ حضرات مراتبِ اصل کے شہود کے بعد ظاہری و باطنی طور پر رجوع فرما کر خلق کو دعوت دینے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ وہ فرق جو متوسطین کے شہود اور ان بزرگوں کے درمیان موجود ہے وہ یہ ہے کہ متوسطین کا شہود ظلال ہے اور منتہیوں کا شہود واصل۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ایمان بالغیب جو عام مؤمنین کی طرف منسوب ہے، اس کی اقسام میں سے بہترین وہ ایمان ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید سے وابستہ ہے، الخ" یعنی عام مؤمنین (غیرِ عرفاء) کے ایمان کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

اوّل: ایک نوعِ ایمانی ہے جو کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید سے اثبات کے ساتھ وابستہ ہے۔

دوم: ایمانِ استدلالی ہے جو کہ ولایتِ صغریٰ اور ولایتِ کبریٰ کی ترتیب کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور یہ نوعِ ایمان علمائے ظواہر کا نصیب ہے۔

سوم: ایمانِ تقلیدی ہے کہ بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید و پیروی کرنا اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کو منظورِ نظر نہ رکھنا۔

یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ ان اقسام مین سے تیسری قسم کا ایمان (یعنی ایمانِ تقلیدی) اعتبار کے قابل نہیں ہے اس لئے کہ اس قسم کے اشخاص صرف اپنے آباؤ اجداد کے مقلد ہیں اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تصدیق سے بے بہرہ ہیں۔ لہٰذا سوم طائفہ کا ایمان شرعًا قابلِ اعتبار نہیں ہے، اور یہ لوگ جملہ مؤمنین کی گنتی میں شامل نہیں ہیں۔ ان کا ایمانِ تقلیدی قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کی ہے نہ کہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لا ھل بیتھم اجمعین

آمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۳

[مرزا احسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سالک کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کے طریقہ کو لازم پکڑے، اور دوسرے مشائخ کے طریقہ کی طرف التفات اور توجہ نہ کرے، اور اگر اس کے بر خلاف واقعات ظاہر ہوں تو ان کا کچھ اعتبار نہ کرے، کیونکہ شیطان بڑا بھاری دُشمن ہے، اس کے مکر و فریب سے غافل نہ ہونا چاہیئے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ رَبَّنَا بِالْحَقِّ عَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے ربّ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حق بات لائے۔

آپ کا بزرگ محبت نامہ جو از روئے کرم اس حقیر کے نام تحریر کیا تھا، پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرًا (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے)۔

آپ کو لکھا جا چکا تھا کہ سماع کے منع ہونے کا مبالغہ مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ اشعار کے پڑھنے سے مراد ہے۔ لیکن برادرِ عزیز میر میاں محمد نعمان اور بعض اُس جگہ کے یار جنہوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلسِ مولود خوانی سے بہت خوش ہیں، اُن پر مولود نہ سُننا اور ترک کرنا بہت مشکل ہے۔

میرے مخدوم! اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا اور منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسہ ہوتا تو مُریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی۔ اور طرق میں سے کسی ایک طریق کا لازم پکڑنا عبث معلوم ہوتا

کیونکہ ہر ایک مُرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا۔ اور اپنی خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا۔ خواہ وہ واقعات و منامات پیر کے طریقہ کے موافق ہوتے یا نہ ہوتے، اور خواہ پیر کی پسند کے ہوتے یا نہ ہوتے۔ اس تقدیر پر سلسلہ پیری اور مُریدی درہم برہم ہو جاتا۔ اور ہر ابوالہوس اپنی وضع پر مستقل وبر قرار ہو جاتا۔ حالانکہ مُریدِ صادق ہزارہا واقعات کو اپنے پیر کے باوجود نیم جَو کے ساتھ نہیں خریدتا۔ اور طالبِ رشید حضورِ پیر کی بدولت منامات کو اضغاث احلام یعنی جھوٹے خواب جانتا ہے، اور کچھ التفات ان کی طرف نہیں کرتا۔ شیطانِ لعین بڑا بھاری دُشمن ہے، جب منتہی اُس کے مکر سے اَمن میں نہیں ہیں اور اُس کے مکر سے ترساں ولرزاں ہیں تو پھر متوسطوں اور مبتدیوں کا کیا ذکر ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ منتہی محفوظ ہیں اور شیطان کے غلبہ سے بچے ہوئے ہیں، برخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے، پس اُن کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں، اور نہ ہی دُشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

سوال: وہ واقعہ جس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھیں وہ صادق ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہے:

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي۔

ترجمہ: کیونکہ شیطان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صورت سے متمثل نہیں ہو سکتا۔[1]

جیسا کہ احادیث میں وارد ہے:

پس یہ واقعات جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں صادق ہیں اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہیں۔

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۸۹، المکتبۃالفاروقیۃ)

جواب: صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی اُس صورتِ خاصہ کے ساتھ جو مدینہ منورہ میں مدفون ہے، متمثل نہیں ہو سکتا۔ اِس خاص صورت کے سوا اور جس صورت میں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھیں متمثل ہو سکتا ہے، اور ان تمام صورتوں میں متمثل نہ ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس صورت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تشخیص خصوصًا منامات میں بہت مشکل ہے۔ پھر کس طرح اعتماد کے لائق ہو، اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی صورتِ مخصوصہ کے ساتھ مخصوص کریں اور ہر صورت میں دیکھیں عدمِ تمثیل کو تجویز نہ کریں۔ جیسا کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں تو یہ بات آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی بلندیٔ شان کے نامناسب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے احکام کا اخذ کرنا اور مرضی کا معلوم کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دُشمنِ لعین درمیان میں آگیا ہو، اور خلافِ واقع کو واقع کی صورت میں ظاہر کیا ہو۔ اور دیکھنے والے کو شک وشبہ میں ڈال دیا ہو، اور اپنی عبارت واشارت کو اُس صورت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عبارت واشارت کر دکھایا ہو۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک دن حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اور قریش کے سردار اور کفار کے رئیس اس مجلس میں موجود تھے، اور بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ النجم پڑھنی شروع کی اور جب اُن کے باطل خداؤں کا ذکر آیا تو انہوں نے آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کا ہی کلام سمجھا، اور اس میں کچھ تمیز نہ کر سکے۔ تو کافروں نے

جو وہاں موجود تھے شور مچا دیا اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمارے ساتھ صلح کرلی ہے اور ہمارے بُتوں کی تعریف کی ہے۔ حاضرین اہلِ اسلام بھی اس کلام سے متحیر ہو گئے۔ اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کو شیطانِ لعین کے کلام سے اطلاع نہ ہوئی۔ فرمایا کہ یہ کیا واقعہ ہے اصحابِ کرام نے عرض کی کہ اثنائے کلام میں اس قسم کے فقرے حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے نکلے ہیں، آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام بہت متفکر اور غمناک ہوئے، اسی اثناء میں جبرئیل امین علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور وحی لائے کہ وہ کلام القائے شیطانی تھا اور کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا ہے جس کے کلام میں شیطان نے القاء نہ کیا ہو، بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اُس کو رَد کیا ہے اور اپنے کلام کو محکم کیا ہے۔

پس جب آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بیداری کے وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس میں شیطانِ لعین نے اپنے کلامِ باطل کو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں القاء کر دیا، اور کسی نے تمیز نہ کی تو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو حواس کے معطل وبیکار ہونے کا محل اور شک وشبہے کا مقام ہے باوجود دیکھنے والے کی تنہائی کے کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکر وفریب سے محفوظ اور مامون ہے۔ یا میں کہتا ہوں کہ نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سُننے والوں کے ذہن میں متمکن ہو چکا تھا کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام اس عمل سے راضی ہیں۔ جیسا کہ ممدوح اپنی مدح کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ معنی ان کی قوتِ متخیلہ میں متنقش ہو گئے ہوں تو ہو سکتا ہے کہ واقع میں اُسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو۔ بغیر اس بات کے کہ وہ واقع حقیقی ہو یا تمثلِ شیطانی۔ اور نیز واقعات اور رویائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں، اور ان کی حقیقت

وہی ہے جو دیکھنے والی نے دیکھی ہے۔ مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور مراد اس سے عمرو رکھا ہے، اس مناسبت کے لحاظ سے جو زید و عمر کے درمیان ہے۔

تو کس طرح معلوم ہو سکے کہ دوستوں کے یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں۔ اور ظاہر سے مصروف اور پھرے ہوئے نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں، اور وہ واقعات دوسرے اُمور سے کنایہ ہوں، بغیر اس بات کے کہ شیطانی تمثل کی گنجائش ہو، غرض واقعات کا کچھ اعتبار نہ کرنا چاہیئے، اشیاء خارج میں بہت موجود ہیں۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ اشیاء کو بیداری میں دیکھیں جو اعتبار کے لائق ہے، اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں۔ جو کچھ خواب و خیال میں دیکھا جائے خواب و خیال ہی ہے۔ وہاں کے دوست مدت سے اپنی ہی وضع و طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں، اختیار کی بات ان کے ہاتھ میں ہے، لیکن میر محمد نعمان کا کیا چارہ ہے کہ منع کے بعد ایک لمحہ بھی توقف کرے، اور اگر بالفرض توقف کرے تو اس کو کون بخشے گا۔

اس منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کے باعث ہے، طریقت کی مخالفت خواہ سماع ورقص سے ہو، خواہ مولود اور شعر خوانی سے ہر طریق کے لئے ایک مطلبِ خاص تک وصول ہوتا ہے، اور اس طریق میں خاص مطلب تک وصول کا حاصل ہونا اُن اُمور کے ترک کرنے کے سبب سے ہے۔ جس شخص کو یہ طلب ہو کہ اس طریق کے مطلبِ خاص تک پہنچ جائے اُس کو چاہیئے کہ اس طریق کی مخالفت سے بچے اور دوسرے طریقوں کے مطالب کو منظور نظر نہ رکھے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:

"میں نہ یہ کام کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں"۔

یعنی یہ کام ہمارے خاص طریق کے منافی ہے، اس لئے نہیں کرتا اور چونکہ اس کام کو دوسرے مشائخ کرتے ہیں اس لئے انکار بھی نہیں کرتا۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا

ترجمہ: ہر ایک کے واسطے ایک نہ ایک جہت ہے جس کی طرف وہ اپنا منہ کرنے والا ہے۔

فیروز آباد جو فقراء کا ماویٰ اور ہم پیروں اور معتقدوں کا جائے پناہ ہے، جب اس میں کوئی ایسا امر حادث ہو جائے جو اس طریقۂ عُلیہ کے مخالف ہو تو پھر ہم فقراء کیونکر مضطرب و بے قرار نہ ہوں، حضرت مخدوم زادے اپنے والد بزرگوار کے طریق کو محفوظ رکھنے کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے فرزندوں نے اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد ان کے طریق میں تغیر کے بعد ان کے اصل طریق کی مخالفت کی اور تغیر کرنے والوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا، چنانچہ آپ کے مبارک کانوں میں بھی پہنچا ہو گا۔

نیز آپ نے ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مشرب قوی العذب کی نسبت لکھا تھا، ہاں اول اول بعض اُمور میں مذہبِ ملامیّہ کی رعایت کر کے مساہلہ اور سُستی کیا کرتے تھے۔ اور ملامت کو ترجیح دے کر بعض اشیاء میں ترکِ عزیمت کیا کرتے تھے۔ لیکن آخر میں ان اُمور سے پرہیز کیا اور پھر ملامت و ملامیّہ کو کبھی یاد نہ کیا۔ آپ نظرِ انصاف سے کام لیں۔ اگر بالفرض حضرت ایشاں قدس سرہٗ اس وقت دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس و اجتماع اُن کی موجودگی میں منعقد ہوتا تو حضرت قدس سرہٗ اس امر سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے یا نہ کرتے۔ فقیر کا یقین ہے کہ حضرت قدس سرہٗ ہرگز اس امر کو پسند نہ کرتے، بلکہ انکار کرتے۔ فقیر کا مقصد آپ کو جتلا دینا ہے، آپ قبول کریں یا نہ کریں، کچھ مضائقہ نہیں۔ اور نہ آپ سے کوئی مشاجرہ اور لڑائی جھگڑے کی گنجائش ہے، اگر

مخدوم زادے اور وہاں کے یار اپنی اس وضع پر استقامت رکھیں اور اپنی حالت کو نہ بدلیں تو ہم فقیروں کو اُن کی صحبت سے سوائے مایوسی کے اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا اور منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسہ ہوتا تو مُریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی، الخ" یعنی حضرت میر میاں محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بعض دیگر صوفیہ جنہوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میلادِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور نعتیہ اشعار پڑھنے سے بہت خوش ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واقعات اور منامات وخوابوں کا کچھ اعتماد و بھروسہ نہیں ہے۔ اگرچہ شیطان اپنے آپ کو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صورت میں متمثل نہیں کر سکتا مگر سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور دیگر لوگوں کے درمیان شیطان کا تخلل امکان پذیر ہے کہ یہ لعین متخلل شدہ واقعہ کے درمیان مثبت بات کو منفی اور منفی کو مثبت ظاہر کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ ایک روز سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وحدانیت کے گفتار کے وقت شیطان کا تخلل کرنا ثابت ہے۔

جیسا کہ قریش و کفار کے رئیس اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں سید خیر البشر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى (١٩) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى (النجم ٢٠)

ترجمہ: تو کیا تم نے دیکھا لات اور عزّیٰ، اور اس تیسری منات کو۔

اس آیتِ مبارکہ کی قرأت کے دوران ہی شیطانِ لعین نے اپنے مردہ کلام تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلَی وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لِتُرْتَجَی یعنی "یہ بہت عالیٰ مقام غرانیق (اونچی اُڑان اور گردن والے پرندے) ہیں جن کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا" کا القاء کیا اور مشرکین کے بُتوں کی مدح کو اس میں اس طرح ظاہر کیا کہ سامعین قطعی طور پر اس میں تمیز نہ کر سکے کہ یہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کلام ہے یا کسی دوسرے شخص کا کلام۔ تو حق تعالیٰ و تقدس نے دوسری آیت نازل فرمائی جس میں سید خیر البشر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی عطا کی گئی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس خبیث کے قول کی تردید اور اپنی آیتوں کو ثابت فرمایا۔

شیطانِ لعین کے مردود کلام سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کلام میں القاء کیا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطانِ لعین نے سامعین کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ یہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کلام ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)

جبکہ قرآن عظیم الشان میں سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بارے میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ (۴۱) لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (فصلت ۴۲)

ترجمہ: بے شک جو ذکر سے منکر ہوئے جب وہ ان کے پاس آیا اُن کی خرابی کا کچھ حال نہ پوچھ اور بے شک وہ عزت والی کتاب ہے، باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اُتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔

دوسری جگہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (۲۷) لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن ۲۸)

ترجمہ: سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے، تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیام پہنچا دیئے اور جو کچھ ان کے پاس سب اس کے علم میں ہے اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ بات بالکل ممکن ہی نہیں ہے کہ شیطانِ لعین اپنے مردود کلام کا القاء سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کلام میں کرے۔ یہ بات کیسے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تلاوت میں ایسی غلطی واقع ہو جائے؟ حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم معصوم تھے اور اصلِ دین میں آپ سے غلطی ممکن نہیں تھی، جبکہ شیطان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس نہیں آسکتا نہ آگے سے، نہ پیچھے سے۔ نہ تو سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ الفاظ کہے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ الفاظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زبان سے نکلتے سُنے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۵۲) لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ (۵۳) وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الحج ۵۴)

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب اُنہوں نے پڑھا تو شیطان نے اُن کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے، تاکہ شیطان کے ڈالے ہوئے کو فتنہ کر دے اُن کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بے شک ستم گار دُھر کے (انتہائی سخت) جھگڑالو ہیں، اور اس لیے کہ جان لیں وہ جن کو علم ملا ہے کہ وہ تمہارے رب کے پاس سے حق ہے تو اُس پر ایمان لائیں تو جھک جائیں اس کے لیے اُن کے دل اور بے شک اللہ ایمان والوں کو سیدھی راہ چلانے والا ہے۔

تو غور طلب بات ہے کہ جب شیطان لعین حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی مجالس میں لوگوں کو اس طرح فریب اور دھوکہ میں ڈال سکتا ہے تو پھر ابتدائی، متوسط اور منتہی صوفیاء کا کیا حال ہو گا؟ یعنی ان کو بطریقۂ اولیٰ بہت زیادہ فریب اور دھوکہ میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جو لوگوں کو شعر خوانی اور نعتیہ اشعار وغیرہ کو ترک کرنے

کا فرمایا ہے تو وہ اس حدیثِ مبارکہ کی وجہ سے۔ جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

نَهَى عَنْ تَنَاشُدِ الأَشْعَارِ فِي المَسْجِدِ، وَعَنِ البَيْعِ وَالِاشْتِرَاءِ فِيهِ، وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ فِيهِ يَوْمَ الجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے، خرید وفروخت کرنے اور جمعہ کے دن صلاۃ (جمعہ) سے پہلے حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ نہیں فرمایا کہ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یا سیرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا بیان نہ کرے کیونکہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ولادت کے احوال کے اظہار وبرکات کے سلسلہ میں لفظِ میلاد کا اولین استعمال جامع الترمذی میں ہے۔ جو صحاحِ ستہ میں سے حدیث کی ایک بڑی کتاب ہے۔ اس میں ایک باب بعنوان ما جاء في ميلاد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم ہے۔ اس بات سے لفظِ میلاد کے اولین استعمال کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اس باب میں وہ روایات جمع ہیں جن میں سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اور خود حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے بھی میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور سیرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بارے میں فرمودات موجود ہیں۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۱۳۹، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک آئمہ و محدثین اور علماء و شیوخ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موضوع پر قلم اٹھایا اور نظم و نثر میں ہزاروں کی تعداد میں گراں قدر کتب تصنیف کیں۔ ان میں سے بعض مختصر اور بعض ضخیم ہیں۔

اکثر آئمہ و محدثین اور اکابر علماء نے احادیث، سیرت و فضائل اور تاریخ کی کتب میں میلاد شریف کے موضوع پر باقاعدہ ابواب باندھے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲۱۰ تا ۲۷۹ھ) میں الجامع الصحیح میں کتاب المناقب کا دوسرا باب ہی ما جاء في ميلاد النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم قائم کیا ہے۔ ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۵ تا ۱۵۱ھ) نے السيرة النبوية میں، ابن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے السيرة النبوية میں، ابن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۶۸ تا ۲۳۰ھ) نے الطبقات الكبرىٰ میں، ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۳۳۶ تا ۴۳۰ھ) نے دلائل النبوة میں، بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۳۸۴ تا ۴۵۸ھ) نے دلائل النبوة و معرفة احوال صاحب الشريعة میں، ابو سعد خرکوشی نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۴۰۶ھ) نے کتاب شرف المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم میں، ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۵۵۵ تا ۶۳۰ھ) نے الكامل فی التاريخ میں، امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲۲۴ تا ۳۱۰ھ) نے تاريخ الامم والملوك میں، ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۰۱ تا ۷۷۴ھ) نے البداية و النهاية میں، ابن عساکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۴۹۹ تا ۵۷۱ھ) نے تاريخِ دمشق الكبير میں، الغرض تمام اجل آئمہ و علماء نے اپنی اپنی کُتب میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ نیز امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۴۲ھ) نے سبل الهدىٰ و الرشاد فی سيرة خير العباد صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم میں بہت تفصیل سے لکھا اور میلاد

کے جواز میں علمی دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ امام ابو عبداللہ بن الحاج مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۳۷ھ) نے المدخل الی تنمیة الاعمال بتحسین النیات و التنبیه علی کثیر من البدع المحدثة و العوائد المنتحلة میں مفصل بحث کی ہے۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۵۵ تا ۱۱۲۲ھ) نے المواهب اللدنية بالمنح المحمدية میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۵۸ تا ۱۰۵۲ھ) نے ما ثبت من السنة في ايام السنة میں اور امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۲۶۵ تا ۱۳۵۰ھ) نے حجة الله العالمين في معجزات سيد المرسلين صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم اور جواهر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم میں میلادِ شریف کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

ذیل میں میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موضوع پر لکھی جانے والی چند معروف کتب درج کی جارہی ہیں:

۱۔ ابو العباس احمد اقلیشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۵۵۰ھ)

ابو العباس احمد بن معد بن عیسیٰ اقلیشی اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الدر المنظم فی مولد النبی الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم کے عنوان سے کتاب تالیف کی ہے۔ اس میں انہوں نے دس فصول قائم کی ہیں۔

۲۔ علامہ ابن جوزی (۵۱۰ تا ۵۹۷ھ)

عبدالرحمان بن علی بن محمود بن علی بن عبداللہ بن حمادی قرشی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا لقب جمال الدین ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدائی علوم پر صغر سنی میں ہی دسترس حاصل کر کے وعظ و تبلیغ میں لگ گئے۔ پھر حدیث میں مہارت اور پختگی حاصل کی تو حافظ اور محدث کے نام سے

مشہور ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۵۹ سے زائد کتب تصنیف کیں جن میں سے اکثر حدیث، تاریخ اور مواعظ پر مشتمل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر دو مستقل کتب لکھیں:

بیان المیلاد النبوي ﷺ و مولد العروس

۳۔ ابن دحیہ کلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۵۴۴ تا ۶۳۳ھ)

ابو خطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد بن دحیہ کلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اندلس میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حصولِ علم کے لئے شام، عراق، خراسان وغیرہ کے سفر کئے، اور مصر میں قیام فرمارہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور محدث، معتمد، مؤرخ اور مایہ ناز ادیب تھے۔ بہت سی کتب لکھیں اور شاندار علمی ورثہ چھوڑا۔ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موضوع پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف التنویر فی مولد البشیر و النذیر بھی ہے۔

۴۔ حافظ شمس الدین جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۶۶۰ھ)

ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبد اللہ جزری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے امام القراء اور محدث تھے، مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک کتاب عرف التعریف بالمولد الشریف ہے۔

۵۔ شیخ ابو بکر جزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۰۷ھ)

شیخ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن محمد بن احمد عطار جزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے المورد العذب المعین فی مولد سید الخلق اجمعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے نام سے کتاب لکھی۔

٦۔ امام کمال الدین ادفوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (٦٨٥ تا ٧٤٨ھ)

امام کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر ادفوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ملک مراکش میں میلاد کی تقریبات کے حوالے سے بہت سی تفصیلات اپنی کتاب **الطالع السعيد الجامع لاسماءنجباءالصعيد** میں جمع کی ہیں۔

٧۔ سعد الدین الکازرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (٧٥٨ھ)

محمد بن مسعود بن محمد سعید الدین الکازرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **مناسک الحجز المنتفى من سير مولد المصطفى من سير مولد المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم** کے نام سے کتاب لکھی۔

٨۔ ابو سعید خلایل بن کیکلدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (٦٩٤ تا ٧٦١ھ)

ابو سعید خلیل بن کیکلدی بن عبد اللہ لاعلائی دمشقی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **الدرة السنية في مولد خير البرية صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم** کے نام سے کتاب تالیف کی۔

٩۔ امام عمادین لد ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (٧٠١ تا ٧٤٤ھ)

میلاد نگاروں میں صاحبِ تفسیر القرآن العظیم امام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام بھی شامل ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **ذكر مولد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله واصحابه وسلم ورضاعه** کے نام سے میلاد شریف کے موضوع پر کتاب لکھی ہے۔

۱۰۔ امام عبدالرحیم برعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۰۳ھ)

امام عبدالرحیم بن احمد برعی یمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موضوع پر رسالہ تالیف کیا ہے جو کہ مولد البرعی کے نام سے معروف ہے۔

۱۱۔ حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۲۵ تا ۸۰۸ھ)

حافظ ابو الفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمٰن مصری عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یکتائے زمانہ، نابغۂ روزگار، محافظِ اسلام، مرجع خلائق اور دانش ور محقق تھے۔ انہوں نے حدیث، اسناد اور ضبط روایات میں کمال رسوخ حاصل کیا۔ علمِ حدیث سے تھوڑا بہت شغف رکھنے والا ہر شخص ان کے علم و فضل سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس جلیل القدر امام نے میلاد کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا نام المورد الهنی فی المولد السنی رکھا۔

۱۲۔ امام شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۷۷۷ تا ۸۴۲ھ)

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر لکھنے والے جلیل القدر آئمہ میں سے ایک حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن عبداللہ قیسی شافعی المعروف حافظ ابن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعلیٰ پائے کے مؤرخ تھے۔ لاتعداد کتب ان کی نوکِ قلم سے نکلیں۔ بے شمار حواشی تحریر کئے اور مختلف علوم وفنون میں طبع آزمائی کی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دمشق کے الشرفیہ دار الحدیث کے شیخ الحدیث بنے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بارے میں کئی کتب تحریر کیں۔

حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون میں ان کی درج ذیل تین کتب کا تذکرہ کیا ہے جو صرف اسی موضوع پر ہیں:

۱۔جامع الآثار فی مولد النبی المختار ﷺ (تین جلدوں پر مشتمل ہے)
۲۔اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق ﷺ
۳۔مورد الصاری فی مولد الهادی ﷺ

۱۳۔ شیخ عفیف الدین التبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۵۵ھ)

شیخ عفیف الدین محمد بن سید محمد بن عبد اللہ حسینی تبریزی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدینہ منورہ میں ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۶۳۱ تا ۶۷۷ھ) کی الاربعین اور امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲۱۰ تا ۲۷۹ھ) کی الشمائل المحمدیۃ کا حاشیہ لکھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولد النبی ﷺ کے نام سے کتاب لکھی۔

۱۴۔ شیخ محمد بن فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۶۷ھ)

شیخ شمس الدین ابو القاسم محمد بن فخر الدین عثمان لؤلؤی دمشقی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”اللؤلؤ ابن الفخر“ کے نام سے معروف تھے، اُنہوں نے میلاد شریف کے موضوع پر الدر المنظم فی مولد النبی المعظم ﷺ لکھی۔ بعد ازاں انہوں نے اللفظ الجمیل بمولد النبی الجلیل ﷺ کے نام سے اس کی تلخیص کی۔

۱۵۔ شیخ علاء الدین المرداوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۸۵ھ)

ابو الحسن علاء الدین علی بن سلیمان بن احمد بن محمد مرداوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دمشق میں حنبلی فقہ کے بہت بڑے شیخ ہو گزرے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد شریف پر المنهل العذب القریر فی مولد الهادی البشیر النذیر ﷺ نامی کتاب تالیف کی۔

۱۶۔ امام شمس الدین السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۳۱ تا ۹۰۲ھ)

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمان بن محمد قاہری سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار اکابر آئمہ میں ہوتا ہے۔ ایک عالم نے کہا کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ان جیسے ماہر علوم وفنونِ حدیث شخص کا وجود نہیں ملتا اور ان ہی پر فنِ حدیث ختم ہو گیا۔ علامہ شوکانی کا کہنا ہے کہ اگر حافظ سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی الضوء اللامع کے علاوہ کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ان کی امامت پر بڑی دلیل تھی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بارے میں ایک کتاب الفخر العلوی فی المولد النبوی ﷺ تصنیف کی، اور اس کا ذکر اپنی کتاب الضوء اللامع میں بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الضوء اللامع میں اُن آئمہ کرام کی فہرست بھی دی ہے جنہوں نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے میلاد شریف کے بارے میں کتب ورسائل تالیف کئے ہیں۔

۱۷۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۴۹ تا ۹۱۱ھ)

امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا علمی مقام آفتاب کی طرح ہر خاص وعام پر واضح ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کی تصانیف کی تعداد سات سو (۷۰۰) کے قریب پہنچتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جواز میں **حسن المقصد فی عمل المولد** کے نام سے رسالہ لکھا جو پوری دُنیا میں مقبول ہوا۔ یہ رسالہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف **الحاوی للفتاویٰ** میں بھی شامل ہے۔

۱۸۔ امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۰۹ تا ۹۷۳ھ)

امام الحرمین ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ **الفتاویٰ الحدیثیۃ، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اھل البدع والزندقۃ** اور **الجواھر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم المعظم** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسی مشہورِ زمانہ کتب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی شاہکار ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علومِ حدیث میں شیخ الاسلام زکریا مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگردِ خاص تھے۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور برصغیر پاک وہند کے مایہ ناز فرزند علاؤالدین علی متقی ہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحبِ **کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال** آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کی مسندِ ارشاد و تدریس کے فیض یافتہ تھے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موضوع پر مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں:

۱۔ **تحریر الکلام فی القیام عند ذکر مولد سید الانام** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۲۔ **تحفۃ الاخیار فی مولد المختار** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۳۔ **اتمام النعمۃ علی العالم بمولد سید ولد آدم** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۴۔مولد النبی ﷺ

علاوہ ازیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب **الفتاویٰ الحدیثیة** میں بھی اس موضوع کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

۱۹۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۰۱۴ھ)

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر لکھنے والوں میں حافظِ حدیث، مجتہد الزمان امام ملا علی قاری بن سلطان بن محمد ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔علامہ شوکانی نے **البدر الطالع** میں ان کے حالات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ علومِ نقلیہ کے جامع، سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں دسترس رکھنے والے، عالمِ اسلام کے بطلِ جلیل اور قوتِ حفظ وفہم میں نامور تھے۔انہوں نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے، جس کا نام **المورد الروی فی مولد النبوی ﷺ ونسبه الطاهر** ہے۔اس کتاب میں انہوں نے میلاد شریف کے بارے میں مختلف علماء کے اقوال اور مختلف اسلامی ممالک میں میلاد کی تقریبات کا حال بیان کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ طرقِ اربعہ میں سے ہر ایک طریقہ میں اپنے جداگانہ اصول موجود ہیں۔جبکہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اُصول سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے پر مبنی ہے۔شعر خوانی اور نعتیہ اشعار وغیرہ کا پڑھنا طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے اصول میں صحت نہیں رکھتے۔حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے کلام کا نچوڑ یہ ہے کہ مخدوم زادگان یعنی شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے صاحبزادگان جو کہ اپنے ماموں حضرت میرزا حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں تشریف رکھتے تھے اور

حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس وقت وہیں تشریف فرما تھے، حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان کو مکتوب میں لکھا کہ اگر شعر خوانی اور نعتیہ اشعار وغیرہ کو ترک نہ کیا تو میں ان کی طرف مایوس ہو کر ان کی طرف متوجہ ہونا چھوڑ دوں گا۔ اور اسی طرح اگر حضرت میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مُرید و خلیفہ تھے، انہوں نے شعر خوانی اور اشعار وغیرہ کو تَرک نہ کیا تو یہ ان کے حق میں بہت متضرر اور نقصان دہ ثابت ہو گی۔ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مخدوم زادگان کو یہ مکتوب لکھا اس وقت وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُریدین میں شامل نہیں تھے، بلکہ بعد میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مُریدین میں شامل ہو کر مرتبۂ خلافت تک پہنچ گئے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین

امین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۴

[شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

بلند ہمت بننے کی ترغیب اور شہوداتِ سفلی کی طرف جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں، التفات نہ کرنے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ ودعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کے تینوں خط جو آپ نے ارسال کئے تھے، پہنچے۔ اور احوال وکرامات کے واقعات جو اُن میں درج تھے، سب واضح ہوئے۔ وہ حال جو (شہودِ وحدت در کثرت) کے حال کے بعد لکھا ہے اور اس عبادت میں ادا کیا ہے، کہ دیگر انتہاء یہ ہے کہ اول کی طرح شہود اور گم ہونا کم کرتا ہے۔ یعنی میں بندہ ہوں اور مخلوق ہوں اور مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت ہوں۔ یہ حال اصل ہے اور مذکورہ احوال سے بڑھ کر ہے لیکن انتہاء اور چیز ہے اور نہایت اس سے کئی منزلیں دور ہے۔

هنوز ایوان استغنا بلند است
مرا فکر رسیدن ناپسند است

ترجمہ: ابھی بے نیازی کا محل بہت بلندی پر ہے، اور مجھے وہاں پہنچنا ناپسندیدہ بھی ہے۔

کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کے تکرار سے جو فقیر نے اس سے پہلے مکتوب میں آپ کی طرف لکھا تھا، یہی مقصود تھا کہ اُس شہود کی نفی ہو جائے جو کثرت کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ اس کلمہ کی برکت سے یہ شہود آپ سے زائل ہو گیا۔ آپ ہمت کو بلند رکھیں، اور اس راہ کی جوز ومویز پر کفایت نہ کریں۔

أن اللہ تعالی یحب معالي الهمم۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بلند ہمت کو دوست رکھتا ہے۔[1]

اور توحید کے تنگ کوچہ سے نکل کر شاہراہ پر آجائیں، اگر آپ پہلے احوال کا تذکرہ نہ کریں اور کثرت آمیز شہود کی لذتوں کو یاد نہ کریں اور عمر بھر کی استقامت کے ساتھ اس راہ میں کوشش فرماویں، تو کس قدر بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ بہت سے پوستیوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنے فعل کی بُرائی پر اطلاع پاکر پوست پینا چھوڑ دیا۔ اتفاقاً پھر مدت کے بعد جب کبھی پوست پینے کا حال اور اس کی لذت یاد آئی، تو پھر اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے۔

میرے مخدوم! وہ شہود جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتا ہے، لذت بخش ہے۔ اور شہودِ تنزیہی جو جہالت ونادانی کی طرف میلان رکھتا ہے، اس التذاذ یعنی لذت بخشی سے بعید ہے۔ شیخ مقتداء کی مدد کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے۔

برادرِ عزیز مولانا احمد برکی جس کو عام لوگ عُلماء ظاہر سے جانتے ہیں، اور وہ بھی اپنے احوال اور اپنے دوستوں کے احوال کی خبر نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باطن شہودِ تنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو کہ جہل ونادانی کا مقام ہے۔ اور اُس کا ایمان عُلماء کی طرح ایمان بالغیب ہے۔ اس کے باطن نے بلند فطرتی کے باعث کثرت آمیز شہود کی طرف التفات نہیں کی۔ اور بظاہر ترہاتِ صوفیہ (وہ کلمات جو ظاہرِ شریعت سے مخالف ہوں) کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا۔ اس کا وجودِ مبارک ان اطراف میں غنیمت ہے۔ یہ حالت جس کی آپ نے خبر دی ہے مولانا مذکور مدت سے اس حالت کے ساتھ متحقق ہیں۔ لیکن اس کا علم کوئی نہیں جانتا۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ کا مدار مولانا کے وجود پر ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان اطراف کے صاحبانِ کشف پر کس طرح مخفی رہا ہے۔

---

[1](فیض الباری علی صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳۱۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

حالانکہ فقیر کے نزدیک مولانا کا وجود آفتاب کی طرح ظاہر وباہر ہے۔زیادہ کیا تکلیف دی جائے،فقط دُعاوفاتحہ کی التماس ہے۔وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت شیخ یوسف بَرکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ افغانستان کے صوبہ لوگر کے رہنے والے ہیں آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلفاء میں سے ہیں، چونکہ ابتداء میں سالک اثناذکر میں مشغول ومستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو ہر جگہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کے بغیر اور کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اس طرح یہ وحدت الوجود کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اسی ابتدائی باطنی کیفیت کے بارے میں عرض داشت کی ہے۔ جس کا جواب دیتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ یوسف برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو چیز آپ کو نظر آتی ہے وہ واحدِ حقیقی نہیں ہو سکتی، بلکہ آپ کو بلندی سے سفلیٰ کی جانب لاتے ہیں اور جو حالت شہودِ وحدت در کثرت کے بعد ہوتی ہے وہی اصل حالت ہے، اس لئے جب سالک وحدت در کثرت کی کیفیت سے نکل جائے تو پھر سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنا معبود اور اپنے آپ کو اس کا بندہ سمجھتا ہے اور جو وحدت الوجود کی کیفیت میں ہو تو اس کو ہر چیز میں خُدا ہی خُدا نظر آتا ہے۔جیسا کہ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اَنَا الْحَقُّ جیسے الفاظ سر زد ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی مراد اس سے یہ نہیں تھے جیسا کہ شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بھی یہ فرمایا ہے کہ اَنَا الْحَقُّ کی عبارت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں، بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے جو کہ صرف اور صرف حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ط کے تکرار سے جو فقیر نے اس سے پہلے مکتوب میں آپ کی طرف لکھا تھا، یہی مقصود تھا، الخ" یعنی انسان کے وجود میں خواب اور کشف و شہود کی وجہ سے جو بھی غلطی اور خرابی پیدا ہو تو اسے چاہیئے کہ نفی اثبات کی کثرت سے اس کی نفی کرے کیونکہ ایسی غلطیاں کلمہ طیبہ کے تکرار سے محو ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں آخری دس لطائف کے بعد مشائخ عظام سالک کو نفی اثبات یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ط کا ذکر دیتے ہیں اس لئے کہ اگر کسی سالک پر وحدت الوجودی یا وحدت الشہود کی کیفیت وارد ہو جائے تو یہ نفی اثبات کے تکرار سے محو ہو جاتی ہے اور اس طرح سالک غیر اللہ کی عبادت سے محفوظ رہتا ہے۔ بشرطیکہ سالک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ط کے فرائض وواجبات اور معنی وغیرہ کو سمجھتا ہو اور زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ادائیگی کے الفاظ بھی درست ہوں۔ دورِ حاضر میں آپ دیکھتے ہوں گے کہ لوگ کلمہ طیبہ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ط کا تکرار کرتے اور ھا پر پیش پڑھتے ہوئے هُو کہتے ہیں۔ جبکہ مواہب علیہ معروف بہ تفسیرِ حُسینی جو کہ حضرت علامہ حُسین واعظ کاشفی ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھی ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس میں فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ میں اِلَّا اللہُ ط کے ھا پر وقف کرنا واجب ہے اور وقف کرتے ہوئے آخری حرف کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح اذان میں بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ط پر وقف ہوتا ہے۔ اگر کسی نے اس جگہ وقف نہ کیا تو اس پر وہ گنہگار ہوتا ہے۔

اس کی ترکیب وتفصیل یوں ہے کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ ط مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

لَا لائے نفی جنس ہے۔ اِلٰہَ یہاں موصوف ہے، اِلَّا یہاں غیرَ کے معنی پر ہے جو کہ مضاف ہے۔ اللّٰہ جو کہ اسمِ جلالہ ہے یہ مضاف الیہ ہے۔ اب مضاف اور مضاف الیہ دونوں آپس میں مل کر موصوف بن جاتے ہیں اور اس طرح صفت اور موصوف آپس میں مل کر لائے نفی جنس کا اسم بنتے ہیں۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط اسم ہو جائے گا اور اس کی خبر محذوف ہے جو کہ یہاں موجودٌ ہے اور یہی اس کی خبر ہے۔ تو اس کی آسان ترکیب یوں ہو گی کہ لَا لائے نفی جنس ہے، اِلٰہَ موصوف ہے، اِلَّا غیرَ کے معنی پر ہے، اللّٰہُ جو کہ اسمِ جلالہ ہے یہ غیرَ کا مضاف الیہ ہے، اور غیرَ کا مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر اِلٰہَ موصوف کے لئے صفت پھر موصوف اور صف آپس میں مل کر یہ لائے نفی جنس کا اسم ہو جائے گا، اس کی خبر محذوف ہے جو کہ موجودٌ ہے۔ لٰہذا لائے نفی جنس اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ بنتا ہے۔ مُحَمَّدُ کا لفظ یہاں مبتداء ہے چونکہ مبتداء ہونے کی وجہ سے اس پر حالتِ رفع ہے اور اس کی حالتِ رفعی لفظی طور پر ضمہ کے ساتھ ہے یہ مفرد منصرف صحیح میں آتا ہے۔ رَّسُوْلُ مضاف ہے اور کلمہ اللّٰہ جو کہ اسمِ جلالہ ہے یہاں پر مضاف الیہ ہے تو مضاف اور مضاف الیہ جب آپس میں مل جاتے ہیں تو یہ مرکبِ اضافی بن جاتا ہے۔ لٰہذا مرکبِ اضافی مل کر یہ مبتداء کے لئے خبر بن جاتا ہے، مبتداء اور خبر جب آپس میں مل جاتے ہیں تو یہ جملہ اسمیہ خبر یہ بن جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کو تجوید کے لحاظ سے صحیح ادا کرنا چاہیئے، تجوید کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں کلمہ طیبہ کے لئے ضروری ہیں تاکہ اس کو پہچانا جاسکے۔

وقف کی تین اقسام ہیں:

اول: قرآنِ عظیم الشان میں وقف کی علامت گول دائرہ ہے جہاں قاری وقف کرتا ہے۔

دوم: وقف حروفِ ہجا کے ساتھ ہوتا ہے، جیسے م، ط، لا، ج، ص وغیرہ۔

سوم: جب قرأت کرتے وقت قاری کا سانس ٹوٹ جائے تو اس جگہ بھی وقف کرنا چاہیئے یعنی قاری آخری حرف کو ساکن کرے گا۔ تو اس لئے وقف کے قانون کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کلمہ میں بھی **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ط پر وقف کرنا چاہیئے یعنی اسے ساکن پڑھنا چاہیئے، تاکہ اس کے معنی میں تغیر و تبدل نہ آئے۔ جیسا کہ اذان کے آخری کلمات یعنی **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ط جن کو جزم کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور یہ جزم واجب ہے۔ اس کے بر عکس اگر کوئی وصل کے ساتھ پڑھے یعنی **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ط کے ساتھ **مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** بھی پڑھے تو **اِلَّا اللّٰهُ** کو پیش کے ساتھ پڑھے۔ تو اس طرح پڑھنے سے اس کے معنی میں تغیر و تبدل نہیں آئے گا اور اس طرح **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ط **مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے صحیح معنی بیان ہو جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ط پڑھتے وقت اگر کوئی قاری **اِلَّا اللّٰهُ** ط کی **ھا** پر پیش پڑھے تو یہ پیش اللہ کے اسم کا ضمیر ہو جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ "عبادت کے لائق صرف اللہ ہے اور وہ اللہ جس کا میں نے ابھی اثبات کیا ہے وہ بھی عبادت کے لائق نہیں ہے" (**نعوذ باللہ من ذلک**) اس کو نفی در نفی کہا جاتا ہے اور اس طرح **ھا** اللہ کو راجع ہو کر غلط معنی دے گی کیونکہ اس نے اللہ کو **لَا** کے ذریعے سے نفی کیا ہے۔ جبکہ درست تلفظ یوں ہے کہ **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ط میں **اللّٰهُ** کی **ھا** کو ساکن پڑھے تو تب جا کر اس کے معنی درست ہوں گے یعنی "اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے"۔

آخر میں اس سب بحث کی مختصر سی وضاحت اُن احباب کے لئے جو علمِ نحو میں مہارت نہیں رکھتے ان احباب کو یہ چند باتیں سیکھنا لازمی ہیں:

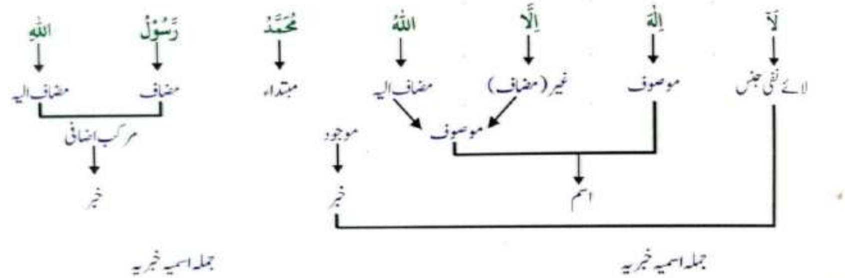
پہلی بات یہ ہے کہ لائے نفی جنس کو کیوں لایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس میں مندرجہ ذیل تین شرائط موجود ہوں تو اس وقت لائے نفی جنس آتا ہے۔

لَا کے بعد اسم متصل، نکرہ اور مبنی بہ فتحہ ہو۔

دوسری بات جو ہدایۃ النحو میں بیان کی گئی ہے کہ:

واعلم أن لفظة غير موضوعة للصفة وقد تستعمل للاستثناء كما أن إلا موضوعة للاستثناء وقد تستعمل للصفة كقولهٖ تعالیٰ:لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَاأي غَيْرُ اللّٰهِ وكذلک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط۔

یعنی جاننا چاہیئے کہ لفظِ غَیْرَ صفت کے لئے وضع کیا گیا ہے، لیکن کبھی کبھی استثناء کے لئے آتا ہے، جیسے لفظِ اِلَّا استثناء کے لئے وضع کیا گیا ہے، اور کبھی کبھی صفت میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اِلَّا اللّٰہُ بمعنی غَیْرُ اللّٰہِ صفت کے لئے مستعمل ہے نہ کہ استثناء کے لئے۔ اسی طرح کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ط میں بھی اِلَّا اللّٰہُ بمعنی غَیْرُ اللّٰہِ صفت کے لئے مستعمل ہے نہ کہ استثناء کے لئے۔



حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”مولانا مذکور (احمد برکی) مدت سے اس حالت کے ساتھ متحقق ہیں۔ لیکن اس کا علم کوئی نہیں جانتا۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ کا مدار مولانا (احمد برکی) کے وجود پر ہے، الخ“ یعنی بعض صوفیاء عظام اپنی خواب ومنامات یا جو کچھ کشف میں دکھائی دے اس کو محافل میں بیان کرتے ہیں اور اس پر مغرور ہوتے ہیں، حالانکہ یہ نچلے درجے اور متوسطین صوفیاء کا گروہ ہے۔ اور جو صوفیاء عظام وحدتِ تنزیہی (وہ ذاتِ مقدسہ جس کا

مکان، مثل ومانند، نظیر وہمسر نہ ہو اور نہ وہ ذاتِ مقدسہ کسی کے وہم وخیال، عقل وشعور اور دید میں آسکے یعنی حق تعالیٰ وتقدس ان چیزوں سے منزہ وپاک اور برتر ہے) کی طرف مائل ہوتے ہیں ان صوفیاء عظام کو اس مقام میں جہل ونادانی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ان کو کسی کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جو صوفی اس مقام پر فائز ہو جائے تو شیخ اس کو بشارت دیتا ہے، اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھے اس بات پر مطلع فرمایا ہے کہ آپ کا مقام اس سے بلند ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو اس سرزمین کا قطبِ مدار مقرر فرمایا ہے۔ اور تعجب کی بات ہے کہ اُس سرزمین کے صوفیاء عظام موجود ہیں تو صاحبانِ خوابات ومنامات اور کشفیات پر کیسے یہ بات مخفی ہے اور وہ کیوں اس سے بے خبر ہیں۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین

امین یارب العالمین

بحرمت سید المرسلین وخاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۵

[مُلّا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

ایک استفسار کے جواب میں جو اپنی قبولیت کے بارے میں کیا تھا۔ اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے احوال میں، اور علومِ شرعیہ کی تعلیم اور احکامِ فقہیہ کے پھیلانے پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ ودعوات کے بعد (یہ فقیر) عرض کرتا ہے کہ آپ کے دونوں مبارک نوازش نامے جو شیخ حَسن وغیرہ کے ہمراہ ارسال کئے تھے، پہنچے۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ ایک خط میں خواجہ اویس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات لکھے تھے، اور دوسرے خط میں اپنی قبولیت کی نسبت استفسار فرمایا تھا۔ اسی اثناء میں آپ کے حال پر توجہ کی، دیکھا کہ اس گردونواح کے لوگ آپ کی طرف دوڑے آتے ہیں۔ اور آپ کی طرف التجا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا مدار بنایا گیا ہے، اور ان حدود واطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔

لِلّٰہِ سُبۡحَانَہُ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّۃُ عَلیٰ ذٰلِکَ

ترجمہ: اس اَمر پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے۔

اس معاملہ کے ظہو کو واقعات سے نہ خیال کریں۔ کیونکہ واقعات میں شک وشبہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ مشاہدات اور محسوسات سے جانیں۔

اس دولت کے حاصل کرنے کے لئے آپ کے عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ آپ اس محبت واخلاص کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دوستوں کے بارے میں محض اپنی عنایت سے عطا فرمائی ہے۔

ایسے مقامات میں جہاں کفر متمکن ہو اور بدعتیں جاری ہوں، علومِ شرعیہ کی تعلیم دیں اور احکامِ فقہیہ کو پھیلائیں۔

فَعَلَيْكُمْ بِتَعْلِيمِ الْعُلُومِ الدِّيْنِيَّةِ وَنَشْرِ الْاَحْكَامِ الْفِقْهِيَّةِ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّهُمَا مِلَاكُ الْاَمْرِ وَمَنَاطُ الْاِرْتِقَاءِ وَمَدَارُ النَّجَاتِ

ترجمہ: آپ کو لازم ہے کہ علومِ دینی کی تعلیم دیں، اور جہاں تک ہو سکے احکامِ فقہیہ کو پھیلائیں کیونکہ یہی دونوں اصل مقصود ہیں اور ان ہی پر ترقی اور نجات کا مدار ہے۔

اپنی کم ہمت کو مضبوط باندھ کر عُلماء کے گروہ میں داخل رہیں، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر کے خلق کو حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف رہنمائی کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا (الإنسان ۲۹)

ترجمہ: بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔

ذکرِ قلبی بھی کہ جس کے ساتھ آپ مجاز ہیں، احکامِ شرعیہ کے بجالانے میں مدد دینے والا اور نفسِ اَمّارہ کی سرکشی کو دور کرنے والا ہے، اس طریق کو بھی جاری رکھیں۔ اور اپنے دوستوں کے احوال سے اطلاع نہ پانے پر آزردہ نہ ہوں۔ اور اس اَمر کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ جانیں۔ ان کی طریقت کے احوال آپ کے کمالات کے آئینہ داری میں کافی ہیں۔ یہ بھی آپ ہی کے احوال ہیں جو بطریقِ انعکاس ان پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ شیخ حَسن آپ کے ارکانِ دولت میں سے ہے، اور آپ کے معاملہ کا ممد و معاون ہے۔ اور اگر بالفرض آپ کو ماوراء النہر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے، تو وہاں آپ کا قائم مقام شیخ حَسن ہے۔ اس کے حق میں اپنی التفات وتوجہ کو بخوبی مدِ نظر

رکھیں، اور بہت کوشش فرمائیں۔ تاکہ ضروری علومِ دینی کی تحصیل سے جلدی فارغ ہو جائے۔ ہندوستان کی یہ سیر آپ کے حق میں غنیمت ہے اور اُس کے حق میں بھی۔

رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَاِیَّاکُمُ الۡاِسۡتِقَامَۃَ عَلٰی مِلَّۃِ الۡاِسۡلَامِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃِ وَ السَّلَامُ وَ التَّحِیَّۃُ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور آپ کو ملتِ اسلام علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ پر استقامت عطا فرمائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس دوست کے لئے چھ مہینے ہوئے ہیں کہ ترقی واقع ہوئی ہے جو کچھ اُس کو غیبت اور بے شعوری کی حالت اور اَرواحِ طیبات سے حاصل ہوتا تھا، اب وہ حالتِ بیداری میں دیکھتا ہے۔

میرے مخدوم! یہ دید ترقی پر کچھ دلالت نہیں کرتی، خواہ شعور میں دیکھیں یا بے شعوری میں۔ کیونکہ قدمِ اول اس راہ میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے غیر کو کچھ نہ دیکھیں اور اندیشہ میں ماسویٰ اللہ کا خیال نہ رہے۔ نہ اِس معنی سے کہ اشیاء کو حق تعالیٰ کا غیر نہ دیکھے اور ماسویٰ کے عنوان پر نہ جانے۔ کیونکہ یہ بات بجائے خود کثرت بینی ہے، بلکہ حق تعالیٰ کے بغیر کو ہرگز نہ دیکھے اور نہ جانے، اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس راہ کی منازل میں سے یہ پہلی منزل ہے۔ وَبِدُوۡنِہٖ خَرۡطُ الۡقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے)۔

ہیچ کس را تا نگردد او فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

ترجمہ: بندے کو جب تک فنا حاصل نہ ہو بارگاہِ کبریا تک راستہ نہیں پا سکتا۔

وہ مکتوب جو ان دنوں میں لکھے گئے ہیں، بہت نادر الوجود ہیں۔ اور بہت عجیب و غریب فوائد اُن میں درج ہیں۔ ان کی نقل شیخ حسن لے گئے ہیں، ان کو اچھی طرح ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے اپنی والدہ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دُعا کی التماس کی تھی، وہ التماس آپ کی قبول ہو گئی ہے۔ ان اطراف کے باقی احوال کو شیخ حَسن مفصل طور پر بیان کر دیں گے۔

وَ السَّلَامُ وَ عَلیٰ سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَ عَلیٰ اٰلِهِ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَ مِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا

اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

فقیر اور فقیر زادے سلامتِ خاتمہ کی دُعا کی التماس کرتے ہیں، وَ السَّلَامُ]

تشریح

حضرت ملا احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی افغانستان کے صوبہ لوگر کے رہنے والے ہیں، اور وہیں ان کا مزارِ مبارک بھی ہے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلفاء میں سے ہیں اور اپنے وقت کے قطب گزرے ہیں۔ اور حضرت خواجہ اویس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مریدین اور حضرت ملا احمد برکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں بعض محشی نے حضرت خواجہ اویس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تعبیر کیا ہے لیکن ان لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لم سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لا ھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۶

[شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

قرآنِ مجید کی آیاتِ محکمات ومتشابهات کے بیان اور عُلمائے راسخین اور اُن کے کمالات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ جَعَلْنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ اِیَّاکُمْ مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور اُن کی آل واصحاب پر جو طیب وطاہر اور پاک وصاف ہیں، صلوٰۃ وسلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور آپ کو راسخین فی العلم میں سے بنائے۔

اے برادر! حق تعالیٰ نے اپنی کتابِ مجید کی آیات کو دو قسم پر فرمایا ہے، ایک محکمات اور دوسری متشابهات۔

قسمِ اول علمِ شرائع اور احکام کا منشا اور مبداء ہے۔ اور قسمِ ثانی حقائق اور اسرار کے علم کا مخزن ہے۔ اور (اللہ کے لئے) ید (ہاتھ) اور وَجہ (چہرہ) اور قسم اور ساق (پنڈلی) اور اصابع (انگلیاں) اور انامل (پور) جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں، سب متشابهات میں سے ہیں۔ اور ایسے حروف بھی مقطعات جو قرآنی سورتوں کے اوّل میں واقع ہوئے ہیں، سب متشابهات میں سے ہیں، جن کی تاویل پر عُلمائے راسخین کے سوا اور کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل مراد قدرت سے ہے جس کی تعبیر ''یَدْ'' سے کی ہے یا مراد ذات سے ہے جس کو ''وَجْہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ ان کی تاویل ان پوشیدہ اسرار سے ہے جو اَخص وخواص پر ظاہر کئے گئے ہیں۔

یہ فقیر قرآنِ مجید کے حروفِ مقطعات کی نسبت کیا لکھے؟ کیونکہ ان حروف میں سے ہر ایک حرف عاشق و معشوق کے پوشیدہ اسرار کا ایک بحرِ موّاج ہے۔ اور محب و محبوب کے دَقیق اور باریک اُمور کی ایک پوشیدہ رمز ہے، اور محکمات اگرچہ کتاب کی اُمہات یعنی اصل ہیں لیکن ان کے نتائج اور ثمرات جو **متشابھات** ہیں کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں، اُمہات نتائج کے حاصل ہونے کے لئے وسائل سے زیادہ نہیں۔ پس کتاب کا لُب یعنی مغز **متشابھات** ہیں۔ اور محکمات اُس کا قشر یعنی پوست۔ وہ **متشابھات** ہی ہیں جو رمز واشارہ کے ساتھ اصل بیان ظاہر کرتی ہیں۔ اور اس مرتبہ کی حقیقت معاملہ کی نشانی بتلاتی ہیں، برخلاف محکمات کے۔ متشابہات گویا حقائق ہیں، اور محکمات **متشابھات** کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالمِ راسخ وہ شخص ہے جو لُب یعنی مغز کو قشر یعنی پوست کے ساتھ جمع کر سکے، اور حقیقت کو صورت کے ساتھ ملا سکے۔

عُلمائے قشریہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور صرف محکمات پر ہی کفایت کئے ہوئے ہیں اور علمائے راسخین محکمات کے علم کو حاصل کر کے **متشابھات** کی تاویل سے بھی حظِ وافر حاصل کر لیتے ہیں۔ اور صورت و حقیقت کو جو محکم و **متشابہ** ہیں، جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ شخص جو محکمات کے علم اور اُن کے موافق علم کے بغیر **متشابھات** کی تاویل ڈھونڈے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے، جاہل ہے کہ جس کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہیں ہے اور گمراہ ہے اور اُس کو اپنی بھی خبر نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ جہاں صورت اور حقیقت سے مرکب ہے۔ اور جب تک یہ جہاں قائم ہے، کوئی حقیقت صورت سے الگ نہیں ہو سکتی۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (آل عمران ۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنیٰ رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنیٰ میں اشتباہ ہے۔

محکمات سے مراد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وہ واضح احکامات ہیں جن میں عقائد اور فقہی مسائل کو بیان کیا گیا ہے، اور جن کے لئے عام معاشرے میں مخلوق محتاج ہے اور متشابهات سے مراد وہ اسرار ہیں جن سے حق تعالیٰ وتقدس نے سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل و مکمل تابعدار علماءِ راسخین کو بھی حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ اور حق تعالیٰ وتقدس کے لئے قرآن عظیم الشان اور احادیثِ مبارکہ میں ید (ہاتھ)، وجه (چہرہ)، قدم وساق (پنڈلی)، اصابع (انگلیاں) اور انامل (پوریں) کے جو الفاظ آئے ہیں، یہ سب متشابهات میں سے ہیں، ہم ان کو صفت پر تعبیر کرتے ہیں کہ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بلا کیف صفات ہیں۔

یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے راسخین کے بارے میں اس آیت کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران ۷)

ترجمہ: اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي نَظْمِ هَذِهِ الْآيَةِ, فَقَالَ قَوْمٌ: الْوَاوُ فِي قَوْلِهِ وَالرَّاسِخُونَ وَاوُ الْعَطْفِ, يَعْنِي: أَنَّ تَأْوِيلَ الْمُتَشَابِهِ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُهُ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ وَهُمْ مَعَ عِلْمِهِمْ, وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: أَنَا مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي العلم, وقال مُجَاهِدٍ: أَنَا مِمَّنْ يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ, وَذَهَبَ الْأَكْثَرُونَ إِلَى أَنَّ الْوَاوَ فِي قَوْلِهِ وَالرَّاسِخُونَ وَاوُ الِاسْتِئْنَافِ, وَتَمَّ الْكَلَامُ عِنْدَ قَوْلِهِ: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَعَائِشَةَ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عنهم, وَرِوَايَةُ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا, وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ وَأَكْثَرُ التَّابِعِين۔

ترجمہ: وَالرَّاسِخُوْنَ کی واؤ میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واؤ کون سی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ وَالرَّاسِخُوْنَ کے قول میں واؤ عاطفہ ہے تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل کا علم اللہ کو ہے اور اُن لوگوں کو بھی ہے جو اپنے علم کے ساتھ علم میں راسخین ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اُن لوگوں میں شامل ہوں جو علم میں راسخین ہیں اور مجاہد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ میں بھی متشابہات کی تاویل جاننے والوں میں سے ہوں۔ دوسرے مفسرین کے نزدیک وَالرَّاسِخُوْنَ کے قول میں واؤ استیناف کے لئے ہے اس صورت میں کہ "اللہ تعالٰی کے بغیر اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا" میں کلام سیاق وسباق کے لحاظ سے مکمل ہو جاتا ہے یہی قول حضرت ابی بن کعب، حضرت عائشہ اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے اور حضرت طاؤس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے یہی قول روایت کیا ہے، حضرت حسن اور اکثر حضراتِ تابعین رحمہم اللہ تعالٰی نے بھی یہی فرمایا ہے۔[1]

---

[1](تفسير البغوى، ج ۱، ص ۴۱۲، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ جہاں صورت اور حقیقت سے مرکب ہے، الخ" یعنی اگرچہ عارف حقیقتِ شریعت تک پہنچا ہو مگر صورتِ شریعت جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب سے عبارت ہے اس کو کسی صورت میں ترک نہیں کر سکتا اور حقیقتِ شریعت، صورتِ شریعت سے جُدائی نہیں رکھتی۔ تو جو شخص حقیقتِ شریعت کا حصول صورتِ شریعت کی تعمیل کے بغیر جانے تو وہ مُلحد اور زندیق ہے۔

[اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر ٩٩) أي الموت

ترجمہ: اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔

جیسے کہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے عبادت کو موت کے زمانہ تک منتہی کیا جو اس جہاں کا منتہاء ہے۔

من مات، فقد قامت قیامته۔

ترجمہ: یعنی جو مر گیا اس کی قیامت آ گئی۔[1]

اور جہانِ آخرت میں جو حقائق کا ظہور ہے وہاں حقائق سے صورتوں کا الگ ہونا حاصل ہے۔ پس ہر جہاں کا حکم علیحدہ ہے، ایک کو دوسرے کے ساتھ سوائے اُس جاہل یا زندیق کے جس کا مقصود شرائع کا باطل کرنا ہے، خلط ملط نہیں کرتا۔ کیونکہ شریعت کا جو حکم مبتدی پر ہے، وہی حکم منتہی پر ہے، عام مؤمنین اور اخص وخواص عارف اس اَمر میں مساوی اور برابر ہیں۔ اکثر کچے متصوفہ اور بے سر وسامان مُلحد اِس اَمر کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں۔ اور احکامِ

[1](شرح السنة للبغوی، ج ١٥، ص ٩٧، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال رکھتے ہیں کہ خواص صرف معرفت ہی کے ساتھ مکلف ہیں۔ جیسے کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل وانصاف کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں جانتے۔ اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے۔ اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں، اور اس آیت کو بطریق شہادت پیش کرتے ہیں۔

وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَأۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ (الحجر ۹۹)

ترجمہ: اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔

اور یقین کے معنی "اللہ" کرتے ہیں۔ جیسے کہ سہل تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے یعنی عبادت کی انتہاء خدا کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کئے ہیں، اس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہاء حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفسِ عبادت کی انتہاء۔ کیونکہ یہ امر الحاد وزندقہ تک پہنچانے والا ہے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی ہے، یعنی عارف اس واسطے عبادت کرتے ہیں کہ اُن کے مقتدی اور متبعین ان کی اقتداء کریں۔ نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں، اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق اور مرائی یعنی ریاکار نہ ہو، مُرید اس سے نفع حاصل نہیں کرسکتے۔

خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ مَا اَجۡهَلَهُمۡ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں۔

عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے عروج عبادات پر ہی وابستہ ہیں۔ اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر

منحصر ہیں عبادات کے ثمرے اور فائدے جن کی اُمید عوام کو کل قیامت کے دِن ہے، عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہوئے ہیں۔ پس یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی بہت زیادہ حاجت ہے۔

جاننا چاہیئے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے۔ صورت ظاہرِ شریعت ہے اور حقیقت باطنِ شریعت۔ پس قشر ولُب یعنی پوست و مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں۔ اور محکم ومتشابہ دونوں اس کے افراد۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کئے ہیں، اُس سے اُس کی مراد یہ ہو گی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہاء حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفس عبادت کی انتہاء، الخ" یعنی اکثر مفسرین نے وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ کی آیت میں یقین کی تفسیر موت پر کی ہے۔

حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکایت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَادُمْتُ حَيًّا (مریم ۳۱)

ترجمہ: اور مجھے نماز وزکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں۔

نیز دوسری جگہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَلَاتَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران ۱۰۲)

ترجمہ: اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ ؟ قَالَ : أَنْ تَمُوتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سوال کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم اس حالت میں مرو کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔[1]

جبکہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بعض صوفیاء نے یقین کو حضور مع اللہ اور مراتبِ وجوب کے شہود سے تعبیر کیا ہے، یعنی عبادت کی تکلیف ومشقت مراتبِ وجوب کے شہود کے وقت ہے۔ مراتبِ وجوب کے شہود اور تزکیۂ نفس کے بعد عبادت ایک اَمرِ ذوقی ہو جاتا ہے، اور تکلیفات کے درمیان سے دُور ہو جاتی ہیں اور جو لوگ حقیقتِ شریعت کے دعویٰ وصول کے بعد عبادتِ ظاہری کو فرض نہیں جانتے وہ مُلحد وزندیق ہیں۔

اس شخص کو متصوف کہا جاتا ہے جو صورتِ شریعت اور تصوف سے بالکل غافل اور بے خبر ہونے کے باوجود اپنے صوفی ہونے کا اظہار کرے۔ جبکہ صوفی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو شریعتِ غرّاِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا پابند ہو اور اپنے آپ کو صورتِ شریعت سے حقیقتِ شریعت کی طرف لے جانے والا ہو۔

[علمائے ظاہر نے اس کے قشر (چھلکے) پر کفایت کی ہے اور عُلمائے راسخین نے اس کے قشر کو لُب کے ساتھ جمع کیا ہوا ہے، اور مجموعہ صورت وحقیقت سے حظِ وافر حاصل کیا ہے۔ پس شریعت کو

---

[1](صحیح ابن حبان، ج۳، ص ۱۰۰، الناشر: مؤسسة الرسالة - بیروت)

اس شخص کی طرح جو جمع کیا ہوا ہے اور مجموعہ صورت و حقیقت سے حظِ وافر حاصل کیا ہے۔ پس شریعت کو اس شخص کی طرح جو صورت و حقیقت سے مرکب ہے تصور کرتا ہے۔ ایک جماعت نے اس کی صورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا اور اس کی حقیقت سے انکار کیا۔ اور ہدایہ اور بزدوی کے سوا اپنا پیر و مقتدیٰ کسی کو نہ جانا۔ یہ لوگ عُلمائے قشر ہیں، اور دوسری جماعت کے لوگ اس کی حقیقت کے گرفتار ہو گئے۔ لیکن اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا۔ بلکہ شریعت کو صورت پر محدود رکھا اور قشر خیال کیا۔ اور اس کے سوالُب کو تصور کیا، اور باوجود اس کے احکامِ شریعت کے بجالانے سے سرِ مُونہ ہٹے اور صورت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور احکامِ شریعت میں سے کسی ایک حکم کے تَرک کرنے والے کو بطال اور ضال یعنی جھوٹا اور گمراہ سمجھا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں، جنھوں نے حق تعالیٰ کی محبت میں اس کے ماسویٰ سے قطع تعلق کیا ہے۔

ایک اور گروہ کے لوگ ہیں جو شریعت کو صورت اور حقیقت سے مرکب جانتے ہیں۔ اور قشر ولُب کے مجموعہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت کی صورت کا حاصل ہونا اس کی حقیقت کے حاصل ہونے کے بغیر اعتبار سے ساقط ہے۔ اور اس کی حقیقت کا حاصل ہونا صورت کی اثبات کے بغیر ناتمام و ناقص ہے۔ بلکہ صورت کے حاصل ہونے کو جو حقیقت کے ثبوت کے بغیر ہو اُس کو بھی اسلام ہی سے جانتے ہیں اور نجات بخش تصور کرتے ہیں۔ جیسے علمائے ظاہر اور عام مؤمنین کا حال ہے، اور ہر صورت کے بغیر حقیقت کا حاصل ہونا محال تصور کرتے ہیں، اور اس کے قائل کو زندیق اور گمراہ کہتے ہیں۔

غرض تمام ظاہری و باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالاتِ شرعیہ میں منحصر ہیں۔ اور علوم و معارفِ الٰہیہ ان عقائدِ کلامیہ سے وابستہ ہیں جو اہلِ سُنت و جماعت کے لئے ثابت ہو چکے

ہیں۔ ہزار ہا شہود اور مشاہدات کو حق تعالیٰ کی بے چونی اور بے چگونی کے ایک مسئلہ کے (جو مسائلِ کلامیہ میں سے ہے) برابر نہیں جانتے۔ اور ان احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو احکامِ شرعیہ کے کسی حکم کے خلاف ظاہر ہوں، جَو کے برابر نہیں خریدتے اور ایسے ظہور کو استدراج خیال کرتے ہیں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الأنعام ٩٠)

ترجمہ: یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو۔

یہ لوگ عُلمائے راسخین ہیں جن کو حقیقتِ معاملہ پر اطلاع دی گئی ہے اور آدابِ شریعت کو مدِ نظر رکھنے کی برکت سے ان کو شریعت کی حقیقت تک پہنچا دیا گیا ہے۔ بر خلاف فرقۂ ثانیہ کے کہ اگرچہ وہ بھی حقیقت کی طرف متوجہ اور اس کے ساتھ گرفتار ہیں، اور حتی المقدور شریعت کے بجا لانے میں سرِ مُو تجاوز نہیں کرتے۔ لیکن چونکہ انہوں نے حقیقت کو شریعت کے ماسویٰ جانا ہے اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کیا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں رہ گئے ہیں، اور اس حقیقت کے اصل معاملہ تک پہنچنے کی راہ نہیں پائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ولایتِ ظلی ہے اور ان کا قُرب صفاتی۔ بر خلاف علمائے راسخین کی ولایت کے کہ اصلی ہے اور انہوں نے اصل تک پہنچنے کا راستہ پا لیا ہے۔ اور ظلال کے تمام حجابات اور پَردوں سے گزر گئے ہیں۔ پس ان کی ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت ہے اور ان اولیاء کی ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی ولایت کا ظل ہے۔

ابتداء میں فقیر یہ سمجھتا تھا کہ عُلمائے راسخین کو متشابھات کے ساتھ ایمان لانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے۔ اور ان تاویلوں کو جو علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں متشابھات کی شان کے لائق نہ

سمجھتا تھا۔ اور ان تاویلوں کو ان اسرار سے جو چھپانے کے قابل ہوں، تصور نہ کرتا تھا۔ جیسے کہ عین القضاۃ نے بعض **متشابہات** کی تاویل میں کہا ہے۔

مثلاً الف لام سے اَلَمُ مراد لی ہے، جس کے معنی دَرد کے ہیں جو عشق و محبت کو لازم ہے وغیرہ وغیرہ۔

آخر کار جب حضرت سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے **متشابہات** کی تاویلات کا تھوڑا سا حال اس فقیر پر ظاہر کیا۔ اور اس مسکین کی استعداد کی زمین میں اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر چلادی تو معلوم ہوا کہ عُلمائے راسخین کو بھی **متشابہات** کی تاویلات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَھْتَدِیْ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اور اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حق بات لائے ہیں۔

واقعاتِ مذکورہ کی تعبیر جو آپ نے طلب فرمائی تھی اس کو حضور اور ملاقات پر منحصر رکھا گیا ہے، اسی واسطے ان کی نسبت کچھ نہیں لکھا، کیا کیا جائے۔ قلم اور ہی معارف کی طرف جاری ہو گیا اور یہی معاملہ پیش آگیا۔ اُمید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔

وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَ الْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ عَلٰی اِخْوَانِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی

اور سلام ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اور ان لوگوں پر جو ہدایت کی راہ پر چلے، اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ایک جماعت نے اس کی صورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا اور اس کی حقیقت سے انکار کیا۔ اور ہدایہ اور بزدوی کے سوا اپنا پیر ومقتدیٰ کسی کو نہ جانا، یہ لوگ عُلمائے قشر ہیں، اور دوسری جماعت کے لوگ اس کی حقیقت کے گرفتار ہو گئے، لیکن اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا، الخ" یعنی علماء ظواہر اور نیز صوفیاءِ نارسیدہ دونوں حقیقتِ شریعت سے بے خبر ہیں۔ اس لئے کہ عُلماءِ ظواہر شریعت کو صرف صورتِ شریعت پر ہی منحصر جانتے ہیں اور اس کی حقیقت سے غافل رہ گئے ہیں۔ یعنی یہ طائفہ جنہوں نے شریعت کو ھدایہ اور بزدوی میں محصور کر رکھا ہے، جبکہ اصل بات یہ ہے کہ شریعت ان دو کتابوں پر محصور نہیں ہے، بلکہ یہ دوسرے حقائق اور اسرار کی بھی مالک ہے اور ان حقائق اور اسرار کا ان دونوں کُتب میں تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ جملہ متابعین میں سے علماءِ ظواہر ابتدائی درجہ کے حساب میں ہیں اور ابھی بھی ان کو بقیہ چھ درجات درپیش ہیں۔ ان سات درجات میں سے اعلیٰ درجہ صورتِ شریعت ہے اور بقیہ چھ درجات حقیقتِ شریعت میں موجود ہیں تو جو شخص اول درجہ پر فائز نہ ہو تو وہ بقیہ چھ درجات پر کس طرح فائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ طریقت سے مُنکر ہیں تو وہ حقیقتِ شریعت کے ان چھ درجات سے محروم ہیں اور جو ان سات درجات کو مکمل کر لے تو وہ اکمل متابعت کی وجہ سے حقیقتِ شریعت پر فائز ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اسے کامل و مکمل تابعداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ شریعت صاحبِ صورت و حقیقت ہے اور یہ طائفہ صورتِ شریعت کے مرتبہ میں قرار پذیر ہے۔ اور حقیقتِ شریعت اور اسرارِ شریعت سے غافل اور بے خبر ہے اور اگر حقیقتِ

شریعت پر مشرف ہو جائیں تو اس وقت سمجھ جائیں گے کہ معرفت وایمانِ حقیقی اور ایمان کیا ہیں اور حقیقت کسے کہا جاتا ہے اور اسرار میں کس چیز سے بحث کی جاتی ہے؟ اور اسی طرح صوفیاء ناقص جنہوں نے شریعت کو پوست اور حقیقت کو اس سے ماسوا جانا ہے یہ لوگ ظلال کے کسی ظل سے حقیقتِ شریعت کو پہنچے ہیں اور اگر یہ حقیقتِ شریعت کی اصل تک پہنچ جاتے تو اس وقت سمجھ جاتے کہ حقیقت، حقیقتِ شریعت ہے اور شریعت، صورت و حقیقت سے مرکب ہے اور شریعت محض پوست نہیں ہے بلکہ شریعت پوست و مغز دونوں ہی کی مالک ہے اور عُلماء ظواہر شریعت کی پوست میں گرفتار ہیں اور اس کی مغز و حقیقت سے محروم ہیں۔

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۷

[علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں مُلّا عبد الحی کی طرف صادر فرمایا:

اور یہ علم اُن علومِ سابقہ میں سے ہیں جو آپ نے توسطِ حال میں تحریر کئے تھے، اس معرفت میں نہایتِ شہود شہودِ انفسی ہے، اور وہ معارف جو اَخیر میں لکھے ہیں اُن میں اَنفسی کو شہودِ آفاقی کی طرح لاحاصل سمجھ کر اَنفسی وآفاقی شہود کے ما سویٰ اور شہود کو ثابت کیا ہے۔ بلکہ نفسِ شہود کو وصول کا دروازہ جان کر اس کے علاوہ اور علوم و معارف لکھے ہیں۔ جیسے کہ آپ کی کتابوں اور رسالوں سے یہ بات ظاہر ہے۔

بدان اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی (خدا تجھے ہدایت دے) جان لے کہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات میں علم الیقین اُن آیات ونشانات کے شہود سے مراد ہے، جو حق تعالیٰ وتقدس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں، اور اُن آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں۔ لیکن ذاتی شہود اور حضور سیر اَنفسی کے سوائے متصور نہیں۔ اور وہ سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے۔

ذرّہ گر بس نیک ور بس بد بود
گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

ترجمہ: ذرّہ اگر کتنا ہی اچھا یا بُرا ہو، اگرچہ ساری عمر تگ ودو کرتا رہے، اپنے دائرے ہی میں رہے گا۔

اور جو کچھ اپنے باہر میں مشاہدہ کرتا ہے سب حق تعالیٰ وتقدس کی ذات پر دلائل وآثار کے مشاہدہ کی قسم سے ہے، نہ کہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کا مشاہدہ۔]

تشریح

علم الیقین میں سالک کی سیر آیات ونشانی میں ہوتی ہے، اور عین الیقین میں شہودات ہوتے ہیں اور اس سے بلند حق الیقین ہے تو جب تک سالک علم الیقین اور عین الیقین کی سَیر نہ کر لے وہ حق الیقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ سیر آفاقی اور سیر انفسی دونوں سے بلند تر ہے۔

علم الیقین: یہ ہے کہ انسان کو مثلاً شہد کی صفت اور اس کے خواص بیان ہو جائیں اور شہد کے بارے میں اس کا علم الیقین ہو جائے کہ یہ میٹھا ہے اور اس میں شفاء ہے۔

عین الیقین: یہ ہے کہ دوسرا شخص شہد کو خود کھالے اور اس کے ذریعے سے وہ بیماری سے شفاء یاب ہو جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ذاتی شہود اور حضور سیر اَنفسی کے سوائے مقصود نہیں، الخ" یعنی حق تعالیٰ وتقدس کے شہوداتِ سیر انفسی میں میسر ہوتے ہیں جبکہ سیر آفاقی ساری حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ پر مشاہدہ اور آثار ودلائل کی قبیل سے ہے۔

[قطب المحققین سید العارف ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ سیر دو قِسم پر ہے، ایک سیر مستطیل، دوسری سیر مستدیر۔

سیر مستطیل بُعد در بُعد ہے، سیر مستدیر قُرب در قُرب۔

سیر مستطیل یہ ہے کہ اپنا مقصود اپنے دائرہ کے باہر تلاش کیا جائے، اور سیر مستدیر یہ ہے کہ اپنے دل کے ارد گرد پھریں اور اپنا مقصود اپنے اندر ہی تلاش کریں۔

پس وہ تجلیات جو حِسی یا مثالی صورتوں میں اور انوار کے پَردہ میں ہوں، خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو، وہ نُور خواہ رنگین ہو یا بے رنگ۔ اور متناہی ہو یا غیر متناہی، اور کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو، سب علم الیقین میں داخل ہیں۔

حضرت مخدومی مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی اس بیت کے بارے میں شرحِ لمعات میں یوں فرماتے ہیں:

اے دوست ترا بھــــر مکان می جُستم
ہر دم خـبــرـــت ازین وآن مے جُستم

ترجمہ: اے دوست! میں نے تجھے ہر مکان میں تلاش کیا اور ہر این وآن تیرے حالات کی جستجو کی۔

اس مضمون میں بھی مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے، جو علم الیقین کے لئے مفید ہے اور یہ شہود چونکہ مقصود کی خبر نہیں دیتا، اور سوائے نشان واستدلال کے اس کے کچھ حضور نہیں بخشتا، اس لئے دھوئیں اور گرمی کے مشاہدہ کی طرح جو آگ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ شہود علم کے دائرہ سے نکل نہیں سکتا۔ اور نہ ہی عین الیقین کے لئے کچھ مفید ہو سکتا ہے اور نہ ہی سالک کا وجود اس سے فانی ہو سکتا ہے۔

عین الیقین حق تعالیٰ وتقدس کے شہود سے مراد ہے، جبکہ اس سے پہلے علم الیقین سے معلوم کر چکیں۔ اور یہ شہود سالک کے فنا کو مستلزم ہے۔ اور اس شہود کے غلبہ میں اس کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ اور اس شہود میں فانی ومستہلک یعنی مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہ شہود اس طائفہ عُلیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک ادراک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور معرفت بھی اس کو کہتے ہیں، اس ادراک میں خواص وعوام شریک ہیں، لیکن فرق یہ ہے

کہ خواص کو خلق کا شہود حق جل وعلا کے شہود سے مانع نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے دیدۂ شہود میں حق جل وعلا کے سوا اور کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اور عوام کو یہ شہود مانع ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور یہ عین الیقین علم الیقین کا حجاب ہے، جیسے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے۔ اس شہود کی تحقیق کے وقت سراسر حیرت ونادانی ہے، علم کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

بعض بزرگوں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی علامت جس نے اللہ تعالیٰ کو جیسے کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے پہچان لیا، یہ ہے کہ اُس کے سرّ پر واقف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا اس کو علم نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص اس معرفت میں کامل ہے جس کے سوا اور کوئی معرفت نہیں ہے۔

اور نیز بعض قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عارف وہ شخص ہے جو (معرفت کے معاملے میں) سب سے زیادہ حیران وپریشان ہے۔

حق الیقین حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، جبکہ تعین دُور ہو جائے اور متعین فانی اور نابود ہو جائے۔ لیکن یہ شہود حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ:

وَلَا یَحمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ

ترجمہ: بادشاہ کے عطیوں کو اُسی کے اونٹ اُٹھا سکتے ہیں۔

اور یہ شہود (مقام) بقاباللہ میں جو بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ کا مقام ہے حاصل ہوتا ہے۔

اور کبھی سالک کو فنائے مطلق کے ساتھ محقق ہونے کے بعد جو ذات وصفات کی فنا ہے، حق تعالیٰ وتقدس محض اپنی عنایت سے اپنے نزدیک سے ایک وجود عطا کرتا ہے۔ اور سُکرِ حال اور بے

خودی سے صحو اور افاقت یعنی ہوشیاری میں لے آتا ہے۔ اور اس وجود کو وجودِ موہوبِ حقانی یعنی خُدا کا دیا ہوا وجود کہتے ہیں۔ اس مقام میں علم و عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے۔ عین میں علم کا شہود اور علم میں عین کا مشاہدہ ہوتا ہے، جس کو عارف اس مقام میں عینِ حق پاتا ہے۔ نہ یہ کہ تعینِ کونی کے ساتھ کیونکہ اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ اور ان تجلیاتِ صُوریہ سے کہ جن میں اپنے تعینات اور صورتوں کو حق تعالیٰ و تقدس معلوم کرتے ہیں، مراد وہ تعیناتِ کونیہ ہیں جن کی طرف فناء نے راہ نہیں پایا۔ فَاَیْنَ اَحَدُھُمَا عَنِ الْاٰخَرِ (ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے) مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔)]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "قطب المحققین سید العارف ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ سیر دو قسم پر ہے: ایک سیر مستطیل، دوسری سیر مستدیر، الخ" یعنی سیر آفاقی اور سیر انفسی جو کہ ولایتِ ظلی سے تعلق رکھتی ہے یعنی یہ ولایتِ صغریٰ میں جا کر ہاتھ آتی ہے اور جب عارف ولایتِ کبریٰ پر مشرف ہو جاتا ہے تو پھر یہ جان جاتا ہے کہ میرا مطلوب سیر آفاقی اور سیر انفسی کا ماسوا ہے اور یہ اپنے محبوب کی تلاش میں لگا رہتا ہے جو کہ صرف اور صرف حق تعالیٰ و تقدس کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ جس طرح کہ حضرت خواجہ بزرگ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو دیکھی جا سکے اور سمجھی جا سکے وہ سب کا سب غیر ہے وہ حق تعالیٰ و تقدس کی ذاتِ مقدسہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہماری دید، عقل و فہم اور وہم و گمان سے بلند تر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عین الیقین، علم الیقین کا حجاب ہے۔ جیسے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے، الخ" یعنی ممکنات کے شہود کے وقت مراتبِ وجوب کا شہود امکان پذیر نہیں ہوتا اور اسی طرح مراتبِ وجوب کے شہود کے وقت جو کہ عین الیقین کا مرتبہ ہے وہ عالمِ امکان کا شہود عارف کی دید سے نکل جاتا ہے۔ جس وقت عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے انوارات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس وقت عالمِ امکان عارف کے ذہن سے نکل جاتا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب آگ جل رہی ہو تو اس کی حرارت کی وجہ سے انسان کا بدن گرم ہو جاتا ہے یا برف پڑ رہی ہو تو اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے انسان کا بدن ٹھنڈا ہو جاتا ہے انسان گرمی اور سردی کو تو محسوس کرتا ہے مگر یہ اس کا ادراک نہیں کر سکتا کہ یہ کیا چیز ہے۔ یہ احساسات علم الیقین میں ہوتے ہیں پس سالک یہ نہ سمجھے کہ میرے قلب میں حرکت ذکر کی وجہ سے ہو رہی ہے اور میں بزرگ بن گیا ہوں۔ مختصر یہ کہ سالک کے احساسات بالکل گرمی اور سردی کی طرح ہوتے ہیں اصل مقصود اس سے بہت ہی دُور ہے۔

صوفیاء کرام علم الیقین کے مرتبہ میں توحیدِ وجودی تک پہنچے ہوتے ہیں اور عین الیقین کے مرتبہ میں توحیدِ شہودی پر مشرف ہوتے ہیں اور حق الیقین کے مرتبہ میں ان پر متخلق باخلاق اللہ اور صفات کی تجلیات کے پَرتَو منعکس ہوتے ہیں۔ اور یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ علم الیقین کے مرتبہ میں تنہا ممکنات کا شہود اور عین الیقین کے مرتبہ میں تنہا مراتبِ وجود (اسماء وصفاتِ فعلیہ کے مراتب کا احساس ہونے) کا شہود اور حق الیقین کے مرتبہ میں شہودِ ممکنات اور مراتبِ وجوب دونوں ہی میسر ہوتے ہیں۔

[اگرچہ ظاہر عبارت سے عوام کے نزدیک تجلیٔ صُوری (کہ جس میں اپنے آپ کو حق پاتے ہیں) اور حق الیقین کے درمیان (جہاں کہ اپنے سِرّ کو حق پاتے ہیں) کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن تجلیٔ صُوری میں اَنَا (اَنَا الْحَقُّ) صورت پر پڑتا ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر۔ اور نیز تجلیٔ صُوری میں حق کو اپنے آپ سے دیکھتے ہیں، اور اس مقام میں حق کو حق دیکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حق کو اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے جہاں کہ شہود کی حقیقت متحقق ہے۔ اور بعض مشائخِ زمانہ نے جب اس فرق پر اطلاق نہ پائی اور تعینِ کَونی کے سوا اس کو تعین نہ جانا، تو انہوں نے ان بزرگواروں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر جنہوں نے حق الیقین کی اس طرح پر تفسیر و تشریح کی ہے جیسے کہ مقرر و ثابت ہو چکی ہے، زبانِ طعن دراز کی۔ بدیں خیال کہ یہ تعین تجلیٔ صوری میں جو سلوک کا اوّل قدم ہے، حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس تعین کی انہوں نے حق الیقین کے ساتھ جو سلوک میں نہایت قدم ہے، تفسیر و تشریح کی ہے۔ یہ ان کا خیال کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہے کہ وہ حق الیقین جو ان کو نہایت میں حاصل ہوتا ہے وہ ہم کو تجلیٔ صُوری میں حاصل ہو جاتا ہے، جو ہمارا اول قدم ہے۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (البقرۃ ۲۱۳)

ترجمہ: اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگرچہ ظاہر عبارت سے عوام کے نزدیک تجلیٔ صُوری (کہ جس میں اپنے آپ کو حق پاتے ہیں) اور حق الیقین کے درمیان (جہاں کہ اپنے سِر کو حق پاتے ہیں) کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، الخ" یعنی سالک وجودِ بشری کی فناء

سے قبل مراتبِ وجوب کی تجلیٔ صوری پر منعکس اور تجلیٔ صُوری کا انعکاس بہ صورتِ سالک متصور ہو جاتا ہے۔ فناءِ بشری سے مراد یہ ہے کہ سالک کے دل سے دُنیا کی محبت ختم ہو کر صرف اور صرف حق تعالیٰ و تقدس کی محبت اس کے دل میں باقی رہ جاتی ہے۔ سالک پر سب سے پہلے چاہے اسماء کی ہو یا صفات کی تجلیٔ صُوری ہی ہوتی ہے نہ کہ تجلیٔ حقیقی۔ لہٰذا سالک اپنے وجود کو بہ صورتِ وجوب میں دیکھتے ہوئے اَنَا الْحَقّ کہتا ہے اور اگر یہی الفاظ کسی نے قصداً کہے تو اس پر انسان کافر اور زندیق ہو جاتا ہے اور اگر سہواً ادا ہوئے تو وہ معاف ہے۔ اور سالک عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبہ میں یعنی کامل فناء کے بعد تجلیاتِ اصلی پر منعکس ہو کر وجودِ موہوبی پر مفتخر ہو جاتا ہے۔ جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ عارف کو وجودِ موہوبی عنایت فرمادے تو اس میں شہوت، غصہ، کینہ اور غرور وغیرہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود غلط استعمال نہیں ہوتے کیونکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان سب پر عارف کو اختیار دیا ہوتا ہے، یعنی یہ سب اخلاق اتنے دب چکے ہوتے ہیں اور عارف کے قابو میں ہوتے ہیں اور اس کے بدن میں کسی قسم کی خرابی کا سبب نہیں بنتے۔ مختصر یہ کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس عارف کو ایک خاص وجود عنایت فرمادیتا ہے جسے وجودِ موہوبی کہتے ہیں۔ جبکہ علم الیقین میں سالک کا ان چیزوں پر اختیار اور قابو نہیں ہوتا، یہ سب اس سے بے قابو ہوتے ہیں کبھی تو سالک عاجزی اختیار کرتا ہے اور کبھی غرور و تکبر میں مبتلا رہتا ہے، کبھی اس کا شہوت پر قابو ہوتا ہے اور کبھی شہوت اس پر بہت غالب ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ جس عارف کو وجودِ موہوبی سے نوادے اس پر بھی کبھی کبھی سُکر کی حالت آتی ہے اور اس مرتبہ میں بھی یہ اپنے وجودِ موہوبی کو بہ عنوانِ وجوب دیکھتا ہے اور مطلوب کے محبت و عشق کے غلبہ پر اَنَا الْحَقّ کہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفیاء کرام دو مراحل میں اَنَا الْحَقّ کے کلمہ پر تکلم کرتے ہیں، اول تجلیٔ صوری کے وقت اور دوم وجودِ موہوبی پر مشرف ہونے کے وقت۔ اور جب

عارف ان دونوں مراحل سے ترقی پا کر آگے نکل جاتا ہے تو پھر اس کے منہ سے اس قسم کے الفاظ صادر نہیں ہوتے۔ مگر عوام ان دو اَنَا الْحَقّ (ابتدائی یعنی علم الیقین اور انتہائی یعنی عین الیقین اور حق الیقین) کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں ہیں اور دونوں کو یکساں ہی سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں کیا خوب فرمایا ہے:

کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر
گرچہ باشد دَر نوشتن شَیر و شِیر

ترجمہ: پاک لوگوں کو اپنے جیسا قیاس نہ کرو، اگرچہ شَیر اور شِیر (دودھ) لکھنے میں ایک ہی جیسے لکھے جاتے ہیں۔

مگر در حقیقت تجلّیٔ صوری میں اَنَا وجودِ بشری کی جانب راجع ہے اور وجودِ موہوبی کے وقت اَنَا وجودِ موہوبی کی جانب راجع ہے۔

توحیدِ اول یعنی توحیدِ وجودی علم الیقین کے مرتبہ میں ہے اور توحیدِ دوم یعنی توحیدِ شہودی عین الیقین کے مراتب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ توحیدِ اول کا صوفی کامل و مکمل عارف نہیں ہے مگر توحیدِ دوم کا صوفی کامل و مکمل عارف ہے اگرچہ بعض اوقات محبت و عشق کے غلبہ کی وجہ سے اس عارف کی زبان سے سے خلافِ شریعت کلمہ اَنَا الْحَقّ صادر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اَنَا الْحَقّ کا کلمہ عمومیت نہیں رکھتا کہ ہر شخص یہ کہتا پھرے۔ بعض عرفاء کی زبان سے اس طرح کے کلمات صادر ہو جاتے ہیں لیکن ان میں سے بعض عرفاء کی زبان سے اس طرح کے کلمات سُننے کو نہیں ملتے۔ کیونکہ اس طرح کے کلمات اس طبقہ کے صوفیاء کرام کا عقیدہ نہیں ہوتے، بلکہ اس راہ کی ایک قسم کے

احوال میں سے ہیں جو کہ بعض صوفیاء کرام کو ظلی کمالات کے مراتب میں یہ طریق ہاتھ لگ جاتا ہے اور بالآخر اس مرتبہ کے احوال سے گزر کر عالی احوال کی جانب رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ عین الیقین اور حق الیقین کے مراتب میں سالک شہودِ ممکنات اور تجلیٔ صُوری کے مرتبہ سے نکل کر تجلیٔ اصلی کے شہود پر مشرف ہو جاتا ہے لہٰذا یہ تجلیٔ صُوری کو اہمیت نہ دیتے ہوئے یہ اصل مطلوب کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے، اور ان میں سے بعض صوفیاء کرام اپنے آپ کو بہ عنوانِ حق (معشوق کی شکل میں) دیکھتے ہیں جس طرح مجنون جو کہ لیلیٰ کے عاشق کے طور پر مشہور ہے اس نے آخری مرحلہ میں پہنچ کر لیلیٰ کے دیدار و صحبت سے استغنا (بے نیازی) حاصل کرلی اور وہ اپنے حال میں خود ہی لیلیٰ (معشوق) بن گیا اور لیلیٰ سے اس طرح کہا کہ:

گفت رو رو کہ آنچہ انم من

کہ بجز عشق تو ندانم من

عشق تو اے نگارِ فرزانہ

این چنیں کرد در دَلم خانہ

کہ ترا ہم نماند گنجائی

بعد ازین خوشترم بہ تنہائی

ترجمہ: اس نے کہا کہ جاؤ جاؤ میں تو ویسے ہی ہوں کہ آپ کے عشق کے بغیر اور کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ اے علم اور سمجھ کو ظاہر کرنے والے آپ کے عشق نے میرے اس دل میں کام کیا ہے۔ آپ کے پاس کوئی جگہ باقی نہیں ہے اس کے بعد میں تنہائی میں خوش ہوں۔

در عشق چنیں بو العجیبہا باشد

ترجمہ: عشق میں اس طرح عجائبات ہیں۔

یہ خواص کے عشق میں سے ہے کہ بعض اوقات عاشق وصل بھی نہیں چاہتے بلکہ صرف عشق ودَرد چاہتے ہیں۔

بدست آوردن مطلب ندارد لذت چنداں

عجب کیفیتے دارد بمقصد نارسیدن ہا

ترجمہ: اپنی مُراد کو حاصل کر لینا زیادہ لذت نہیں رکھتا بلکہ مقصد تک نہ پہنچنا عجیب کیفیت رکھتا ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی غائبانہ عشق ہی کی مشق پر قناعت کی اسی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصل کے خواہاں نہ ہوئے، کیونکہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق صرف شُنید سے تھا نہ کہ دِید سے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا این دولت از گفتار خیزد

ترجمہ: عشق صرف محبوب کے دیدار سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ یہ دولت اکثر محبوب کی باتوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۸

[مُلا عبد الکریم سنامی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عقائد کے درست کرنے اور شریعتِ غرا کے موافق عمل کرنے کے بعد ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنے دِل کو ماسوائے حق سے سلامت رکھے جس کو نسیان ماسوا کہتے ہیں۔ اور طریقہ عُلیہ نقشبندیہ کی مدح اور موتٰی یعنی مُردوں کی امداد واعانت پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

برادرِ عزیز کا مکتوبِ مرغوب پہنچا، بہت خوشی حاصل ہوئی۔ وہ نصیحتیں جو آگے دوستوں کو کی گئی ہیں اور اب بھی کرنے کے لائق ہیں وہ یہ ہیں کہ پہلے اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کی کلامیہ (عقائد) کی کتابوں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ پھر احکامِ فقہیہ یعنی فرض وواجب وسُنت ومستحب وحلال وحرام ومکروہ ومشتبہ علمی اور عملی طور پر بجالائیں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ ماسوائے حق کی گرفتاری سے اپنے دِل کو سلامت رکھیں۔ اور دِل کی سلامتی اُس وقت حاصل ہوتی ہے، جبکہ دل میں ماسوائے حق کا گزر نہ رہے۔ یعنی اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تو بھی حق تعالیٰ کے سوا اور کچھ دِل میں نہ گزرے۔ نہ اِس معنی سے کہ اشیاء دِل میں گزریں اور ان کو غیرِ حق نہ جانیں۔ کیونکہ یہ بات ابتداء میں توحید کے مراقبہ کرنے والوں کو بھی حاصل ہوتی ہے، بلکہ اس معنی سے کہ اشیاء ہرگز دِل میں نہ آنے پائیں۔ اور اشیاء کا دِل پر گزر نہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ دِل ما سوائے حق کو اس طرح بھول جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اشیاء اُسے یاد دلائیں تو بھی یاد نہ

آئیں۔ اس دولت کو فنائے قلب سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے اور باقی جتنے ولایت کے کمالات ہیں سب اسی دولت کی فرع ہیں۔

ہیچ کس را تانگردد او فنا

نیست راہ دَر بارگاہ کبریا

ترجمہ: کوئی شخص بھی جب تک فناء کا مقام حاصل نہ کرلے بارگاہِ کبریاء تک راہ نہیں پاسکتا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس صرف اس مکتوب ہی میں نہیں بلکہ اپنے اکثر مکاتیب میں یہی نصیحت فرماتے نظر آتے ہیں کہ ہر سالک پر تصوف میں قدم رکھنے سے پہلے یہ لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے عقائد کو اہلِ سُنت وجماعت کی کُتبِ عقائد کے عین مطابق درست کرے، اور اس کے بعد فقہ حنفی کے احکامات یعنی فرض، واجب، سُنت، مستحب، مباح، مکروہ، حلال، حرام، مفسد اور مشتبہ کو علمی اور عملی طور پر ان کی کُتب کے عین مطابق بجالائے۔ اپنے عقل و فہم سے قرآن عظیم الشان اور احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عقائد اور فقہ پر تطبیق نہ کریں اور نہ ہی استنباط کریں کیونکہ اس طرح کرنا ہمارے عقائد اور فقہیہ احکامات میں بہت زیادہ خرابی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ دَورِ حاضر میں دیکھنے میں آرہا ہے کیونکہ ہمیں قرآن عظیم الشان اور احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ناسخ و منسوخ کا علم نہیں ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ عقائد کو اہلِ سُنت وجماعت کی کُتب اور فقہی احکام کو حنفی کُتب سے سیکھیں، کیونکہ ہر صدی اور ہر دَور کی کتب موجود ہیں۔ عصرِ حاضر میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم فروعات میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار ہیں، مگر اصول میں ہم اپنی مرضی سے عمل کرتے ہیں اس طرح

کہنے اور کرنے سے عقائد میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ جب تک عقائد درست نہ ہوں تو تصوف میں کسب کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اکثریت کو نہ تو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے بارے میں یہ علم ہے کہ اس میں کون سی باتیں فرض، واجب، سُنّت اور مستحب ہیں اور کون سی حرام و مکروہ۔ کبھی کبھی لوگ احادیث سے استنباط کرکے مستحب کو فرض کا درجہ دے دیتے ہیں اور فرض کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم مستحبات سے منکر نہیں ہیں، مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ درجہ بدرجہ سب سے پہلے فرض، واجب اور سُنّت پر عمل کریں پھر مستحب پر۔ مثال کے طور پر اب اگر کسی سے یہ پوچھا جائے کہ اہلِ سُنّت وجماعت کے عقائد اور فقہ حنفی کی رُو سے درودِ ابراہیمی علیہ السلام میں کتنی چیزیں واجب ہیں تو شاید اس کا جواب نہ مل سکے۔ مگر ہم لوگ اپنی مرضی سے ہر ایک درود پڑھتے رہتے ہیں اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص درودِ ابراہیمی علیہ السلام نہیں پڑھتا اس سے کتنے واجبات ترک ہوتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ دیگر درود پڑھنا گناہ ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ درودِ ابراہیمی علیہ السلام پڑھنا قرآن عظیم الشان سے ثابت ہے اور دیگر درود پڑھنے کی بہ نسبت درودِ ابراہیمی علیہ السلام کی فضیلت زیادہ ہے۔

قرآن عظیم الشان میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (الشعراء ۸۴)

ترجمہ: اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔

آج کل اگر کسی سے کہا جائے کہ درودِ ابراہیمی علیہ السلام پڑھا کریں تو فورًا اس شخص پر وہابی ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے مگر یہ نہیں سوچا جاتا کہ انسان درودِ ابراہیمی علیہ السلام نہ پڑھنے کی وجہ سے کتنے واجبات کو ترک کرنے کا مرتکب ہو رہا ہے۔

درودِ ابراہیمی علیہ السلام میں پانچ باتیں واجب ہیں:

اول: اَللّٰھُمَّ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا واجب ہے۔

دوم: عَلٰی مُحَمَّدٍ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود واجب ہے۔

سوم: وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پر درود واجب ہے۔

چہارم: عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود واجب ہے۔

پنجم: وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد پر جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی شامل ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں۔

جب ہم درودِ ابراہیمی علیہ السلام پڑھتے ہیں تو اس میں حضرت ابراہیم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد کا بھی ذِکر ہو جاتا ہے، جن میں بنی اسرائیل کے تمام حضراتِ انبیاء عظام علٰی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات شامل ہیں۔ واضح رہے کہ صرف حضرت موسیٰ علٰی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت عیسیٰ علٰی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک آنے والے حضراتِ انبیاء علٰی نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) ہے اور حضرت ابراہیم علٰی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں آنے والے وہ انبیاء عظام علٰی نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات جو حضرت موسیٰ علٰی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل گزرے وہ ان چار ہزار (۴۰۰۰) کے علاوہ ہیں۔ پس دوسرے درودوں کی صورت میں ہم ان گزشتہ حضراتِ انبیاء عظام علٰی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذکر سے محروم رہیں

گے۔ پھر اگر ان حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا ذکر انکار کی بنیاد پر چھوڑا تو یہ صریح کفر ہے اور اگر تعصب کی وجہ سے چھوڑا تو زندیقیت ہے، لہٰذا درودِ ابراہیمی علیہ السلام کا پڑھنا ہی بہتر ہے۔

اب اگر کوئی صرف یہ درود پڑھے کہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یا اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ تو اس میں مذکورہ واجبات کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی بہت تکلیف یا اضطراری حالت میں ہو تو اس وقت انسان درودِ ابراہیمی علیہ السلام کے علاوہ دیگر درود میں سے کوئی بھی درود پڑھ لے تو پڑھ سکتا ہے مگر ان حالتوں کے علاوہ اگر کوئی دوسرا درود پڑھے تو وہ پانچ واجبات کے تَرک کرنے کا مرتکب ٹھہرے گا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہما الاقدس فرماتے ہیں کہ رُخصت پر عمل نہ کریں بلکہ عزیمت پر عمل کریں۔ تو اس وجہ سے درودِ ابراہیمی علیہ السلام میں عزیمت ہے اور بقیہ درود میں رُخصت۔

قرآنِ عظیم الشان، احادیثِ مبارکہ اور مجتہدینِ دین کے اقوال کی روشنی میں درودِ ابراہیمی علیہ السلام کے مختصر سے فضائل بیان کئے جارہے ہیں:

قَالَ الْكَرْخِيّ مِنْ أَصْحَابِنَا: إنَّ الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَرْضُ الْعُمُرِ كَالْحَجِّ، وَأَمَّا الصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي غَيْرِ حَالَةِ الصَّلَاةِ فَقَدْ كَانَ الْكَرْخِيُّ يَقُولُ: إنَّهَا فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ بَالِغٍ عَاقِلٍ فِي الْعُمُرِ مَرَّةً وَاحِدَةً۔

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف بھیجنا حج کی طرح فرض ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر نماز کے علاوہ درود شریف

بھیجنے کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر عاقل وبالغ پر یہ (درود شریف) زندگی میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔[1]

جو چیز عمر میں ایک مرتبہ فرض ہو جیسا کہ حج، جس میں تین چیزیں یعنی احرام، طوافِ زیارت اور وقوفِ عرفات فرض ہیں تو یہ تینوں چیزیں نفلی حج میں بھی فرض ہوں گی۔ اسی طرح درودِ ابراہیمی علیہ السلام میں بھی فرائض ہیں۔ تو جو چیز درود شریف میں فرض ہے وہ نفلی درود شریف میں بھی فرض ہوں گی۔

وقال الحنفية: هي فرض مرة واحدة في العمر۔

ترجمہ: اور حنفیہ فرماتے ہیں یہ (یعنی درود شریف) زندگی میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔[2]

وَأَفْضَل صِيَغِ الصَّلاَةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ هِيَ: اللَّهُمَّ صَل عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آل مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آل إِبْرَاهِيمَ، إِنَّکَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَبَارِکْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آل مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آل إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ، إِنَّکَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

ترجمہ: حنفیہ کے نزدیک درود کے سب سے افضل الفاظ یہ ہیں: اے اللہ! (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اور (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تُونے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام پر اور (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت بھیجی، بے شک تو حمد اور بزرگی والا ہے، (اے اللہ حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اور (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پر برکتیں نازل فرما جس

[1] (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۱۳، الناشر: دار الكتب العلمية)

[2] (الفقه السلامي وادلته، ج ۲، ص ۹۳، الناشر: دار الفكر - سوريّة - دمشق)

طرح تُو نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام پر اور (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی آل پر تمام عالمین میں برکتیں نازل فرمائیں بے شک تو حمد اور بزرگی والا ہے۔[1]

خص إبراهيم بالذكر, لأن الرحمة والبركة لم يجتمعا في القرآن لنبي غيره, قال تعالى: {رحمة الله وبركاته عليكم أهل البيت} (هود ١١/٧٣] وآل سيدنا محمد: هم بنو هاشم وبنو المطلب. وآل سيدنا إبراهيم: إسماعيل وإسحاق وأولادهما۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تخصیص فرمائی ہے کیونکہ بے شک قرآن میں رحمت اور برکت دونوں کو نہ تو نبی علیہ السلام کے لئے جمیع کیا گیا ہے اور نہ ہی غیر نبی کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے (ابراہیم علیہ السلام کی) آل! تم پر تو (خاص) اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں" اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں۔[2]

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلّى الله عليه وسلم قال: صلوا على أنبياء الله ورسله فإن الله تعالى بعثهم كما بعثني۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رُسل علیہم السلام پر درود بھیجا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میری طرح ہی مبعوث فرما کر بھیجا ہے۔[3]

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية, ج٢٧, ص٩٧, الطبعة الأولى, مطابع دار الصفوة-مصر)

[2] (الفقه الاسلامى وادلته, ج٢, ص٩٤, الناشر: دار الفكر-سوريّة-دمشق)

[3] (روح المعانى, ج١١, ص٢٦٠, الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

وقال القاضي حسين: طريق البر اللهم صلّ على محمد كما هو أهله ومستحقه، واختار البارزي أن الأفضل اللهم صل على محمد وعلى آل محمد أفضل صلواتک وعدد معلوماتک، وقال الكمال بن الهمام: كلما ذكر من الكيفيات موجود في اللهم صل أبدا أفضل صلواتک على سيدنا عبدک ونبيک ورسولک محمد وآله وسلم عليه تسليما وزده شرفا وتكريما وأنزله المنزل المقرب عندک يوم القيامة، واختار ابن حجر الهيثمي غير ذلک، ونقل ابن عرفة عن ابن عبد السلام أنه لا بدّ في السلام عليه صلّى الله عليه وسلم أن يزيد تسليما كأن يقول: اللهم صل على محمد وسلم تسليما أو صلى الله تعالى عليه وسلم تسليما، وكأنه أخذ بظاهر ما في الآية وليس أخذا صحيحا كما يظهر بأدنى تأمل۔

عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: إذا صليتم على النبي صلّى الله عليه وسلم فأحسنوا الصلاة عليه فإنكم لا تدرون لعل ذلک يعرض عليه قالوا: فعلمنا؟ قال: قولوا اللهم اجعل صلواتک ورحمتک وبركاتک على سيد المرسلين وإمام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدک ورسولک إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه به الأولون والآخرون اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم إنک حميد مجيد۔

ترجمہ: اور قاضی حسین نے فرمایا کامل نیکی کا طریقہ یہ ہے کہ اے ہمارے رب! حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اس طرح اپنی رحمت بھیج جیسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کے اہل اور حق دار ہیں۔ اور حضرت بارزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایسا کہا جائے اے ہمارے رب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آل پر اپنی بہترین رحمتیں اپنی معلومات کے حساب سے ارسال فرما۔ حضرت کمال بن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے کہ درود بھیجنے کی جتنی بھی کیفیات وارد ہیں ان سب میں (دُعا والی) کیفیت موجود ہے اور من جملہ وہ کیفیت یہ ہے اے

اللہ! اپنی رحمت میں سے ہمیشہ افضل رحمت بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر جو تیرے بندے، تیرے نبی اور تیرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں اور ان کی آل پر اور ان پر سلام بھیج کثرت سے اور ان کی تعظیم و تکریم میں اضافہ فرما اور قیامت کے نزدیک انہیں قُرب کی منزل عطا فرما۔ حضرت ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوسری صورت اختیار کی ہے اور ابن عرفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر سلام بھیجنے میں تسلیمًا کے لفظ کا اضافہ کرنا ضروری ہے اور اس طرح کہنا چاہیئے: اے ہمارے رب! حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اپنی رحمت اور کامل سلامتی بھیج یا اس طرح کہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔ گویا اس (یعنی پڑھنے والے) نے اس آیت کا ظاہری معنیٰ لیا جو اس آیت میں ہے اور اس نے صحیح کو اخذ نہیں کیا ہے جیسا کہ ذرا غور و فکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود پڑھو تو خوبصورت انداز میں پڑھو تم نہیں جانتے کہ شاید تمہارا درود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر پیش کیا جائے۔ عرض کی گئی (وہ درود شریف) ہمیں سکھایئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اس طرح پڑھو ”اے اللہ! اپنی خاص رحمتیں اور اپنی رحمت اور اپنی برکتیں، رسولوں کے سردار، پرہیزگاروں کے امام، سب سے آخری نبی علیہ السلام تیرے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو خیر کے امام، قائد اور رحمت کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں پر نازل فرما۔ اے اللہ ان کو مقامِ محمود عطا فرما جس پر سب اولین وآخرین رشک کریں گے۔ اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور ان کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تُو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت بھیجی، بے شک تو حمد اور بزرگی والا ہے“۔[1]

سئل سفيان، عن قوله: «اللهم صلي على محمد, وعلى آل محمد, كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم إنک حميد مجيد»؟ قال: أكرم الله أمة محمد صلى الله عليه وسلم فصلى عليهم كما صلى على الأنبياء, فقال {هو الذي يصلي عليكم وملائكته"} (الأحزاب ٤٣), وقال للنبي صلى الله عليه وسلم: {إن صلاتک سكن لهم} (التوبة ١٠٣) والسكن من السكينة, فصلى عليهم كما صلى على إبراهيم, وعلى إسماعيل, وإسحاق, ويعقوب, والأسباط, وهؤلاء الأنبياء المخصوصون منهم, وعم الله هذه الأمة بالصلاة, وأدخلهم فيما دخل فيه نبيهم صلى الله عليه وسلم, ولم يدخل في شيء إلا دخلت فيه أمته, وتلا قوله {إن الله وملائكته يصلون على النبي} (الأحزاب ٥٦)۔

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس درود (یعنی درودِ ابراہیمی علیہ السلام) کے بارے میں سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس اُمتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عزت وشرف بخشتے ہوئے ان پر رحمتیں بھیجیں، جیسے اس نے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام پر رحمتیں بھیجیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وہی ہے جو خود بھی تم پر رحمت بھیجتا ہے، اور اس کے فرشتے بھی“ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ارشاد فرمایا: ”یقیناً تمہاری دُعا ان کے لئے سراپا تسکین ہے“ اور سَکَنُ سکینہ سے لیا گیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ پر رحمت نازل فرمائی، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل فرمائی اور یہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے مخصوص ہیں جبکہ اس اُمت پر رحمت کو عام فرمایا اور انہیں اس

---

[1](روح المعانی، ج ١١، ص ٢٥٨، الناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت)

رحمت میں شامل فرمایا جس میں انہیں ان کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شامل رکھا اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جس رحمت میں بھی داخل ہوئے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت بھی اس میں داخل ہوئی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ''بے شک اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں''۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''یعنی اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تو بھی حق تعالٰی کے سوا اور کچھ بھی دل میں نہ گزرے، نہ اس معنی سے کہ اشیاء دل میں گزریں اور ان کو غیرِ حق نہ جانیں، الخ'' یعنی علم الیقین اور توحیدِ وجودی کے صاحبان کی طرح جو فنا وبقا سے حصہ نہیں رکھتے۔ لٰہذا یہ وجودِ ممکنات کو وجودِ حق سمجھتے اور بہ عنوانِ حق دیکھتے ہیں جس طرح کہ وجودیہ جن کو اسی طرح صورتِ حال کا سامنا ہے، یہ احباب ابھی تک تمام لطائف کی فناء پر مشرف نہیں ہوئے ہیں۔ تو اسی بناء پر یہ لوگ صورت و حقیقت کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں ہو سکے، جس وقت یہ لوگ تمام لطائف کی فناء پر مشرف ہو جائیں گے اس وقت اس امتیاز و فرق پر مفتخر ہوں یعنی لطائف کے کمال کی وجہ سے وہاں تک پہنچنے کے بعد وہ ممکن کو واجب نہیں سمجھتے اور ماسویٰ کو کُلی طور پر فراموش کر دیتے ہیں۔

[اور اس دولتِ عظمٰی تک پہنچنے کے لئے سب سے زیادہ قریب راستہ طریقہ عُلیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالٰی اسرارہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنی سیر کی ابتداء عالمِ اَمر سے کی ہے۔ اور قلب سے قلب کے پھیرنے والے یعنی خُدا یعنی خُدا کی طرف راستہ لے گئے ہیں۔ انہوں نے

[1](حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ج۷، ص ۳۰۱، الناشر: السعادۃ - بجوار محافظۃ مصر)

دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بجائے سُنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن سُنت کو لازم پکڑنا بہت مشکل کام ہے۔

فَطُوْبٰی لِمَنْ تَوَسَّلَ بِھِمْ وَ اقْتَدٰی بِھَدْیِھِمْ

ترجمہ: تو مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کے ساتھ وسیلہ پکڑا اور ان کی ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دلِ سالک رہِ جاذبہ صحبتِ شان
مے برد وسوسہ خلوت و فکرِ چلہ را
قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعنِ قصور
حاش للہ کہ برآرم بزبان این گلہ راہ
ہمہ شیران جہان بستہ این سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چسان بگسلد این سلسلہ را

ترجمہ: نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں، جو چپکے سے قافلہ کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں، سالک کے دل سے اُن کی صحبت کی کشش، وسوسہ، خلوت اور چلہ کشی کی فکر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اگر کوئی کوتاہ فہم اُن کو ناقص جانے یا اُن پر زبانِ طعن دراز کرے تو اُس کی مرضی، میں تو خدا کی پناہ! کہ ایسا

گلہ شکوہ زبان پر لاؤں۔ جہاں کے تمام شیر اس سلسلہ سے بندھے ہوئے ہیں۔ لومڑی اپنے رکیک حیلوں سے اس سلسلہ کو درہم برہم نہیں کر سکتی۔

دوسرے یہ کہ قاضی محمد شریف کا محبت سے بھرا ہوا نوازش نامہ پہنچا۔ چونکہ فقراء کی محبت سے پُر تھا کمالِ خوشی کا باعث ثابت ہوا۔ فقیر کی دُعا و سلام اُس کو پہنچا دیں۔

تیسرے واضح ہو کہ شیخ حبیب اللہ کا مکتوبِ مرغوب پہنچا۔ اُس نے اپنے والد مرحوم کے فوت ہو جانے کی نسبت لکھا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فقیر کی طرف سے دُعا پہنچا کر ماتم پُرسی بجالائیں اور کہیں کہ دُعا و فاتحہ و استغفار سے اپنے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں۔

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ۔

ترجمہ: مُردہ قبر میں ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے جو دُعا کا منتظر رہتا ہے جو اُس کو بیٹے یا باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔[1]

چوتھے واضح ہو کہ شیخ احمد اُن بزرگواروں کا طریقہ اخذ کر کے بہت متاثر ہوا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اُس کو استقامت عطا فرمائے۔ مشار الیہ چونکہ از سرِ نو اسلام لایا ہے یعنی نَو مسلم ہے، اس لئے اُس کو عقائدِ کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں سکھائیں اور احکامِ فقہیہ کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ فرض وواجب وسُنت ومستحب وحلال وحرام ومکروہ ومشتبہ کو پہچان لے۔ اور اُن کے موافق اپنی زندگی بسر کرے۔ اور کتاب گلستان و بوستان کا پڑھنا پڑھانا بیکاری میں داخل ہے۔ وَالسَّلَامُ]

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۷۲۸، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "سب سے زیادہ قریب راستہ طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریق ہے، الخ" یعنی معرفت، وصول اور اَقربیت کا بہترین راستہ صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کی پیروی کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ تو اسی بناء پر ہر وہ طریقہ جس میں سُنت اور عزیمت پر عمل زیادہ ہو اسی کو اَقرب طریقہ کہا جاتا ہے تو اسی لئے طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے، اور اُمورِ مرخصہ سے اجتناب فرمایا ہے۔

مذاہبِ اربعہ کے فقہی مسائل کے لحاظ سے عزیمت اس چیز سے عبارت ہے کہ جن پر مذاہبِ اربعہ اہلِ سُنت وجماعت نے عمل کیا ہو، اور رُخصت اس چیز سے عبارت ہے کہ مذاہبِ اربعہ میں سے تنہا کسی ایک مذہب نے اس پر عمل کیا ہو۔

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ مسافر خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دِن حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے حضور میں موجود تھا کہ اسی اثناء میں صوفیاء کا ایک گروہ سماع ونغمہ میں مشغول ہو گیا جب یہ محفل ختم ہو گئی تو کسی نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سماع ونغمہ کی اس محفل کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ "میں نہ یہ کام کرتا ہوں اور نہ ہی اس سے انکار کرتا ہوں" یعنی میں اس عمل اور اس کام کو اس وجہ سے نہیں کرتا یہ سُنت وعزیمت نہیں ہے اور اس کام سے انکار اس وجہ سے نہیں کرتا کیونکہ بہت

سے بزرگوں نے اسے کیا ہے، جس طرح کہ حضرت ابو سعید ابو الخیر، حضرت نجم الدین کبریٰ اور طریقۂ عالیہ چشتیہ کے اکثر مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے سماع کی مجالس اختیار کی ہیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ سماع اور غنا کے درمیان فرق ہے۔ جس طرح سماع میں جو کہ نعت اور قصیدہ خوانی کی محفل سے عبارت ہے اس میں ساز وسرود اور لہو کے آلات نہیں ہوتے، مگر غنا میں ساز وسرود اور لہو کے آلات موجود ہوتے ہیں۔ اور اکثر محدثین ومفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ مگر سماع والے اشخاص کی پہچان کی شرح میں ان کو تین انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو لوگ تزکیۂ نفس میں مشغول نہیں ہوتے اُن کے لئے سماع حرام ہے اور جو لوگ تزکیۂ نفس میں مشغول ہوں مگر ابھی تک اُن کا تزکیۂ نفس نہ ہوا ہو اُن کے لئے جائز ہے اور جو لوگ تزکیۂ نفس پر مشرف ہو چکے ہوں اُن کے لئے مستحب کہا گیا ہے۔ یہ بات کُتبِ صوفیہ (قادریہ اور چشتیہ) سے بیان کی گئی ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۷۹

[مُلا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

اُس کی اُس نعمت کے شکر ادا کرنے کے بیان میں کہ اُس نے آپ کو طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ کی طرف رہنمائی کی تھی، اور اِس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا اظہار کیا ہے جو اُس کے وسیلہ سے حاضر ہوئی تھیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

آپ کا مبارک صحیفہ جو از روئے کرم والتفات اس فقیر کے نام لکھا تھا، جناب مولانا مہدی علی نے پہنچایا۔ بڑی خوشی کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی یہ عبارت:

سَبَبُ تَرْتِیْبِ خِلَافَتِہِمْ مُدَّۃُ اَعْمَارِہِمْ

ترجمہ: اُن کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے۔

شیخ موصوف کی کون سی تصنیف شدہ کتاب میں واقع ہے۔

میرے مخدوم! مدت ہوئی ہے کہ فقیر نے اِس عبارت کو فتوحاتِ مکیہ میں دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ مقام ہر چند تلاش کیا، نہ ملا۔ اگر دوسری بار نظر سے گزرا تو عرض کر دیا جائے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کی نعمت کا شکر ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اِقرار کرتا ہے۔ یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب دید و داد اسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حُسنِ توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

اور آپ کے توسل کی یُمن وبرکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ کسی نے اس کا مزہ چکھا ہی نہیں۔ خاص خاص عطیئے اس قدر عطا فرمائے ہیں کہ اکثر لوگوں کو ان عطیوں کا علم بھی نہیں۔ احوال ومقامات اور اذواق ومواجید اور علوم ومعارف اور تجلیات وظہورات سب کو عروج کے زینے بنا کر قُرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے طریقۂ قادریہ وچشتیہ شریفہ کے کمالات کا کسب اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا، مگر بعض اوقات آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ شریف کی کُتب کے مطالعہ میں اس سلسلۂ عُلیہ کے کمالات ابھی تک اس فقیر کو حاصل نہیں ہوئے۔ آخر کار جس وقت شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی ہندوستان کے شہر دہلی اور دیگر شہروں میں شہرت ہوئی تو حضرت ملا حسن کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فقیر کو یاد رکھا اور اس راز سے آگاہ فرمایا کہ دہلی شہر میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک شیخ تشریف فرما ہیں۔ اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو طریقۂ نقشبندیہ کے اس شیخ کی شرفِ ملاقات حاصل ہو جائے تو بہت بہتر ہوگا کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے کمالات کی جانب بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں۔ جب حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مژدۂ سعادت سُنا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرفِ ملاقات کے لئے دہلی کی جانب روانہ ہوگئے اور شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور اُنہوں نے ہماری خواہش سے مجھ فقیر کو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تلقین فرمائی اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس صحبت اور بیعت کی برکت سے اس راہ کی سلوک

ومعرفت کے اُن کمالات کو حاصل کر لیا کہ انسان کی عقل جن کے تصور سے حیران ہے۔ اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت مولانا حسن کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس احسان کا اظہارِ شکر کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "خاص خاص عطیئے اس قدر عطا فرمائے ہیں کہ اکثر لوگوں کو ان عطیوں کا علم بھی نہیں، الخ" یعنی خاص خاص عطیئے ولایت ونبوت کے قُرب وکمالات، کمالاتِ رسالت، کمالاتِ اولو العزمی اور کمالاتِ خلعت ومحبوبیت سے عبارت ہیں۔ عام عطیئے صحت وتندرستی وغیرہ کی نعمتوں سے عبارت ہیں۔

[قُرب ووصول کا لفظ میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے، ورنہ وہاں نہ قُرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے، نہ اشارت، نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ این نہ آں، نہ زمان ومکان نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت۔

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ

کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامے پیش مردم

ز مرغ من بود آں نام ہم گم

ترجمہ: میں تجھے اس پرندے کا نشان کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہو، عنقا کا نام تو لوگ جانتے ہیں میرے پرندے کا کسی کو نام بھی معلوم نہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اظہار میں جن کا ظہور عالمِ اسباب میں آپ کی اسی نعمت سے ہوا ہے۔ آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا۔ اس لئے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکر ادا ہو جائے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتِ

اور سلام ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اور اُن تمام لوگوں پر جو ہدایت کی راہ پر چلے، اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "قُرب ووصول کا لفظ میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے، ورنہ وہاں نہ قُرب ہے نہ وصول، الخ" یعنی اس جگہ کیفیت ومکان وجود رکھتا ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کا قُرب بلا کیف ہے جو کہ کسی بیان میں نہیں آسکتا اور یہ قُرب مراتبِ شہود، احاطۂ علم ومعرفت اور جہل وحیرت سب سے بلند اور برتر ہے۔ مختصر یہ کہ یہ قُرب ایک ذوقی اور وجدانی نعمت ہے جس کی تعبیر بیان نہیں کی جاسکتی۔

مستئ بادۂ عشق اش ز من مست مپرس
ذوق این مے نشناسی بخدا تانہ چشی

ترجمہ: شرابِ عشق کی مستی کے بارے میں مجھ مست سے نہ پوچھو، بخدا اس شراب کا ذائقہ چکھنے کے بغیر معلوم نہ ہو سکے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ:

چہ گویم باتُو از مرغے نشانہ

کہ باعنقا بود ہم آشیانہ

یعنی اولیاء کرام بعض اوقات مراتبِ قُرب کو شکار وصید کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اشارات ہیں کہ قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسماء الحسنیٰ موجود ہیں جو ظاہراً سب لوگوں کو معلوم ہیں کہ اسمِ ذات اللہ مستجمع جمیع صفات وکمالات ہے یعنی جتنے اسماء وصفات ہیں وہ سب اس میں جمع ہیں مگر پھر سالک اس مستجمع جمیع صفات وکمالات کے اسم کا ذکر کرتے کرتے اپنا اسمِ مُربّی تلاش کرلیتا ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انسان کی نشو ونما کرتے ہوئے اسے بچپن سے جوانی اور پھر بڑھاپے کی طرف لے جاتا ہے مگر انسان اس کو نہیں سمجھتا کہ حق تعالیٰ وتقدس کے صفاتِ فعلیہ میں سے وہ کون سا اسم تھا جس نے میرے بدن کی نشو ونما کی۔ ہر انسان کو یہ معلوم ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارا خالق ومالک سب کچھ ہے مگر پھر بھی یہ اپنے اسمِ مُربی سے خبر نہیں رکھتا کہ وہ کون سا اسم ہے جس سے میری پرورش ہوئی ہے۔ سالک کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنا اسمِ مُربی تلاش کر لے، تو اس وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ فرمایا کہ وہ اسم جس نے ظاہری وباطنی نشو ونما کی اور مجھے تصوف کی جانب رغبت دی مجھے وہ اسم معلوم نہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مجھے اس اسم سے خبردار فرمائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ:

زعنقا ہست نام پیش مردم

زمرغ من بود آں نام ہم گم

یعنی ہمیں تو حق تعالیٰ و تقدس کا مقدس نام بھی ابھی مکشوف و معلوم نہیں ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ تک پہنچنا بہت دُور کی بات ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ حق تعالیٰ و تقدس کا مقدس نام تو سب کو روزِ روشن کی طرح معلوم ہے جو کلمہ مبارکہ اللہ سے عبارت ہے تو پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مندرجہ بالا فرمان کے کیا معنی ہوں گے؟ جس میں کہ فرمایا ہے کہ زمرغِ من بود آن نام ہم گم۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس کا اسم عینِ ذاتِ مقدسہ اور قدیم ہے اور وہ اسم حروف و آواز میں مقید نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تعبیر و تشریح بیان کی جاسکتی ہے اور کلمہ ٔمبارکہ اللہ اسمِ مقدس سے تعبیر ہے نہ کہ اصل اسمِ مقدس یعنی کلمہ اللہ سے تعبیر شدہ ہے جو کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا اسمِ قدیم ہے اور حق تعالیٰ و تقدس کا عینِ ذات ہے جس طرح متصل سے منفصل کی تعبیر کی جاتی ہے۔ حضرت قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر بیضاوی میں کلمہ مبارکہ اللہ کو حق تعالیٰ و تقدس کا اسم نہیں فرمایا بلکہ اس کلمہ مبارکہ کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے وصفِ خاص سے تعبیر فرمایا ہے اور علماء کرام کے حق تعالیٰ و تقدس کے اسم کے معنی میں بہت زیادہ اقوال موجود ہیں پس ذاتِ مقدس کے لئے پہنچنا چاہیئے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین اٰمین یا رب العالمین بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۰

[حافظ محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت سعادت کا سرمایہ ہے، اور جس کسی کو اس کی نعمت سے مشرف فرمائیں اور استقامت دیں، اُس کو سب کچھ دے دیتے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو جناب مولانا مہدی علی کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا مؤجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ فقراء کی محبت جو دُنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے، آپ کو کامل طور پر حاصل ہے اور مفارقت کی دراز مدت نے اس میں کوئی تاثیر نہیں کی۔

دو چیزوں کی محافظت ضروری ہے۔ ایک صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت، دوسرے شیخِ مقتداء کی محبت واخلاص۔ ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دے دیں، سب نعمت ہی نعمت ہے۔ اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں، آخر ایک دن دے دیں گے۔ اور اگر عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبۡحَانَہٗ دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے، اور احوال واذواق بھی بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہیئے اور اپنی خرابی اور بربادی خیال کرنا چاہیئے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہُ الۡمُوَفِّقُ (اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے)۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ سالک میں دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: اول شریعتِ غراۓ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل متابعت

اور دوم شیخِ مقتداء کے ساتھ محبت واخلاص کیونکہ یہ دونوں سالک کے جذب وکمالات کا سبب ہیں اور شیخِ مقتداء کے انجذابِ کمالات سالکین کی محبت واخلاص کے ساتھ مربوط ہیں، یعنی سالک کا اپنے شیخِ مقتداء کے ساتھ جتنا زیادہ محبت واخلاص ہو گا اسی اندازے سے انجذابِ کمالات بھی زیادہ ہوں گے۔ اور جتنا محبت واخلاص کم ہو گا انجذابِ کمالات بھی اتنا ہی کم ہو گا۔ جس کی مثال حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل سے ثابت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ بے انتہاء محبت واخلاص تھا اور اسی وجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا۔

قربان تیغ عشق دو کس را یکے کند

ترجمہ: قربان عشق کی اس تلوار سے جو دو اشخاص کو ایک کر دے۔

اگر ان دونوں چیزوں میں کمی واقع ہوئی یا کسی نے قصداً وارادتاً شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلاف ورزی کی یا شیطان نے سالک کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ آپ بھی ایک انسان ہیں اور آپ کا شیخِ مقتداء بھی ایک انسان ہے لہٰذا آپ اس کے ساتھ محبت واخلاص، اس کی بیعت اور اس کی اطاعت کیوں کرتے ہیں؟ تو اس طرح کے وسواس کی فوراً نفی کرنی چاہیئے کیونکہ یہ سالک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بغیر کسی شرعی دلیل کے شیخِ مقتداء پر اعتراض نہ کیا جائے بلکہ اس کے لئے کسی وجہ کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح کہ ایک دِن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے نماز کے دوران ایک آیتِ مبارکہ فراموش ہو گئی تو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہم تو یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے

وحی نازل ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت نہ فرمائیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان سے کوئی سہو ہو جائے تو اس کے لئے تنبیہ کرنی چاہیئے۔ تو اس وجہ سے اگر شیخِ مقتداء سے سہواً کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو اس پر تنبیہ کرنی چاہیئے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ خواہش کی ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی شیطانی یا انسانی وسوسہ پیدا ہو جائے تو اس کی تلافی کرنی چاہیئے کیونکہ آج کل انسان بھی وسوسہ ڈالتے ہیں کہ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ شیخِ مقتداء کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے، وہ بھی تو آپ ہی کی طرح کا ایک انسان ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ طالبِ علم بھی تو اپنے اساتذہ کے پاس جا کر ان سے علم سیکھتے ہیں چاہے وہ دین سکھانے کا استاد ہو یا کسی دنیوی فن کو سکھانے کا اُستاد ہو۔ یہ بھی تو ایک انسان ہی ہیں پھر ان سے کیوں یہ علوم سیکھے جاتے ہیں؟ پس اگر ظاہری علم کے سیکھنے کے لئے کسی عالم اور اُستاد کا ہونا ضروری ہے تو باطنی اصلاح اور لدنی علوم کے لئے کسی کامل شیخ کا ہونا بطریقِ اولیٰ ضروری ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین

اٰمین یارب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۱

[سعادت مآب میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی نعمت کے شکر میں۔ اور اس بیان میں کہ اس طریق میں تبعیت اور وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھول دیتے ہیں۔ اور جو شخص اس طریق میں اپنے واقعات اور منامات یعنی خوابوں پر بھروسہ کرے اور نئے نئے اُمور پیدا کرے اور آدابِ طریقت کی رعایت نہ کرے، وہ زیاں کار اور نا اُمید رہتا ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

اس اعلیٰ نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہم فقراء کو اہلِ سُنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اپنے عقائد کو درست کرنے کے بعد طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک سے مشرف فرمایا اور اس بزرگ خاندان کے نسبت یافتہ مُریدوں میں شامل کیا۔

فقیر کے نزدیک اِس طریقہ میں ایک قدم آگے بڑھانا دوسرے طریقوں میں سات قدم آگے بڑھنے سے بہتر ہے۔ وہ راستہ جو تبعیت اور وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف کھولا جاتا ہے وہ اسی طریقۂ عُلیہ کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے طریقوں کی انتہاء صرف کمالاتِ ولایت کی انتہاء تک ہے۔ وہاں سے آگے کمالاتِ نبوت کی طرف کوئی راستہ نہیں کھُلا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ ان بزرگواروں کا طریق اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین کا طریق ہے۔ جس طرح اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت سے حظِ وافر حاصل کئے، اس طریقہ کے منتہی بھی تبعیت کے طور پر ان کمالات سے کامل حصہ پالیتے ہیں۔ وہ مبتدی اور متوسط جنہوں نے اس طریق کو لازم پکڑا ہے اور اس طریق کے منتہیوں کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں وہ بھی اُمید وار ہیں۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: آدمی اُسی کے ساتھ ہے جس سے اُس کو محبت ہے۔ [1]

دُور افتادوں اور مہجوروں کے لئے بڑی بھاری بشارت ہے۔ اس طریق میں مایوس اور خسارہ والا وہ شخص ہے جو اس طریق میں داخل ہو کر اس طریق کے آداب کو مد نظر نہ رکھے اور نئے نئے اُمور اس طریق میں پیدا کرے۔ اور طریقت کے بر خلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے۔ اس صورت میں طریق کا کیا قصور ہے کہ وہ اپنے واقعات و منامات کی راہ پر چلتا ہے۔ یعنی اپنے اختیار سے کعبہ کی طرف سے منہ پھیر کر ترکستان کی طرف جارہا ہے۔

ترسم نہ رَسی بکعبہ اے اعرابی
این رہ کہ تُو میروی بترکستان است

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۱۴۵، المکتبۃ الفاروقیۃ، مکمل حدیث بخاری شریف میں ان الفاظ سے ہے کہ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: یعنی ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو لوگوں سے محبت رکھتا ہے لیکن (عمل و کردار میں) ان میں سے نہیں ہو سکا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔)

ترجمہ: اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تُو کعبہ نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ جو راہ تُو نے اختیار کی ہے وہ کعبہ نہیں بلکہ ترکستان کو جاتی ہے۔

یہ اچھا نہیں ہے کہ اس طریق کے اَربابِ طریقت کی جمعیت اور طالبوں کی سرگرمی کے باوجود آپ کو اس جگہ سے بے جا کروں۔ اس سے پہلے ان حدود کی سیر کے لئے اشارہ ہوا تھا تو شرائط پر مشروط اور اب بھی ان ہی شرائط پر مشروط ہے۔ ہاں مکرر استخاروں اور انشراحِ قلب کے بعد اگر کسی اور شخص کو اپنے قائم مقام بٹھا کر تاکہ وضعِ سابق میں کوئی فتور نہ پڑ جائے۔ بے شبہ و بے تردد اگر اس طرف آجائیں تو ہو سکتا ہے ان شرائط کے سوا وہاں کے معاملہ کو درہم برہم نہ کریں اور طالبوں کی جمعیت میں فتور نہ ڈالیں۔ اس سے زیادہ مبالغہ کیا کیا جائے۔ وَالسَّلَامُ]

تشریح

آج کل اکثر سالکین شیخِ مقتداء سے یہ خواہش کرتے رہتے ہیں کہ مجھے کشف و منامات اور شہود نہیں ہوتا یہ کب ہوں گے؟ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ کمالاتِ نبوت سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل متابعت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں تو سالک جتنی شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کرے گا اتنے ہی کمالاتِ نبوت سے بہرہ وَر ہوگا اور جو سالک اپنے کشف و منامات اور شہود پر مغرور ہو جائے وہ زیان کاروں میں سے ہے۔ اس مکتوب میں دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھے اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد اُن کی کتب کے عین مطابق درست کرنے کے بعد طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک پر مشرف فرمایا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی عقائد کی

کُتب میں اہلِ سنت و جماعت کے جو عقائد بیان فرمائے ہیں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے کشف و شہود کے ذریعے سے ان ہی عقائد کے ساتھ مطابقت پیدا کی ہے، یہ بہت بڑا اور حد درجہ کا کمال ہے جسے حق تعالیٰ و تقدس نے اپنے لطفِ خفی سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو نوازا۔ مختصر یہ کہ جو شخص یہ کوشش کرے اور اپنے دِل میں یہ ارادہ رکھے کہ میں اہلِ سُنت و جماعت کے عقائد جو اُن کی کتب میں درج ہیں ان کو اس سے سیکھ کر اسی طرح عقیدہ رکھوں گا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس شخص کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جس پر اس کا عقیدہ ہو اور اسی کے متعلق اسے آگاہی اور اطمینان بھی نصیب فرماتا ہے جو اس نے اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اور اُن کی کُتب میں پڑھا اور سیکھا اور اس پر عمل کیا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اہلِ سُنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جسم، عرض اور جوہر نہیں ہے وہ بے مثل و بے مثال ہے اور وہ ذاتِ مقدسہ لا مکان ہے نہ اس کے لئے کوئی حد مقرر ہے اور نہ ہی اُس پر زمانہ گزرتا ہے وغیرہ تو اس شخص کو جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کشف و منامات اور شہود سے نوازا ہو وہ بالکل اسی طرح اسے پاتا ہے، مگر شرط وہی ہے جو اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس کے عقائد اہلِ سُنت و جماعت کے عقائد اور اُن کی کُتب میں جو کچھ پڑھا اور سیکھا ہو اسی پر عمل ہو نہ کہ من گھڑت عقائد پر۔

مگر آج بعض مشائخ اور اکثر سالکین اہلِ سُنت و جماعت کے عقائد سے بالکل بے خبر ہیں اور ستم گری کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ان عقائد کی کُتب کے نام تک نہیں جانتے مگر تصوف میں بڑی بڑی باتیں کرنے اور کیفیات کے حصول کے دَرپے رہتے ہیں جو کہ سراسر نادانی اور جہالت ہے اور اگر کسی شیخ کو اہلِ سُنت و جماعت کے عقائد سے واقفیت ہے تو وہ اپنے سالکین کو سلوک سے پہلے اس کا درس

نہیں دیتے بلکہ صرف اور صرف مُریدین کی تعداد بڑھانے میں مصروف ہیں تا کہ لوگ کہیں کہ فلاں پیر صاحب کے بہت زیادہ مُریدین ہیں اور یااُن سے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے دَرپے رہتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس طریقہ میں ایک قدم آگے بڑھانا دوسرے طریقوں میں سات قدم آگے بڑھنے سے بہتر ہے، الخ" یعنی اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ نے کمالاتِ اصلیہ تک رسائی حاصل کی ہے اور کمالاتِ نبوت کی راہ کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے واسطہ سے حاصل کیا ہے اور دوسرے طریقوں میں سات قدم والے مراتبِ ظلال میں رہ گئے اور کمالاتِ اصلیہ تک نہ پہنچ سکے۔ تو اسی بناء پر کمالاتِ نبوت کا راستہ اُن کے لئے نہیں کھولا گیا اور یہ لوگ ظلال کے مقام ہی میں قیام پذیر ہو گئے جبکہ طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ ان کمالات پر مشرف ہیں لہٰذا اس طریقہ کا ایک قدم جو کہ کمالاتِ اصلیہ سے عبارت ہے دوسرے طرق کے سات قدموں سے جو کہ مراتبِ ظلال میں قیام پذیر ہیں اُن سے بہتر ہے اور نیز طریقۂ عُلیہ نقشبندیہ کے اول قدم ہی میں نہایت درجہ کی چاشنی موجود ہے جبکہ دیگر طرق میں اس طرح نہیں ہے۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی یہ فضیلت عزیمت اور سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل و مکمل اتباع کی وجہ سے ہے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنا اُمورِ مسنونہ اور اُمورِ عزائم (عزیمت والے اُمور) پر مربوط ہیں جبکہ دیگر طُرق میں چونکہ اُمورِ مرخصہ (رُخصت والے اُمور نہ کہ عزیمت والے) پر عمل کیا جاتا ہے تو اسی وجہ سے یہ بقیہ طرق کمالاتِ نبوت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ کمالاتِ نبوت اُمورِ مرخصہ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے بلکہ یہ عزیمت والے اُمور کے ساتھ مربوط ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہی وجہ ہے کہ اِس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ ان بزرگواروں کا طریق اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریق ہے، الخ" یعنی کوئی بے خرد اور جاہل اس بات سے یہ مراد نہ لے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) ہم بھی حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درجہ تک پہنچ سکتے ہیں بلکہ ہم اُن کے طرزِ عمل پر عمل کرتے ہیں کیونکہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا درجہ بہت زیادہ بلند ہے اور دوسرا یہ کہ ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھی درجات ہیں اور اُن کو سمجھنا بھی ضروری ہے ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بعض فقہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کا درجہ دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہ نسبت علم کی وجہ سے بلند ہے۔ اور خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درجات ان مذکورہ فقہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی بلند ہیں اور اسی طرح ان میں حافظِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں جیسے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حفاظِ حدیث تھے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور ان کے علاوہ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تو اولیاء کرام میں سے کوئی بھی ولی کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ حتٰی کہ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین امین

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۲

[حضرت الیاس وحضرت خضر علیٰ نبینا علیہما الصلوات والتسلیمات کی ملاقات اور اُن کے کچھ حالات کے بیان میں میاں بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

مدت سے یارانِ طریقت حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فقیر کو اُن کے بارے میں پوری پوری اطلاع نہ تھی، اس لئے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس وحضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات رُوحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے، اور تلقّی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات وسکنات اور جسدی طاعات وعبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم عالمِ اَرواح میں سے ہیں، الخ" یعنی حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کرام کے درمیان اختلافی نظریات پائے جاتے ہیں۔ جمہور علماء کرام کے ہاں حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ محققین

محدثینِ کرام اور محققین صوفیاء کرام حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے قائل ہیں، اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمان کے مطابق آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بھی حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہی کے قائل ہیں۔ ہم ان دونوں نظریات میں سے کسی کو بھی نہیں جھٹلاتے۔ کیونکہ یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ لیکن حضرت عروۃ الوثقٰی خواجہ محمد معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بھی اپنے مکتوبات قدسی آیات میں حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہی کو ترجیح دی ہے اور اس کے بارے میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کا حاصل اس طرح ہے کہ:

رَحِمَ اللّٰہُ أَخِي الْخَضِرَ لَوْ کَانَ حَيًّا لَزَارَنِيْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ میرے بھائی خضر علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ میری ملاقات کے لئے آتے۔[1]

اور نیز حضرت عروۃ الوثقٰی خواجہ محمد معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ غوث الثقلین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہی کے قائل ہیں، کہ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی مسئلہ پر حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روشنی میں گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک انہوں نے حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا پر سوار گزرتے دیکھا تو فرمایا:

یَا اِسْرَائِیلُ قِفْ واسمع کلام المحمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

---

[1] (رواہ مکتوبات قدسی آیات)

ترجمہ: اے اسرائیل (حضرت خضر علیہ السلام) ٹھہریئے اور کلامِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سُنتے ہوئے جایئے۔[1]

یعنی اگر حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوتے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن کے لئے اسرائیل کا لفظ تجویز نہ فرماتے بلکہ اُن کو محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام سے خطاب فرماتے۔ اس لئے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بعثت کے بعد تمام جہان والوں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت لازم ہے اور خاص طور پر حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ جملہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے ہیں اور اسرارِ الٰہی سے واقف ہیں۔ اگر آپ علیہ السلام حیات ہوتے تو حتماً سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ملاقات پر مشرف ہو کر اپنے آپ کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے متبعین کی صف میں شامل کر لیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرَ أَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ۔

ترجمہ: خضر علیہ السلام کا نام اس لئے خضر رکھا گیا کہ وہ ایک مرتبہ خشک زمین پر بیٹھے، جب وہاں سے اٹھے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگی۔[1]

---

[1](بهجة الاسرار ومعدن الانوار فی مناقب القطب الربانی محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی عربی، ص ۱۴۵، نفحات الانس من حضرات القدس، باب نمبر ۵۲۶، ابو عمر الصریفینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ج ۲، ص ۲۹۷)

[اس اثناء میں پوچھا کہ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں، لیکن چونکہ قطبِ مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطبِ مدار امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر ہے، اس لئے ہم بھی اُس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔

اُس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے۔ صرف طاعت کے ادا کرنے میں اہلِ طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ ٔشافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کی مناسبت فقہ ٔحنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض اس اُمت میں کوئی نبی علیہ السلام مبعوث ہوتا تو فقہ ٔحنفی کے موافق عمل کرتا۔

اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کے اُس سخن کی حقیقت معلوم ہو گئی، جو انہوں نے فصولِ ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔

اُس وقت دل میں گزرا کہ ان دونوں بزرگواروں سے کوئی سوال کرے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل ہو وہاں ہمارا کیا دخل ہے۔ گویا انہوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیا اور حضرت الیاس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گفتگو میں کوئی بات نہ فرمائی۔ وَالسَّلَامُ]

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱۱، ص ۲۰۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں، لیکن چونکہ قطبِ مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطبِ مدار امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر ہے، اس لئے ہم بھی اُس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، الخ" یعنی قطبِ مدار کے کمالات ولایتِ ظلی کے کمالات میں سے ہیں جو کہ امدادِ غیبی پر مامور ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ ولایت کے کمالات فقہِ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری باطنی طور پر نصوص سے واقفیت رکھتے ہیں لہٰذا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی پیروی کمالاتِ نبوت کے وصول کا سبب ہے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ:

النَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ۔

ترجمہ: تمام لوگ فقہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عیال ہیں۔[1]

یہ بات سچ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو فقہ سیکھا ہے وہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے ذریعے سے حاصل کی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ

---

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج۳، ص۱۰۶ ا، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

علیہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے درجات عالٰی کے معترف ہیں اور یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی بزرگی اور عالٰی درجات ہی ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو سراجِ اُمت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے عالمِ رؤیاء میں ایک بزرگ سے فرمایا کہ "میری اُمت میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرح اور کوئی موجود نہیں ہے"۔

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۳

[صوفی قربان کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ شبِ معراج میں حضرت رسالتِ خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی رؤیت دُنیامیں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ اہلِ سُنت وجماعت کا اجماع اس بات پر ہے کہ رؤیت دُنیا میں واقع نہیں ہے۔ اور اکثر علمائے اہل سنت وجماعت نے شبِ معراج میں حضرت رسالتِ خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی رؤیت سے منع فرمایاہے۔

قَالَ حُجَّةُ الْاِسْلَامِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَارَأىٰ رَبَّهُ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ۔

ترجمہ: حجۃ الاسلام (حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایاہے کہ صحیح یہی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھاہے۔

اور تُو نے اپنے رسالوں میں شبِ معراج کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت دُنیا میں واقع ہونے کا اقرار کیاہے،اس کی کیاوجہ ہے؟

اس کے جواب میں میں کہتاہوں کہ شبِ معراج میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت دُنیامیں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔اس لئے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس رات چونکہ دائرۂ امکان وزمان اور تنگیٔ امکان سے باہر نکل گئے تھے۔اس لئے ازل وابد کو آنِ واحد میں معلوم کرلیااور بدایت ونہایت کو ایک ہی نقطہ میں متحد دیکھا اور اُن اہلِ بہشت کو جو کئی ہزار سال بعد بہشت میں جائیں گے،بہشت میں دیکھ لیا۔عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پانچ سو سال بعد بہشت میں جائیں گے،دیکھا کہ اس مدت

کے گزرنے سے پہلے ہی آگئے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رؤیت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ رؤیتِ آخرت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو رؤیت کے عدمِ وقوع پر ہوا ہے۔ اور اس کو رؤیتِ دنیوی کہنا تجویز پر محمول ہے اور ظاہر پر مبنی ہے۔

وَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام اُمور کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے۔]

تشریح

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ دُنیا میں بھی حق تعالیٰ وتقدس کی رؤیت ممکن ہے لیکن سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بغیر بالاتفاق واقع نہیں ہے۔ اور بعض کا اس مقام میں بھی اختلاف ہے اور سلف وخلف میں سے کسی سے بھی دُنیا میں حق تعالیٰ وتقدس کی رؤیت صحت کو نہیں پہنچی۔ اولیاءِ کرام اور مشائخ عظام میں سے کوئی بھی نہ تو اس بات کی طرف گیا ہے اور نہ ہی کسی نے اپنے لئے یہ دعویٰ کیا ہے بلکہ مشائخ عظام اس قسم کا دعویٰ کرنے والوں کو گمراہ اور جھوٹا کہتے ہیں۔ لیکن خواب میں حق تعالیٰ وتقدس کی رؤیت جائز ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ بات سلف سے صحیح طور پر روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو مرتبہ اس دولت سے مشرف ہو چکے ہیں، اور اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی روایت ہے کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو فرمایا ہے تو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شبِ معراج میں اپنے سَر کی آنکھوں سے حق تعالیٰ

وتقدس کی رؤیت کے بارے میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات کا اثبات کرتے ہیں۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ومن بعد ہم بھی یہ اختلاف چلا آرہا ہے اور بعض نے اس بات میں توقف سے کام لیا ہے اور حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اکثر علماءِ کبار کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شبِ معراج میں اپنے سَر کی آنکھوں سے حق تعالیٰ وتقدس کا دیدار فرمایا ہے۔ اہل سنت وجماعت اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شبِ معراج میں اپنے سر کی آنکھوں سے حق تعالیٰ وتقدس کا دیدار فرمایا ہے، اس لئے ہم بھی اس بات کے قائل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پانچ سو سال بعد بہشت میں جائیں گے، الخ" یعنی دُنیوی مال واسباب کی کثرت دُنیوی اُمورات میں مشغولیت کا سبب ہے اور دُنیوی اُمورات میں مشغولیت جسمانی خواہشات اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا فقراء اغنیاء سے جنت میں داخل ہونے میں سبقت لے جائیں گے اس لئے کہ اغنیاء دُنیوی امورات اور خواہشاتِ نفسانی میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو جو لوگ جنت کے خواہش مند ہیں وہ حق تعالیٰ وتقدس

سے یہ دُعا کریں کہ یا اللہ دُنیوی اُمورات اور ان کی خواہشات کو میری آخرت میں رکاوٹ کا اس طرح سبب نہ بنا کہ میں آخرت کو بھول کر دُنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاؤں۔

اس دیدِ رؤیت سے مراد شبِ معراج ہے کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شبِ معراج میں دیکھا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضراتِ فقراء صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پانچ سو سال بعد جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اغنیاء میں سے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ دیکھنا عالمِ مثال میں ہے اس لئے کہ عالمِ مثال میں آئندہ واقع ہونے والے اُمورات کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا أَنَا بِخَشَفَةٍ بَيْنَ يَدَيَّ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ فَقَالَ: هَذَا بِلَالٌ الْمُؤَذِّنُ فَنَظَرْتُ، فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِينُ، وَإِذَا أَقَلُّ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْأَغْنِيَاءُ وَالنِّسَاءُ، قُلْتُ لَهُ: مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ فَقَالَ: إِنَّ الْأَغْنِيَاءَ يُحْبَسُونَ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ يُحَاسَبُونَ وَيُمَحَّصُونَ، وَأَمَّا النِّسَاءُ، فَأَلْهَاهُنَّ الْأَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ، ثُمَّ خَرَجْتُ إِلَى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ، فَإِذَا بِالْمِيزَانِ، فَأَخَذَ كِفَّةً فَوُضِعَ فِيهَا جَمِيعُ أُمَّتِي، وَجُعِلْتُ فِي الْكِفَّةِ الْأُخْرَى، فَرَجَحْتُ بِهِمْ، ثُمَّ عُرِضَتْ عَلَيَّ أُمَّتِي رَجُلًا رَجُلًا، فَاسْتَبْطَأْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ، فَلَمَّا جَاءَ، قُلْتُ: مَا حَبَسَكَ؟ فَبَكَى إِلَيَّ، وَبَكَيْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كُنْتُ هُنَاكَ وَرَاءَ الْبَابِ أُحَاسَبُ وَأُمَحَّصُ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنِّي لَنْ أَرَاكَ، وَلَنْ تَرَانِي۔

ترجمہ: میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے کسی کی آواز سُنی، میں نے کہا: اے جبریل علیہ السلام! یہ کون ہے؟ عرض کی: یہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن ہے، میں نے دیکھا تو جنت میں

اکثر کمزور اور مساکین تھے، جنت میں مال دار اور عورتیں بہت کم تھیں، میں نے کہا: اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا بات ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: مال دار جنت کے دروازے پر روک لئے گئے ہیں اور ان سے حساب لیا جارہا ہے، اور عورتوں کو سونے اور چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے کی بناء پر۔ پھر میں جنت کے آٹھویں دروازے کے پاس آیا وہاں میزان تھا، ایک پلڑے میں مجھے اور دوسرے میں ساری اُمت کا ایک ایک آدمی پیش کیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیر سے پیش کیا گیا، جب یہ آئے تو میں نے کہا: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسے روکا گیا؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے دیکھ کر رو پڑے، اور میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر رو پڑا، عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! جنت کے دروازے کے باہر مجھے حساب کے لئے روک لیا گیا یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجھے نہیں دیکھیں گے اور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو نہیں دیکھوں گا۔[1]

غور کریں کہ سُنن ابوداؤد کی حدیث نمبر ۴۶۴۹ کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ السابقون الاولون میں سے ہیں اور اُن دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں شامل ہین جن کے بارے میں یہ بشارت دُنیا ہی میں سُنادی گئی کہ یہ حضرات یقینی طور پر جنتی ہیں۔ نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی اقتداء میں امام الانبیاء علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی نماز ادا فرمائی ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار مالداروں کے اس گروہ میں ہوتا ہے جس کے متعلق سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کہ یہ

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج۸، ص ۲۳۶، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاهرة)

ارشاد گرامی صحیح البخاری، حدیث نمبر ۲۳۸۸ و صحیح مسلم، حدیث نمبر ۹۹۰ میں منقول ہے کہ: اِلَّا مَنۡ قَالَ بِالۡمَالِ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا یعنی "جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال دیا کرتے تھے" اس کے باوجود انہوں نے مالداری کی بناء پر یہ نقصان اٹھایا کہ تمام فقراء حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد حساب کے مراحل سے گزر کر جنت میں داخل ہوئے، تو آج کے دور کے امیروں اور مالداروں کا کیا حساب ہو گا؟

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لا ھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۴

[مُلا عبد القادر ابنالی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ احوال و مواجید عالمِ اَمر کا حصہ ہیں اور ان احوال کا علم عالمِ خلق سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا معرفت سے متعلق یہ بیان پہلے اوقات سے تعلق رکھتا ہے۔ معاملے کی اصل حقیقت وہی ہے جو آپ نے اس مکتوب میں بیان فرمائی ہے جو آپ نے طریقت کے بیان میں اپنے بڑے صاحبزادے (حضرت خواجہ محمد صادق قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) کی طرف تحریر کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انسان کا ظاہر عالمِ خلق سے مرکب ہے اور باطن عالمِ اَمر سے۔ اسی طرح حیرت، جہالت، عجز اور نااُمیدی جو انتہاء میں جا کر نصیب ہوتی ہے، عالمِ اَمر سے ہے جو انسان کا باطن ہے۔ ظاہر کو مطابق:

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبُ

ترجمہ: زمین کو بھی سخی لوگوں کے پیالہ سے حصہ ملتا ہے۔

واردات کی قوت اور زیادتی کے وقت کا حصہ ملتا ہے۔ اگرچہ اس کے لئے ثبات اور قرار نہیں ہوتا، لیکن کچھ رنگ ضرور چڑھ جاتا ہے۔ انسان کے ظاہر سے جو چیز بالذات تعلق رکھتی ہے وہ اُن احوال کا علم ہے۔ کیونکہ باطن کو تو ان احوال کا حصول ہوتا ہے نہ اُن کا علم۔ احوال اگر ظاہر نہ ہوتے تو دانش اور تمیز کا راستہ نہ کھلتا۔ صورِ مثالیہ اور معارج و مقامات کا ظہور ظاہر کے ادراک کے لئے پس باطن تو حال سے آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر حال کے علم سے موصوف ہوتا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اولیاء اللہ جو صاحبِ علم ہیں اور وہ جو علم سے حصہ نہیں رکھتے، دونوں میں احوال کے نفسِ حصول میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ ایک گروہ ان احوال کا علم بھی رکھتا ہے اور دوسرا احوال کے علم سے موصوف نہیں۔

مثلاً ایک شخص جس پر بھوک کی حالت طاری ہو اور بھوک نے اُسے بے قرار اور بے آرام کر رکھا ہو، اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ اس حالت کو بھوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص جس پر بھوک کی ایسی ہی حالت طاری ہو لیکن وہ یہ نہیں جانتا ہو کہ اس حالت کو بھوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو یہ دونوں شخص اس حالت کے نفسِ حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف جاننے اور نہ جاننے کا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو جماعت علم نہیں رکھتی ہے وہ دو قسم ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو احوال کے نفسِ حصول کو بھی بالکل نہیں جانتے اور نہ احوال کے اختلافات اور تغیر و تبدل کو جانتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو تلوینات (تغیر) احوال سے خبر رکھتے ہیں، لیکن احوال کی تعین و تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ دوسری جماعت اگرچہ احوال کی تشخیص و تعین نہیں کر سکتی، لیکن ان کا شمار احوال والوں میں ہے اور پیر بننے کے لائق ہیں۔ تشخیصِ احوال ہر شخص کا کام نہیں بلکہ تشخیص کی یہ دولت زمانۂ دراز کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور کسی ایک کو اس دولت سے نوازتے ہیں۔ اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالہ کرتے ہیں اور اس کا طفیلی بنا دیتے ہیں۔ انبیاء اولوالعزم صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم مدتہائے دراز کے بعد مبعوث ہوتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ احکام کے ساتھ مخصوص ہوتا تھا۔ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات ان کے تابع ہونے کی حیثیت سے تشریف لاتے تھے اور ان ہی احکام پر اکتفا کرتے تھے۔

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عام لوگوں کی مصلحت اور بہتری کے لئے کسی ایک بندے کو خاص کرلیتا ہے۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "احوال اگر ظاہر نہ ہوتے تو دانش اور تمیز کا راستہ نہ کھلتا، الخ" یعنی اگر علمِ ظاہری نہ ہو تو پھر انسان حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔

ظاہر اور عالمِ خلق سے مراد عارف کا خیال ہے جس طرح اس مشہور مقولہ میں کہا گیا ہے کہ:

لو لا الخیال لستر الحال

ترجمہ: اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستور رہتا۔

حق تعالیٰ و تقدس کا مرتبۂ ذاتِ مقدس اور صفاتِ ثمانیہ ذاتیہ ادراک میں نہیں آسکتے سوائے اُس گروہ عارف کے جو دُنیوی حیات میں مراتبِ خیال سے گزر کر حق تعالیٰ و تقدس کی ذات وصفاتِ مقدسہ کے ادراک پر مفتخر ہو جائے۔ جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس مکتوبات کے آخری دفتر میں ادراک اور دَرکِ اِدراک کے قائل ہیں اور اس مرتبۂ مقدسہ کے ادراک پر مشرف ہوئے ہیں اس لئے کہ بعض مُرادان مرتبۂ خیال سے گزر کر اور عناصر اور ہیئتِ وحدانی کے توسط سے ذاتِ مقدسہ کے ادراک پر مشرف ہوتے ہیں۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذتھم و لاھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۵

[میر سید محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا:

سماع، وجد، رقص اور بعض اُن معارف کے بیان میں جو رُوح سے تعلق رکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

اے برادر، تو اس بات کو جان! اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی طَرِیْقَ السَّدَادِ وَاَلْھَمَکَ صِرَاطَ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ تجھے سیدھا اور نیکی کا راستہ دکھائے) کہ سماع اور وجد اُس جماعت کے لئے فائدہ مند ہے جو احوال کے تغیر سے متصف اور اوقات کے تبدل کے ساتھ داغدار ہے۔ جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہوتی ہے۔ نیز جو ایک وقت میں اپنے مقصود کو پانے والے اور دوسرے وقت میں اُسے گم کر دینے والے ہیں۔ یہ لوگ اربابِ قُلوب ہیں جو تجلیاتِ صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ احوال کا تغیر و تبدل اُن کا نقد وقت ہے اور اُمیدوں کی پراگندگی ان کے مقام کا حاصل اور خلاصہ ہے۔ دائمی حال کا نصیب ہونا ان کے لئے محال ہے اور وقت کا ایک ہی کیفیت پر رہنا ان کے حق میں ممتنع ہے۔ ایک وقت حالتِ قبض میں ہوتے ہیں اور دوسرے وقت بسط میں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور اس کے مغلوب ہیں۔ ان کو کبھی تو عروج نصیب ہوتا ہے کبھی نیچے اُتر آتے ہیں۔

(اس کے برعکس) تجلیاتِ ذاتیہ والے جو مقامِ قلب سے مکمل باہر آچکے ہیں، اور مقلب قلب (یعنی اللہ تعالیٰ) سے پیوستہ ہو چکے ہیں اور کلیۃً احوال کی غلامی سے نکل کر احوال میں تبدیلی پیدا کرنے والے (رب تعالیٰ) کے ساتھ آزادی حاصل کر چکے ہیں، سماع اور وجد کے محتاج نہیں۔ کیونکہ اِن کا وقت اور حال دائمی ہے۔ بلکہ ان کے لئے کچھ وقت اور حال نہیں۔ تو یہ لوگ ابو الوقت اور اصحابِ تمکین ہیں، اور یہی واصل ہیں جو رجوع سے قطعًا محفوظ ہیں اور نہ ان سے ان کا مقصود گم ہو سکتا ہے۔ اور جب عدمِ یافت ان کے لئے متصور نہیں تو یافت اور وجد بھی ان کے لئے نہیں۔

ہاں منتہی لوگوں کی ایک قسم ایسی ہے کہ اِستمرارِ وقت کے باوجود سماع ان کے لئے نافع ہے۔ اس کا مفصل بیان اس مکتوب کے آخر پر اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالیٰ آئے گا۔

کوئی اگر یہ سوال کرے کہ حضرت رسالت مآب حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایاہے:

لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل۔

ترجمہ: میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایساوقت ہوتاہے جس میں کسی مُقرب فرشتہ اور نبی مُرسل علیہ السلام کی گنجائش نہیں۔[1]

اس حدیث کا مفہوم ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا، تو میں اس کا جواب یہ دیتاہوں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں بعض مشائخ نے یہ معنی بیان کئے ہیں:

اَیْ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ مُسْتَمِرٌّ۔

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایساوقت نصیب رہتاہے۔

---

[1](تفسیر روح البیان، ج۲، ص۲۰۷، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

اگر حدیث کا مطلب یہ ہو تو پھر کچھ اشکال نہیں۔

دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اس وقتِ مستمر میں کسی وقت کوئی خاص کیفیت میسر آتی ہو، اور وقت سے وہ نادر وقت مراد ہو، اس صورت میں بھی اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کریں ممکن ہے کہ اس کیفیت کے حاصل کرنے میں سُریلی آواز سننے کا بھی دخل ہو۔ لہٰذا منتہی بھی اس کیفیت کے حصول کے لئے سماع کا محتاج ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اس کیفیت کا حصول غالبًا ادائے نماز کے وقت کا ہوتا تھا۔ اور بیرونِ نماز بھی کسی وقت اس کیفیت کا حصول ہوتا ہو تو وہ بھی نماز کے نتائج و ثمرات سے ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔[1]

میں اسی کیفیتِ نادرہ کی طرف اشارہ ہو۔

ایک دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قُرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

---

[1] (سنن النسائی، ج۷، ص ۶۱، الناشر: مکتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

[2] (صحیح مسلم، ج۳، ص ۴۹، المكتبة الفاروقية میں ان الفاظ کے ساتھ: أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ۔ یعنی بے شک بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کرنے کی حالت میں ہوتا ہے۔)

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ تمام اوقات جن میں قُربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ ہو گا، غیرِ حق کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہو گی۔ پس اس حدیث اور مذکورہ آیہ کریمہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نمازہی ہے۔ استمرارِ وقت اور دوامِ وصل کی دلیل مشائخِ کرام کا اتفاق واجماع ہے۔

چنانچہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستے ہی سے واپس لوٹا، اور جس کو وصل نصیب ہو گیا وہ واپس لوٹنے سے محفوظ ومامون ہے''۔

اور ''یادداشت'' جو جنابِ قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ میں دوامِ حضور سے عبارت ہے۔ طریقۂ حضراتِ خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں ایک مقرر اور طے شدہ امر ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دوامِ وقت کا انکار عدمِ وصول کی علامت ہے۔ مشائخِ کرام کی ایک چھوٹی سی جماعت جیسے حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کی طرح کے لوگ جو واصل کے صفاتِ بشریت کی طرف رجوع جائز فرماتے ہیں، اور ان کی اس بات سے عدمِ دوامِ وقت مفہوم ہوتا ہے جو از رجوع میں اختلاف کرتے ہیں، وقوع میں وہ بھی اختلاف نہیں کرتے۔ کیونکہ واصل کے لئے رجوع کا وقوع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں۔ پس عدمِ رجوع پر مشائخِ کرام کا اجماع واتفاق ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض کا اختلاف صرف جوازِ رجوع میں ہے نہ اُس کے وقوع میں۔۔۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھو۔

اَربابِ طریقت کے منتہی لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے جنہیں درجاتِ کمال اور مشاہدۂ جمالِ لا یزال کے وصول کے بعد زور کی سردی لاحق ہوتی ہے اور مکمل تسلی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو انہیں منازلِ وصول تک عروج سے روک لیتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابھی منازلِ وصول اور طے کرنے

ہوتے ہیں۔ اور ان کے مدارجِ قُرب ابھی تک حدِ نہایت تک نہیں پہنچے ہوتے۔ اس کے باوجود عروج کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور مطلوب کے کمالِ قُرب کی آرزو رکھتے ہیں۔ اِس صورت میں اُن کے لئے سماع مفید اور حرارت بخش ہوتا ہے۔ تو ایسے حضرات کو ہر وقت سماع کی مدد سے منازلِ قُرب تک عروج میسر آتا ہے۔ تسکین حاصل ہونے کے بعد ان منازل سے نیچے آتے ہیں، لیکن ان مقاماتِ عروج کا رنگ ساتھ لاتے ہیں اور اس رنگ سے رنگین ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی یہ یافت عدمِ یافت کے بعد نہیں ہوتی کیونکہ عدمِ یافت ان کے حقوق میں مفقود ہوتی ہے بلکہ دوامِ وصل کے ہوتے ہوئے یہ وَجد اور یافت منازلِ قُرب تک ترقی کے لئے ہوتی ہے۔ منتہی اور واصل لوگوں کا سماع اِسی جنس سے ہے۔ ان لوگوں کو سماع کی ضرورت اس لئے لاحق ہوتی ہے کہ فنا اور بقا کے بعد اگرچہ انہیں جذبہ عطا کر دیا جاتا ہے، لیکن ان کی طبیعت کا شدید طور پر سرد ہو جانا، جذبے پر غالب آجاتا ہے اور منازلِ عروج تک ترقیات کے لئے تنہاء جذبہ کفایت نہیں کرتا تو سماع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

مشائخِ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا ایک اور گروہ ہے جن کے نفوس درجۂ ولایت تک وصول کے بعد مقامِ بندگی میں اُتر آتے ہیں۔ ان کی اَرواح نفس کی مزاحمت کے بغیر اپنے مقامِ اصلی میں جنابِ قدس کی طرف مقامِ بندگی میں اُتر آتے ہیں۔ ان کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر اپنے مقامِ اصلی میں جنابِ قدس کی طرف متوجہ رہتی ہیں۔ انہیں ہر وقت نفسِ مطمئنہ کے مقام میں جو مقامِ بندگی میں قرار پذیر اور راسخ ہو چکا ہوتا ہے رُوح کو مدد پہنچتی رہتی ہے۔ رُوح کو اس امداد کے ذریعے اپنے مطلوب کے ساتھ مناسبتِ خاصہ پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان بزرگوں کو عبادت میں آرام نصیب ہوتا ہے اور حقوقِ بندگی اور طاعات کے ادا کرنے میں تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت

میں عروج کی طرف رغبت کم ہوتی ہے۔ اور ان کے باطن میں بلندی کی طرف چڑھنے کا شوق بھی قلیل ہوتا ہے۔ ابھی ان کی پیشانی متابعتِ شریعت سے روشن ہوتی ہے۔ اور اتباعِ سُنت کے سرمہ سے اُن کا دیدۂ بصیرت سُرمگیں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حضرات تیز نظر ہوتے ہیں اور دُور سے وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جسے نزدیک والے دیکھنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ عروج کم رکھتے ہیں لیکن نورانی ضرور ہوتے ہیں۔ اور اپنے مقامِ بندگی میں ہوتے ہوئے نورِ اصل سے منور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اُس مذکورہ مقام میں ہوتے ہوئے عظیم شان رکھتے ہیں اور اُونچی قدر کے مالک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو سماع اور وجد کی کوئی حاجت نہیں۔ عبادات ہی ان کے لئے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نُورانیت عروج سے کفایت کر جاتی ہے۔

اہلِ سماع اور وجد کے مقلدین کی جماعت جو اِن بزرگوں کی عظمتِ شان سے ناواقف ہے، اپنے آپ کو زمرۂ عشاق میں تصور کرتی ہے۔ اور ان بزرگوں کو خشک زاہد۔ گویا یہ جامد مقلدین عشق ومحبت کو رَقص ووَجد میں منحصر جانتے ہیں (حالانکہ حقیقتِ حال اس کے خلاف ہے)۔

منتہی اربابِ طریقت کا ایک اور گروہ ہے جس کو سیر الی اللہ اور بقا باللہ کے راستے طے کرنے کے بعد جذبۂ قوی عنایت فرمایا جاتا ہے۔ اور کارکنانِ قضاوقدر انجذاب کی کنڈی سے قُرب ووصال تک کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ اس گروہ میں سردی سرایت اور تاثیر نہیں کر سکتی، اور ان کے لئے تسلی ناروا ہے۔ یہ حضرات اپنے عروج میں نادر اُمور اختیار کرنے کے محتاج نہیں۔ سماع ورَقص کا ان کی خلوت کے تنگ کوچہ میں گزر نہیں ہو سکتا۔ اور وَجد وتواجد کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔ یہ حضرات ممکن الوصول مرتبۂ نہایۃ النہایت تک اس عروجِ انجذابی کے ذریعے پہنچتے ہیں اور حضور سرورِ کائنات حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی متابعت کے وسیلہ سے اس مقام سے جو حضور سرورِ

کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے ساتھ مخصوص ہے کچھ حصہ پالیتے ہیں۔ وصول کی یہ قسم طائفہ افراد کے ساتھ مخصوص ہے، اقطاب بھی اس مقام سے حصہ نہیں پاسکتے۔

اگر محض فضلِ ایزدی جل سلطانہٗ سے اس نہایۃ النہایت تک پہنچنے والے گروہ کو دعوت کے لئے عالَم کی طرف واپس لائیں اور طالبانِ حق کی تربیت ان کے حوالہ کریں تو ان کا نفس مقامِ بندگی میں نیچے اُتر آتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش کے بغیر جنابِ مقدس حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ یہی گروہ جو کمالاتِ فردیت کا جامع اور تکمیلاتِ قطبیت پر حاوی ہے۔ یہاں قطب سے میری مُراد قطبِ ارشاد ہے قطبِ اوتاد نہیں۔ مقاماتِ ظلی کے علوم اور مدارجِ اصلی کے معارف اس کو میسر ہیں۔ بلکہ جہاں وہ ہے وہاں نہ ظل ہے اور نہ اصل۔ ظل اور اصل سے اسے آگے گزار کے لے گئے ہیں۔ اس طرح کے کامل و مکمل نہایت قلیل الوجود ہیں۔ اگر مدتہائے دراز اور طویل زمانوں کے بعد بھی ایسے شخص کا ظہور ہو تو بہت غنیمت ہے۔ ایک جہاں اس کے فیض سے منور ہو گا۔ اس کی نظر امراضِ قلبیہ کو شفاء بخشتی ہے اور اس کی توجہ اخلاقِ رزیلہ اور ناپسندیدہ کو دَفع کرتی ہے، یہی وہ ہستی ہے جو مدارجِ عروج کو مکمل کرکے نیچے مقامِ بندگی میں اُتر آئی ہے، اور عبادات کے ساتھ اس نے آرام پکڑا ہے۔

مقامِ عبدیت سے کہ مقامِ ولایت میں اس سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ اس گروہ میں سے بعض کو منتخب کرکے اس مقام سے مشرف کرتے ہیں۔ اور مرتبۂ محبوبیت کے لائق بھی یہی لوگ ہیں۔ تمام کمالات کا جامع تَر مرتبۂ ولایت ہے اور تمام مقامات پر حاوی درجۂ دعوت ہے۔ جو مرتبۂ ولایتِ خاصہ اور نبوت سے بہرہ ور ہے۔

خلاصہ یہ ہے اس پر یہ مصرع صادق آتا ہے:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: جو کمالات سارے حُسن الگ الگ رکھتے ہیں تو اکیلا اُن سب کا جامع ہے۔

اس بات کو ذہن نشین کر لو۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مبتدی کے لئے سماع و وجد مضر ہے اور عروج کے منافی ہے، اگر چہ شرائط سماع کے مطابق ہو۔ سماع کی شرائط کا کچھ بیان اس مکتوب کے آخر میں اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالیٰ کیا جائے گا۔ مبتدی کا وَجد بیماری کا شکار ہوتا ہے اور اس کا حال وبال ہے۔ اس کی حرکت طبعی ہوتی ہے اور خواہشِ نفسانی سے مخلوط ہوتی ہے، اور مبتدی سے میری مُراد وہ شخص ہے جو اَربابِ قلوب میں سے نہ ہو۔ اور اَربابِ قلوب منتہی اور مبتدی لوگوں کے درمیانی مقام میں ہیں۔ اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔ یہی واصلِ کامل ہوتا ہے، اور انتہاء کے بہت سے درجات ہیں جو ایک دوسرے کے اُوپر ہیں۔ اور وصول کے اس قدر مراتب ہیں جو ابد الآباد تک طے نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرات کے ایک طبقے کے لئے نفع مند ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ تمام اَربابِ قلوب (متوسط) حضرات کے لئے سماع مفید نہیں۔ بلکہ ان میں سے بھی صرف ان لوگوں کے لئے نفع مند ہے جو دولتِ جذبہ سے مشرف نہیں اور ریاضات اور مجاہداتِ شاقہ کے ذریعہ قطع مسافت کرنا چاہتے ہیں۔ سماع و وَجد اس صورت میں ان لوگوں کے لئے مدد و معاون ہے اور اگر اَربابِ قلوب صاحبِ جذبہ ہوں تو اُن کا سلوک کے راستوں کو طے کرنا جذبہ کی مدد سے ہوتا ہے۔ سماع کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جن کے لئے سماع نفع مند ہے وہ بھی شرائط کے ساتھ مشروط ہے، مطلقاً نفع مند نہیں۔ شرائط کے بغیر سماع نقصان دہ چیز ہے۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اپنے کامل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے اور اگر وہ اپنے کامل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو ترقی سے رُکا رہے گا۔ ہاں، اُس شخص کو بھی سماع کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا ہے۔ لیکن تسکین اور اطمینان کے بعد اس مقام سے پھر نیچے آ جاتا ہے۔ اور سماع کی دوسری شرائط مستقیم الاحوال اکابر کی کتابوں مثلاً عوارف المعارف وغیرہ میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

ان شرائط میں سے اکثر آج کل کے سماع سُننے والوں میں مفقود ہیں۔ بلکہ اس قسم کا سماع اور رَقص جو اس وقت عام ہے اور اس قسم کا اجتماع جو آج کل مروج ہے، کوئی شک نہیں کہ یہ سراسر مضر اور تربیتِ باطنی کے بالکل منافی ہے۔ ایسے سماع سے عروج کا خیال کرنا بالکل بے معنی ہے۔ اور اس صورت میں رُوحانی ترقی متصور نہیں ہو سکتی۔ اس مقام میں سماع سے مراد امداد واعانت معدوم ہے۔ بلکہ اس کی جگہ ضرر اور منافات موجود ہیں۔

تنبیہ

سماع اور رَقص اگرچہ بعض منتہی اربابِ طریقت کو بھی درکار ہوتا ہے، لیکن ان حضرات کو ابھی تک مراتبِ عروج درپیش ہوتے ہیں۔ اس لئے اس لحاظ سے متوسط لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جب تک ممکن الحصول مراتب عروج مکمل طور پر طے نہ کر لیں، انتہاء کی حقیقت ان سے مفقود ہوتی ہے۔ نہایت کہنا سیر الی اللہ کی نہایت کے اعتبار سے ہے۔ اور اس سیر کی نہایت اس اسم تک ہے جو اس سالک کا مظہر ہے۔ اس کے بعد اس اسم اور اس کے متعلقات میں سیر ہوتی ہے اور جب اسم اور اس کے تمام متعلقات جو اَربابِ طریقت پر منکشف ہوتے ہیں سے گزر کر مسمیٰ حقیقت تک پہنچتا

ہے۔ اور وہاں فنا اور بقا سے موصوف ہوتا ہے، تو اُس وقت منتہی حقیقی بنتا ہے، اور فی الحقیقت سیر الی اللہ کی نہایت اسی صورت میں متحقق ہوتی ہے۔ نہایتِ اول کو جو اسم کی نہایت تک ہے اسے بھی نہایت سیر الی اللہ اعتبار کر لیتے ہیں۔ اور اس فنا اور بقا کے لحاظ سے جو اس مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے، اسمِ ولایت کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ اور یہ جو صوفیہ نے کہا ہے کہ سیر الی اللہ کی کوئی نہایت نہیں تو یہ سیر بقا میں ہے اور منازلِ عروج طے کرنے کے بعد ہے۔ اور سیر فی اللہ کی بے نہایتی کا یہ معنی ہے کہ اس اسم میں سیر واقع ہوتی ہے، اور اس اسم میں مندرج تمام شیونات سے تفصیل کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، تو اس سیر کی نہایت تک بالکل نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ہر اسم بے انتہاء شیونات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن وقتِ عروج میں (کارکنانِ قضاوقدر) اگر چاہتے ہیں تو اس کو آگے گزار کر لے جانا چاہیں تو ممکن ہے کہ ایک ہی قدم میں اس اسم کو طے کر لے اور نہایۃ النہایت تک پہنچ جائے۔ اور اگر وہیں فنا ہو جائے تو زہے سعادت اور بزرگی۔ اور اگر مخلوق کی تربیت کے لئے اسے واپس لائیں تو زہے فضیلت۔ یہ گمان نہ کرنا کہ اس اسم تک پہنچنا آسان کام ہے۔ جان کو ہلاک کرنا پڑتا ہے تب جا کر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔۔۔۔ دیکھئے اربابِ طریقت کے گروہ سے کس صاحبِ نصیب کو اس اعلیٰ درجہ کی نعمت سے سرفراز کرتے ہیں۔

اور اے نارسیدہ سالک! جسے تو تنزیہ اور تقدیس خیال کرتا ہے وہ مقامِ روح سے بھی بہت نیچے ہوتے ہیں۔ وہ تنزیہ جو تیرے خیال میں فوق العرش معلوم ہوتی ہے وہ بھی دائرۂ تشبیہ میں داخل ہے، اور وہ منزہ مکشوف عالمِ اَرواح میں سے ہے۔ کیونکہ عرش تمام جہات کو محیط اور عالمِ اجسام کی منتہی ہے۔ عالمِ اَرواح عالمِ جہات واجسام سے ماوراء ہے۔ کیونکہ روح لامکانی شئ ہے، مکان میں نہیں سما سکتی۔ اور رُوح کو عرش سے اوپر ثابت کرنا تجھے اس وہم میں نہ ڈال دے کہ رُوح تجھ سے دور ہے

اور تیرے اور رُوح کے درمیان مسافتِ دراز واقع ہے۔ حقیقتِ حال اس طرح نہیں بلکہ روح کے لامکانی ہونے کے باوجود اسے تمام جگہوں سے نسبت برابر ہے۔ماوراءِ عرش کہنے کے دوسرے معنی ہیں۔جب تک تُو وہاں نہ پہنچے اس معنی کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہ رُوحی تک پہنچتا ہے اور اسے فوق العرش پایا ہے، اسی تنزیہ کو تنزیہ الٰہی تصور کر لیا ہے، اور اس مقام کے علوم و معارف کو علومِ دقیقہ قرار دیا ہے۔اور استواء کے راز کو اس مقام میں حل کیا ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ یہ تو رُوح کا نُور ہے، اس فقیر کو بھی اس مقام کے حصول کے وقت اس قسم کا اشتباہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن جب عنایتِ خداوندی جل شانہٗ نے اس گرداب سے آگے گزارا تو جان لیا کہ وہ نُور رُوح کا نُور ہے، نہ کہ نُورِ الٰہی جل شانہٗ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس راہ کی ہدایت نصیب فرمائی، اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔

اور روح چونکہ لامکانی شئ ہے اور بے چونی و بے چگونی کی صورت پر پیدا ہوئی ہے، اس لئے اس طرح اس کے اشتباہ کا محل بن جاتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (الأحزاب ۴)

ترجمہ: اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔

اور صوفیائے کرام کا وہ گروہ جو اِس نُور کو فوق العرش سے لے کر نیچے اُترتا ہے اور اس سے بقا پیدا کرتا ہے، اپنے آپ کو تشبیہ اور تنزیہ کا جامع تصور کرتا ہے۔اور اگر اس کو اپنے سے جُدا پاتا ہے تو اسے مقام ''فرق بعد الجمع'' گمان کرتا ہے۔ اس طرح کے مغالطے صوفیہ کو بہت لاحق ہوتے ہیں۔ وہی سبحانہٗ و تعالیٰ غلطیوں کے مقامات خبط کے مواقع سے بچانے والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ رُوح اگرچہ عالم کی نسبت بے چون ہے، لیکن حق جل وعلا کی نسبت سے دائرہ چون میں داخل ہے، تو یہ روح گویا عالمِ چون اور جنابِ قدس خداوندی جو حقیقی بے چون ہے کے درمیان برزخ ہے تو رُوح دونوں طرف کا رنگ رکھتی ہے اور دونوں اعتبار اس میں صحیح ہیں۔ بر عکس بے چوں حقیقی کے کہ اس تک چون کی بُو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ پس جب تک رُوح کے تمام مقامات سے عروج واقع نہ ہوں تب تک اس اسم تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا پہلے تمام طبقاتِ سماوات یہاں تک کہ عرش سے بھی گزرنا چاہیئے، اور مکمل طور پر لوازمِ امکان سے باہر آنا چاہیئے۔ اس کے بعد عالمِ اَرواح کے مراتبِ لامکانیت بھی طے کرے، تب جا کر سالک اس اسم تک پہنچتا ہے۔

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است

حاصل خواجہ بجز پندار نیس

ترجمہ: حضرت صاحب کا گمان ہے کہ مطلوب سے واصل ہو چکے ہیں، حالانکہ انہیں صرف یہ بے بنیاد گمان ہی حاصل ہے۔ حقیقتاً انہیں کچھ بھی حاصل نہیں۔

تو وہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ہے، اس عالمِ خلق سے اور اوپر عالمِ اَمر ہے۔ اور عالم سے اوپر اسماء اور شیونات کے مراتب ہیں۔ ظلاً واصالۃً، اجمالاً و تفصیلاً۔ اور ان مراتبِ ظلی واصلی، کونی والٰہی اور اجمالی و تفصیلی سے اوپر مطلوبِ حقیقی کو تلاش کرنا چاہیئے۔۔۔ دیکھیئے کس خوش نصیب کو اس جستجو سے نوازتے ہیں اور کس صاحبِ دولت کو اس سعادت سے مشرف فرماتے ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ، ہمت بلند رکھنی چاہیئے اور جو کچھ راہ میں ہاتھ آ جائے اسی پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے اور وراء الوراء میں اپنا مطلوب تلاش کرنا چاہیئے۔

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ خُیُوْفٌ

ترجمہ: سعاد (معشوقہ) تک وصول کس طرح ممکن ہے جبکہ میرے اور اُس کے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

تنبیہِ آخر

دوامِ وصل اور استمرارِ وقت اُس شخص کے لئے تسلیم کیا جا سکتا ہے جو فنائے مطلق کے بعد بقا باللہ کے ساتھ موصوف اور اس کا علمِ حصولی علمِ حضوری سے تبدیل ہو چکا ہو۔ ہم اس بحث کو زیادہ واضح اور روشن طریقہ سے بیان کرتے ہیں۔

جان لے کہ عالم کو جو اپنی ذات کے سوا حاصل ہوتا ہے وہ عالم کے ذہن میں حصولِ صورت کے طریقہ سے ہوتا ہے اُسے علمِ حصولی کہتے ہیں۔ اور جو علم حصولِ صورت کا محتاج نہیں ہوتا اور وہ عالم کی اپنی ذات کا علم ہے، یہ علمِ حضوری ہے۔ کیونکہ اس میں ذات بنفسہا عالِم کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔ اور علمِ حصولی میں جب تک معلوم کی صورت ذہن میں موجود رہتی ہے اس وقت تک عالم معلوم کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہو گئی تو ذہن کی وہ توجہ بھی زائل ہو جاتی ہے، پس علمِ حصولی میں دوامِ توجہ محالِ عادی ہے۔ بخلاف علمِ حضوری کے کہ اس میں معلوم سے غفلت غیر مقصود ہے۔ کیونکہ اس کے تحقق کا منشاء عالِم کی ذات کا حضور ہے۔ اور جب یہ حضورِ دائمی ہے تو ذات کا علم بھی دائمی ہو گا۔ اپنی ذات سے توجہ کا زوال ممکن نہیں۔ اور بقا باللہ کے مقام میں علمِ حضوری ہوتا ہے جس کا زوال نہیں ہو سکتا۔

گمان نہ کرنا کہ بقا باللہ اُس اَمر سے عبارت ہے کہ تو اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا عین پائے۔ جیسا کہ اس گروہ کے بعض لوگوں نے حق الیقین کی یہی تعبیر کی ہے، بات اس طرح نہیں۔ بقا باللہ جو فنائے

مطلق کے بعد میسر آتی ہے اس قسم کے علوم سے مناسبت نہیں رکھتی۔ یہ مذکورہ حق الیقین جو بعض نے کہا ہے اس بقا کے مناسب ہے جو جذبہ میں حاصل ہوتا ہے وہ بقا جو ہمارا مقصود ہے اور ہے۔

ذوقِ این مے نشناسی بخدا تا نچشی

ترجمہ: بخدا! اِس شراب کو چکھنے سے پہلے تم نہیں پہچان سکتے۔

پس استمرارِ توجہ اور دوامِ حضور بقا باللہ کی صورت میں موجود ہوتی ہے، بقا باللہ کے ساتھ موصوف ہونے سے قبل دَوام ممکن نہیں۔ اگرچہ بہت سے حضرات کو اس مقام میں پہنچنے سے پہلے اس مقام کا وہم ہوتا ہے۔ خاص کر طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہیں، اور حق بات وہی ہے جس کی میں نے تحقیق کی ہے اور درست وہی چیز ہے جس کا مجھے الہام ہوا ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ تَعَالَی الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں زیادہ تر بحث سماع، وجد، رقص، اَربابِ قلوب اور اَربابِ تمکین سالکین کے بارے میں کی ہے۔ نیز اس میں بقا باللہ، مراتبِ ولایت، مراتبِ وجوب، تشبیہ و تنزیہ، مقاماتِ روح، حقائقِ کونی والٰہی، علمِ حضوری اور علمِ حصولی کی تقسیم اور اولیاء کرام کے رجوع اور عدمِ رجوع وغیرہ کے معارف کے بارہ میں گفتگو فرمائی ہے۔ اس مکتوب شریف کی شرح کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

غنا اور رقص چونکہ حرام ہے اس لئے یہ ہماری بحث سے خارج ہے مگر سماع جس میں حمد، نعت، مرثیہ مشائخِ کبار اور حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثنوی معنوی، حضرت

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیوانِ حضرت ملا حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کے بیانات جو کہ اشعار کی صورت میں ہیں اس کو سماع کے ساتھ پڑھنا اور سُننا جائز ہے ہماری بحث اسی میں ہے نہ کہ غنا اور رَقص میں کیونکہ یہ ایک حرام عمل ہے۔

۱۔ چونکہ روح سماع کے ساتھ نزدیکی رکھتی ہے تو اس بناء پر سالک کی رُوح کے عروج کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ جب سالکین نعتیہ کلام کو سُنتے ہیں تو ان کے قلوب میں شوق وذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں بیان کی جارہی ہے۔

۲۔ عُرفاء کی دو اقسام ہیں:

اوّل: اربابِ قلوب (یا اربابِ تلوین) دوم: اربابِ رُوح (یا اربابِ تمکین)

الف: اربابِ قلوب وہ لوگ ہیں جو ظہورات و تجلیات کے ظلال کے ظل سے اور تلوینات و تغیرات کے احوال پر متصف ہوتے ہیں، سماع ان اربابِ قلوب کے عروج کا سبب بنتا ہے۔

ب: اربابِ تمکین وہ لوگ ہیں جو اصل پر مشرف اور مراتبِ نہائی تک پہنچے ہوں۔ یہ اربابِ تمکین سماع کے لئے محتاج نہیں ہوتے۔

۳۔ بعض منتہیوں میں سے کہ مراتبِ نہائی کے وصول کے بعد ان پر برودت اثر انداز ہو جاتی ہے اور یہ عروجات سے منع ہو جاتے ہیں ان مقامات میں بھی سماع ان کے بدن میں حرارت و محبت کی پرورش کا سبب بنتا ہے اور یہ عروجات کے اُس توقف سے رہائی بخشتا ہے۔ یعنی سماع ان کے عروجات کا سبب بنتا ہے، ایسا شخص اگرچہ منتہی ہے مگر حقیقی منتہی نہیں ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ منتہی عروجات کے محتاج کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ تو مراتبِ نہائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ منتہی وہ ہوتا ہے جو اپنے مبدأ فیض کو پہنچا ہو مگر حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدس کا وصول ابھی اسے درپیش ہو۔

تا یار کہ را خواہد و میلش بہ کہ باشد

ترجمہ: وہ جس دوست کو چاہتا ہے اسی کی طرف اس کا میلان ہے۔

۴۔ وہ منتہی جو کہ قوی جذبہ کے مالک ہوں وہ سماع کے لئے محتاج نہیں ہوتے مگر وہ منتہی جو کہ قوی جذبہ نہ رکھتے ہوں انہیں ایسے عوامل کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے لئے توحید اور محرک کا جذبہ ہونے کا سبب بنے۔

۵۔ قطبِ فرَد اگرچہ منتہی ہے پھر بھی خلیفۂ وقت اور امامِ وقت کے عروجات کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے کہ قطبِ فرد کے معارفِ اصلی خلیفۂ وقت اور امامِ وقت کے معارفِ اصلی کی بہ نسبت پائین تَرہیں تو اسی بناء پر اس کے لئے بھی سماع مفید ہے۔

قطبِ فرد ولایتِ نبوت کے تمام کمالات کو نہیں پہنچا ہوتا، مگر خلیفۂ وقت ولایتِ نبوت کے تمام کمالات پر مفتخر ہوتا ہے اور امامِ وقت حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالاتِ نبوت کے تمام مراتب کو طے کئے اور اس پر مفتخر ہوتا ہے جیسے عُرفاء کرام جو کہ ان عالیٰ مراتب تک پہنچے ہوئے ہیں وہ تجدیدِ مائۃ (مجددِ صدی) یا تجدیدِ الف (مجددِ ہزار سالہ) پر مفتخر ہیں۔

٦۔ اطلاق بقاباللہ اور اس معرفت کا شہود دواوقات میں ہاتھ آتا ہے۔

اوّل: جذبہ ٔبدایت میں (یعنی اپنے آپ کو حق سمجھنا) کہ یہ جذبہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔ یعنی جب ابتداء میں شیخ اپنے مُرید پر توجہ فرمائے تو اس سے مُرید کی کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کے قلب میں کشش، محبت اور شوق وذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جذبہ کو جذبہ ٔصُوری کہتے ہیں۔

دوم: جذبہ وتوحید جو کہ سیر الیٰ اللہ کی تکمیل کے بعد سیر فی اللہ کے مقام میں بعض عرفاء کے ہاتھ آتا ہے اور اپنے وجودِ موہوبی کو بہ عنوانِ وجوب دیکھتے ہوئے اَنَا الْحَق کہتے ہیں اور اس جذبہ جذبہ ٔحقیقی کہتے ہیں۔ وجودِ موہوبی سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس عارف کو ایک خاص وجود عنایت فرما دیتا ہے جس کو وہ خود بھی درک نہیں کر سکتا جس طرح کہ انسان کے بدن میں عقل اور رُوح موجود ہے مگر یہ نہ تو اِن کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی ان کا درک کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کے بارے میں بیان کر سکتا ہے کہ یہ کیا ہیں۔

۷۔ بقاباللہ کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے:

اوّل: بقا باللہ متخلق باخلاق اللہ ہونے اور حق تعالیٰ وتقدس کی صفات کے انعکاس کا منعکس ہونے سے عبارت ہے نہ کہ اصلِ صفات سے۔ کیونکہ حق تعالیٰ وتقدس کی صفات انسان میں حلول نہیں کرتیں۔ اس کی خارجی مثال سورج اور چاند ہیں کہ سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پھل پکتے ہیں اور چاند کی روشنی کی وجہ سے ان پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے لیکن نہ اس بناء پر کہ سورج اور چاند پھلوں میں حلول کرتے ہیں۔ متخلق باخلاق اللہ کے معنی یہ ہیں کہ سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جتنے بھی احکامات ہیں اُن کو اپنے آپ پر تطبیق کرے۔

دوم: بقاباللہ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے وجودِ بشری کو بہ عنوانِ وجوب دیکھے اور اَنَا الْحَقّ کہے اور یہ دید جذبہ ٔبدایت میں محبوب کی محبت کے غلبہ کے واسطہ سے ہاتھ آتی ہے اور سالک سیر فی اللہ میں محبوب کے شعشعانِ شہود کے واسطہ سے بھی اَنَا الْحَقّ کہتا ہے۔

مرا دیگر بجائے من نہ بینی

چو جان آئی بجائے من نشینی

توئی از ہر دو عالم آرزویم

تُرا چون یافتم از خود چہ گویم

ترجمہ: جب میری رُوح عروج کرتی ہے تو پھر میں اپنے آپ کو نہیں دیکھ پاتا مگر جب میری رُوح واپس آجائے تو وہ میری جگہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ اے اللہ دونوں جہانوں میں میری آرزو اور اُمید صرف اور صرف آپ ہی کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ اے اللہ جب میں نے آپ کو پالیا تو میں اپنے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں یعنی میں آپ کی ذاتِ بابرکات کے سوا اپنی کیا تعریف بیان کروں۔

اول قسم والے سالک کے احوال جو کہ جذبہ ٔبدایت کے مرحلہ میں اس کے ہاتھ آتے ہیں عین الیقین کے مرتبہ میں ہیں۔ اور دوم قسم والے عارف کے احوال جو کہ جذبہ ٔنہایت کے مرحلہ میں اس کے ہاتھ آتے ہیں عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبہ میں ہے۔

۸۔ مبتدیوں کے لئے سماع سُود مند نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ خواص کا سماع سامع کے وجود میں تحریک وہیجان پیدا کرتا ہے اور مبتدیوں کے وجود میں چونکہ نفس کا تزکیہ نہیں ہوا ہوتا اور نفس ابھی بھی ان پر غالب ہوتا ہے اسی بناء پر یہ سماع سالک کی نفسانی لذتوں کو تقویت بخشتا ہے جس سے مبتدی سالک کی مزید آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی رفتار سُست پڑ جاتی ہے۔

۹۔ قطبِ فرد حقیقی منتہی نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ قطبِ فرد کی رُوح عروج کے حال میں ہوتی ہے۔ حقیقی منتہی وہ ہوتا ہے کہ جس کی رُوح اس کے نفس کی طرح کمالاتِ عالیہ کے مراتب طے کرنے کے بعد واپس نزول فرمالے۔

۱۰۔ مراتبِ وجوب کا طے کرنا سیر اجمالی پر مربوط ہے اور سیر تفصیلی (یعنی شیخ کا اپنے مُرید کو قلب، روح، سِر، خفی، اخفٰی اور نفسی میں ذِکر دینا مُرید اس سے مراتبِ وجوب طے نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ظل ہے) میں مراتبِ وجوب کا طے کرنا امکان پذیر نہیں ہے۔ اور جو سالکین دورانِ سلوک اس کو محسوس کرتے ہیں وہ شیخ کی توجہ کا ادراک ہے کیونکہ عارفانِ منتہی جن کا عروج اجمالی ہے مراتب طے کرنے کے بعد نزول کے وقت میں سیر تفصیلی کی تجلیات پر نیز خود بخود متجلی اور رنگین ہو جاتے ہیں اور مختلف استعداد رکھنے والے مُسترشدین کی تربیت کرتے اور ان میں سے ہر ایک کو ان کے اسمِ مُربی پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۱۔ جامع تنزیہ و تشبیہ عالَم کے جس مقام میں ہے سالک ان کو بہ عنوانِ وجوب کے دیکھتا اور ان سب کو حق کہتا ہے حقیقت میں سالک اپنی رُوح کو بہ عنوانِ وجوب دیکھ کر اس کو مرتبۂ تنزیہ سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو مرتبۂ تشبیہ میں اور اپنے آپ کو جامع تنزیہ و تشبیہ سمجھتا ہے۔ جبکہ انسان گناہوں کا پُتلا ہے اور یہ جامع تنزیہ و تشبیہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جامع تنزیہ و تشبیہ تو صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالٰی ہی کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ وہ عارف جس کا نفس مخلوق کی ارشاد و ہدایت کے لئے نزول اور اس عارف کی رُوح مراتبِ عالیہ کے طے کرنے کے لئے عروج میں ہوتی ہے، یہ طائفہ بھی جامع تنزیہ و تشبیہ ہوتا ہے اس دلیل سے کہ ان کی رُوح تنزیہ کی طرف متوجہ اور ان کا نفس تشبیہ کی طرف متوجہ اور عالَم میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ طائفہ اوّل طائفہ کی بہ نسبت کامل تَر اور صاحبِ صحو ہوتا ہے

اور اوّل طائفہ صاحبِ سُکر ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ اوّل طائفہ علم الیقین کے مرتبہ میں قرار پذیر ہے اور عین الیقین کے مرتبہ تک نہیں پہنچا مگر دوم طائفہ عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبہ پر مشرف ہے۔

روح کا اصلی مقام بدن کے ساتھ تعلق سے پہلے عرشِ مجید سے فوق ہوتا ہے، لہٰذا جب تک عارف کی سیر عرش سے اوپر نہ گزر جائے اس وقت تک یہ عارف رُوح کے اسرار و حقائق کو نہیں سمجھ پاتا۔

۱۲۔ حقائق کی دو اقسام ہیں:

اوّل: حقائقِ کونی　　　　دوم: حقائقِ الٰہی

حقائقِ کونی عالمِ امکان سے عبارت ہے اور حقائقِ الٰہی صفاتِ مقدسہ کے ظلال، صفاتِ مقدسہ کے اصل اور شیوناتِ ذاتیہ سے عبارت ہے۔ حقیقتِ کعبۂ رُبانی، حقیقتِ قرآن اور حقیقتِ صلوٰۃ بھی حقائقِ الٰہی ہیں۔

۱۳۔ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں علم کی تین اقسام ہیں جبکہ تصوف کے نقطۂ نظر کے مطابق علم کی دو اقسام ہیں۔

شریعتِ کے لحاظ سے اوّل: علمِ عام ہے جو کہ عام لوگ سمجھتے ہیں اور جس کی بدولت وہ مسجد، گھر، بازار، ماں، باپ، بہن اور بھائی وغیرہ میں تمیز کرتے ہیں۔

دوم: علمِ علماء ہے جن کو استدلال کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ واحد ولا شریک ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پیغمبرِ برحق اور خاتم النبیین ہیں اور قرآن عظیم الشان حق تعالیٰ وتقدس کی برحق کتاب ہے۔

سوم: علمِ لدنی ہے جس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (الکھف ٦٥)

ترجمہ: تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔

اور تصوف میں علم کی جو دو اقسام ہیں وہ حق تعالیٰ وتقدس کا یہی لَدُنی یعنی خاص علم ہے جو اس نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمایا ہے جس کی یہ تفصیل یوں ہے کہ:

عارف کا علم دو قسم کا ہے:

اوّل: علمِ حضوری   دوم: علمِ حصولی

علمِ حضوری عارف کے اس علم سے عبارت ہے جو کہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ سے متعلق ہے یعنی علمِ حضوری میں عارف اسماء وصفات، شیونات اور اعتبارات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور علمِ حصولی اس علم سے عبارت ہے جو کہ صفاتِ مقدسہ اور ظلالِ صفات سے متعلق ہے۔

کسی منکر نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ حق تعالیٰ وتقدس کو دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے؟ تو حضرت سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس منکر کو کہا کہ سورج کی طرف دیکھو جب اس نے کچھ دیر سورج کی جانب دیکھا تو کہا کہ سورج کی روشنی بہت زیادہ تیز ہے میں اسے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ میری آنکھیں چُندیا جاتی ہیں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب تم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی خلق کردہ چیز کو ہی نہیں دیکھ سکتے تو اس کے خالق کو جو کہ بے مثل وبے مثال اور لامکان ذات ہے کیسے دیکھ پاؤ گے۔

حضرت محمد شمس الدین حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیوانِ حافظ میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظؔ
مَتٰی مَاتَلْقَ مَنْ تَھْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَ اَمْھِلْھَا

ترجمہ: اے حافظؔ! اگر تم محبوبِ حقیقی کے دربار کی حضوری اور قُرب چاہتے ہو تو اس غافل مت ہو جب تم اپنے محبوب سے ملاقات کرو یعنی اس کی عبادت میں مشغول ہو تو دُنیا ومافیہا کی طرف التفات مت کرو۔

۱۴۔ جو سالک شیونات تک نہ پہنچے وہ اپنے مبدأ فیض کو نہیں پا سکتا اور جو سالک اپنے مبدأ فیض پر مشرف ہو جائے کہ حق تعالیٰ و تقدس جس اسم سے اس سالک کو رُشد و نمو دیتا ہے تو پھر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ایسے سالک کو وجودِ موہوبی عنایت فرما دیتا ہے جب تک سالک کو وجودِ موہوبی عطا نہ ہو جائے اس سے گناہ و غلطی سرزد ہونے کے امکانات باقی رہتے ہیں۔ یعنی یہ سالک دوبارہ افعالِ رذیلہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اولیاء کرام عارفانِ واصل و منتہی کے عدمِ رجوع کے بارے میں اتفاق رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے مبدأ بلکہ شیونات تک پہنچے ہوں اور ان کا بدن وجودِ موہوبی پر مفتخر ہو چکا ہو تو وہ دوبارہ صفتِ بشری پر عود نہیں فرماتے کیونکہ وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتے ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل و مکمل تابعدار ہو جاتے ہیں اور اس طرح ان کے بدن دوبارہ وجودِ بشری میں تبدیل نہیں ہوتے۔ مگر جو لوگ اس مقام تک نہ

پہنچے ہوں تو غفلت کے اثر کی وجہ سے ان کے دوبارہ صفاتِ بشری کی طرف عود ورجوع کرنے کے امکانات رہتے ہیں۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۶

[امان اللہ فقیہ کی طرف صادر فرمایا:

اعتقادِ صحیح کے بیان میں جو آرائے صائبہ اہل سنت وجماعت کے موافق کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ اور اُس جماعت کا رَد جس نے اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات کے خلاف سمجھا ہے، یا اہلِ حق کے خلاف کشف سے معلوم کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جان لے اَرۡشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَلۡھَمَکَ سَوَاءَ الصِّرَاطِ یعنی اللہ تعالیٰ تجھے سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت اور اُس کا الہام فرمائے کہ سالک کے طریق کی جملہ ضروریات میں ایک اعتقادِ صحیح ہے جسے علمائے اہل سنت وجماعت نے کتاب وسنت اور آثارِ سلف سے استنباط کیا ہے اور کتاب وسنت کو اُن معانی پر محمول کرنا جنہیں جمہور علماءِ حق یعنی اہلِ سُنت وجماعت نے کتاب وسُنت سے سمجھا ہے، بھی ضروری ہے۔ اور اگر بالفرض اُن معانی مفہومہ کے خلاف کشف والہام سے کوئی چیز ظاہر ہو تو اُس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے اور اُن سے پناہ پکڑنی چاہیئے۔

مثلاً آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحیدِ وجودی مفہوم ہوتی ہے۔ اسی طرح احاطہ وسَریان اور قُرب ومعیتِ ذاتی معلوم ہوتی ہے۔ جب علمائے حق نے ان آیات واحادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے تو اگر درمیانِ راہ سالک پر یہ معانی منکشف ہوں، یا ایک ذات کے سوا کسی کو موجود نہ پائے، یا اُسے محیط بالذات اور اس کا قُرب ذاتی جانے تو اس وقت اگرچہ غلبۂ حال اور سُکرِ وقت کی وجہ سے معذور ہے۔ لیکن چاہیئے کہ ہمیشہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے التجا اور تضرع کرے کہ اسے اس گرداب سے باہر نکال کر اُن اُمور کا اُس پر انکشاف کرے جو آرائے صائبہ علماء اہلِ حق کے مطابق ہیں۔ اور ایک

بال برابر بھی ان کے معتقداتِ حقہ کے خلاف ظاہر نہ کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معانی مفہومہ علماءِ اہلِ حق کو کشف کی صداقت کا نشان قرار دے اور اپنے الہام کی کسوٹی ان کے سوا کسی شیٔ کو قرار نہ دے۔ کیونکہ وہ معانی جو ان علمائے حق کے معانی مفہومہ کے خلاف ہوں درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے معتقدات کا مقتداء کتاب وسُنت ہی کو جانتا ہے اور اپنے رَدی افہام کی وجہ سے کتاب وسُنت سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بہت کو گمراہ کرتا ہے اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہلِ حق کے سمجھے ہوئے معانی ہی لائقِ اعتبار ہیں اور اس کے خلاف معتبر نہیں، اس بناء پر ہے کہ انہوں نے یہ معانی صحابہ اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے آثار اور تتبع سے اخذ کئے ہیں اور ان کی ہدایت کے ستاروں کے انوار سے حاصل کئے ہیں۔ اس لئے نجاتِ اَبدی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہوگئی اور فلاحِ سرمدی ان کا حصہ قرار پائی۔

أُولَئِكَ حِزْبُ اللهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلة ۲۲)

ترجمہ: یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

اور اگر بعض علماء درستی اعتقاد کے باوجود اعمال میں سُستی اور کوتاہیوں کے مرتکب ہیں اور ان کو دیکھ کر مطلق عُلماء کا انکار کرنا اور سب کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور بے بنیاد مکابرہ ہے۔ بلکہ اکثر ضروریاتِ دین کا انکار ہے۔ کیونکہ ان ضروریات کے ناقل یہی علماء کرام ہیں اور کھرے کھوٹے کی پَرکھ کرنے والے یہی حضرات ہیں۔ اگر ان کا نورِ ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ اور اگر وہ درست کو خطاء سے الگ نہ کرتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ یہ علماء ہی ہیں جنھوں نے دینِ قویم کا کلمہ بلند

کرنے میں اپنی ساری قوت صَرف کر دی۔ اور بے شمار لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا۔ تو جس نے ان کی پیروی کی، نجات و فلاح پا گیا۔ اور جو اِن کا مخالف ہوا وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا باعث بنا۔

جاننا چاہیئے کہ آخر کار صوفیہ کرام کے معتقدات بھی تمام منازلِ سلوک طے کرنے اور درجاتِ ولایت کی نہایت کے بعد ان ہی علماء اہلِ حق کے معتقدات ہیں۔ غَایَۃَمَا فِی الْبَابِ اتنی بات ہے کہ علماء کے لئے ان معتقدات کا حصول نقل یا استدلال سے ہے اور صوفیہ کے لئے کشف یا الہام کے ذریعہ۔ اگرچہ بعض صوفیہ کو راہِ سلوک کے درمیان سُکرِ وقت اور غلبۂ حال کے باعث ان معتقدات کے خلاف کچھ اُمور ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں ان مقامات سے گزار کر نہایت کار تک پہنچا دیں تو پھر وہ مخالف باتیں بے مقدار ذرات کی طرح اُڑ جاتی ہیں۔ اور اگر انہیں نہایت کار تک پہنچائیں تو وہ اسی مخالفت پر قائم رہتے ہیں۔ لیکن اُمید ہے کہ انہیں اس پر گرفت نہیں کریں گے۔ ایسے صوفیہ کا حکم مجتہدِ مخطی کا حکم ہے۔ مجتہد نے استنباط میں خطا کی اور ان سے کشف میں خطا واقع ہو گئی۔

اس گروہ کے بعض لوگوں کی مخالف باتوں میں سے ایک تو وحدتِ وجود کا حکم اور احاطہ اور قُرب اور معیتِ ذاتی کا قول ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

دوسری مخالف بات یہ ہے کہ وہ خارج میں ذاتِ واجب عزّ سلطانہٗ سے زائد وجود کے ساتھ صفاتِ سبعہ یا ثمانیہ کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ علمائے اہلِ سنت و جماعت صفات کو موجود جانتے اور خارج میں ذاتِ تعالیٰ کے وجود سے ان کا زائد وجود تسلیم کرتے ہیں۔ ان صوفیہ میں یہ انکار اس بناء پر پیدا ہوا کہ اس وقت ان کو صفات کے آئینہ میں ذاتِ تعالیٰ و تقدس کا شہود ہوتا ہے۔ اور یہ بات سب کے علم میں ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ پس اس پوشیدگی کی وجہ سے خارج

میں صفات کے وجود کو معدوم خیال کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر صفات موجود ہوتیں تو مشہود بھی ہوتیں۔ لہٰذا جب ان کا شہود نہیں تو ان کا وجود بھی نہیں۔ اور اپنے اس فیصلے کے تحت علماء پر وجودِ صفات تسلیم کرنے کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ کفر اور بُت پرستی کا حکم لگاتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبۡحَانَهُ عَنِ الۡجُرۡأتِ فِي الطَّعۡنِ یعنی اللہ سبحانہٗ ہمیں اعتراض کی جرأت سے بچائے۔ اگر ان صوفیہ کو اس مقام سے ترقی واقع ہوتی اور ان کا شہود اس پردہ سے باہر آجاتا اور صفات کے آئینہ ہونے کی کیفیت زائل ہو جاتی تو صفات کو ذات سے جُدا دیکھتے اور صفات کا انکار نہ کرتے۔ اور ان کا کام اکابر علماء پر طعن واعتراض تک نہ پہنچتا۔

ان صوفیہ کی علماء اہلِ حق کے خلاف تیسری بات یہ ہے کہ بعض اُمور پر ایسا حکم لگاتے ہیں، جو ایجابِ واجب تعالیٰ وتقدس کو مستلزم ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ پر لفظ ایجاب کا اطلاق نہیں کرتے اور اس ارادے کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ارادے کی نفی کرتے ہیں اور اس حکم میں تمام اہلِ شرائع کی مخالفت کرتے ہیں۔

صوفیہ کی مخالف باتوں میں سے چوتھی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حق سبحانہٗ قادر ہے قدرت بمعنی اِنۡ شَاءَ فَعَلَ وَاِنۡ یَشَأۡ لَمۡ یَفۡعَلۡ کے ساتھ یعنی اگر چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔ پہلے قضیہ شرطیہ کو واجب الصدق جانتے ہیں اور دوسرے کو ممتنع الصدق۔ اور اسی قول سے ایجاب لازم آتا ہے، بلکہ یہ قدرت کے اس معنی کا انکار ہے جو اہلِ مِلَل کے نزدیک متعین ہے۔ کیونکہ اہلِ مِلَل کے نزدیک قدرت بمعنی صحت فعل وترک ہے۔ اور ان صوفیہ کے قول سے وجوبِ فعل اور امتناعِ ترک لازم آتا ہے۔ پس اس معنی کی اہلِ ملل کے بیان کردہ معنی سے کیا نسبت؟ اس مسئلہ میں ان بعض صوفیہ کا مذہب بعینہٖ حکماء کا مذہب ہے۔ اور قضیہ اولیٰ کو واجب الصدق اور دوسرے کو ممتنع الصدق

تسلیم کرتے ہوئے ارادے کا اثبات کرنا اور اس اثبات کے ساتھ اپنے آپ کو حکماء سے جُدا کرنا کچھ سود مند نہیں۔ کیونکہ ارادہ دو متساوی چیزوں سے ایک کی تخصیص کا نام ہے۔ اور جب تساوی نہیں تو ارادہ بھی منتفی ہے۔ اور یہاں وجوب اور امتناع کے درمیان تساوی معدوم ہے۔ **فَافْهَمْ**

ان بعض صوفیہ کی مخالف باتوں میں سے پانچویں بات یہ ہے کہ یہ حضرات مسئلہ قضا و قدر کی ایسے طریقہ پر تحقیق کرتے ہیں جس کے ظاہر سے ایجاب لازم آتا ہے۔

اور اس بحث میں ان کی عبارتوں سے ایک عبارت یہ ہے:

اَلْحَاکِمُ مَحْکُوْمٌ وَالْمَحْکُوْمُ حَاکِمٌ۔

ترجمہ: حق تعالیٰ پر کسی شئ کو واجب ماننے سے قطعِ نظر حق سبحانہٗ کو کسی کا محکوم کہنا اور اس پر کوئی حاکم مسلط کرنا بہت بُری بات ہے۔

وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا (المجادلة ٢)

ترجمہ: بے شک یہ لوگ ایک بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

ان صوفیہ کی اس طرح کی مخالف باتیں اور بھی بہت ہیں۔ جیسے رؤیتِ حق تعالیٰ کو ممکن نہ جاننا، مگر صرف تجلیٔ صوری کی صورت میں۔ اور یہ قول حق تعالیٰ کے انکارِ رؤیت کو مستلزم ہے۔ اور وہ رؤیت جسے تجلیٔ صوری کی شکل میں انہوں نے جائز جانا ہے، حق تعالیٰ سبحانہٗ کی رؤیت نہیں بلکہ وہ شبہ اور مثال کی ایک قسم ہے۔

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَيْرِ كَيْفٍ
وَاِدْرَاكٍ وَضَرْبٍ مِنْ مِثَالٍ

ترجمہ: مؤمن حق تعالیٰ کے بے کیف اور بلا اِدراک اور بغیر مثال کے دیکھیں گے۔

اور بعض صوفیہ کا یہ قول بھی اہلِ اسلام کے مخالف ہے کہ کاملین کی اَرواح قدیم اور ازلی ہیں۔ ان کا یہ قول سراسر اہلِ اسلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ اہلِ اسلام کے نزدیک عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ حادث ہے۔ اور کاملین کی اَرواح بھی عالَم میں سے ہیں۔ کیونکہ عالَم جمیع ماسویٰ اللہ کا نام ہے۔ **فَافْهَمْ**

پس سالک کو چاہیئے کہ حقیقتِ کار تک پہنچنے سے قبل کشف والہام کی مخالفت کے باوجود علماءِ اہلِ حق کی تقلید کو لازم جانے اور علماء کو محق اور اپنے آپ کو مخطی تصور کرے، کیونکہ علماء تقلیدِ انبیاء **علیہم الصلوات والتسلیمات** سے استناد پکڑتے ہیں جو وحی قطعی سے مؤید ہیں اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں۔ اور سالک کا کشف الہامِ وحی سے ثابت شدہ احکام سے مخالفت کی صورت میں خطا اور غلط ہے۔ تو اپنے قول کو عُلماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت میں نازل شدہ احکامِ قطعیہ پر مقدم رکھنے کے مترادف ہے۔ اور یہ عین ضلالت اور محض خسارہ ہے۔

نیز جس طرح کتاب وسُنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اسی طرح کتاب وسُنت پر اس طریقہ کے مطابق جو آئمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال وحرام، فرض وواجب، سُنت ومستحب اور مکروہ ومشتبہ اَحکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اور مقلد کو اِس اَمر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب وسُنت سے احکام اخذ کرتا پھرے۔ اور اُن پر عمل کرے اور عمل میں اپنے مجتہد مذہب میں جس کا تابع ہے قولِ مختار کو اختیار کرے اور رُخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ اور حتی الامکان اقوالِ مجتہدین کے جمع کرنے میں پوری کوشش کرے تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو۔ مثلاً امام شافعی **رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ** وضو میں نیت کرنا فرض قرار دیتے ہیں تو چاہیئے کہ بے نیت وضو نہ کرے۔ اسی طرح امام شافعی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وضو میں ترتیب اور پے در پے دھونے کو لازم جانتے ہیں، تو ترتیب اور پے در پے کا خیال رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعضاء دھوتے وقت اُن کو مَلنا فرض جانتے ہیں، تو چاہیئے کہ یہ بھی اعضاء کو مَل کر دھوئیں۔ اسی طرح یہ آئمہ عورت کو چھونے اور ذَکر کو ہاتھ لگانے کو وضو ٹوٹنے کا سبب قرار دیتے ہیں، تو چاہیئے کہ عورت کو چھونے اور ذَکر کو ہاتھ لگانے کی صورت میں نیا وضو کرے۔ **علیٰ ھذا القیاس**

یہ دو اعتقادی اور عَملی پر حاصل ہونے کے بعد قُربِ ایزدی جل شانہٗ کے مدارجِ عروج کی طرف متوجہ اور تاریک اور نُورانی رستوں اور منزلوں کے طے کرنے کا طالب بنے۔ لیکن سالک کے ذہن میں یہ بات موجود رہنی چاہیئے کہ منازل و مدارجِ عروج کا طے کرنے کا مکمل راہ دَان، راہ بین اور رہنما شیخِ مقتداء کی توجہ اور تصرف سے وابستہ ہے۔ جس کی نظر اَمراضِ قلبیہ سے شفا بخشتی ہے اور توجہ اور اخلاقِ ردیہ ناپسندیدہ کو دَفع کرتی ہے۔ لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ پہلے شیخِ کامل تلاش کرے۔ اگر محض فضلِ ایزدی جل شانہٗ سے اُسے شیخ کامل بتا دیں تو ایسے شیخ کی معرفتِ پہچان کو نعمتِ عظمیٰ تصور کرتے ہوئے خود کو اس کے آستانے کا ملازم بنا دے اور مکمل طور پر اس کے تصرفات کا مطیع کر دے۔

شیخ الاسلام امام ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”یا الٰہی! تو نے اپنے دوستوں کو کیا کر دیا ہے کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا، تجھے پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا اُن کی شناخت نہ کر سکا“۔

اپنے اختیار کو بالکلیۃ شیخ کے اختیار میں گم کر دے۔ اور اپنے آپ کو تمام مُرادوں سے خالی کر کے اپنی کمرِ ہمت اُس کی خدمت کے لئے باندھ لے۔ اور جس کام کے متعلق شیخ اُسے حکم دے،

اُسے اپنے لئے سرمایۂ سعادت جانتے ہوئے بجا آوری میں پوری کوشش کرے۔ شیخِ مقتداء اگر ذِکر کو اُس کی استعداد کے مناسب پائے گا تو اُسے ذکر کی تلقین کرے گا۔ اور توجہ اور مراقبہ مناسب ہو گا تو اُس کا اشارہ کرے گا۔ اور اگر صرف صحبت کو ہی کافی جانے گا تو صحبت اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ مختصر یہ کہ صحبتِ شیخ کی موجودگی میں راہِ سلوک کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذِکر کی حاجت نہیں۔ بلکہ جو کچھ طالبِ صادق کے حال کے مناسب جانے گا اُس کا حکم دے گا۔ اور اگر راہ کی شرائط میں سے کسی اَمر میں اُس سے کوتاہی واقع ہو گی تو شیخ کی صحبت اُس کی تلافی کرے گی اور اُس کی توجہ اُس کے نقصان کو پورا کر دے گی۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "سالک کے طریق کی جملہ ضروریات میں ایک اعتقادِ صحیح ہے جسے علمائے اہلِ سُنت وجماعت نے کتاب و سنت اور آثارِ سلف سے استنباط کیا ہے، اور کتاب و سنت کو اُن معانی پر محمول کرنا جنہیں جمہور علماء اہلِ حق یعنی اہلِ سُنت وجماعت نے کتاب وسُنت سے سمجھا ہے بھی ضروری ہے۔ اور اگر بالفرض اُن معانی مفہومہ کے خلاف کشف والہام سے کوئی چیز ظاہر ہو تو اُس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے اور اُن سے پناہ پکڑنی چاہیئے، الخ"۔ یعنی اس مکتوب شریف میں زیادہ تر بیان اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے بارے میں ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن وحدیث سے ظاہری معنیٰ اخذ کر کے اس میں استنباط کیا ہے یا پھر کشفی غلطی کی وجہ سے قرآن وحدیث کی بعض آیات یا احادیثِ مبارکہ سے کچھ اور مفہوم اخذ کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو سُکری حالت کی وجہ سے

معذور جانتے ہیں اور اگر یہ سب کچھ صحو کی حالت میں کسی سے سرزد ہو جائے تو اس پر توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔

حضرت ابو حفص عمر نجم الدین نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب شرح العقائد میں فرماتے ہیں کہ:

(والنصوص) من الكتاب والسنة تحمل (على ظواهرها) ما لم يصرف عنها دليل قطعي كما في الآيات التي يشعر ظواهرها بالجهة والجسمية ونحو ذلک، لا يقال: ليست هذه من النص بل من المتشابه، لأنّا نقول: المراد بالنص هاهنا ليس ما يقابل الظاهر والمفسر والمحكم، بل ما يعم أقسام النظم على ما هو المتعارف۔

(فالعدول عنها) أي عن الظواهر (إلى معان يدعيها أهل الباطن) وهم الملاحدة وسموا الباطنية لادعائهم أن النصوص ليست على ظواهرها بل لها معان باطنة لا يعرفها إلا المعلم وقصدهم بذلک نفي الشريعة بالكلية (إلحاد) أي ميل وعدول عن الإسلام واتصال واتصاف بكفر، لكونه تكذيباً للنبي عليه السلام فيما علم مجيئه به بالضرورة۔

وأما ما يذهب إليه بعض المحققين من أن النصوص محمولة على ظواهرها ومع ذلک ففيها إشارات خفية إلى دقائق تنكشف على أرباب السلوک يمكن التطبيق بينها وبين الظواهر المرادة فهو من كمال الإيمان ومحض العرفان۔

(ورد النصوص) بأن ينكر الأحكام التي دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسنة كحشر الأجساد مثلاً (كفر) لكونه تكذيباً صريحاً لله تعالى ورسوله عليه السلام، فمن قذف عائشة بالزنا كافر۔

ترجمہ: اور کتاب وسُنت کی نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول کی جائیں گی، جب تک کوئی دلیلِ قطعی ان سے نہ پھیرے جیسا کہ ان آیات میں جو بظاہر جہت اور جسمیت وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں یہ نہ کہا جائے کہ یہ (آیات) نصوص کے قبیل سے نہیں ہیں۔ بلکہ متشابہ میں سے ہیں۔ اس لئے کہ ہم

کہیں گے کہ یہاں نصوص سے مراد وہ معنی نہیں جو ظاہر اور مفسر اور محکم کے مقابل ہے۔ بلکہ ایسا معنی مراد ہے۔ جو نظم کی تمام اقسام کو شامل ہے، جیسا کہ یہی متعارف ہے اور ان ظاہری معانی سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا (پھر جانا) جن کا اہلِ باطن یعنی ملاحدہ دعویٰ کرتے ہیں اور جنہیں باطنیہ کہا جاتا ہے ان کے دعویٰ کرنے کی وجہ سے نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان کے باطنی معانی ہیں۔ جنہیں معلم ہی جانتا ہے اور ان کا مقصد اس سے شریعت کی بالکلیہ نفی کرنا ہے۔ الحاد یعنی اسلام سے انحراف اور کفر سے لگاؤ ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ان باتوں میں تکذیب ہے جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا لانا یقینی طور پر ثابت ہے۔ رہی وہ بات جس کی طرف محققین گئے ہیں کہ نصوص اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں۔ اس کے باوجود ان میں ایسے دقائق کی طرف مخفی اشارات ہیں جو کہ اربابِ سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان دقائق اور ظاہری مرادی معانی کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ تو یہ کمالِ ایمان اور خالص عرفان کی بات ہے۔ اور نصوص کو رَد کرنا بایں طور کہ ان احکام کا انکار کیا جائے۔ جن پر کتاب وسُنت کے نصوصِ قطعیہ دلالت کرتے ہیں، مثلاً حشرِ اجساد (کا انکار کرنا) کفر ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صریح تکذیب ہے تو جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے وہ کافر ہے۔[1]

اسی طرح بعض صوفیہ وجودیہ نے بعض نصوص سے توحید کو اس طرح استنباط کیا ہے۔

آیاتِ کریمہ یہ ہیں کہ:

۱۔ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید ۳) یعنی وہی ظاہر وہی باطن۔

---

[1] (شرح العقائد النسفیة، ج ۱، ص ۹۶، مکتبة أهل السنة والجماعة)

۲۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الأنفال۱۷) یعنی اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

۳۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح۱۰) یعنی ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

۴۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللّٰہ فَوْقَ کل شیء، الخ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے فوق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے قبل ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بعد ہے۔

اہلِ سُنت وجماعت کے علماء کرام خاص طور پر صوفیہ محققین نے ان نصوص سے توحید کے معنی نہیں لئے ہیں۔ اُن سالکین کے لئے کہ جن کے لئے سلوک کے راستے میں توحید کے معنی مکشوف ہوتے ہیں جس سے سالکین اشتباہات میں پڑ جاتے ہیں اور اس کو سمجھ نہیں پاتے تو ان کے لئے جو اَمر سب سے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اہلِ سُنت وجماعت کی کُتب کی روشنی میں اپنے عقائد کو کما حقہٗ درست کریں اور اس پر مضبوطی سے قائم رہ کر عمل کرتے رہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ واحد ولا شریک ہے اس ذات نے نہ تو کسی میں حلول کیا ہے اور نہ ہی سریان اور اس کے مخالف عقیدہ رکھنا شرک ہے کیونکہ یہ عقیدہ حلولیہ فرقے کا ہے وہ کہتے ہیں کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حلول کیا ہے یا جس طرح نصاریٰ کہتے ہیں کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں حلول کیا ہے۔ تصوف اس چیز کے لئے نہیں ہے کہ انسان جو چیز بھی کشف میں دیکھے اسی پر عمل کرتا پھرے بلکہ سالک کشف میں جو کچھ بھی دیکھے اسے چاہیئے کہ اسے اہلِ سُنت وجماعت کے عقائد کی کُتب کے مطابق ڈھالے کہ آیا اس کا کشف اہل سنت وجماعت کے عقائد کی کُتب کے عین مطابق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اس کو

یکسر رَد کر دینا چاہیئے، اور صوفیہ وحدت الوجودی نے جو اس طرح کی باتیں کی ہیں وہ سُکر کی حالت پر محمول ہیں۔

وہ سالکین جن پر راہِ سلوک میں توحید کے معنی مکشوف ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل اشتباہات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

ا۔ صوفیہ وحدت الوجودیہ حق تعالیٰ وتقدس کے احاطۂ علمی کو اس کا احاطۂ ذاتی سمجھتے ہیں اور اسلام کو مظہرِ اسم ہادی اور کفر کو مظہرِ اسمِ مضل سمجھتے ہیں۔یعنی جس طرح روشنی واضائت آفتاب کی پسندیدہ ہے مگر یہ آفتاب کے اختیار میں نہیں ہے بالا یجاب ظہور سے پیوستہ ہے۔ صوفیہ وحدت الوجودیہ کی ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم الہادی سے ہدایت ایجاب کی راہ پر ہے اور اختیار کے بغیر ضلالت و گمراہی ہے۔اسم المضل سے حق تعالیٰ وتقدس کے ارادے سے بغیر ظہور پذیر ہوتا ہے ان کا یہ قول بھی سُکر ہی کی وجہ سے ہے۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایک صفت علم ہے جس نے ساری مخلوقات کا احاطہ کیا ہوا ہے جبکہ صوفیہ توحیدِ وجودیہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات نے ساری مخلوقات کا احاطہ کیا ہوا ہے یعنی ہم اسے احاطۂ علمی اور وہ اسے احاطۂ ذاتی سمجھتے ہیں۔ان عقائد کا سیکھنا اور جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اگر کوئی سالک کسی وقت صوفیہ وحدت الوجودیہ کی کسی کتاب کا مطالعہ کرے تو اسے یہ فرق معلوم ہو اور اس سے یہ کسی قسم کے شکوک وشبہات میں نہ پڑے اور اس کا ذہن اہل سنت وجماعت کے عقائد کی کُتب اور مکتوبات شریف کی طرف مبذول ہو جائے کہ ہمارا عقیدہ ایسا ہے اور یہ کہ صوفیہ وحدت الوجودیہ کے سُکر کی کیفیات ہیں۔

۲۔ ہر انسان کے بدن میں روح موجود ہے جو کہ بیچون ہے اور ہم اس کا دَرک اور احساس نہیں کر سکتے کہ یہ کیا چیز ہے۔ صوفیہ وحدت الوجودیہ رُوح کی بیچونی کو حق تعالیٰ وتقدس کی بیچونی کی طرح سمجھتے ہیں۔یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بیچون وبیچگون ہے رُوح بھی اسی طرح بیچون وبیچگون ہے۔ لیکن اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بیچونی وبیچگونی جُدا ہے اور رُوح کی بیچونی وبیچگونی جُدا۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خالق اور روح مخلوق ہے ہم رُوح کی بیچونی کو حق تعالیٰ وتقدس کی بیچونی کے ساتھ مشابہت نہیں دیتے اس لئے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات، حمد وثنا اور اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نیز صوفیہ وحدت الوجودیہ حق تعالیٰ وتقدس کو سارے عالَم میں ساری (سرایت کیا ہوا) سمجھتے ہیں اور رُوح کے سَریان کو حق تعالیٰ وتقدس کا سَریان جانتے ہیں۔ اہلِ سُنت وجماعت کا عقیدہ ایک مثال کی مدد سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس طرح سورج اپنی جگہ پر موجود ہے مگر سورج کی شعاعیں درخت کے پتوں اور اس میں لگے ہوئے پھلوں پر پڑتی ہیں اور اس طرح درخت میں لگے ہوئے پھل کا رنگ، بُو اور مزہ سورج کی شعاعوں کی روشنی سے پک کر مٹھاس اور خوشبو پیدا کر لیتے ہیں بالکل اسی طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفت یا اس کے اسم کی تجلّی کی وجہ سے ہماری نشوونما ہوتی ہے اور ہمیں رُشد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس مثال سے کوئی اس طرح نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ وتقدس درخت میں موجود ہے یا اس ذاتِ مقدسہ نے درخت میں یا ہمارے بدن میں سریان کیا ہے۔(نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)

۳۔ اسی طرح حکماء یونان کہتے ہیں کہ استعداد اپنی مقتضاء کو چاہتا ہے یعنی اگر کوئی مسلمان ہے تو یہ اس کا مقتضا (خواہش) ہے اگر کسی کی اپنی خواہش ہی یہ ہے تو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) پھر اس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کیا کام ہے۔ یہ لوگ سراسر گمراہی اور غلطی پر ہیں۔ تو اسی بناء پر یہ لوگ اَلْحَاکِمُ

مَحْكُوْمٌ وَ الْمَحْكُوْمُ حَاكِمٌ یعنی ''حاکم محکوم ہے اور محکوم حاکم ہے'' کے کلمات پر تکلم کرتے ہیں۔ یعنی صوفیہ وجودیہ کا طائفہ اور حکماءِ یونان یہ فکر و خیال کرتے ہیں کہ استعداد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا محکوم (حکم دیا گیا) ہے۔ عینِ حال میں حاکم بھی ہوتا ہے اور اپنے مقتضا کو بھی چاہتا ہے۔ صوفیہ وجودیہ کے طائفہ اور حکماءِ یونان کی یہ گفتار مستلزمِ ایجاب یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بے اختیاری پر مُنجر ہوتی ہے۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ با اختیار ہے جس کو چاہے اسلام کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔

۴۔ طائفہٗ وجودیہ کبھی تو کاملین کی اَرواح کو جو کہ انوارِ قدم کا مظہر ہیں قدیم سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات اور حضراتِ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان کی اَرواح قدیم ہیں۔ جبکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ قدیم، ازلی اور ابدی صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے اور اَرواح کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اَرواح قدیم نہیں ہیں بلکہ انوارِ قِدم کا مظہر ہیں۔ ان سالکین کو چاہیئے کہ اس راہ میں ہمیشہ حق تعالیٰ وتقدس کے لئے مستغفر و ملتجی اور متضرع رہیں تاکہ سلوک کی راہ میں معنائے توحیدی کے گرداب سے گزر جائیں۔ اور وہ کشفیات جو کہ سلوک کی راہ میں ان کو نصیب ہوں وہ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے موافق ہو جائیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ نورانی مسالک حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کے حجب سے عبارت ہیں جبکہ ظلمانی حجب ممکنات اور قلبی و نفسی کدورات سے عبارت ہیں۔

مشائخِ عظام محبان یعنی سالکین کو ذِکر وریاضت اور اَوراد پر مامور کرتے ہیں۔ یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے مُریدین کو اسم اللہ کے ذکر کی تلقین فرماتے اور ریاضت یعنی فرائض، واجبات اور سُنت و مستحبات وغیرہ پر ان کو مامور کرتے اور اَوراد میں اللھم صَلِّ علیٰ

مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اللھم بَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۱۰۰ مرتبہ، اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۱۰۰ مرتبہ، اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۱۰۰ مرتبہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ۱۰۰ مرتبہ کی تلقین فرماتے ہیں۔ تاکہ ان کو ابتداء میں دینِ اسلام کے ساتھ محبت اور شوق وذوق پیدا ہو اور اس ذِکر وریاضت اور اَوراد سے ان کے نفوس مزکی اور مصفٰی ہو کر علو اور بلندی سے نیچے آکر عجز وانکساری کی راہ اختیار کر لیں۔ اور محبوبان کو مشائخِ عظام مراقبات کی تلقین فرماتے ہیں تاکہ وہ عالَمِ اَمر پر جذبہ پیدا کر کے جذباتِ انتہائی تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ سالکین کو ابتداء میں جذبۂ صوری اور انتہاء میں جا کر جذبۂ حقیقی میسر ہوتا ہے۔

ابتداء میں سالکین کے لطائف ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے بلکہ خلط ملط ہوتے ہیں جب شیخ اپنے مُرید پر توجہ فرماتا ہے تو مُرید اس توجہ کا اثر محسوس کرتا ہے مگر وہ اس میں فرق نہیں کر پاتا کہ اس کا کون سا لطیفہ چل رہا ہے یعنی کبھی اس کا قلب، کبھی رُوح، کبھی سِر، کبھی خفی اور کبھی اخفٰی چلتا ہے اس کو یہ پتا نہیں چلتا کہ اس کے کون سے لطیفہ میں ذِکر چل رہا ہے۔ ایسے سالکین محبان میں سے ہوتے ہیں نہ کہ محبوبان میں سے۔ یعنی جو سالکین نہ تو اپنے لطائف میں فرق وامتیاز کر سکتے ہوں اور نہ ہی ہر لطیفہ کی کیفیت کا جُدا جُدا احساس نہ کر سکتے ہوں اور نہ ہی تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس تک پہنچے ہوں اور نہ ہی اپنے مبدأ فیض (اسمِ مُربی) پر مشرف ہوں ان کو اربابِ قلوب کہتے ہیں۔ اور جو سالکین اپنے لطائف میں فرق وامتیاز کر لیں اور تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی نعمت پر مشرف ہو جائیں اور اپنے مبدأ فیض تک رسائی حاصل کر لیں ان کو منتہی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان منتہی عرفاء کی رُوح عروج میں ہوتی ہے اور ان کے نفس نزول فرما کر مخلوق کی ارشاد وہدایت میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ

طائفہ بھی منتہی فی الجملہ ہوتے ہیں اور حقیقی منتہی وہ ہوتا ہے جس کے رُوح اور نفس دونوں نے نزول کیا ہو۔

قلب کے مقام سے اوپر رُوح ہے جب تک سالک رُوح کے مقام تک نہ پہنچ جائے وہ نہ تو جذبۂ صُوری سے رہائی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی جذبۂ حقیقی تک پہنچ سکتا ہے اور جذبۂ حقیقی سَیر فی اللہ میں جا کر ہاتھ آتا ہے۔

سلوک میں جذبہ کے بغیر توحیدی علوم نہیں ہوتے یعنی سالک کو متعدد جگہوں میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نظر آنا راہِ سلوک کی نشانی ہے کہ اس سالک نے ابھی تک سلوک کا راستہ مکمل طور پر طے نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے عروض (فناء عارضی) محبت سے ہیں اور صاحبِ سلوک خالص یہ محبت نہیں رکھتا یعنی کچھ عرصہ کے لئے اس کی محبت ہوتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے۔ جذبۂ بدایت جو کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے علومِ توحیدی کا محلِ عروض ہے یعنی جب شیخ اپنے مُرید پر توجہ فرماتا ہے تو اس توجہ کے اثر سے مُرید کی کیفیت اور شوق وذوق زیادہ ہو جاتا ہے مگر یہ شوق وذوق اور علومِ توحیدی کی کیفیت عارضی ہوتی ہے اس کی وجہ ہے کہ اس کے ابتدائی جذبہ میں محبت ہوتی ہے اور سالک محبت کے غلبہ کے واسطہ سے عالمِ اَمر اور عالمِ وجوب میں فرق وامتیاز نہیں کر سکتا اور ممکن کو بہ عنوانِ وجوب سمجھتا ہے یعنی رُوح جو کہ ممکنات سے ہے تو جب یہ اپنی رُوح کو دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ ہے اور اس طرح یہ ممکن اور واجب میں فرق نہیں کر پاتا۔ مگر جذبۂ منتہی میں علوم توحیدی وجود نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ منتہی سالک صاحبِ تمیز وبصیرت ہوتا ہے جو واجب کا ممکن سے امتیاز کر سکتا ہے اور عالمِ وجوب کی نُورانیت کو دیکھتا ہے جو امکان کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتی۔

جذبہ محبوبیت پر مبنی ہے اور محبوبیت دو قسم پر ہے:

اوّل: محبوبیتِ ذاتی دوم: محبوبیتِ عرضی

محبوبیتِ ذاتی محمدی المشربان کا خاصہ ہے اور محبوبیت عرضی کی تین اقسام ہیں:

ا۔ جو سالک محمدی المشرب نہ ہو مگر سُنت کی کامل و مکمل اتباع کرتا ہو ایسا سالک محبوبیتِ ذاتی تو نہیں رکھتا مگر سُنت کی کامل و مکمل اتباع کی وجہ سے یہ محبوبیتِ عارضی پیدا کر لیتا ہے لہٰذا اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔

۲۔ وہ سالک جو سلوک کے واسطہ سے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی نعمت پر مشرف اور مرتبۂ منتہا پر پہنچ چکا ہو یہی تصفیہ و تزکیہ اس سالک کے جذب کا سبب ہوتا ہے جس سے یہ محبوبیتِ عارضی پر مفتخر ہو جاتا ہے۔

۳۔ وہ سالکین جو خود اپنی ذات میں محمدی المشرب نہ ہوں مگر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے ہوں تو اس طریقۂ عُلیہ کی برکت سے جو کہ محبوبان کا طریق ہے محبوبیتِ عارضی پیدا کی ہوتی ہے۔ تو اسی بناء پر اس طائفہ کا جذبہ بھی ان کے سلوک پر مقدم ہوتا ہے اگرچہ وہ محمدی المشرب نہ بھی ہوں۔

جذبہ کی دو اقسام ہیں: ایک جذبۂ بدایت ہے اور دوسرا جذبۂ نہایت۔

جذبۂ بدایت سلوک سے قبل ہاتھ آتا ہے اور یہ نقشبندیوں کا خاصہ ہے کہ جس وقت شیخ سلوک میں قدم رکھنے والے سالک پر توجہ فرماتا ہے تو اس کا دین کے ساتھ شوق وذوق پیدا ہو جاتا ہے اور جذبۂ نہایت سلوک کو طے کرنے کے بعد سیر فی اللہ میں میسر ہوتا ہے یہ جذبہ تمام طرق میں موجود ہے۔

جذبہ کے لحاظ سے سالکین کی چار اقسام ہیں:

اوّل: محمدی مشرب صاحبِ جذبہ ہوتا ہے۔

دوم: وہ سالک جو بہت ہی زیادہ سُنت کا تابع اور پابند ہو، اگرچہ محمدی مشرب نہ ہو، مگر اس کا جذبہ مقدم ہوتا ہے۔

سوم: وہ سالک جو تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی کیفیت کو پالے صاحبِ جذبہ ہو جاتا ہے۔

چہارم: وہ سالک جو طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہو جائے اس کا جذبہ مقدم ہوتا ہے اگرچہ یہ محمدی المشرب نہ بھی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ سلوک نامکمل کردہ مجذوب اگرچہ جذبِ قوی رکھتے ہیں، اور جس راہ سے بھی اُن کو کھینچا جائے، اربابِ قلوب کے گروہ میں داخل ہیں اس لئے کہ ان کے لطائف نے ابھی بھی اپنے اندر فرق وامتیاز کو نہیں سمجھا۔ یعنی ان کی رُوح اور نفس ابھی تک جُدا جُدا نہیں ہوئے۔ جس وقت تک سالک اپنے مبدأ فیض کو نہ پہنچے اس کا نفس اس کی رُوح سے امتیاز وفرق نہیں کر پاتا اور وہ اربابِ قلوب میں سے ہوتا ہے اور مقلبِ قلب کے ساتھ واصل نہیں ہوتا۔ یعنی نہ تو اپنے قلب کو بُرائیوں سے موڑ سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے قلب کو۔ اس کی کیفیت ایک دن ایک قسم اور دوسرے دن دوسری قسم کی ہوتی ہے۔ مقلب القلوب کے ساتھ واصل وہ سالک ہوتا ہے جو اپنے قلب کو بھی بُرائیوں سے موڑے رکھے اور اس کی توجہ سے دوسرے سالکین بھی برائیوں سے منہ موڑ کر نیکی کی جانب مائل ہو جاتے ہوں۔ مقلبِ قلب سے مراد سالک کا اسمِ مُربی ہے، مشہود مجذوبان کثرت کے پردے میں اربابِ قلوب ہیں یعنی ان کا مشہود ممکنات اور عالمِ اَرواح ہے اور عالمِ اَرواح فی الجملہ صاحبِ بیچونی ہیں اور عالمِ وجوب کے ساتھ فی

الجملہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض سالکان سلوک کی اس راہ میں رُوح کو بہ عنوانِ واجب دیکھتے ہیں اور نیز مبتدیوں کے اس طائفہ کی محبت، محبتِ عرضی ہے نہ کہ محبتِ ذاتی۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ و تقدس کی محبت اور جذبہ رُوح کا خاصہ ہے اور یہ مبتدی لوگ ابھی بھی خالص رُوحی جذبہ تک نہیں پہنچے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "صحبتِ شیخ کی موجودگی میں راہِ سلوک کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذِکر کی حاجت نہیں، الخ" یعنی اگر سالک اپنے شیخ کی صحبت و مجلس میں موجود ہو تو سالک کو کسی قسم کا ذِکر واذکار، نفی اثبات اور درود شریف وغیرہ کا تکرار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ سالک کو چاہیئے کہ خاموشی اختیار کرتے ہوئے اُن توجہاتِ عالیہ کی طرف متوجہ رہے جو اس کے شیخ کے سینۂ اقدسہ سے منعکس ہو کر اس کے قلب یا روح یا کسی دوسرے لطیفہ میں سما رہی ہیں۔

[اور اگر اس طرح کے شیخِ مقتداء کی صحبت کے شرف سے مشرف نہ ہوا تو اگر یہ سالک مُرادوں میں سے ہو گا تو اُسے اپنی طرف کھینچ لیں گے اور محض عنایتِ بے غایت سے اُس کے کام کو پورا کر دیں گے۔ اور جو شرط یا اَدب درکار ہو گا اُسے بتا دیں گے۔ اور منازلِ سلوک طے کرنے میں بعض اکابر کی رُوحانیات کو اُس کی راہ کے وسائل و ذرائع بنا دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق راہِ سلوک طے کرنے میں مشائخ کی رُوحانیات کا واسطہ درکار ہوتا ہے۔

اور سالک اگر مُریدوں میں سے ہو تو شیخِ مقتداء کے وسیلہ کے بغیر اُس کا چلنا خطرے سے خالی نہیں۔ شیخِ کامل سے ملاقات اور اُس کی صحبت نصیب ہونے تک چاہیئے کہ طالبِ صادق حق سبحانہٗ کی بارگاہ میں التجا وزاری کرتا رہے کہ اے اللہ! شیخِ مقتداء سے ملا دے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ راستے

کی شرائط کو لازم جانے۔ شرائط مشائخِ طریقت کی کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں، وہاں سے ملاحظہ کر کے اُن کی رعایت کرے۔

راہِ طریقت کی شرائط میں سے بڑی شرط نفس کی مخالفت ہے۔ اور یہ مخالفت مقامِ ورع و تقویٰ کی رعایت کرنے پر موقوف ہے۔ اور یہ مقامِ وَرع و تقویٰ حرام کاموں سے بچنے سے عبارت ہے۔ اور حرام اشیاء سے بچنے کی اُس وقت تک کوئی صورت نہیں جب تک سالک فضول مباحات سے اجتناب نہ کرے۔ کیونکہ مباحات کے اِرتکاب میں نفس کی لگام ڈھیلی رکھنا مشتبہ اُمور تک پہنچا دیتا ہے۔ اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے، اور اس طرح حرام میں مبتلا ہو جانے کا احتمال بڑا قوی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من حام حول الحمی یوشک أن یقع فیه۔

ترجمہ: جو شخص چراہ گاہ کے اِرد گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ اُس کے اندر داخل ہو جائے۔[1]

پس محرمات سے اجتناب، فضول مباحات سے اِجتناب پر موقوف ہے۔ لہٰذا ورع و تقویٰ کے حصول کے لئے فضول مباحات سے اِجتناب کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔

ترقی اور عروج ورع اور تقویٰ سے وابستہ ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں: اوامر کو بجالانا اور نواہی سے بچنا۔ اَوامر کے بجالانے میں فرشتے بھی انسان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور صرف اَوامر کے بجالانے سے ترقی واقع ہوتی تو فرشتے بھی ضرور ترقی کرتے۔ اور نواہی سے بچنا فرشتوں میں نہیں۔ کیونکہ وہ فطرتاً گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، مخالفت کی مجال نہیں رکھتے۔ تاکہ انہیں روکنے کی ضرورت پیش آئے۔ تو اس سے لازم آیا کہ ترقی اس جزوِ دوم سے وابستہ

---

[1] (حَاشِيةُ الشِّهَابِ عَلَى تفْسيرِ البيضَاوِي، ج ا، ص ۲۰۲، دار النشر: دار صادر - بيروت)

ہے۔ اور یہ اجتناب سراسر مخالفتِ نفس کا نام ہے۔ کیونکہ شریعت خواہشاتِ نفسانی کو دور کرنے اور تاریک اور غلط رسوم کو دَفع کرنے کے لئے وارد و نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ نفس کی طبیعت کا تقاضا یا حرام کا ارتکاب ہوتا ہے یا فضول کا اختیار کرنا جو انجامِ کار حرام تک پہنچا دیتا ہے۔ پس حرام اور فضول سے بچنا عین مخالفتِ نفس ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اَوامر کی بجا آوری میں بھی نفس کی مخالفت ہے۔ کیونکہ نفس نہیں چاہتا کہ عبادات میں مشغول ہو، لہٰذا اوامر کا بجالانا بھی ترقی کا مستلزم ہے۔ اور ملائکہ میں چونکہ بجا آوری میں بھی مخالفت مفقود ہے، اس لئے وہ ترقی کا باعث نہیں۔ لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ادائے عبادات میں نفس کی عدمِ رضا اس وجہ سے ہے کہ وہ فراغت کا طالب ہے۔ نہیں چاہتا کہ اپنے آپ کو کسی چیز سے مقید کرے اور یہ فراغت اور بے قید رہنا حرام یا کم از کم فضول میں داخل ہے۔ پس اَوامر کے بجالانے میں بھی نفس کی مخالفت اس حرام یا فضول سے اجتناب کی بناء پر ہے۔ نہ صرف ادائے اَوامر کی بناء پر جو فرشتوں کو حاصل ہے، لہٰذا قیاس بالکل درست ہے۔ اس لئے ہر وہ طریقہ جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے، حق جلّ وعلا تک پہنچانے میں سب طریقوں سے زیادہ قریب ہوگا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مخالفتِ نفس کی رعایت میں طریقہ عُلیہ نقشبندیہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے اور رُخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ عزیمت میں دونوں جزؤں (حرام اور فضول سے اجتناب) کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ بخلاف رُخصت کے کہ اس میں صرف حرام سے اِجتناب ہے۔

اگر کہا جائے ہو سکتا ہے کہ دوسرے طریقوں نے بھی عزیمت کو اختیار کیا ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ اکثر طریقوں میں سماع ورقص کا جواز تسلیم کیا گیا ہے، جس کی نوبت حیلہ ہائے بسیار کے بعد صرف

رُخصت تک پہنچتی ہے۔ اس عزیمت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے اسی طرح ذکرِ جہر کہ اس کا جواز بھی رُخصت کی حد تک ہی متصور ہو سکتا ہے۔ نیز دوسرے سلاسل کے مشائخ نے بعض حقانی نیتوں کے تحت نئے نئے اُمور جاری کئے ہیں جن کی نہایت درستی صرف رُخصت تک ہے۔ بخلاف اس سلسلۂ عُلیہ کے اکابر کے کہ یہ ایک بال برابر بھی سُنت کی مخالفت جائز نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے نئی چیزیں لانا اور پیدا کرنا روا نہیں رکھتے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اگر اس طرح کے شیخِ مقتداء کی صحبت کے شرف سے مشرف نہ ہوا تو اگر یہ سالک مُرادوں میں سے ہو گا اُسے اپنی طرف کھینچ لیں گے اور محض عنایتِ بے غایت سے اُس کے کام کو پورا کر دیں گے، الخ" یعنی بعض اوقات کوئی شخص کسی شیخ کا مُرید نہیں ہوتا مگر وہ شیخ جس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کام پر مامور کیا ہوتا ہے وہ اس شخص پر اپنے حضور میں یا غائبانہ طور پر توجہ فرما دیتا ہے اور یہ شیخ اس سے یہ نہیں کہتا کہ تم میرے مُرید بن جاؤ بلکہ حق تعالیٰ وتقدس اس شیخ کی توجہ کی برکت سے اس شخص پر اپنا فضل وکرم کر دیتا ہے جس طرح ہر روز سورج طلوع ہوتا ہے اور اس کی شعاعوں سے ہر نیک وبَد دونوں ہی مستفید ہوتے ہیں یعنی اس سورج کی شعاعیں ہر مطیع وعاصی پر ایک ہی طرح سے پھیلے ہوئے ہوتی ہیں۔ اس طرح نہیں ہوتا کہ سورج مطیع کو تو اپنی شعاعوں سے مستفید کرے مگر عاصی کو اس سے محروم رکھے۔ بالکل اسی طرح جس ولی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مامور کیا ہوتا ہے اس کی توجہات بھی سب کے لئے ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں یعنی بعض لوگ تو اس ولی سے اخذِ فیض زیادہ کر لیتے ہیں اور بعض کم۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے دُنیا میں ہر وقت تین سو تیرہ (۳۱۳) اولیاء کرام موجود رہتے ہیں جن کے سینوں سے سورج کی شعاعوں کی طرح فیوض وبرکات اور انوارات منعکس ہوتے رہتے ہیں۔ تو سالکین کو چاہیئے کہ ہر وقت یہ دُعا کریں کہ وہ تین سو تیرہ (۳۱۳) اولیاء کرام جو دُنیا کے جس کونے میں بھی موجود ہیں یا اللہ اُن کی رُوحانیات کے ساتھ میری رُوح کو آشنا فرما اور جو فیوض وبرکات اور اَنوارات اُن کے سینوں سے پھیلتے ہیں مجھے اُن میں سے حصہ دار بنا۔ اس کے بارے میں تفصیل اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالیٰ آگے آنے والی ہے کہ کون سے لوگ زیادہ فیض اخذ کرسکتے ہیں اور کون کم۔

[پس نفس کی مخالفت اس طریقہ میں بدرجہ اَتم ہے، لہٰذا یہی طریقہ سب طریقوں سے اَقرب ہے۔ اس لئے طالب کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا اولیٰ اور اَنسب ہے۔ کیونکہ یہ نہایت قریب ترین راہ ہے اور اِن بزرگوں کا مطلوب و مقصود بھی کمالِ بلندی پر واقع ہے۔ اِن نقشبندی بزرگوں کے متاخرین خلفاء کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے طور واطوار چھوڑ کر بعض نئ باتیں اِس طریقہ میں نکال لی ہیں اور سماع ورَقص اور ذکرِ جہر اختیار کرلیا ہے۔ اس کا منشاء اس بزرگ خانوادہ کے اکابر کی نیتوں کی حقیقت تک نہ پہنچنا ہے۔ اِن متاخرین کا خیال ہے کہ محدثات اور مبتدعات سے اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کررہے ہیں، نہیں بلکہ اس طرح یہ اس طریقہ کی تخریب اور اسے ضائع کرنے میں کوشاں ہیں۔

وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (الأحزاب ۴)

ترجمہ: اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان نقشبندی بزرگوں کے متاخرین خلفاء کی ایک جماعت نے اِن بزرگوں کے طور واطوار کو چھوڑ کر بعض نئ باتیں اس طریقہ میں نکال لی ہیں اور سماع ورقص اور ذِکرِ جہر اختیار کر لیا ہے، الخ" یعنی اگر کوئی پیر یا صوفی مکتوبات شریف کے خلاف کوئی بھی عمل کرے جیسا کہ دورِ حاضر میں یہ عمل بڑی تیزی کے ساتھ جاری وساری ہے کہ خود کو نقشبندی کہتے ہوئے جہری ذِکر یا سماع ورَقص کرتے نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر اس طریقہ کے فیوض وبرکات کے دروازے بند ہیں کیونکہ یہ شخص سُنت کی خلاف ورزی اور اس طریقہٗ عُلیہ کی خلاف ورزی میں مصروفِ عمل ہے۔ اگرچہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں تو اس طریقہ عُلیہ میں اصلاحات کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں یا لوگوں میں محبت اور شوق وذوق پیدا کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں لیکن اس کے بارے میں اس کی کوئی بات اور دلیل قابلِ قبول نہیں ہے، کیونکہ یہ اس طریقہٗ عُلیہ کی تکمیل نہیں بلکہ اس میں خرابیاں پیدا کرنے کے دَرپے ہیں۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذتھم و لا ھل بیتھم اجمعین أمین

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۷

[حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادرِ حقیقی حقائق آگاہ میاں غلام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف صادر فرمایا: جذبہ اور سلوک اور اُن کے معارف کے بیان میں جو ان دو مقاموں کے مناسب ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ وَ خَتَمَھُمۡ بِأَفۡضَلِھِمۡ وَ اَکۡمَلِھِمۡ مُحَمَّدِ ۣ الَّذِیۡ جَاءَ بِالصِّدۡقِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبۡحَانَہٗ وَ بَرَکَاتُہٗ وَ تَحِیَّاتُہٗ عَلَیۡہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ عَلَیۡھِمۡ وَ عَلٰی مَنۡ تَابَعَھُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ اٰمِیۡن

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اُس کی ہدایت دی۔ اور ہم ہدایت یافتہ نہ ہوسکتے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا، بے شک اُس کے تمام رسول علیہم السلام حق لے کر تشریف لائے، اور نبیوں علیہم السلام کے سلسلہ کو اُن کے افضل واکمل نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر جو سچا دین لے کر تشریف لائے، ختم فرمایا۔

صلوات اللہ سبحانہٗ وبرکاتہٗ وتحیاتہٗ علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم وعلیٰ من تابعہم اجمعین الیٰ یوم الدین، اٰمین

جب یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ طالبانِ طریقت کی ہمت اور پستیٔ فطرت اور شیخ کامل مکمل کی صحبت نصیب نہ ہونے کے باعث راہِ طویل اور مطلبِ بلند کو چھوٹے راستے اور پست مقصد میں پڑ کر نیچے لے آئے ہیں۔ اور راستے میں جو بھی حقیر اور معمولی چیز اُنہیں میسر آئی اُسی پر کفایت کرلی اور اُسی کو اپنا مقصد گمان کرلیا۔ اور اپنے آپ کو اتنا کچھ حاصل ہونے پر کامل ومنتہی خیال کرتے ہوئے منتہی حضرات اور واصلانِ درگاہ کو اُن حالات کے بیان فرمانے پر جو انہیں انجام کار اور نہایت پر جاکر

میسر آتے ہیں، اس پست فطرت جماعت نے قوتِ متخیلہ کے غلبہ کے باعث اُن احوالِ کاملہ کو اپنے احوالِ ناقصہ سے مطابق کیا ہے۔ یہ تو وہ قصہ ہوا۔ مصرع:

بخواب اندر مگر موشے شتر شد

ترجمہ: خواب میں چوہا اُونٹ بنا ہوا نظر آیا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں مُرشدین اور سالکینِ وقت کی کم ہمتی، عدمِ بصیرت اور استعداد کی پستی پر بحث فرمائی ہے۔

کم ہمت سالکینِ طریقت سیر و سلوک کو ایک کوتاہ منزل سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس کے وصول کو ایک تجلی کا شہود اور تمثال فکر کرتے ہوئے اس پر قناعت کر لیتے ہیں اور ظلی تجلیات و تمثالاتِ متنوعہ (یعنی مختلف اقسام کی مثالوں) پر اکتفا کر کے اپنے آپ کو اس ظلال کے شہود سے کامل و مکمل سمجھ بیٹھتے ہیں اس طرح ان لوگوں نے اپنی اس ناقصانہ روش سے سیر و سلوک کی اس راہ میں بعض سالکینِ حق کی استعداد کو ضائع کر دیا ہے۔

جو شیخ تصوف کی راہ میں بہت ہی چھوٹی چیز پر قناعت کر بیٹھے تو ایسا شیخ مستعد سالک کی استعداد کو ضائع کر دیتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو قتل کرے تو اس قاتل پر یا تو قصاص ہے اور یا پھر دِیت۔ اسی طرح جو شیخ کسی سالک کی استعداد کو ضائع کر کے اس کے ایمان میں رخنہ ڈالے تو یہ اس سالک کو اَبدی موت کی نیند سُلانا اور اس کو برباد کرنا ہے۔ تو سوچنے کی بات ہے کہ ایسے شیخ کا کیا حال ہو گا۔ حق تعالیٰ و تقدس ہمیں اپنے مُریدین کی استعداد ضائع کرنے سے محفوظ فرمائے۔

[ان کم ہمت لوگوں نے نہایت گہرے سمندر سے ایک قطرے بلکہ صورتِ قطرہ اور دریائے عمان سے ایک چھینٹے بلکہ صورتِ چھینٹے پر قناعت کرلی ہے۔ چون کو بے چون تصور کرتے ہوئے بے چون کو چھوڑ کر چون کے ساتھ آرام پذیر ہو گئے ہیں۔ مثل کو بے مثل خیال کرتے ہوئے بے مثل ذات کو بھلا کر مثل پر فریفتہ ہو چکے ہیں۔ ان کے بر عکس اُس جماعت (عوام مسلمین) کے حالات جو تقلید سے بے چون ذات پر ایمان لائے ہیں اور بے مثل ذات کے گرویدہ ہو چکے ہیں، ان نا تمام سلوک والوں اور سراب کے ساتھ آرام پکڑنے والے تشنہ لبوں کے حالات سے کئی مرتبے بہتر ہیں۔ محق (حق بجانب) اور مبطل (باطل کنندہ) اور مصیب (کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے والا) کے درمیان بہت فرق ہے۔ ان مطلب نارسیدہ طالبوں پر افسوس جو محدث کو قدیم اور چون کو بے چون خیال کرتے ہیں۔ اگر ان کے کشفِ غیر صحیح پر انہیں معذور قرار نہ دیا گیا اور اس خطا اور غلطی پر ان کا مؤاخذہ کیا گیا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (البقرة ٢٨٦)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

نارسیدہ طالب کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کعبہ جانے کا طالب ہوا اور شوق سے اُس کی طرف پہنچنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اتفاق سے راستہ میں اُسے خانہ کعبہ کی مثل ایک مکان نظر آیا۔ اگرچہ وہ مشابہت صرف صورت میں ہے، اُس شخص نے خیال کیا کہ یہی مکان کعبہ ہے اور وہ وہاں معتکف ہو گیا۔

اس کے بر عکس دوسرا شخص جس نے واصلانِ کعبہ سے کعبہ کے خواص معلوم کرکے اُس کی تصدیق کی ہو تو اُس شخص نے اگرچہ طلب کا کوئی قدم بھی کعبہ کی طرف نہیں اُٹھایا، لیکن اُس نے غیر

کعبہ کو کعبہ نہیں سمجھا اور اپنی تصدیق میں سچا ہے اُس کا حال خطاء میں مبتلا ہو جانے والے مذکورہ طالب سے بہتر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس جماعت (عوام مسلمین) کے حالات جو تقلید سے بے چون ذات پر ایمان لائے ہیں، الخ" یعنی طبقہ عوام اور علماءِ ظواہر کے احوال جنہوں نے ابھی تک راہِ سلوک میں قدم نہیں رکھا مگر بیچونِ حقیقی پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ان لوگوں نے عقائد کی کُتب سے جو عقائد سیکھے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہیں اور اسی کی تقلید کرتے ہیں ان کے احوال ان نارسیدہ صوفیہ سے بہتر ہیں کیونکہ یہ احباب ان نارسیدہ صوفیہ کی طرح یہ تو نہیں کہتے کہ ہم نے کشف و شہود میں فلاں فلاں بات اس طرح دیکھی ہے اور ہمارا اسی پر عقیدہ ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ طبقہ عوام اور علماءِ ظواہر نے غیر مقصد کو مقصد نہیں جانا اور ان کا عقیدہ کامل ہے جبکہ ناقص اور نارسیدہ صوفیہ نے غیر مقصد کو مقصد سمجھا ہے اور یوں راہِ حقیقت اور اصل مقصد سے انحراف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تو اس بناء پر طبقہ عوام اور علماءِ ظواہر کے احوال ان خام صوفیہ کے احوال سے فضیلت رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان مطلب نارسیدہ طالبوں پر افسوس، الخ" یعنی ان لوگوں نے ظلی تجلی کو جو کہ حادث تھی اور دارائے چندی و چونی ہے بیچون سمجھ لیا ہے۔ جبکہ اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو چیز حادث ہوتی ہے وہ بیچون نہیں ہو سکتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر اِن کے کشف غیر صحیح پر انہیں معذور قرار نہ دیا گیا، الخ" یعنی اگر ان صوفیہ کو خطائے کشفی پر معذور نہ سمجھا گیا تو ان کی

عاقبت قابلِ تشویش ہوگی کہ آیا آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس طرح کے صوفیہ کے بارے میں جو کہ حق تعالیٰ و تقدس کے عشق کی راہ میں زحمات ورنج کے متحمل ہوئے، فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے کشف میں غلطی کی ہے اور آخرت کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کی قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد کے ساتھ مطابقت نہیں ہے۔

ہم ان کے حق میں دُعائے نجات فرماتے ہیں کہ:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (البقرة ٢٨٦)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

اور حال یہ ہے کہ جب راہِ حق کے سالکین دُعا کے لئے محتاج ہیں جن کے لئے راہِ حق میں وحدت الوجود کی کیفیت پیش آئی تو ہم اور آپ کیوں محتاج نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ نہ تو ہمارے پاس علمِ ظاہری ہے اور نہ ہی ہم نے تصوف میں صحیح قدم رکھا ہے، جس سے ہمیں علمِ باطنی کی کیفیات سے آگاہی حاصل ہوئی اور نہ ہی وحدت الوجوب کا علم رکھتے ہیں تو اس لئے ہم ہر لحظہ دُعا کے محتاج ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس سے مغفرت کے طلب گار ہیں۔ ہمیں اپنی عبادات اور ذِکر واذکار پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ حق تعالیٰ و تقدس کا حکم ہے کہ اسماء اللہ کے ساتھ ذکر کریں یا نفی واثبات کا ذکر کریں۔ بعض مُریدین اپنے مشائخ سے کہتے ہیں کہ میں ۱۰ یا ۲۰ سال سے ذکر واذکار کر رہا ہوں مگر اس کا کچھ اَثر مجھ پر ظاہر نہیں ہو رہا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آپ نے جتنا عرصہ بھی ذِکر واذکار کیا ہے آپ کو یہ اتنا عرصہ ذکر واذکار کی توفیق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے۔ اگر وہ ذاتِ مقدسہ آپ کو توفیق عطا نہ فرماتی تو آپ سارا دن خلافِ شریعت اُمورات کرنے میں

مصروف رہتے یہی اس کا اثر ہے کہ آپ ۱۰ یا ۲۰ سال سے ذکر واذکار کر رہے ہیں۔ اور اگر ان لوگوں کا اَثر سے مراد کشف ہے تو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس طرح طرح نارسیدہ صوفیہ سے طبقہٗ عوام اور علماء ظواہر بہتر ہیں کیونکہ یہ ناقص اور نارسیدہ صوفیہ نے غیر مقصد کو مقصد سمجھ لیا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُعا کریں کہ یا اللہ میں آپ کا امر بجالاتا ہوں اور میں ایسی کشفیات نہیں چاہتا ہوں جو میری ابدی موت اور بربادی کا سبب بن جائیں۔ بعض لوگ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مجالس میں اس وجہ سے آتے ہیں کہ ان کی مال ودولت اور جاہ وجلال زیادہ ہو جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے عقیدے اور ظن کے مطابق ان کے ساتھ یہ معاملہ کر دیتا ہے۔ حضراتِ اصحابِ صُفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو دن رات سرورِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمتِ اقدسہ میں موجود رہتے تھے اور انہوں نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا مگر اس کے باجود انہوں نے کبھی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مال ودولت اور جاہ وجلال کی خواہش نہیں کی بلکہ صرف اور صرف حق تعالیٰ وتقدس کی رضا کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمتِ اقدسہ میں رہے۔ مختصر یہ کہ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے طلب گار ہوں گے۔

حکایت

ایک فقیر ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر واذکار میں مشغول رہتا تھا ان کا ایک مرید بھی اکثر ان کے ساتھ رہتا تھا اور اسی طرح ذکر واذکار میں مشغول رہتا تھا کئی سالوں سے وہ ذکر واذکار میں مشغول تھے مگر ہر رات اس فقیر کو غیب سے یہ آواز آتی تھی کہ آپ جو یہ ذکر واذکار کر رہے ہیں یہ حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے اس فقیر کے مُرید کو بھی یہ آواز سنائی دیتی تھی۔ غور

طلب بات ہے کہ ایک تو یہ فقیر ذکر واذکار کرتا تھا اور دوسرا اس کو کشف و شہود کی کیفیت بھی میسر تھی ان کے مُرید نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت آپ دن رات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور پھر بھی آپ کو یہ آواز آتی ہے کہ آپ کا یہ ذکر واذکار کرنا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ومقبول نہیں ہے۔ تو مُرید کی یہ بات سُن کر اس کے شیخ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اور کہا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ میرا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اگر وہ میرا یہ ذکر واذکار اپنی بارگاہ میں قبول نہیں فرماتا تو میں اس سے زبردستی تو قبول نہیں کروا سکتا ہوں بلکہ میں صرف اس بات پر مامور کیا گیا ہوں کہ میں اس ذاتِ مقدسہ کی پاکی بیان کرتا رہوں چاہے وہ قبول فرماتا ہے یا نہیں۔ تو اس لئے ہم بھی اس بات پر مامور ہیں کہ ہمہ وقت ذکر واذکار، شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کی تابعداری کرتے ہوئے کسی شیخِ کامل و مکمل سے بیعت کریں کیونکہ یہ کشف و شہود اس راہِ سلوک کے مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ اس راہ کا مقصدِ اعلیٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

[ہاں! اُس طالب کا حال جو اپنے مطلب تک نہیں پہنچا، لیکن غیر مطلب کو مطلب بھی نہیں جانا، مقلدِ محق سے جس نے مطلب کے راستے کی طرف قدم نہیں اٹھایا، بہتر ہے۔ کیونکہ اُس نے مطلوب کی درست تصدیق کے ساتھ ساتھ راہِ مطلوب کی مسافت کا کچھ حصہ بھی طے کر لیا ہے۔ لہٰذا فضیلت اس کے لئے ثابت ہے۔

اور ان میں سے بھی ایک گروہ نے خیالی کمال اور وہمی وصال کی بناء پر اپنے آپ کو شیخی کے مسند اور خلقت کی پیشوائی کی طرف کھینچ لائے ہیں۔ اور اپنے نقصان کے سبب بہت سے کمالات کی استعداد رکھنے والے ذی استعداد لوگوں کی استعداد کو ضائع کر چکے ہیں۔ اور اپنی صحبت کی ٹھنڈک کی

شومی کے باعث طالبوں کی طلب کی حرارت کو زائل کر چکے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا ضَاعُوْا فَاَضَاعُوْا یعنی خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور خود بھی ضائع ہوئے اور دوسروں کو بھی ضائع کیا۔

کمال کا یہ تخیل اور وصال کا یہ وہم سلوک نا مکمل کردہ مجذوبوں میں بذریعہ جذب نہ پہنچنے والے سالکوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے مبتدی اور منتہی صورتِ جذب میں شریک ہیں۔ اور بظاہر عشق و محبت میں مساوی ہیں، اگرچہ فی الحقیقت ایک دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ اور ہر ایک کے حالات ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ مصرع:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

[ترجمہ: عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ہاں! اُس طالب کا حال جو اپنے مطلب تک نہیں پہنچا، الخ" یعنی مذکورہ علماء ظواہر اُن صوفیہ سے بہتر ہیں جو خطائے کشفی میں مبتلا ہیں مگر سلوک کے ابتدائی سالکین کے احوال جو کہ حقائق میں خطا کا شکار نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی انہوں نے غیر مقصد و مطلب کو مقصود و مطلوب تصور کیا ہے ان ابتدائی سالکین کے احوال علماء ظواہر کے احوال سے افضلیت رکھتے ہیں۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ ابتدائی سالکین کا یہ طبقہ اگرچہ ابھی تک اپنے مقصد و مطلب تک نہیں پہنچ پایا مگر اپنے مقصد و مطلب تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے سلوک کی اس راہ پر قدم پر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھتے چلا جا رہا ہے جبکہ علماء ظواہر نے ابھی تک سلوک کی راہ کے مقصد و مطلب اور حقیقت کے حصول میں قدم تک نہیں رکھا اور

شریعت کو صورتِ شریعت سمجھتے ہوئے اس پر منحصر کر رکھا ہے اور اس طرح حقیقتِ شریعت سے بے خبر رہ گئے ہیں۔ بیت:

چون آن کرمے کہ در سنگـــــــ نہـــان است
زمـــین وآسمـــان او ہمان است

ترجمہ: کیونکہ یہ پتھر میں پوشیدہ وہ کیڑا ہے کہ جس کے زمین و آسمان ایک جیسے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان میں سے بھی ایک گروہ نے خیالِ کمال، الخ" یعنی صوفیہ کے ایک گروہ نے اپنے وہم و خیال میں تمثالاتِ ظل کو اصل مقصد سمجھ کر اس کے حصول کی وجہ سے اپنے آپ کو شیخِ کامل و مکمل تصور کر لیا یعنی ظلی اور صُوری کیفیات کو اصلی سمجھ بیٹھا کہ میں اصل تک پہنچ گیا ہوں اور اپنی صحبت کی ٹھنڈک سے اکثر سالکینِ طریقت کی استعدادوں کو جو کہ ان ناقصین سے عالی تھیں اُن کو ضائع کر دیا ہے خود بھی گمراہ تھے، اور ان سب کو بھی گمراہ کر دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کمال کا یہ تخیل اور وصال کا یہ وہم سلوک نامکمل کردہ مجذوبوں میں بذریعہ جذب نہ پہنچنے والے سالکوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، الخ" یعنی ابتداء میں مجذوبِ سالک کا اپنے آپ کو کامل و مکمل تصور کرنا اور ظل کو اصل سمجھنا سالکِ مجذوب کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور چونکہ تجلیاتِ ظلیہ اس کے مشاہدے میں آتی ہیں اور یہ اس تجلیٔ ظلی کو عالمِ وجوب سمجھ لیتا ہے، اسی وجہ سے خطاء سے دوچار ہو جاتا ہے اور سالکِ مجذوب جب تک سیر الی اللہ تک نہ پہنچ جائے تجلیات کو نہیں

دیکھ سکتا۔ اسی بناء پر یہ اس طرح کی غلطیوں سے محفوظ ہے اور سیر فی اللہ کی تجلیات ظلی نہیں بلکہ اصلی تجلیات ہیں اور اس مرحلہ میں خطاء کا وجود نہیں ہے۔

[ابتداء میں جو کچھ بھی ہے علت ہے اور نقص سے خالی نہیں اور عرض پر محمول ہے۔ اور انتہاء میں چونکہ حق کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے سب کچھ حق کے لئے ہوتا ہے۔ اس بات کی تفصیل اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالیٰ عنقریب ذِکر کی جائے گی۔ یہ صُوری مشابہت اور یہ ظاہری مناسبت اس تخیل کا باعث ہے۔

اور جب کہ طریقہ عُلیہ نقشبندیہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے، اس طریق کے مجذوبوں کو جو دولتِ سلوک سے مشرف نہیں ہوئے ہیں۔ اس قسم کا تخیل اور اس طرح کا وہم بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے، اور ان میں سے ایک جماعت کو کہ مقامِ جذبہ میں منقلب احوال حاصل ہوتے ہیں۔ اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جاتے ہیں، وہ اس انتقالِ احوال کو منازلِ سلوک کا قطع کرنا اور سیر الی اللہ کے راستے کو طے کرنا گمان کرتے ہیں۔ اور ان گردشوں کی بناء پر اپنے آپ کو مجذوب سالک تصور کرتے ہیں۔ اس بناء پر دلِ سُست میں یہ بات قرار پذیر ہوئی کہ حقیقتِ جذبہ وسلوک اور ان دونوں مقاموں کے درمیان فرق کے بیان میں چند فقرے لکھے جائیں۔ نیز وہ خاصیتیں بھی لکھی جائیں جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور جذبِ مبتدی اور جذبِ منتہی کے درمیان فرق اور مقامِ تکمیل وارشاد کی حقیقت اور دوسرے علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں، احاطہ تحریر میں لائے جائیں۔

لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ (الأنفال ۸)

ترجمہ: کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا پڑے بُرا مانیں مجرم۔

تو میں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی حُسنِ توفیق سے اُس کا بیان شروع کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہی صحیح راہ کی ہدایت کرتا ہے اور وہی اچھا کارساز اور اچھا وکیل ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور ان میں سے ایک جماعت کو کہ مقامِ جذبہ میں منقلب احوال حاصل ہوتے ہیں، الخ" یعنی ان مجذوبوں میں سے ایک گروہ نے خطاء و غلطی کی ہے انہوں نے جذبہ کے احوالِ منقلبہ (یعنی تغیر و تبدل) کو سلوک تصور کیا ہے، کیونکہ جذبہ میں بھی احوالِ مختلفہ رونما ہوتے رہتے ہیں، لہٰذا ان ناقصوں نے ادراک کی قلت اور قدسیت کے عدمِ شہود کی بہ نسبت جذبہ کے احوالِ مختلفہ کے مراتبِ وجوب کو سلوک جانا ہے اور اس طرح تجلیاتِ ظلیہ کے شہود کو اصل مقصد سمجھ لیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حقیقتِ جذبہ و سلوک اور ان دونوں مقاموں کے درمیان فرق کے بیان میں چند فقرے لکھے جائیں، الخ" یعنی اسی بناء پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جذبہ و سلوک کے درمیان فرق کی وضاحت اور جذبۂ مبتدی و جذبۂ منتہی کے درمیان فرق کو بیان کرکے مقاماتِ جذبہ کو مقاماتِ سلوک سے جُدا کیا ہے۔

[یہ مکتوب دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقصدِ اول اُن معارف کے بیان میں جو مقامِ جذبہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور مقصدِ ثانی معارفِ سلوک سے متعلق ہے۔ اور خاتمہ اُن متفرق علوم و معارف میں جن کا جاننا طالبوں کے لئے کثیر المنفعت ہے۔

مقصدِ اوّل: جاننا چاہیئے کہ سلوک نامکمل کردہ مجذوب اگرچہ جذبِ قوی رکھتے ہیں۔ اور جس راہ سے بھی اُن کو کھینچا جائے، اربابِ قلوب کے گروہ میں داخل ہیں۔ سلوک اور تزکیۂ نفس کے بغیر

مقامِ قلب سے آگے نہیں گزر سکتے، اور نہ مقلبِ قلب ذات (حق تعالیٰ) تک پہنچ سکتے ہیں۔ ان کا انجذاب انجذابِ قلبی ہے۔ ان کی محبت عرضی ہے ذاتی نہیں۔ نیز ان کی صحبت غرض پر مبنی ہے، اصلی نہیں۔ کیونکہ اس مقام میں نفس، روح سے اور ظلمت نُور سے ملی ہوئی ہے۔ مکمل طور پر مقامِ قلب سے نکلنا اور مقلبِ قلب ذات (حق تعالیٰ) سے ملنا اور مطلوب کے ساتھ انجذابِ روحی پیدا کرنا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مطلوب کی طرف توجہ کے لئے رُوح نفس سے آزاد نہ ہو۔ اور نفس کا روح سے جُدا ہونا اور مقامِ بندگی میں نیچے آنا اس علیحدگی کے بغیر متصور نہیں۔ جب تک یہ دونوں حقیقت میں اکٹھے ہیں حقیقتِ جامعہ قلبیہ اپنی جگہ مضبوط اور قائم ہے۔ اور خالص رُوحی انجذاب ممکن نہیں۔ اور روح کا نفس سے علیحدہ ہونا منازلِ سلوک قطع کرنے، سیر الیٰ اللہ کے راستے طے کرنے اور سیر فی اللہ سے موصوف ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ بلکہ مقام "الفرق بعد الجمع" جو سیر عن اللہ یا بعد سے تعلق رکھتا ہے، کے حصول کے بعد ہی اس کی صورت بنتی ہے۔

ہر گدائے مرد میدان کے شود

پشّۂ آخر سلیمانؑ کے شود

ترجمہ: ہر گدا اگر مردِ میدان نہیں بن سکتا، مچھر آخر سلیمان علیہ السلام کا ہم پایہ کیسے ہو سکتا ہے؟

تو اس سے منتہی کے جذب اور مبتدی کے جذب کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "مقصدِ اوّل: جاننا چاہیئے کہ سلوک نامکمل کردہ مجذوب اگرچہ جذبِ قوی رکھتے ہیں، الخ" یعنی مبتدی مجذوب کہ جنہوں نے ابھی تک سلوک مکمل نہیں کیا اور لطائف کے درمیان فرق کو نہیں پہنچے (یعنی ان کے لطائف مجتمع

ہیں) یہ اربابِ قلوب کے گروہ میں داخل ہیں۔ اَربابِ قلوب اُن سالکین کو کہا جاتا ہے جو اپنے مبدأ فیض تک نہ پہنچے ہوں یعنی انہوں نے اپنے اسمِ مُربّی کو نہ پایا ہو اور ان کے لطائف ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوئے ہوں۔ اس لئے کہ مبدأ فیض کے وصول کے بعد لطائف ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں اور سالک مقلب القلب (جو سالک مراتبِ سلوک کو طے کرنے کے بعد مقامِ قلب سے ترقی پا کر حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ واصل ہو جائے کیونکہ مراتبِ سلوک کو طے کئے بغیر مقامِ قلب سے ترقی پانا اور حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ وصل ہونا ناممکن ہے) تک پہنچ جاتا ہے اور اس مرحلہ میں رُوح کمالاتِ عالیہ کے طے کرنے کے لئے عروج میں رہتی ہے اور اس کا نفس جس نے جذبۂ بدایت میں عروج کیا تھا اب لوگوں کو دعوت وارشاد کرنے کے لئے نزول کرتا ہے۔ یہ سالک اربابِ قلوب کے گروہ میں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور مقلب القلب تک پہنچنا سلوک کے ساتھ مشروط ہے۔ یعنی اگرچہ جذبۂ بدایت میں سلوک کے بغیر عروج موجود ہے مگر لطائف کے درمیان فرق وامتیاز ابھی تک میسر نہیں ہے۔ اس سالک کا جذبہ معلول وعرضی (علت اور نقص سے خالی نہیں) ہوتا ہے اور اس میں اس کا نفس اس کے ساتھ شرکت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کو جذبۂ حقیقی نہیں کہا جاتا۔ جذبۂ حقیقی صرف اور صرف روح کا خاصہ ہے اور جذبۂ مبتدی میں قلب اور روح وغیرہ لطائف باہم ممتزج و مجتمع اور مقاماتِ عالی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ابھی تک عالمِ قُدس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہوتے بخلافِ منتہی کے جو تصفیۂ قلب، تزکیۂ نفس اور تفریق لطائف کے بعد جذبۂ رُوحی پر مشرف ہو جاتا ہے اور اس کی توجہ اور عروج عالمِ قُدس کی طرف ہوتی ہے۔ اور مبتدی جذبۂ قلب میں مقامِ روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جذبۂ رُوحی میں لطائف کی تفریق سے قبل مقامِ سِرّ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جذبۂ سِرّی میں مقامِ خفی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جذبۂ خفی کے وقت مقامِ اخفیٰ کی

طرف متوجہ ہوتا ہے۔ عالمِ قُدس کی طرف متوجہ رہنا منتہی کا خاصہ ہوتا ہے کہ اس کی روح نے نفس سے امتیاز و تفریق کی ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''جس راہ سے بھی اُن کو کھینچا جائے، الخ'' یعنی جذبۂ مبتدی کے عوامل کئی طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ سالک کا محمدی المشرب ہونا۔

۲۔ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہونا۔

۳۔ شیخِ کامل و مکمل کی توجہ۔

۴۔ جذبۂ خداوندی۔

۵۔ اتباعِ سُنتِ سَنیہ۔

جذبہ کے یہ عوامل دو صورتوں کے حامل ہوتے ہیں:

۱۔ مبتدی کے حصہ میں جذبہ کے ان عوامل کے عروض جذبۂ صُوری کے سبب ہوتے ہیں یعنی یہ عالمِ وُجوب کے جذب کا سبب نہیں بلکہ مقاماتِ عالیہ کے جذب کا سبب ہوتے ہیں۔ اور اس جذبہ میں قلب، نفس اور روح وغیرہ مجتمع ہوتے ہیں۔ تو اس بناء پر یہ جذبہ جذبۂ صُوری ہوتا ہے اور یہ علت وغرض اور نفس کی مشارکت سے خالی نہیں ہوتا۔

۲۔ منتہی کے حق میں ان عوامل کے عروض جذبۂ حقیقی کا سبب ہوتے ہیں۔ اور جذبۂ حقیقی یہ ہے کہ تنہا رُوح منجذب ہو جاتی ہے اور اس کا جذب بھی عالمِ وجوب کی طرف ہوتا ہے۔ بخلاف جذبۂ صُوری کے کہ جس میں اس کا جذب مقاماتِ عالیہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ابھی تک اس کی توجہ

عالمِ وجوب کی طرف نہیں پھری ہوتی اور جذبۂ مبتدی میں بھی تنہا جذبۂ رُوحی نہیں ہوتا بلکہ قلب ونفس وغیرہ لطائف اس میں مشارکت رکھتے ہیں۔ اور جذبۂ حقیقی تنہا روح کا خاصہ ہے بس۔

[ان اربابِ قلوب مجذوبوں کا شہود پردۂ کثرت میں ہے۔ وہ اس معنی کو جانیں یا نہ جانیں، اور ان کا شہود اس عالمِ کثرت میں نہیں ہے۔ مگر صرف عالمِ اَرواح جو لطافت، احاطہ اور سَریان میں اپنے مؤجد سے صورتاً مشابہت رکھتا ہے۔

فَإِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلَی صُورَتِہٖ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صُورت پر پیدا فرمایا۔[1]

اور اس مناسبت کے سبب رُوح کے شہود کو حق تعالیٰ وتقدس کا شہود سمجھ لیتے ہیں۔ اور احاطہ اور سَریان اور قُرب ومعیت بھی اسی قیاس پر ہے۔ اس لئے کہ سالک کی نگاہ صرف مقامِ فوق تک عبور کر سکتی ہے، مقام فوق الفوق تک نہیں جاسکتی اور ان کا مقامِ فوق مقامِ روح ہے۔ پس اِن کی نظر مقامِ رُوح سے زیادہ بلند نہیں کی جاسکتی۔ اور ان کا شہود رُوح کے سوا کوئی اور اَمر نہیں ہوتا۔ رُوح سے اوپر نظر کا جانا اس پر موقوف ہے کہ سالک مقامِ رُوح میں پہنچ جائے۔ محبت اور انجذاب بھی شہود کی طرح ہیں۔ حق سبحانہٗ کا شہود بلکہ جنابِ قدس خداوندی کی محبت اور اُس کی طرف انجذاب فنا کے حاصل ہونے سے وابستہ ہے جسے سیر الیٰ اللہ کی نہایت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہیچ کس را تا نہ گردد اُو فنا
نیست رہ در بارگاہِ کبریا

ترجمہ: کوئی شخص بھی جب تک فنا کا مقام نہ پائے بارگاہِ کبریا تک راستہ نہیں پاسکتا۔]

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱۳، ص ۲۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان اربابِ قلوب مجذوبوں کا شہود پردۂ کثرت میں ہے، الخ" یعنی جو سالکین اَربابِ قلوب ہیں اور ابھی تک لطائف کی تفریق تک نہیں پہنچے ہیں ان کا شہود پردۂ کثرت میں ہے اس لئے کہ یہ گروہ ممکنات کو واجب تصور کرتے ہیں یہ طائفہ ابھی تک مراتبِ وجوب کے شہود تک نہیں پہنچا ہے عالمِ اَمر کے لطائف جو کہ نُورانی اور فی الجملہ بیچون ہیں، انہوں نے ان کو عالمِ وجوب جانا ہے اور ان ناقصوں نے احاطہ و سریان، شمول ومعیت اور قُرب ورُوح کو حق تعالیٰ وتقدس کا قُرب تصور کیا ہے اور کہا ہے کہ حق تعالیٰ وتقدس ہم پر محیط وساری اور معی و قُرب ہوتا ہے۔ اور دراصل یہ طائفہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ پایا کہ یہ قُرب اور یہ معیت وغیرہ عالمِ وجوب سے نہیں بلکہ رُوح سے مربوط ہیں۔ اسی لئے یہ لوگ ابھی بھی عالمِ وجوب کی قدسیت سے بے خبر ہیں اور رُوح کی قدسیت فی الجملہ کو عالمِ وجوب کی قدسیت سمجھتے ہیں اگر انہوں نے عالمِ وجوب کی قدسیت کو دیکھا ہوتا تو یہ کبھی بھی رُوح کی قدسیت فی الجملہ کو عالمِ وجوب کی قدسیت تصور نہ کرتے۔ کیونکہ یہ قدسیت کہاں اور وہ قدسیت کہاں؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس لئے کہ سالک کی نگاہ صرف مقامِ فوق تک عبور کر سکتی ہے، الخ" یعنی یہ مبتدی مقامِ قلب میں ہیں اور مقامِ قلب سے فوق مقامِ روح ہے اس لئے ان مبتدیوں کا مشاہدہ عالمِ روح ہوتے ہیں نہ کہ اس سے اُوپر۔ اور عالمِ وجوب کامشاہدہ ابھی کہاں ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حق سبحانہٗ کا شہود، الخ" یعنی حق تعالیٰ وتقدس کا شہود، اس کی محبت اور اس ذاتِ مقدسہ کی طرف انجذابِ سلوک اور سیر فی اللہ

پر پہنچنے کے ساتھ موقوف ہے۔ جو عارف سیر فی اللہ تک پہنچ جائے تو پھر اس کا جذبہ، جذبۂ حقیقی اور عالمِ وجوب کی طرف ہے ان کی محبت حق تعالیٰ وتقدس کی محبت ہے۔ یعنی وصول سے قبل سَیر فی اللہ میں حق تعالیٰ وتقدس کی محبت اور انجذاب ذاتِ مقدسہ کی طرف نہیں ہوتا بلکہ محبت مقاماتِ عالیہ سے اور جذب مقاماتِ عالیہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ واجب تعالیٰ وتقدس کی محبت تزکیۂ نفس کے بعد حاصل ہوتی ہے جو کہ سیر فی اللہ کے ساتھ مربوط ہے اور تزکیۂ نفس سے پہلے عشق ومحبت اور جذبہ سب عرضی ومعلول اور ناقص ہوتا ہے۔

[اس مقام میں شہود کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے۔ ورنہ ان بزرگوں کا کارخانہ متعارف شہود سے وراء الوراء ہے۔ اور جس طرح ان کا مقصد بے چون وبے چگون ہے ان کا اتصال بھی حق سبحانہٗ کے ساتھ بے چون وبے چگون ہے، چون کے لئے بے چون ذات کی طرف کوئی راستہ نہیں۔

لَا یَحۡمِلُ عَطَایَا الۡمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ

ترجمہ: بادشاہ کی عطاؤں کو اُسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔

اتصالے بے تکیف وبے قیاس
ہست رب الناس را باجانِ ناس

ترجمہ: لوگوں کے رب کا لوگوں کے ساتھ اتصال بے کیف ہے اور قیاس میں نہیں آسکتا۔

احاطہ وسریان اور اُس ذاتِ سبحانہ کا قُرب ومعیت محققینِ اَربابِ سلوک کے نزدیک جو نہایتِ کار تک پہنچ چکے ہیں، علمی ہے۔ جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کا مسلک ہے۔ قُربِ ذاتی

اور اس طرح کی دوسری باتیں ان کے نزدیک بے حاصلی اور دُوری میں داخل ہیں۔ حق تعالیٰ کے لئے قُربِ ذاتی کے قائل نہیں ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"جو یہ کہے کہ میں خدا کے نزدیک ہوں وہ دُور ہے، اور جو اپنے آپ کو دُور سمجھے وہ نزدیک ہے"۔

تصوف یہ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس مقام میں شہود کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے، الخ" یعنی حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ وصول کو شہود پر تعبیر کرتے ہیں مگر یہاں ایک بلا کیف معاملہ ہوتا ہے اور شہود متعارف نہیں ہوتا کیونکہ ان بزرگوں کا مقصد ذاتِ مقدسہ ہوتی ہے جو کہ بیچون وبیچگون ہے ان کا حق تعالیٰ وتقدس کے ساتھ اتصال بھی بلا کیف، بے مثل اور بے مانند ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "چون کے لئے بے چون ذات کی طرف کوئی راستہ نہیں، الخ" یعنی جب تک سالک بیچون فی الجملہ نہیں ہو جاتا تو اس وقت تک بیچون حقیقی تک راستہ نہیں پا سکتا اور یہاں بادشاہ کی سواری عارف کے وجودِ موہوبی سے عبارت ہے جو فناء کے بعد عارف کو عنایت ہو جاتی ہے جو کہ عالمِ وجوب کے وصول اور وجودِ موہوبی کے ساتھ مربوط ہے۔ یعنی اس شہود اور اس بلا کیف اتصال کی لیاقت وجودِ بشری کی قوت سے خارج ہو جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "احاطہ وسریان اور اُس ذاتِ سبحانہٗ کا قُرب ومعیت محققین اَربابِ سلوک کے نزدیک جو نہایتِ کار تک پہنچ چکے ہیں، علمی ہے، الخ"۔ یعنی حق تعالیٰ وتقدس کا عالم کے ساتھ احاطہ وسریان اور قُرب ومعیت علمی ہے اور جنسِ احاطہ وسریان جسم بہ جسم نہیں ہے اور قُربِ ذاتی پر حکم کرنا بے حاصلی سے ہے وہ لوگ نہیں سمجھتے کہ یہ قُرب علمی قُرب ہے اور ذاتی قُرب نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حق تعالیٰ کے لئے قُربِ ذاتی کے قائل نہیں ہیں، الخ"۔ یعنی واصلانِ درگاہ کیونکہ ممکنات کی پستی اور مرتبۂ وجوب کی قدسیت کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واجب و ممکن کے درمیان کسی قسم کی مناسبت نہیں ہے اور نزدیک لوگ اپنے آپ کو دور سمجھتے ہیں یعنی اپنی بے مناسبتی کو مراتبِ وجوب میں مشاہدہ کرتے ہیں اور جو بھی اپنے آپ کو نزدیک سمجھے وہ دُور ہوتا ہے یعنی اس نے ابھی تک واجب تعالیٰ وتقدس کی قدسیت کو دیکھا ہی نہیں۔

[وہ علم جو توحیدِ وجودی سے تعلق رکھتا ہے اس کا منشاء انجذاب اور محبتِ قلبی ہے۔ اربابِ قلوب جنھوں نے جذبہ پیدا نہ کیا ہو اور سلوک کے راستے سے منازل طے کر رہے ہوں، یہ علم اُن سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جو مجذوب سلوک کے ذریعے قلب سے کلیۃً مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہیں، وہ بھی ان علوم سے برأت کا اظہار اور استغفار کرتے ہیں۔

بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ سلوک کے راستے سے آتے ہیں اور منازل طے کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر مقامِ مالوف سے قطع نہیں ہوتی، اور رُخ اوپر کی طرف نہیں کرتے۔ اس

قسم کے علوم اُن کا دامن نہیں چھوڑتے، اور اس گرداب سے باہر نہیں آتے۔ اس لئے مدارجِ قُرب میں عروج اور معارجِ قُدس تک چڑھنے سے قاصر اور لنگڑے ہیں۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (النساء ۷۵)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے۔

نہایت مطلب تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اِس طرح کے علوم سے سالک بیزاری کا اظہار کرے۔ کیونکہ جس قدر تنزیہہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پیدا ہو گی۔ عالَم کو صانع کے ساتھ زیادہ بے مناسب پائے گا، اُس وقت عالم کو صانع کا عین جاننا صانع کو عالَم کا محیط بالذات گمان کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ترجمہ: عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وہ علم جو توحیدِ وجودی سے تعلق رکھتا ہے، اس کا منشاء انجذاب اور محبتِ قلبی ہے، الخ"۔ یعنی توحیدِ وجود صوفیہ مجذوب اور اَربابِ قلوب کے لئے میسر ہوتی ہے وہ سالکین جو مقامِ قلب سے گزر گئے ہیں اور لطائف کی تفریق پر مشرف ہو کر مقلب القلب پر پہنچ گئے ہیں وہ علومِ توحیدی نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے واجب تعالیٰ و تقدس کی قدسیت کو دیکھا ہے اور عالمِ اَرواح کو اس کے ساتھ نسبت نہیں دیتے جب

تک عینیت وغیرہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ اور نیز وہ لوگ جو بغیر جذبہ کے سلوک کرتے ہیں وہ علومِ توحیدی نہیں رکھتے اس وجہ سے کہ علومِ توحیدی کا سبب دو چیزیں ہوتی ہیں:

۱۔ محبت۔

۲۔ عالمِ وجوب کی قدسیت کو نہ دیکھنا۔

ابتداء میں اہلِ سلوک اس جذبہ کے بغیر اس محبت کا دَرک نہیں کر سکتے اور انتہاء میں عالمِ وجوب کی قدسیت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو پھر یہ کیسے عالمِ ممکن کو عالمِ وجوب کے ساتھ نسبت دیں۔ اسی بناء پر وہ علومِ توحیدی سے گریزاں اور بیزار ہیں۔ اگر ان میں سے بعض کے لئے علومِ توحیدی سے گریزاں اور بیزار ہیں۔ اگر ان میں سے بعض کے لئے علومِ توحیدی میسر ہو بھی جائے تو یہ اس پر مستغفر ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ سلوک کے راستے سے آتے ہیں اور منازل طے کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر مالوف سے قطع نہیں ہوتی، الخ'' یعنی وہ مجذوب کہ جن پر توحیدِ وجود منکشف ہوتی ہے اور سُکر و محبت کے غلبہ کی وجہ سے اپنے آپ کو عینِ محبوب یعنی خُدا سمجھ لیتے ہیں اس طرح کے مشاہدات اور احوال ان احباب کی لذت و محبت کا ذریعہ ہوتے ہیں اور ان سے توحیدِ وجود کے معارف آسانی کے ساتھ منقطع نہیں ہوتے یعنی ان کو توحیدِ وجودی کے معارف کی جو محظوظیت و لذت نصیب ہو چکی ہوتی ہے وہ جلدی اور آسانی کے ساتھ ان کے ذہن سے نہیں نکلتی کیونکہ یہ احباب کافی عرصہ توحیدِ وجودی کے معارف کے ساتھ منسلک رہ چکے ہوتے ہیں اگرچہ سلوک کے ساتھ مشغولیت بھی رکھتے ہیں پھر بھی ان سے توحیدِ وجودی کے معارف کی کیفیات جلدی ختم نہیں ہو تیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "جس وقت فقیر کو عنایتِ خداوندی میسر ہوگئی اور معارفِ توحیدی زائل ہوگئے، تو فقیر تضرع وزاری سے دُعا مانگتا رہا کہ یا الٰہی! مجھ سے یہ (توحیدِ وجودی کی) معرفت زائل نہ ہو مگر عنایتِ خداوندی نے جو چاہا وہی ہوا، الخ" یعنی عارف جس اندازے سے بھی مراتبِ وجود کے ساتھ مناسبت اور قُربیت پیدا کرتا ہے تو اس کی مناسبت علومِ توحیدِ وجودی سے اتنی ہی دُور تر اور منقطع ہوتی رہتی ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ مبتدی سالکین اس وقت توحیدِ وجودی کے علوم کے معارف سے واجب کا ممکن سے امتیاز وفرق نہیں کرسکتے اور اپنی رُوح کو بہ عنوانِ وجوب کے دیکھتے ہیں۔ مگر منتہی سالکین کیونکہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی برکت کی نعمت سے صاحبِ بصیرت ہو جاتے ہیں، واجب کا ممکن سے امتیاز کرکے علومِ توحیدِ وجودی کے ساتھ نزدیکی نہیں رکھتے۔ اور اس طرح ان کی علومِ توحیدِ وجودی کے ساتھ مناسبت منقطع ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس دُعا فرماتے تھے کہ:

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (النساء۷۵)

ترجمہ: اے رب ہمارے ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے (یعنی ہمیں توحیدِ وجودی کی کیفیات سے نجات بخش)۔

[معرفت:

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ اس عبارت کے معانی یہ ہیں کہ جو انجذاب ومحبت منتہی حضرات کو انتہاء میں جاکر میسر

آتی ہے، اس طریقہ میں وہ انجذاب ومحبت ابتداء میں درج ہے۔ اس لئے کہ منتہی کا انجذاب، انجذابِ رُوحی ہے اور مبتدی کا جذب، جذبِ قلبی۔ اور قلب چونکہ رُوح اور نفس کے درمیان برزخ ہے، اس لئے جذبِ قلبی کے ضمن میں جذبِ روحی بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور تمام جذبات میں اس معانی کے حاصل ہونے کے باوجود اندراج کی یہ تخصیص اس طریقہ کے ساتھ اس بناء پر ہے کہ اس خانوادہ کے اکابر نے اس معنی کے حصول کے لئے ایک طریقہ وضع کیا ہے، اور اس مطلب تک پہنچنے کے لئے ایک راستہ متعین کیا ہے اور دوسروں کو یہ معنی اتفاق سے نصیب ہو جاتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے اُن کے پاس کوئی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ نیز اُن بزرگوں کے جذبہ کے مقام میں خاص شان ہے جو دوسروں کو میسر نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو بہت کم ہے۔ اسی بناء پر اس سلسلہ کے بعض کو اس مقام میں منازلِ سلوک طے کرنے کے بغیر ہی اَربابِ سلوک کی فنا وبقا کے مشابہ ایک فنا وبقا حاصل ہوتی ہے۔ اور مقامِ تکمیل سے جو مقامِ سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہوتا ہے، کچھ حصہ میسر آتا ہے جس کے ساتھ وہ مستعدوں کی تربیت کرتے ہیں۔۔۔۔ اس بحث کی پوری تحقیق اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالیٰ عنقریب سپردِ قلم کی جائے گی۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے، الخ" یعنی جذبہ کی دو اقسام ہیں ایک جذبۂ صُوری اور دوسرا جذبۂ حقیقی۔ حقیقت میں جذبہ صرف اور صرف رُوح کا خاصہ ہوتا ہے اور جذبۂ صُوری جذبۂ مبتدی ہے کہ اس جذبہ میں نفس اور رُوح دونوں جمع ہیں اور سالک ابھی تک لطائف کی تفریق تک نہیں پہنچا ہوتا ہے بلکہ اس کی رُوح، نفس اور قلب کے ضمن میں جذب ہو گئی ہوتی ہے۔ اور جذبۂ منتہی جو کہ لطائف

کی تفریق کے بعد ہے وہ جذبہ ٔ حقیقی اور صرف جذبہ ٔروح ہوتا ہے۔ اور حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمانا کہ ''ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم حقیقتِ جذبہ کو نہیں بلکہ صورتِ جذبہ کو بدایت میں درج کرتے ہیں جو کہ جذبہ ٔثانی اور جذبہ ٔ حقیقی ہے اور یہ لطائف کی تفریق کے بعد جاکر میسر ہوتا ہے۔ پس حضرت خواجہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی عبارت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انجذاب اور محبت جو منتہیوں کو نہایت میں جاکر میسر ہوتی ہے، ہمارے اس طریقہ میں ابتدائی انجذاب میں درج ہے جو قلب اور نفس کی معیت سے حاصل ہوتا ہے اگرچہ یہ ابتدائی انجذاب قلب، نفس اور رُوح کے درمیان مشارکت رکھتا ہے مگر آخر میں صرف رُوح باقی رہ جاتی ہے اور سالک مجذوب ہو جاتا ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ جذبہ خاصہ ٔرُوح ہے اور جذبہ ٔبدایت میں قلب ورُوح وغیرہ کے لطائف میں بھی فرق وامتیاز نہیں ہے اور باہم ممتزج ہیں اور جذب میں شریک ہیں۔ تو اس بناء پر جذبہ ٔ بدایت کو جذبہ نہیں کہنا چاہیئے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رُوح دو جذبوں کی مالک ہے۔ ایک جذبہ ٔبدایت ہے اور دوسرا جذبہ ٔ نہایت، جذبہ ٔبدایتِ رُوح جذبہ ٔصُوری ہے کہ دیگر لطائف کے ضمن میں رُوح کو بھی جذبہ ٔصُوری اور ایک ابتدائی نوع نصیب ہوتی ہے۔ مگر جذبہ ٔنہایہ جو کہ لطائف میں فرق وامتیاز کے بعد میسر ہوتا ہے جو کہ رُوح کا خاصہ ہے وہ جذبہ ٔ حقیقی ہے۔ سارے کا سارا تصوف ان دو لطائف یعنی قلب اور رُوح پر منحصر ہے اس کے علاوہ لطیفہ ٔسِر، خفی اور اخفٰی لطیفہ ٔروح کے عروج کا جزء ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''قلب چونکہ رُوح اور نفس کے درمیان برزخ ہے، الخ'' قلب فیوضاتِ رُوح کو نفس تک پہنچاتا ہے۔ یعنی رُوح عالمِ وجوب (حق

تعالیٰ وتقدس) سے فیوضات حاصل کرتی ہے اور پھر قلب ان فیوضات کو نفس تک پہنچاتا ہے کیونکہ یہ برزخ ہے اور یہ ان فیوضات کو براہِ راست نہیں پہنچا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں جب شیخ اپنے مُریدین کے قلب پر توجہ کرتا ہے یعنی وہ نفی واثبات یا لطیفۂ سِر، خفی اور اخفٰی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اپنے وجود کو فیوضات سے پُر کرکے قلب کے ذریعے سے اپنے نفس یا مُرید کے نفس میں منعکس کرتا ہے۔ تو اس طرح مبتدی کو جذبۂ قلبی کے ضمن میں جذبۂ رُوحی بھی نصیب ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جذبۂ سِر، جذبۂ خفی اور جذبۂ اخفٰی پیدا ہو جاتا ہے، یہ سب کمال قلب کا ہے اور یہ جذبۂ صُوری ہے۔ اور جذبۂ حقیقی منتہی کے کمالات سے ہے اور صرف رُوح کا خاصہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اندراج کی یہ تخصیص اس طریقہ کے ساتھ اس بناء پر ہے، الخ'' یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فرمانا کہ جذبۂ بدایت طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمدی المشربان جو کسی بھی طریقہ (طریقہ عالیہ قاریہ، چشتیہ اور سہروردیہ) کے ساتھ منسوب ہوں جذبۂ بدایت کے حامل ہوتے ہیں اور وہ محبوبان اور مبتدیان سالک بھی جو بہت ہی زیادہ سُنت کی متابعت کرتے ہیں، چاہے کسی بھی طریقہ کے ساتھ منسوب ہوں جذبۂ بدایت سے بہرہ مند اور اس کے حامل ہوتے ہیں تو پھر جذبۂ بدایت کا طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ تخصیص کا کیا مفہوم ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس خانوادہ کے اکابر نے اس معنی کے حصول کے لئے ایک طریقہ اور قاعدہ وضع کیا ہے اس راہ میں ان کا قاعدہ اور مخصوص ضابطہ موجود ہے۔ جس طرح اسمِ ذات کا تکرار، نفی واثبات کا حبسِ دَم قلب، رُوح، سِر، خفی، اخفٰی، نفسی اور قالبی پر کرنا تاکہ سالک باطل خداؤں کی نفی کرتے ہوئے واحد ولا شریک کا اثبات کرے۔ اور ان کے عدد کی مراعات جن کو

وقوفِ عددی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جذبہ کے لئے وضع کیے گئے ہیں۔ مگر دوسرے طرق اس طرح کے قواعد کے حامل نہیں ہیں۔ اور ان دیگر طرق میں جذبہ بُدایت بر سبیلِ اتفاق اس طائفہ کے مُرادان کو میسر ہوتا ہے اور جذبہ کے حصول کے لئے ان کے ہاں کوئی مخصوص و مشخص قاعدہ نہیں رکھا گیا کیونکہ ان میں سب کے سب اس جذبہ کے مالک نہیں ہوتے۔

بعض معاندینِ دین اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسم اللہ نہ تو ذکر ہے اور نہ ہی اسمِ ذات۔ یہ الفاظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں تحریر کئے اور اکثر اس کو دلیل بنا کر اس طرح کی باتیں کہتے ہیں۔

ہماری طرف سے ان کو جواب میں یہ حدیثِ مبارکہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللّٰهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ زمین میں اللہ اللہ نہیں کہا جا رہا ہو گا۔[1]

اور اسی طرح نفی واثبات کے بارے میں بھی حدیثِ مبارکہ سے دلیل موجود ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ زمین میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰہُ نہیں کہا جارہا ہوگا۔[1]

اور یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ نقشبندیان جذبہ ٔبدایت میں خاص اور جُداگانہ خصوصیت کے حامل ہیں جبکہ دیگر طُرق میں یہ خصوصیت موجود نہیں ہے۔ اور وہ عبارت منتہیوں کے فناوبقا کی تشبیہ کی وجہ سے مبتدیوں کی فناوبقا سے ہے یعنی بعض اوقات مبتدی کی فناوبقا منتہی کی فناوبقا کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے مگر اصل میں یہ اس طرح نہیں ہوتی بلکہ صرف مشابہت کی حد تک ہوتی ہے۔ جس طرح اس طریقہ کے ارباب رجوع کے وقت جذبہ اولیٰ سے مستعد سالکین کو جذبہ ٔاولیٰ کے کمالات تک پہنچاتے اور توجہ ٔسابق رُوح جو کہ لامکان میں ہوتی ہے سالک کی رُوح کو یاد آسکتی ہے، اگرچہ ان کی صحبت میں رُوح پر توجہ ٔجدید نہیں کی جاتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان بزرگوں کے جذبہ کے مقام میں خاص شان ہے جو دوسروں کو میسر نہیں، الخ" یعنی یہ عبارت اس حالت میں سے ایک ہے جو اَربابِ سلوک کی فناوبقا کے مشابہ ہے یعنی ابتدائی کیفیت میں شیخ کی توجہ یا نفی واثبات کی توجہ سے سالک پر جو کیفیات وارد ہوتی ہیں اس سے وہ سمجھتا ہے کہ شاید وہ فناوبقا پر مشرف ہوگیا ہے بلکہ اس کی یہ کیفیات فناوبقا کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ اپنے خواصِ بشری کی جانب واپس مُڑ جاتا ہے سالک کو اس پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مزید کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔ دیگر طُرق میں اربابِ سُلوک اس سے حصہ نہیں رکھتے۔ یعنی وہ شخص جو اس طریقہ کا سالک ہو اور اس جذبہ کے عروج سے نزول کرلے تو وہ شیخیت کا عہدہ سنبھال سکتا ہے۔ لیکن ایسا شخص پیرِ تعلیم تو ہو سکتا ہے مگر

---

[1] (مسند احمد، ج ۲۱، ص ۳۳۲، الناشر: مؤسسة الرسالة)

پیرِ تربیت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سلوک میں تربیت کرنا منتہی کا خاصہ ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر طرق اس قسم کے فوائد کے حامل نہیں ہوتے۔

[یہاں ایک نکتہ ہے جس کا بیان یوں ہے کہ رُوح کے لئے بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے اپنے مقصود کی طرف توجہ حاصل تھی۔ جب بدن سے متعلق ہوئی تو وہ توجہ زائل ہو گئی۔ اس بلند سلسلہ کے اکابر نے اِس توجہ ٔ سابق کے ظہور کے لئے طریقہ وضع فرمایا۔ لیکن جبکہ رُوح بدن سے متعلق ہو تو توجہ ٔ قلبی موجود رہتی ہے، جو نفس اور رُوح دونوں کی توجہ کی جامع ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ توجہ رُوحی توجہ قلبی میں مندرج ہے۔ لیکن وہ رُوحی توجہ جو منتہی حضرات کو نصیب ہوتی ہے، رُوح کو فنا اور حقانی وجود کے ساتھ بقا حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے، اور اس بقا کو بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو رُوحی توجہ، توجہ قلبی کے ضمن میں ہوتی ہے، بلکہ رُوح کی جو توجہ بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے تھی وہ توجہ ہے جو ہستی رُوح کے ہوتے ہوئے ہے جس کی طرف ابھی فنا کو راستہ نہیں ملا۔ اور رُوح کی ہستی کے ہوتے ہوئے اور اس کی اس توجہ میں جو فنا ہونے کے بعد ہے، بہت فرق ہے۔ پس توجہ قلبی میں درج شدہ توجہ رُوحی کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ رُوح ہی کی توجہ ہے جو نہایت میں جا کر باقی رہتی ہے۔ تو نہایت کے بدایت میں درج ہونے سے مراد یہ ہے کہ صورتِ نہایت بدایت میں درج ہے نہ کہ نہایت کی حقیقت۔ کیونکہ اس کا بدایت میں اندراج محال ہے۔ ممکن ہے کہ صورت کا لفظ اس طریقہ کے طالبین کی ترغیب کے لئے ظاہر نہ کرتے ہوں۔ اور اصل بات وہی ہے جس کی میں نے **بِعَوْنِ اللہِ تَعَالٰی** تحقیق کی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہاں ایک نکتہ ہے جس کا بیان یوں ہے کہ رُوح کے لئے بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے اپنے مقصود کی طرف توجہ حاصل تھی، الخ" یعنی ارواح ابدان کے ساتھ تعلق رکھنے سے قبل عرش سے اوپر اپنے اصلی مقام میں قیام پذیر تھیں اور عالمِ وجوب کی طرف متوجہ تھیں۔ مگر اس مرتبہ ٔمقدسہ تک نہیں پہنچی تھیں اس دلیل کی وجہ سے کہ عالمِ وجوب تک پہنچنا مجاہدہ کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ وتقدس نے اَرواح کا اَبدان میں تعلق جوڑا ہے تاکہ نفس کے ساتھ مجاہدہ اور مقابلہ کرے اور پھر اس مجاہدہ اور مقابلہ کی وجہ سے آگے بڑھے اور ترقی کرتی جائے۔

مختصر یہ کہ بنیادی طور پر رُوح عالمِ اَمر سے ہے اور لامکان میں مطلوبِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس جگہ (لامکان) سے مشیتِ خداوندی کی وجہ سے عالمِ خلق پر تنزل کرکے ابدان کے ساتھ تعلق جوڑ لیتی ہے تاکہ مجاہدہ کرلے۔

رُوح کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک کو روحِ سابقان کے نام سے اور دوسری کو روحِ ناسیان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رُوحِ سابقان نے بدن کے ساتھ تعلق جوڑنے کے بعد بھی اپنے اصلی مقام کو فراموش نہیں کیا، مگر روحِ ناسیان نے بدن کے ساتھ تعلق جوڑنے کے بعد اپنے اصلی مقام اور سابق توجہ کو کُلی طور پر فراموش کر دیا ہے۔ وہ فرق جو روحِ سابقان اور روحِ ناسیان کے درمیان موجود ہے یہ ہے کہ رُوحِ سابقان کا کمالِ باطن اس کے ظاہر میں سرایت کرتا ہے یعنی وہ معرفت جو اس کا باطن رکھتا ہے اس کا ظاہر بھی اس سے مستفید ہوتا ہے مگر رُوحِ ناسیان ایسے نہیں ہے۔ رُوحِ ناسیان کی استعداد بہ نسبت روحِ سابقان کی استعداد کے بلند تَر ہوتی ہے کیونکہ ان کی رُوح

لطیف ہے، یہ جس طرف بھی رجوع کرتے ہیں تو دوسری طرف فراموش کر دیتے ہیں لہٰذا اروحِ ناسیان نے چونکہ اپنے مقامِ اصلی کو بدن کے ساتھ تعلق کی وجہ سے فراموش کر ڈالا ہے عروج کے وقت بھی عالمِ امکان کو فراموش کر دیتی ہے اور روحِ سابقان اس طرح نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس نے بدن کے ساتھ تعلق کے وقت اپنے آپ کو عالمِ وجوب سے فراموش نہیں کیا تھا اور عالمِ قُدس میں عروج کے وقت میں بھی عالمِ امکان کو فراموش نہیں کیا۔ اس طرح دونوں طائفوں یعنی رُوحِ ناسیان اور رُوحِ سابقان کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک محبوبین ہیں اور دوسرے محبین۔ محبوبینِ سابقان کی باطنی نسبت ظاہری طور پر ان دونوں طائفوں میں سرایت کرتی ہے مگر محبینِ ناسیان کے طائفہ کی باطنی نسبت ان کے ظاہر میں سرایت نہیں کرتی اور صرف محبوبانِ ناسیان کت طائفہ کی باطنی نسبت ان کے ظاہر میں سرایت کرتی ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ محبوبین کی باطنی سرایت کی نسبت اور محبین کی باطنی سرایت کی نسبت کے درمیان بہت ہی زیادہ فرق ہے، محبوبین کی باطنی سرایت کی نسبت دائمی اور محبین کی باطنی سرایت کی نسبت سے بَرقی (ایک لحظہ) ہے۔

بعض مشائخ عظام کاملین کی اَرواح کو قدیم جانتے ہیں جبکہ قدیم صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذَات مقدسہ ہے۔ شاید ان کی دلیل یہ ہو کہ کاملین کی اَرواح انوارِ قِدم کا مظہر ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو کہ قدیم ذات ہے اس کی تجلیٔ قدیم، سالک کی رُوح میں ظاہر ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) اس سالک کی روح قدیم ہے۔ کیونکہ اس طرح کہنے سے حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ شریک ہونا لازم آ جائے گا۔ یا پھر یہ احباب ظاہر ومظہر کے درمیان فرق نہیں کر سکے اور انہوں نے کاملین کی اَرواح کو جو کہ مظہرِ قِدم ہے قدیم کہہ دیا ہو۔

[اور سابقین جن کا انجذاب بلا عمل اور بلا کسب ہے، بلکہ وہ توجہ اور حضور سے آئے ہیں، اُن کا انجذاب بھی قلبی ہے۔ اور رُوح کی توجہ سابق کا اثر ہے، جو بدن سے متعلق ہونے کے باوجود بالکل زائل نہیں ہوا۔ توجہ ٔسابق کے ظہور کے لئے کسب و عمل کی ضرورت اُس جماعت کے لئے ہے جو بدن سے متعلق ہونے کی وجہ سے توجہ سابق کو بالکل فراموش کر چکے ہیں۔ کسبِ توجہ سابق پر گویا تنبیہ ہے اور اس گمشدہ دولت کی یاددہانی ہے۔ لیکن توجہ ٔسابق کو بھُلا دینے والے مذکورہ سابقین سے زیادہ لطیف الاستعداد ہیں۔ اس لئے کہ توجہ سابق کا بالکلیہ نسیان بدن کی طرف بالفعل کُلی توجہ اور اس میں گم ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اور توجہ کا عدم نسیان اس طرح نہیں۔ **غَایَةُ مَا فِی الْبَابِ** یہ ہے کہ سابقین میں وہ توجہ عموم و سریان کو کلیةً ان میں پیدا کر دیتی ہے اور ان کا بدن بھی رُوح کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ محبوب و مُراد لوگوں کی شان ہے۔ لیکن محبوبوں کی سرایت اور سابقین کی سرایت میں ایسا فرق ہے جیسا حقیقتِ شئ اور صورتِ شئ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کے جاننے والوں پر ظاہر ہے۔ ہاں محبانِ واصل اور مُریدانِ کامل کے لئے بھی اس قسم کے شمول (ایک قسم کی کیفیت) کا تحقق ہوتا ہے۔ لیکن بجلی کی طرح لمحہ بھر کے لئے، دائمی نہیں۔ کیونکہ دائمی شمول محبوبوں کا خاصہ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور سابقین جن کا انجذاب بلا عمل اور بلا کسب ہے، الخ" یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی سابقہ توجہ کو فراموش نہیں کیا ابتداء میں ان کا انجذاب بھی قلبی ہوتا ہے اور یہ لوگ خالص رُوح کے انجذاب کو نہیں پہنچے ہوتے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''لیکن توجہ سابق کو بھلا دینے والے مذکورہ سابقین سے زیادہ لطیف الاستعداد ہیں، الخ'' یعنی ناسیان نے اپنی توجہ سابقہ اور وطنِ سابقہ کو کُلی طور پر فراموش کیا ہوتا ہے اور بدن و نفس کی طرف متوجہ ہو گئے ہوتے ہیں۔ ناسیان کی استعداد لطیف ہوتی ہے لہٰذا یہ لوگ جس طرف بھی متوجہ ہوں اسی طرف فانی ہو جاتے ہیں جبکہ سابقان کی رُوح یہ لطافت نہیں رکھتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ سابقین میں وہ توجہ عموم و سریان کو کلیۃ ان میں پیدا کر دیتی ہے، الخ'' یعنی سابقان میں وہ سابقہ توجہٗ رُوحی ان کے باطن سے ان کے ظاہری بدن میں بھی سرایت کرتی ہے نہ کہ ناسیان اور محبوبین میں سے۔ دونوں طائفوں یعنی سابقان اور ناسیان کی توجہ اور باطنی نسبت ان کے ظاہر میں بھی سرایت کرتی ہے مگر محبوبان اور غیرِ محبوب سابقان کا فرق حقیقت شئ اور صورتِ شئ کی مثل فرق رکھتا ہے یعنی محبوبان کی سرایت حقیقی اور دائمی سرایت ہوتی ہے جبکہ غیرِ محبوب سابقان کی سرایت اس طرح نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''ہاں محبانِ واصل اور مُریدانِ کامل کے لئے بھی اس قسم کے شمول (ایک قسم کی کیفیت) کا تحقق ہوتا ہے، الخ'' یعنی اگرچہ منتہی عارف محبوبیت نہیں رکھتا مگر اس کے باوجود بھی اس شمول کا حامل ہے۔ یعنی رُوح کی توجہ ان کے باطن کی نسبت کی وجہ سے ان کے ظاہر میں سرایت کرتی ہے، لیکن یہ دائمی نہیں بلکہ بَرقی ہوتی ہے یعنی بجلی کی طرح سُرعت کی طرح ایک لحظہ کے لئے ہوتی ہے۔ جبکہ دائمی شمول محبوبین کا خاصہ ہوتا ہے۔

[معرفت:

اَربابِ قلوب مجذوب جب مقامِ قلب میں قرار اور پختگی حاصل کرتے ہیں اور معرفت و صحو جو اس مقام کے مناسب ہے انہیں میسر آتی ہے تو ان سے طالبوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور طالبوں کی جماعت کو اُن کی صحبت سے انجذاب اور محبتِ قلبی حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے کمال تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ وہ ابھی خود حدِ کمال کو نہیں پہنچے ہوتے تو دوسروں کے لئے حصول کا ذریعہ کیسے بن سکتے ہیں؟ مشہور ہے کہ ناقص سے کامل چیز ظہور میں نہیں آسکتی۔ ان مجذوبوں سے جو بھی فائدہ پہنچتا ہے، اربابِ سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اربابِ سلوک نہایتِ سلوک کو پہنچ چکے ہوں اور منتہی حضرات کا جذب اپنے اندر پیدا کرلیں۔ لیکن انہیں مقامِ قلب میں براستہ عن اللہ باللہ نیچے نہیں لایا گیا۔ کیونکہ عالم کی طرف غیر مرجوع منتہی تکمیل وافادہ کا مرتبہ نہیں رکھتا۔ اس کی عالم سے کچھ مناسبت اور توجہ قلب باقی نہیں رہی، تاکہ اس سے فائدہ پہنچ سکے۔ اور شیخِ مقتداء کو جو برزخ کہتے ہیں، اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وہ مقامِ برزخیت کے مقام میں جو مقامِ قلب ہے نیچے آچکا ہوتا ہے۔ اور رُوح و نفس دو جہت سے اُس نے حصہ وافر لے لیا ہوتا ہے رُوح کی جہت سے فوق سے استفادہ کرتا ہے اور نفس کی جہت سے اپنے ماتحت کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے حق سبحانہٗ اور خلق دونوں کی طرف توجہ جمع ہو چکی ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی توجہ دوسری کے لئے حجاب اور پردہ نہیں۔ لہٰذا ایک وقت افادہ اور استفادہ اُس کے لئے حاصل ہے۔ بعض مشائخ اس برزخیت کو برزخیتِ بین الخلق والحق کہتے ہیں اور شیخ صاحب برزخ کو جامع بین التشبیہ والتنزیہ قرار دیتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس طرح کی برزخیت جس کی بناء سُکر پر ہے شیخی کے مقام کے لائق نہیں۔ جس کا منبع صحو پر ہے۔ اس لئے کہ ان کا نفس اس مقام میں انوارِ رُوح کے غلبات میں مندرج ہے۔ اور یہی اندراجِ سُکر کا منشاء ہے، اور قلب کی برزخیت کے مقام میں نفس اور رُوح ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ اس لئے لا محالہ یہاں سُکر کی گنجائش نہیں بلکہ یہاں صحو ہی صحو ہے جو مقامِ دعوت کے لائق ہے، اسے ذہن میں رکھو!

شیخ کامل کو مقامِ قلب میں جب نیچے لاتے ہیں تو وہ برزخیت کی وجہ سے عالم کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتا ہے اور کمالات کی استعداد رکھنے والوں کے لئے حصولِ کمالات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اور مقامِ قلب میں قرار پذیر مجذوب بھی عالم سے مناسبت رکھتا ہے اور اپنی توجہ اُن سے روک کر نہیں رکھتا۔ اور انجذاب اور محبت سے بھی اگرچہ قلبی ہی ہے حصہ رکھتا ہے۔ اس لئے فائدہ پہنچانے کا راستہ اُس پر بھی کھلا ہے۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ مجذوبِ متمکن (مقامِ قلب میں قرار پذیر) سے فائدہ پہنچنے کی مقدار خلق کی طرف لوٹائے گئے منتہی کے افادہ کی مقدار سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن منتہی کی کیفیتِ افادہ مجذوب کی کیفیتِ افادہ سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ خلق کی طرف لوٹائے گئے منتہی کو بھی اگرچہ جہان سے مناسبت پیدا ہو چکی ہے۔ تاہم یہ مناسبت صرف صُورت میں ہے ورنہ یہ منتہی حقیقت میں عالم سے جُدا ہے، اور اصل کے رنگ سے رنگین اور اس کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے۔ اور اس مجذوب کو عالم کے ساتھ حقیقتًا مناسبت ہے، اور اس کا شمار عالم کے افراد میں ہے، اور اُسی بقا کے ساتھ باقی ہے جس کے ساتھ عالم باقی ہے۔ اسی لئے لا محالہ طالبین مناسبتِ حقیقی کی وجہ سے مجذوب سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف برائے دعوت لوٹائے گئے منتہی سے کم۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ان مجذوبوں سے جو بھی فائدہ پہنچتا ہے، اربابِ سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتا ہے، الخ" یعنی یہ مجذوبِ متمکن جس نے نزول کیا ہو سالک کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اس لئے کہ وہ مجذوبِ متمکن اور یہ سالک دونوں وجودِ بشری پر باقی ہیں اور ابھی تک وجودِ موہوبی تک نہیں پہنچے ہیں۔ اور نیز یہ مجذوب چونکہ واصل نہیں ہوا مطلوبِ حقیقی کے وصول کے قصد و عزم کا حامل ہوتا ہے اور غیر مرجوع منتہی عالم کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس نے ابھی تک نزول نہیں کیا ہوتا اور مرجوع منتہی نے اگرچہ نزول بھی کیا ہوتا ہے پھر بھی اس سالک کی مناسبت حقیقی نہیں بلکہ مناسبتِ صُوری ہے۔ اس لئے کہ وہ عالم کی گرفتاری سے فارغ ہے۔ لہٰذا مجذوبِ متمکن کا افادہ بہ نسبت اس کے کہ سالک کے ساتھ مناسبت رکھے اس کے افادہ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اور سالک منتہی شیخ کی بہ نسبت اس مجذوب شیخ سے زیادہ فیض حاصل کرتا ہے۔ مجذوبِ متمکن وہ ہوتا ہے جس نے جذبہ بُدایت کے عروج سے نزول کیا ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "شیخِ مقتداء کو جو برزخ کہتے ہیں، الخ" یعنی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس عبارت سے مقصد یہ ہے کہ غیر مرجوع منتہی شیخ نہیں بن سکتا یعنی شیخ برزخِ طرفین ہوتا ہے کہ اپنی روح پر استفادہ اور اپنے نفس پر افادہ کرتا ہے اور اس کے رُوح کی توجہ نفس کی توجہ کے مانع اور اسی طرح اس کے نفس کی توجہ اس کے روح کی توجہ کے مانع نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "بعض مشائخ اس برزخیت کو، الخ" یعنی صوفیہ وجودیہ شیخ کو برزخ اور جامع تشبیہ و تنزیہ سمجھتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ شیخ دو مرتبہ

وجوب کا حامل ہوتا ہے جو کہ تنزیہ و تشبیہ سے عبارت ہے۔ اس لئے کہ صوفیہ وجودیہ کے نزدیک مرتبۂ تشبیہ بھی عالمِ وجوب ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ شیخ مرتبۂ تنزیہ عالمِ وجوب کا حامل ہوتا ہے اور مرتبۂ تشبیہ عالمِ امکان کا حامل ہوتا ہے۔ اور ان کے نزدیک تنزیہ روح سے عبارت ہے کہ اس کو حق سمجھتا ہے۔ ان کی یہ گفتار سُکر کی حالت میں ہے اس طرح کے مشائخ شیخیت نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کا نفس انوارِ رُوح کے غلبات میں مندرج ہے اور یہ لوگ رُوح کو مرتبۂ تنزیہ اور نفس کو مرتبۂ تشبیہ جانتے ہیں اور یہی اندراجِ نفس، رُوح میں ان لوگوں کا منشاء سُکر ہوتا ہے اور مقامِ برزخیت شیخیت اس طرح کا نہیں ہوتا بلکہ ان کے نفس نے رُوح سے الگ نزول کیا ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس لئے کہ خلق کی طرف لوٹائے گئے منتہی کو بھی اگرچہ جہاں سے مناسبت پیدا ہو چکی ہے، الخ" یعنی منتہی عارف جہان سے ظاہری مناسبت رکھتا ہے اور حقیقت میں جہان سے جُدا ہوتا ہے اس لئے کہ یہ عارف عالمِ وجوب کے رنگ پر رنگین ہوا لہٰذا عالم کے ساتھ حقیقی مناسبت نہیں رکھتا۔ اور مجذوبِ متمکن چونکہ منتہی نہیں ہوا تو اس کا شمار عالم کے افراد میں سے ہے اور اپنے وجودِ بشری پر باقی ہے۔

[لیکن کمالاتِ ولایت کے مراتب کا افادہ منتہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس ضروری بات ہے کہ فائدہ پہنچانے میں منتہی کا پہلو راجح ہے۔ نیز منتہی کے لئے فی الحقیقت ہمت اور توجہ نہیں ہے۔ اور مجذوب صاحبِ ہمت اور صاحبِ توجہ ہے۔ ہمت اور توجہ سے طالب کا کام آگے لے جاتا ہے۔ اگرچہ کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ نیز طالبوں کو مجذوبوں سے نہایت توجہ جو حاصل ہوتی ہے وہی رُوح کی پہلی توجہ ہے جس کو وہ فراموش کر چکے تھے اور مجذوبوں کی صحبت میں پھر انہیں یاد آئی اور توجہ قلبی کے اندراج کی صورت میں حاصل ہوئی۔ بخلاف اس توجہ کے جو منتہی حضرات کی صحبت میں پیدا ہوتی

ہے۔ یہ نئی توجہ ہے جو پہلے بالکل موجود نہ تھی۔ اور یہ فنائے رُوح بلکہ اس کے وجودِ حقانی کے ساتھ بقا پر موقوف تھی۔ تو ضروری طور توجہ اوّل بہت ہی سہل الحصول ہے، اور دوسری توجہ کا حصول دُشوار ہے، آسان چیز زیادہ پائی جاتی ہے اور مشکل شئ کم۔ یہیں سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جہتِ جذبہ کے حاصل کرنے میں شیخِ مقتداء واسطہ نہیں۔ کیونکہ یہ نسبت طالب کو اول سے ہی حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ نسیان کے باعث طالب کو صرف تنبیہ اور تعلیم کی حاجت تھی۔ لہٰذا اس شیخ کو شیخِ تعلیم کہتے ہیں، نہ کہ شیخِ تربیت۔

اور جہتِ سلوک میں منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے شیخِ مقتداء کی حاجت اور اس کی تربیت ضروری ہے۔ شیخِ مقتداء کو نہیں چاہیئے کہ اس قسم کے مجذوبِ متمکن کو افادۂ عام کی اجازت دے اور تکمیل اور پیری کے مقام پر بٹھائے۔ کیونکہ بعض طالب ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور کمال و تکمیل کی قابلیت اپنے اندر بدرجۂ اتم رکھتے ہیں۔ اگر یہ اس مجذوب کی صحبت میں آ پڑے تو احتمال ہے کہ وہ استعداد ضائع ہو جائے اور وہ قابلیت برطرف ہو جائے۔ مثلاً وہ زمین جو زراعت گندم کی پوری قابلیت رکھتی ہو، اگر اعلیٰ بیج اُس میں بوئیں گے تو بیج کی استعداد کے اندازہ کے مطابق اچھا پھل دے گی اور اگر اُس زمین میں رَدی گندم یا چنا بیج دیں گے تو پھل کیا زمین کی قابلیت ہی سلب ہو کر رہ جائے گی۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نیز طالبوں کو مجذوبوں سے نہایت توجہ جو حاصل ہوتی ہے، الخ" یعنی مجذوبِ متمکن چونکہ ابھی تک منتہی نہیں ہوا ہوتا اس لئے سالک کی رُوح پر توجۂ جدید نہیں کر سکتا بلکہ یہ وہی پہلی توجہ جو کہ سابق اور نزول سے پہلے اس کے

بدن پر ہوئی تھی وہ اسے یاد دلائی جاتی ہے۔ یعنی جب مجذوب متمکن شیخ کی توجہ سے اس کے مُرید کا قلب حیات ہو جاتا ہے پھر کچھ عرصہ بعد جب یہ مُرید پھر اپنے شیخ کی صحبت میں آئے تو یہ شیخ اس پر تجدید توجہ تو کر سکتا ہے مگر اس کی رُوح کو ترقی نہیں دے سکتا۔ اور رُوح کی یہ توجہ رُوح کی فنا سے قبل ہوتی ہے۔ لہٰذا آسانی کے ساتھ میسر ہو جاتی ہے مگر رُوح کی جدید توجہ مشکل تَر ہوتی ہے اور آسانی کے ساتھ میسر نہیں ہوتی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ جہتِ جذبہ کے حاصل کرنے میں شیخِ مقتداء واسطہ نہیں ہے اس لئے کہ رُوح کی سابق توجہ صرف پیرِ تعلیم چاہتی ہے تربیت کی محتاج نہیں ہوتی، اس وجہ سے اس مجذوبِ متمکن کو پیرِ تربیت نہیں بلکہ پیرِ تعلیم کہتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "شیخ مقتداء کو چاہیئے، الخ" یعنی شیخِ کامل و مکمل پر یہ لازم ہے کہ اس مجذوبِ متمکن کو سمجھائے کہ آپ شیخِ کامل و مکمل نہیں ہوئے ہیں، بلکہ پیرِ تعلیم ہیں۔ اور سالکین کو جذبہ ٔبدایت تک پہنچانے کے بعد رُخصت کر دیں تاکہ یہ کسی شیخ کامل و مکمل سے حصولِ طریقہ کرے۔ اور نیز اس کو طریقت کے دوسرے قیودات سے بھی آگاہ کرے اور اسے سمجھائے کہ آپ کا ارشاد و دعوت کرنا سالک کی مناسبت اور آپ کے طریقہ کے مطابق چند شرائط پر مشروط ہے۔ یعنی اس سالک کی استعداد کی مناسبت آپ کی استعداد اور آپ کے نفس کی سرکشی کا شکار نہ ہو اس لئے کہ ابھی تک یہ سالکِ مجذوب نفس کے تزکیہ تک نہیں پہنچا ہے اور اس کو یہ سمجھائے کہ استدراج اور مکرِ خداوندی سے ڈرتا رہے تاکہ کہیں اس کی یہ شہرت اس کے ضرر کا سبب نہ بن جائے۔ مرجوع منتہی افادہ و تکمیل میں ان قیودات کا محتاج نہیں ہوتا یعنی مرجوع منتہی جامعیت کے واسطہ سے تمام طرق اور استعدادات سے مناسبت رکھتا ہے یعنی چار سلاسل کی

کیفیات اس پر طاری رہتی ہیں اور ہمیشہ حق تعالیٰ و تقدس کے لئے التجاوزاری کرنا اس کا خاصہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کا نفس مزکی ہوتا ہے اور اس طرح یہ ہمیشہ تضرع والتجاہی میں رہتا ہے۔

[فرضًا اگر شیخ مقتدا اُسے اجازت دینے میں مصلحت دیکھے اور فائدہ پہنچانے کا معنی اس میں پائے تو چاہیئے کہ اُس کے افادے کو بعض قیود کے ساتھ مقید کرے۔ مثلاً یہ کہ اس کے طریقِ افادہ میں طالب کی مناسبت ظاہر ہو۔ اور یہ اس کی صحبت میں طالب کی استعداد ضائع نہ ہونے پائے۔ اور یہ کہ وہ مجذوب اس سرداری اور اقتداء میں نفس کی سرکشی کا شکار نہ ہو، کیونکہ تزکیۂ نفس نہ ہونے کے باعث ابھی اس سے خواہشِ نفسانی زائل نہیں ہوئی، اور جب اس مجذوبِ متمکن کو یہ معلوم ہو جائے کہ طالب اس سے پہنچنے والے فائدہ کی انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت موجود ہے، تو اس پر اس معنی کو ظاہر کر دے اور اُسے اپنے پاس سے جانے کی اجازت دے دے تاکہ وہ اپنا کام کسی دوسرے شیخ سے جا کر مکمل کرے۔ اور اپنے منتہی ہونے کا دعویٰ نہ کرے، اور اس حیلہ سے طالبوں کی راہزنی کے مرتکب نہ ہوں، اسی طرح کے اور شرائط جو اس کے وقت اور حال کے مناسب جانے انہیں بیان کرے اور یہ وصیت مکمل کر کے اُسے رُخصت دے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "فرضًا اگر شیخِ مقتداء اسے اجازت دینے میں مصلحت دیکھے اور فائدہ پانے کا معنی اس میں پائے تو چاہیئے کہ، الخ" یعنی اگر شیخِ مقتداء سالکین کی استعداد کی تشخیص کر سکتا ہو لہٰذا وہ مجذوب جس نے کہ جذبۂ بدایت سے نزول کیا ہو اور مبتدی سالکین اس سے مستفید ہو سکتے ہوں تو شیخِ مقتداء کو اجازت ہے کہ مبتدی سالکین کے

استفادہ کے لئے اس کو اجازتِ خلافت عطا فرمادے تا کہ یہ دوسرے سالکین کو رہنمائی اور تعلیم دے سکے۔

وہ سالک جو اپنے مُرشد کے ساتھ مشرب میں مناسبت رکھتا ہو یعنی شیخ اور سالک کا مشرب ایک ہو تو ایسا سالک اپنے مُرشد سے بہت اچھا استفادہ کر سکتا ہے اور اگر مُرشد اور سالک کے مشرب کی مناسبت نہ ہو تو یہ سالک اُسی اندازے سے اپنے مُرشد سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ مگر وہ منتہیان جو کہ اپنے اسمِ مُربی تک پہنچ چکے ہوتے ہیں وہ طائفہ امورِ افادہ میں ان قیودات سے مستثنٰی ہیں۔ یعنی سالکین جو کسی بھی مشرب کے ساتھ منسوب اور کسی بھی قسم کی استعداد کے مالک ہوں اس طرح کے شیخِ منتہی سے مستفید ہو سکتے ہیں اس دلیل کی وجہ سے منتہی عارف نے فناوبقا کے واسطہ سے اور اپنے اسمِ مُربی تک پہنچنے کے واسطہ سے اور اپنے اسمِ مُربی کے وسیلہ سے حق تعالیٰ وتقدس کی تمام صفات کے انعکاسات جامع طور پر حاصل کئے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہر ایک صفت تمام صفات کی جامع ہے اور اس نے تمام طرق واستعدادات کے ساتھ مناسبت پیدا کی ہے۔ اسی بناء پر مختلف الاستعداد سالکین جو کہ مشارب میں سے ہر مشرب کے حامل ہوں ارشاد وتربیت کر سکتے ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ سالکین جو شیخِ منتہی کے ساتھ ہم استعداد اور ہم مشرب ہوں وہ دوسرے تمام سالکین کی بہ نسبت بڑی تیزی سے مستفید ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ وتقدس کا ہر اسم حق تعالیٰ وتقدس کے تمام اسماء کا جامع ہے اسی بناء پر جو عارف اپنے اسمِ مُربی (جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہوتا ہے) تک پہنچ جاتا ہے اپنے اس اسمِ مُربی کے واسطہ سے جامع ہو کر تمام استعدادات کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتا ہے، اس لئے کہ حق

تعالیٰ و تقدس کی ہر ایک صفت تمام صفات کے کمالات کی مالک ہے، پس شیخِ منتہی ہر قسم کے سالک کی تربیت کر سکتا ہے اور تمام مشارب کا جامع ہو جاتا ہے۔

[لیکن دعوت وارشاد کی خاطر مخلوق کی طرف لوٹایا گیا منتہی صاحبِ معرفت افادہ اور تکمیل میں ان قیود کا محتاج نہیں۔ کیونکہ اس میں جامعیت کی وجہ سے تمام طرق واستعدادات کے ساتھ مناسبت ہے۔ ہر شخص استعداد اور مناسبت کے اندازہ کے مطابق اُس سے حصہ پائے گا۔ اگرچہ شیوخ اور مقتداء اربابِ معرفت کی صحبت میں قوت اور ضعف کی مناسبت جلد یا بدیر فیض یاب ہونے میں فرق ہے۔ تاہم اصل افادہ میں تمام مساوی الاقدام ہیں۔

شیخِ مقتداء کے لئے افادۂ طالب کے وقت جنابِ حق سبحانہٗ میں التجا اور اس اشتہاء کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ گرفت کے خوف سے اس کی مضبوط رسی کو تھامے رکھے۔ اور یہ التجا نہ صرف اس کام میں بلکہ تمام کاموں اور تمام اوقات میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمادی ہے، ہر وقت اور ہر فعل میں اُس سے جُدا نہیں ہو سکتی۔

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (الحدید ۲۱)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "منتہی صاحبِ معرفت افادہ اور تکمیل میں ان قیود کا محتاج نہیں، الخ"۔ یعنی منتہی جامعیت کی وجہ سے تمام طرق اور استعدادات میں مناسبت رکھتا ہے اور ہمیشہ حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ میں التجاء اس کا خاصہ رہتا ہے اس لئے کہ اس کا نفس تزکیہ ہو چکا ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لئے تضرع اور التجاء میں رہتا ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ شیخِ منتہی بھی ایک معین مشرب کا حامل ہوتا ہے تو اس پر جامعیت کا اطلاق کیسے کیا جا سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ شیخِ منتہی حق تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ ثمانیہ میں سے ایک صفت جو کہ اس کا مبدأ فیض ہو پہنچا ہوتا ہے اور صفاتِ ثمانیہ میں سے ہر ایک صفت حق تعالیٰ و تقدس کی تمام صفاتِ ثمانیہ کے کمالات کی حامل ہوتی ہیں۔ اسی بناء پر شیخِ منتہی کو جامع کہا جاتا ہے۔ پھر بھی جو سالک اپنے شیخِ مقتداء کے ساتھ مشربی مناسبت کا اشتراک رکھتا ہو، دیگر سالکین کی بہ نسبت اس سالک کا استفادہ زیادہ تَر ہوتا ہے اگرچہ دیگر سالکین اپنے شیخِ مقتداء کے ساتھ مشربی اشتراک نہ رکھنے کے باوجود بھی شیخِ مقتداء کی جامعیت کے سبب اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ میں رجوع والتجا سے مانع نفسِ امارہ ہے چونکہ اس کا نفس تزکیہ اور مطمئنہ ہوا ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ و تقدس اس سے راضی اور وہ حق تعالیٰ و تقدس سے راضی ہو چکا ہوتا ہے، اسی بناء پر عارف کا وہ رجوع اور التجا خود بخود مطلوبِ حقیقی کے ساتھ موجود ہے۔ جس طرح حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَالَ یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور میری طرف رجوع کرو۔

حضرت محمد شمس الدین حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیوانِ حافظ میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجابِ خودی حافظ آز میان برخیز

ترجمہ: عاشق اور معشوق کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے، اے حافظ تو خود اپنے لئے پردہ ہے لہٰذا درمیان سے اُٹھ جا۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ انت الغمامة علی شمسک یعنی تیرے نفس کی خواہشات سورج پر تیری استعداد کا بادل بن گئی ہے۔ ایک اور بزرگ نے فرمایا ہے "تو یوسفی فتادہ دَر چاہ" یعنی تیری استعداد بمنزلہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہے جو کہ اپنے نفس کے کنویں میں گر گیا۔

اسی طرح پشتو زبان میں بھی کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

له دي خور لي سپي را تير شه

له دي ملالي خو لي به زه در تير شمه

ترجمہ: اس پاگل کتے سے جو کہ تیرا نفس ہے گزر جا، یعنی اپنے نفس کی اطاعت چھوڑ دے، میں تجھے اپنے دیدار سے بہرہ ور کر دوں گا۔

حضرت مرزا عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فیض خواہی در وداع الفت زنگار کوش

چوں صفات آئینہ است گیرد جہانِ دیگری

ترجمہ: اگر آپ میں سے کوئی فیض حاصل کرنے کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے دِل کا زنگ صاف کرنے کی کوشش کرے تاکہ صفات سے اس کے دل کا آئینہ (یعنی قلبِ حقیقی) پر انوارات کا ظہور ہو۔

[مقصدِ ثانی:

اُن اُمور کے بیان میں جو سلوک سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ طالب جب سلوک کے راستہ سے فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اگر اس اسم تک جو اُس کا رب ہے پہنچ جائے اور اس میں فانی اور ہلاک ہو جائے تو فنا کا اطلاق اُس پر درست ہو جاتا ہے۔ اور اس اسم کے ساتھ بقا کے بعد بقا کا اطلاق بھی اس لئے مسلّم (درست) ہو جاتا ہے۔ اور فنا اور بقا کے ساتھ ولایت کے مرتبۂ اوّل کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں تفصیل ہے جس کے لئے بات پھیلا کر کرنا ضروری ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جاننا چاہیئے کہ طالب جب سلوک کے راستہ سے فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، الخ" یعنی فوق کی طرف توجہ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ جذبۂ شیخ یا حق تعالیٰ و تقدس کی عنایت کا جذبہ سالک کی توجہ کا سبب ہو جانا۔ اور اس توجہ کو توجۂ سلوکی نہیں بلکہ توجۂ جذباتی کہا جاتا ہے اس لئے کہ تصفیۂ لطائف اور تزکیۂ نفس سے قبل توجہ کی یہ قسم سالک کے حال کی طرف عائد ہو جاتی ہے۔

۲۔ تصفیہ اور تزکیہ طالب کی توجہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ توجہ کی اس قسم کو توجۂ سلوکی کہا جاتا ہے۔ اور یہ مدارِ اعتبار ہے اگر یہ سالک اپنے اسمِ مُربی تک پہنچ جائے اور اس میں فانی ہو جائے تو اس سالک پر فنا کا اطلاق درست سمجھا جائے گا، سالکین اوّل کے برعکس جو کہ صرف جذبہ تک پہنچے ہیں کہ یہ وصولِ جنذبی ان کے فنا و بقا کا سبب نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ جذبہ پر پہنچنا سالک کا کمال نہیں ہے بلکہ اس کا جذبہ پر وصول بہ نسبت عواملِ خارجی کے صورت پذیر ہونا ہے جو کہ توجۂ شیخ سے عبارت ہے یا سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل اتباع سے۔ اور وصولِ ثانی جو کہ سلوک کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے چونکہ یہ وصول لطائف کے تصفیہ اور تزکیہ کے نتیجہ میں میسر آتا ہے۔ اسی بناء پر فنا

وبقاء کا سبب ہو تا ہے، اور یہ وصولِ ثانی عواملِ خارجی کے ذریعہ سے نہیں بلکہ سالک کے کمال سے ہو تا ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ فنا اسمِ مُربی تک پہنچنے اور نسیان ماسوا سے عبارت ہے۔ اور بقا انعکاس پکڑنا اور اس اسم کے کمالات پر متخلق ہونے سے عبارت ہو تا ہے۔

میں یہاں تصفیہ اور تزکیہ کی تشریح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

تصفیہ: تصفیہ پاک کرنے سے عبارت ہے، اور اصطلاح میں اپنے قلب سے شرک و کفر اور گناہِ کبیرہ وغیرہ کے زنگ دور کرنے سے عبارت ہے کہ قلب کی وہ پاکی اور صفائی اللہ تعالیٰ کے اسم کا ذِکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سر دارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ, وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

ترجمہ: ہر چیز کے لئے صیقل (صفائی) ہے اور دِلوں کا صیقل (صفائی) اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔[1]

تزکیہ: تزکیہ پاک صاف کرنے اور نشو و نما کرنے سے عبارت ہے زکوٰۃ کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہے اور اصطلاح میں نفسِ عنصری سے عبارت ہے یعنی تزکیۂ نفس سے مراد ہے کہ نفسِ انسانی میں موجود شر کے فطری غلبہ کو دُور کرنا اور اسے گناہوں کی ان آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنا جو رُوحانی نشو و نما میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ بدی کی ان تمام خواہشات پر غلبہ پالینے کا عمل تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کیاری میں کوئی سبزی کاشت کرے پھر اس کے بعد وہاں غیر ضروری گھاس پھونس اُگ آئے جو سبزی کی نشو و نما میں رکاوٹ بن رہی ہو تو اسے

---

[1] (الدعوات الكبير للبيهقي، ج ۱، ص ۸۰، الناشر: غراس للنشر والتوزيع - الكويت)

اُکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے تاکہ زمین کی ساری تخلیقی قوت اس گھاس پھونس پر صَرف ہونے کی بجائے صرف سبزی کی نشوونما پر ہی صَرف ہو۔ صفائی کے اس عمل کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔

اور یہ نفس چار عناصر سے مرکب ہے: اول: آگ، دوم: ہوا، سوم: پانی، چہارم: مٹی۔ جس وقت عالمِ اَمر کے لطائف کا تصفیہ ہو جائے تو اس کے بعد جا کر عالمِ خلق کے لطائف تزکیہ ہوتے ہیں جس سے سالک کو اپنے قہر و غصہ کو ختم کرنے اور اس پر قابو پانے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔

جس طرح کہ حق تعالیٰ و تقدس کا فرمان ہے کہ:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (٩) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (الشمس ١٠)

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا، اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چُھپایا۔

محی السنۃ حضرت ابو محمد حسین بن مسعود البغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر البغوی معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

مَعْنَاهُ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّى نَفْسَهُ فَأَصْلَحَهَا وَحَمَلَهَا عَلَى طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَل۔

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کی اصلاح کر لی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔[1]

اور نیز اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۱۳۴)

ترجمہ: اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔

---

[1](تفسیر معالم التنزیل، ج٦، ص ۱۰۲۰، الناشر: دار السلام للنشر و التوزیع - الریاض)

اس میں سب سے پہلے ہوا وہوس جو کہ شہوت اور تکبر پر قابو پاناہے اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا اپنے خاکی چلن سے پانی کی طرح نرم اور ملامیت کے لئے پاک ہو جاتا ہے جس سے اس کو علم، حوصلہ اور نرمی میسر ہو جاتا ہے۔ تیسرا مٹی کا تزکیہ اور وہ یہ ہے کہ یہ عاجزی اور استغفار میں مصروف ہو اور اپنے آپ کو مٹی کی طرح سمجھے کہ اس پر جو بھی چیز قدم رکھتی ہے وہ اپنے آپ کو اس سے ذلیل وخوار جانتی ہے۔

فانی کی دو اقسام ہیں:

اوّل: جو سالک اپنے اسمِ مُربی میں فانی ہو جائے اُسے فانی فی اللہ نہیں بلکہ مطلق فانی کہا جاتا ہے۔

دوم: جو سالک اپنے اسمِ مُربی سے گزر کر شیونات یا حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ بحت تک پہنچ جائے، تو اس سالک پر فنائے مطلق یا فنا فی اللہ کا اطلاق درست ہو گا۔ جبکہ اوّل قسم کے سالک پر مطلق فنا کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن فنائے مطلق اور فنا فی اللہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کی فنا اس کے اسمِ مُربی سے تعلق رکھتی ہے، اور ابھی تک یہ اس فناءِ ذاتی پر مشرف نہیں ہوا ہے۔ ولایتِ صغریٰ میں اسمِ مُربی سے مراد صفاتِ فعلی اور اضافی ہیں، اور ولایتِ کبریٰ میں صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ۔

سالک کی دو اقسام ہیں: ایک وہ سالک جو ولایتِ صغریٰ تک پہنچ کر اپنے اسمِ مُربی پر مشرف ہو گیا ہو اور اس اسم پر بقا حاصل کر لی ہو۔ خلاصہ یہ کہ مرتبۂ ولایتِ صغریٰ میں اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسمِ مُربی صفاتِ فعلی اور اضافی ہوتی ہیں۔ اور ولایتِ کبریٰ کے عارفان کا اسمِ مُربی صفاتِ ذاتیہ ہوتی ہیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ حقیقت میں اولیاء کرام کا اسمِ مُربی صفاتِ ثمانیہ کا ظلال ہوتی ہیں لیکن سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

وسلم کی کامل و مکمل متابعت سے بھی صفاتِ ثمانیہ پر مشرف ہو جاتے ہیں اور اس سے بھی بلندی پر عروج کر سکتے ہیں۔

[تمہید:

ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے جو فیض پہنچتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا بندے کی ایجاد (موجود کرنے)، ابقاء (باقی رکھنے)، تخلیق (پیدا کرنے)، ترزیق (رزق دینے) اور اُسے احیاء (زندگی دینے) اور اماتت (مارنے) وغیرہ سے متعلق ہے۔ اور دوسری قسم ایمان، معرفت اور مراتبِ ولایت و نبوت کے کمالات سے تعلق رکھتی ہے۔ فیض کی اوّل قسم صرف واسطۂ صفات سے ہے اور بس۔ اور فیض کی دوسری قسم بعض کو صفات کے واسطہ سے اور بعض کو شیونات کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ اور صفات اور شیونات کے درمیان فرق بہت باریک ہے جو محمدی المشرب اولیاء میں سے بھی بہت کم پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو۔ خلاصۂ فرق یہ ہے کہ صفات تو ذاتِ تعالیٰ و تقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اور شیونات ذاتِ عزّ سلطانہٗ میں صرف درجۂ اعتبار میں ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے جو فیض پہنچتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں، الخ" یعنی:

۱۔ وہ فیضِ تخلیقی جو کہ سالک کی ایجاد و پیدائش کا سبب بنتا ہے۔

۲۔ وہ فیضِ کمالاتی ہے جو کہ سالک کی ایمان و معرفت اور کمالاتِ ولایت و نبوت کا سبب بنتا ہے۔

اول قسم کے فیض کا حصول صرف صفات کے توسط سے ہے۔ اور دوم قسم کے فیض کا حصول بعض کو تو صفات کے توسط سے اور بعض کو فیوض کا حصول شیونات کے توسط سے میسر ہوتا ہے۔
حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبدأ فیض متعدد ہیں یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجود وجسد مبارک کا مبدأ فیض صفات، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالات کا مبدأ فیض شیونات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض بلند تَر ہے۔ جبکہ دیگر حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے دونوں (تخلیقی وکمالاتی) مبدأ فیض صفات ہیں۔ یعنی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبدأ فیض تین ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تخلیقی مبدأ فیض صفت العلم ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالاتِ حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیضِ شان العلم ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالاتِ حقیقتِ احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان العلم سے اوپر ہے۔ خلاصہ یہ کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبدأ فیض متعدد اور باقی تمام حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبدأ فیض متعدد نہیں بلکہ ایک، ایک ہے۔ اور حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبدأ فیض صفاتِ ثمانیہ ہیں نہ کہ شیونات۔ جس طرح کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تخلیقی اور کمالاتی مبدأ فیض صفتِ تکوین ہے، حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تخلیقی اور کمالاتی مبدأ فیض تفصیلِ صفت العلم ہے، حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ

الصلوٰۃ والسلام کا تخلیقی اور کمالاتی مبدأ فیض صفت القدرت ہے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تخلیقی اور کمالاتی مبدأ فیض صفت الکلام ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ محمدی المشربان کے مبدأ فیض بھی متعدد ہوتے ہیں مگر ظلی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "صفات اور شیونات کے درمیان فرق بہت باریک ہے، الخ" یعنی محمدی المشربان اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ شیونات کے شہود پر مشرف ہیں، اسی بناء پر یہ حضرات صفات وشیونات میں فرق وامتیاز کر سکتے ہیں اور دیگر مشارب کے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ چونکہ مقامِ شیون تک نہیں پہنچے اس لئے یہ حضرات شیونات کی خبر نہیں رکھتے اور صفات کو شیونات سے اور شیونات کو صفات سے جُدا نہیں کر سکتے۔

[یہ بحث ایک مثال سے واضح اور روشن ہو جاتی ہے، پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے، یہ طبعی فعل اُس میں حیات، علم، قدرت اور ارادہ پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اربابِ علم اپنے ثقل کے واسطہ سے اپنے علم کے تقاضہ کے مطابق اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور علم حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے۔ اور ارادہ سے قدرت بھی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ ارادہ احد المقدورین کی تخصیص کا نام ہے یہ اعتبارات پانی کی ذات میں بمنزلہ شیونات ہیں۔ اگر پانی کی ذات میں ان اعتبارات کے ساتھ پانی کی ذات پر صفاتِ زائدہ بھی ثابت تسلیم کی جائیں تو وہ زائد الوجود کے ساتھ بمنزلہ صفات ہیں۔ پانی کو پہلے اعتبارات کی وجہ سے حی، عالم، قادر اور مُرید نہیں کہہ سکتے۔ ان ناموں کے لئے صفاتِ زائدہ کا وجود درکار ہے۔ پس بعض مشائخ کی عبارت میں جو پانی کے لئے مذکورہ ناموں کے اثبات کے لئے واقع ہوا ہے۔ اس کا مبنیٰ شیون اور صفات میں عدمِ فرق ہے، اسی طرح وجودِ صفات کی نفی کا حکم بھی عدمِ فرق پر محمول ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ بحث ایک مثال سے واضح اور روشن ہو جاتی ہے، الخ" یعنی از روئے عقل پانی کی نقل و حرکت ارادہ کو مستلزم ہے اور ارادہ پانی سے منتزع یعنی جُدا ہے کیونکہ ارادہ کا انتزاع ایک امرِ غیر ہے، اور اس جگہ ارادہ پانی پر قیامِ خارجی نہیں رکھتا۔ صفات وہ چیز ہیں جو وجودِ خارجی کی حامل ہیں اور شیونات وجودِ خارجی کی حامل نہیں ہیں، بلکہ ایک انتزاعی اور اعتباری اَمر ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے شیونات کو بمنزلہ پانی پر قیاس کیا ہے یعنی پانی کے ارادہ کو دیکھنے والا اسے ایک انتزاعی امر سمجھتا ہے اور گمان کر لیتا ہے کہ پانی ارادے والا ہے، اور اپنے ارادے کی وجہ سے حرکت کرتا ہے۔ پس جاری پانی سے ارادے کا انتزاع بمنزلہ شان ہے جو کہ وجودِ خارجی نہیں رکھتا بلکہ صرف وجودِ انتزاعی کا حامل ہوتا ہے۔ اسی بناء پر پانی کو مُرید (ارادہ کیا گیا) نہیں کہا جا سکتا۔ شیونات و اعتبارات ذاتیہ بھی چونکہ قیامِ خارجی نہیں رکھتے اور ذات پر زائد نہیں ہیں اور اُمورِ منتزعہ ہیں۔ لہٰذا حملِ عالم کا سبب اور قادر نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پانی عالم و قادر ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ حمل کرنا قیامِ خارجی چاہتا ہے اور اُمورِ منتزعہ میں قیامِ خارجی موجود نہیں ہے، تو اسی بناء پر صفاتِ ثمانیہ کے برعکس حملِ عالَم بھی درست نہیں ہے۔ اس واسطہ سے کہ صفاتِ ثمانیہ ذات پر زائد ہیں لہٰذا حملِ عالَم و قادر درست ہے اور صفتِ خارجی کا قیام حمل کا سبب ہو سکتا ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ انتزاعِ آب مستلزم کا ارادہ انتزاعِ حیات و علم آب ہوتا ہے اس لئے کہ ارادہ علم کے تابع ہے اور علم حیات کے تابع ہے تو اسی بناء پر جو شخص پانی کو مُرید (ارادہ کیا گیا) کہتا ہے حی و عالم بھی کہہ سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا اس جگہ خلاصہ اور مراد یہ ہے کہ ارادہ، علم اور حیات پر موصوف ہونا ان صفات کے وجودِ خارجی کا فرع ہے اور صَرفِ وجودِ انتزاعی کی ان صفات کا پانی پر اطلاق درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ صدقِ مشتقی مبداء کا قیام چاہتا ہے اور ارادہ، علم اور حیات خارج میں آب کی ذات کے ساتھ قیام نہیں رکھتے۔ صرف ایک انتزاعی امر ہے، اسی بناء پر پانی کو مُرید، عالم وحی نہیں کہا جاسکتا۔ بعض اولیاء کرام جو حق تعالیٰ وتقدس کے وجودِ خارجی کے قائل نہیں ہوتے صرف حق تعالیٰ وتقدس کے انتزاعیہ صفات کے وجود کو حی اور عالم سمجھتے ہیں ان لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے اس لئے کہ وجودِ صفاتِ خارجی کے ثبوت میں صفات ایک ضروری امر ہے نہ کہ اس کے وجودِ انتزاعی کے۔ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ طبقہ درایت کی قلت کے سبب صفات کے شہود پر اور صفاتِ خارجی کے شہود کی ضعفِ بصیرت پر مشرف نہیں ہوا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے مراتبِ وجوب میں بصیرتِ تام پیدا کی ہے وہ حق تعالیٰ وتقدس کی تمام صفاتِ مقدسہ کو حق تعالیٰ وتقدس سے جُدا گانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔

[شیون اور صفات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ شیون صاحبِ شیون کے رُوبرو ہیں اور صفات کا مقام اس طرح نہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور وہ اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قدم پر ہیں، اُن کے لئے فیضِ ثانی کا وصول شیونات کے واسطہ سے ہے۔ اور باقی انبیاء اور اولیاء صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم وعلیٰ جمیع ابتاعہم کی وہ جماعت جو اُن کے قدم پر ہے اُن کے لئے اس کا فیض بلکہ فیضِ اوّل کا پہنچنا صفات کے واسطہ سے ہے۔ پس ہم کہتے ہیں جو اسم آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور دوسرے فیض کے پہنچنے کا ذریعہ ہے، وہ شان العلم کا ظل ہے۔ اور یہ شان تمام اجمالی اور تفصیلی شیونات کی جامع ہے۔

اور وہ ظل شانِ علم کے لئے ذاتِ تعالیٰ وتقدس کی قابلیت بلکہ تمام اجمالی اور تفصیلی شیونات کی قابلیت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ قابلیت اگرچہ ذاتِ عزّ سلطانہٗ اور شان العلم کے درمیان برزخ ہے۔ لیکن جب اس کی ایک جہت بے رنگ ہے، اور وہ ذاتِ تعالیٰ وتقدس کی جہت ہے، لہٰذا برزخ میں بھی اس کا رنگ پیدا نہیں ہوتا۔ پس وہ برزخ دوسری جہت کے رنگ سے جو کہ شان العلم ہے رنگین ہے۔ اس لئے ناچار اُسے اس ظلِ شان کا ظل کہا ہے۔ نیز ظلِ شئ دوسرے مرتبہ میں ظہورِ شئ سے عبارت ہے۔ اگرچہ شبہ اور مثال کی صورت میں ہو۔ اور جبکہ برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے۔ تو لا محالہ یہ برزخ مکاشفہ کے وقت اُس شان کے تحت منکشف ہوتا ہے، تو اوّل سے آخر تک اس ظہور کے اعتبار سے ظلیت کا اطلاق مناسب واقع ہوا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "شیون اور صفات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ شیون صاحبِ شیون کے رُوبرو ہیں، الخ" یعنی جو سالکین صفات کے شہود تک پہنچے ہوں، ابھی تک حق تعالیٰ وتقدس کے مرتبۂ ذات کے وصول سے بے نصیب ہیں اور وہ سالکین جو شیونات کے شہود تک پہنچے ہیں وہ حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کے وصول پر مشرف ہیں اس لئے کہ شیونات حق تعالیٰ وتقدس کی ذات سے منتزع ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات سے زائد نہیں ہیں مگر صفات وجودِ خارجی رکھتی ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات پر زائد ہیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ جو سالکین صفات میں سیر تفصیلی کر لیں اور تمام صفات کے تعلقات پر وارد ہو جائیں مرتبۂ ذات سے دُور تر ہوتے ہیں، اس لئے کہ ممکنات بھی صفات کی متعلقات سے ہیں اسی وجہ سے حضرت مجدد

الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ مقامِ شیون حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کے مواجہ ہے اور صفات کے مقامات اس طرح نہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ شیون واعتبارات کیونکہ ذات سے انتزاع میں ہیں اور ذات پر زائد نہیں ہیں لہٰذا شیون کی توجہ اور اعتبارات کی توجہ ذات پر توجہ ہے اور توجہ صفاتِ ثمانیہ توجہ ذات نہیں ہے، اور توجہ اعتبارات ذاتِ بحت پر توجہ ہے۔ مگر صفاتِ ثمانیہ چونکہ مصداقاتِ صفات ذات سے علیحدہ اور ذات پر زائد ہوتی ہیں لہٰذا توجہ بہ صفات، ذات پر توجہ نہیں ہے بلکہ توجہ بہ صفات اور توجہ بہ ظلال اور صفات کی تفصیلات ہوتی ہیں۔ تو اسی بناء پر توجہ بہ صفات عینِ ذات کی طرف توجہ نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "پس ہم کہتے ہیں جو اسم آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور دوسرے فیض کے پہنچنے کا ذریعہ ہے، وہ شان العلم کا ظل ہے، اور یہ شان تمام اجمالی اور تفصیلی شیونات کی جامع ہے، الخ" یعنی شان العلم کا ظل اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ شان ذات کی قابلیت سے عبارت ہے اور شان العلم کو ذات وشان کے درمیان قابلیت سے ایک نسبت ہوتی ہے۔ یعنی ذات وشان کے درمیان برزخ ہے اور برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے۔ اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ یہ برزخ مکاشفہ کے وقت اس شان کے تحت منکشف ہوتا ہے، تو اوّل سے آخر تک اس ظہور کے اعتبار سے ظلیّت کا اطلاق مناسب واقع ہوتا ہے۔

شان العلم جو کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض ہے۔ یہ اس شان سے عبارت ہے کہ تمام صفات اس شان کو معلوم ہوتی ہیں اور نیز شان العلم تمام شیونات کی حامل ہے۔ اور شان العلمی جو کہ محمدی المشرب اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

کی مُربی ہے اس جامع شان کی جزئیات ہیں، اس تفصیل کے ساتھ محمدی المشرب عارف کی ایک معین صفت کا متعلق مربی شان العلمی ہے اور محمدی المشرب عارف کا مبدأ فیض دوسرا شان العلمی ہے جو کہ دوسری صفت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پس محمدی المشربان اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبادئ فیوض اس شانِ جامع کی جزئیات ہوتی ہیں جو کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مُربی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ شان العلم جو کہ تمام شیون وصفات کے ساتھ متعلق ہے اسی وجہ سے جامعیت رکھتی ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ جب سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کمالاتی مبدأ فیض شانِ جامع ہے اور شیونات ایک انتزاعی اَمر ہے اور ذات سے جُدا نہیں ہے۔ اسی بناء پر سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے شہود میں کوئی حائل موجود نہیں ہے۔ یعنی ظلمانی حجابات تو بالکل نہیں اور نورانی حجابات بھی موجود نہیں ہیں۔ مگر باقی تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادئ فیوض چونکہ صفاتِ ثمانیہ ہیں اور صفاتِ ثمانیہ وجودِ خارجی رکھتی ہیں تو اس لئے ان حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے شہود میں صفات کا وجود حائل ہوتا ہے اور ان حضرات علیہم السلام کو عینِ ذات کا شہود براہِ راست یا بلا واسطہ نصیب نہیں ہوتا بلکہ عینِ ذات کا یہ شہود باقی تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے میسر ہوتا ہے۔ اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل ومکمل پیروی کرنے والے اولیاء

کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل متابعت کی وجہ ظلی طور پر شہودِ ذات پر مفتخر ہوتے ہیں۔

شان العلم کہ اس کے متعلق کو معیّن صفت سمجھ لیا جائے یہ شان ظل اس شانِ جامع کُلی کا ان افراد میں سے ایک فرد ہوتا ہے، اسی بناء پر محمدی المشربان کے فیوض ان افراد میں سے ایک فرد کا شانِ جامع ہوتے ہیں اور چونکہ یہ شانِ جامع زیادہ افراد رکھتا ہے لہٰذا ان کا ایک فرد ایک عارف کا مُربی اور بقیہ میں دوسرا فرد دوسرے عارف کا مُربی ہوتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

[اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک گروہ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وبارک کے قدمِ مبارک پر ہے۔ وہ اسماء جو اُن کے رب ہیں فیضِ ثانی کے وصول ہیں اس قابلیت کے ظلال ہیں۔ اور اس ظلِ مجمل کے لئے تفاصیل کی طرح ہیں اور باقی انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیٰ نبینا وعلیہم کے رب اور بعض کے لئے فیضِ اوّل اور ثانی کے وصول کا واسطہ قابلیات کا ذاتِ عزّ سلطانہ کے ساتھ اتصاف ہے صفاتِ موجودہ زائدہ کے ساتھ۔ اور وہ گروہ جو اُن کے قدموں پر ہے فیضِ اوّل وثانی کے پہنچنے میں اُن کے رب کی صفات ہیں۔ اور آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے فیضِ اوّل کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ تمام صفات کے ساتھ ذاتِ تعالیٰ وتقدس کی قابلیت اتصاف ہے۔ گویا وہ تمام قابلیتیں جو باقی انبیاء صلوات اللہ وبرکاتہٗ وتسلیماتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم کے لئے فیوض کے وسائل کی قابلیات ہیں، اس قابلیتِ جامع کے ظلال ہیں۔ اور اس جامع مجمل کے لئے بمنزلہ تفاصیل ہیں، اور وہ گروہ جو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کے قدمِ مبارک پر ہے، اُن کے لئے بھی فیضِ اوّل کے وصول کے وسائط ایک جُدا چیز یعنی صفات ہیں۔ پس محمدی سالک کے لئے فیضِ اوّل کے وصول کے ذرائع اور

وسائل فیضِ ثانی کے وصول کے وسائط سے جُدا ہیں۔ بخلاف دوسروں کے کہ اُن کے لئے ایک ہی چیز ہے، یعنی صفات۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "باقی انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم کے رب اور بعض کے لئے فیضِ اوّل اور ثانی کے وصول کا واسطہ قابلیلات کا ذاتِ عزّ سلطانہٗ کے ساتھ اتصاف ہے، صفاتِ موجودہ زائدہ کے ساتھ۔ اور وہ گروہ جو اُن کے قدموں پر ہے فیضِ اوّل وثانی کے پہنچنے میں اُن کے رب کی صفات ہیں، الخ" یعنی دیگر حضرات انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے دونوں فیض اور وہ لوگ جو ان حضرات علیہم السلام کے اقدام (قدموں مبارک) پر ہیں صرف صفات ہیں اور محمدی المشربان کے مبدأ فیض متعدد ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے فیضِ اول کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ تمام صفات کے ساتھ ذاتِ تعالیٰ وتقدس کی قابلیتِ اتصاف ہے۔ گویا وہ تمام قابلیتیں جو باقی انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہ وتسلیماتہ علیٰ نبینا وعلیہم کے لئے فیوض کے وسائل کی قابلیات ہیں، اس قابلیتِ جامع کے ظلال ہیں، الخ" یعنی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تمام صفات کے ساتھ فیض تخلیق کے وصول کا واسطہ اتصافِ ذات کی قابلیت ہے۔ پس دیگر حضراتِ انبیاء عظام کے وصولِ فیض کی قابلیلات اس قابلیتِ جامع کی جزئیات ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیضِ اوّل اور فیضِ ثانی کے وصول کا واسطہ صفت الکلام کے ساتھ قابلیتِ ذات ہے۔ اور حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفتِ تکوین کے ساتھ قابلیتِ ذات ہیں اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ

الصلوٰۃ والسلام کو صفتِ قدرت کے ساتھ قابلیتِ ذات ہیں، علیٰ ہذا القیاس۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ متذکرہ قابلیلات اس جامع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قابلیت ہے جو کہ تمام صفات کی قابلیتِ ذات ہے۔

[جن بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے رب کو قابلیتِ اتصاف میں منحصر قرار دیا ہے، اُن کے اُس قول کا منشاء شیون اور صفات کے درمیان عدمِ فرق بلکہ مقامِ شیون سے عدمِ علم ہے۔

وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (الأحزاب ۴)

ترجمہ: اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔

تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا رب رب الارباب ہے۔ مقامِ شیون میں بھی اور خانۂ صفات میں بھی۔ اور وہی دونوں قسم کے فیض کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی ولایت کے مراتبِ کمالات کے فیض کا وصول ذات ہے بے واسطہ اَمرِ زائد۔ کیونکہ شیون عینِ ذات ہیں۔ ان میں زیادتی کا اعتبار منتزعاتِ عقل میں سے ہے۔ لہٰذا تجلیٔ ذاتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل پیروکار چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راستے سے فیض لیتے ہیں، اس لئے انہیں بھی اسی مقام سے حصہ ملتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے چونکہ صفات کے وسائط درمیان میں ہیں، اور صفات ووجود زائد کے ساتھ موجود ہیں، اس لئے ایک مضبوط مانع درمیان میں واقع ہو گیا اور تجلیٔ ذاتی ان کے حصے میں آگئی۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے رب کو قابلیتِ اتصاف میں منحصر قرار دیا ہے، اُن کے اُس قول کا منشاء شیون اور صفات کے درمیان عدمِ فرق بلکہ مقامِ شیون سے عدمِ علم ہے، الخ“ یعنی بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے جو یہ کہا ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا رب قابلیتِ ذات ہے اتصافِ صفات کو۔ یعنی ان لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تخلیقی اور کمالاتی فیض کو صفات پر منحصر کیا ہے۔ ان کا اس طرح کہنا مقامِ شیون سے بے خبری اور نارسائی کی وجہ سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا رب رب الارباب ہے، مقامِ شیون میں بھی اور خانۂ صفات میں بھی، الخ“ یعنی کہ فیضِ تخلیقی میں سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا رب قابلیتِ ذات ہے تمام صفات کے اتصاف کو، اور فیضِ کمالاتی میں سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا رب شانِ جامع ہے۔ دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیہم السلام کے برعکس کہ ان حضرات علیہ السلام کا رب ایک صفت کی قابلیت پر منحصر ہوتا ہے اور ان کا رب تمام صفات کی قابلیتِ اتصاف نہیں ہوتا بلکہ ایک پیغمبر علیہ السلام کا رب ایک معیّن صفت ہوتا ہے اور دوسری معیّن صفت دوسرے پیغمبر علیہ السلام کا رب ہوتا ہے۔ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالاتی فیض کے وصول میں بھی جامعیت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا رب کلی

شان العلم ہے اور کلی شان العلم کی جزئیات صاحبِ محمدی المشربان اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اس شان کا ایک جزء ایک محمدی المشرب ولی کارب اور اس شانِ جامع کے دوسرا جزء دوسرے محمدی المشرب ولی کارب ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی ولایت کے مراتبِ کمالات کے فیض کا وصول ذات ہے بے واسطہ امر زائد، کیونکہ شیون عینِ ذات ہیں، الخ''یعنی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالات کا مبدأ فیض شان العلم ہے اور شان العلم وجودِ خارجی زائدہ نہیں رکھتا بلکہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نبوت کا مبدأ فیض خود حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

اب اگر سالک محمدی المشرب ہے تو اس کی سیر کی انتہاء شان العلم کا جزء ہے جو کہ کلی شان العلم کا ظل ہے۔ اور اس عارف کی اس شان میں فناء کو فناء فی اللہ کہا جاتا ہے اور اس شان میں فناء حق تعالیٰ وتقدس کی ذات میں فنا کو کہا جاتا ہے، اور اس عارف کے حق میں فناء فی اللہ کا اطلاق صادق ہے۔ اور اگر یہ سالک محمدی المشرب نہیں ہے تو اس کی سیر کی انتہاء اس کی صفتِ مُربی تک ہے اور یہ عارف چونکہ صفاتِ ثمانیہ میں سے ایک صفت میں فانی ہوا ہے تو اسی بناء پر اس عارف پر فناء فی اللہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ چونکہ صفاتِ مقدسہ ثمانیہ وجودِ خارجی رکھتی ہیں اور صفاتِ ثمانیہ کی حلولیت عینِ ذات کے شہود میں مانع ہوتی ہیں تو اس لئے فنائے صفات کو فنائے ذات نہیں کہا جا سکتا، بلکہ چاہیئے کہ اسے فنائے صفات یا مطلق فناء کہا جائے نہ کہ فناء اللہ۔

محمدی المشرب عارف چونکہ فنائے عین اور اثر پر مشرف ہوتا ہے تو اسی بناء پر یہ صفاتِ بشریت کی جانب رجوع نہیں کرتا، مگر جو سالک محمدی المشرب نہ ہو چونکہ اس کا اثر فانی نہیں ہوتا اس لئے یہ صفاتِ بشریت کی طرف رجوع کرنے سے محفوظ نہیں ہوتا۔ یہ بات ممکن ہے کہ یہ سالک جو کہ محمدی المشرب نہیں ہے ولایت کے بعد غفلت اور سُستی وغیرہ کے سبب سے عوام کی صفات کی طرف واپس لوٹ آئے۔ جیسا کہ بلعم بن باعوراء اور شیخ برصیصا وغیرہ جو کہ محمدی المشرب نہیں تھے اور اپنے خصلتِ رزیلہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔

سوال: ہونا تو یوں چاہیئے کہ اس اُمتِ مرحومہ کے تمام اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ محمدی المشرب ہوں اور باقی تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مشارب کے ساتھ منسوب و مشترک نہ ہوں۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ ان اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو صرف سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت پر عمل کیا ہے اور باقی تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے شرائع پر عمل نہیں کیا۔ اس موضوع کی تشریح اور وضاحت کیا ہو گی؟

جواب: سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت باقی تمام حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے شرائع کی جامع ہے، اور اس شریعت کی تعمیل سابقہ تمام شرائع کی تعمیل کی طرح ہے، اور مشارب کے اختلاف کی دلیل یہ ہے کہ عُرفاء میں سے ہر ایک عارف اپنے مبدأ فیض میں حضراتِ پیغمبرانِ اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے کسی ایک پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ فی الجملہ مناسبت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ وہ عارف جس کا اِسم مُربی صفت التکوین کا ظلال ہو، حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت اور

جس عارف کا مبدا ٔ فیض صفت القدرت کا ظلال ہو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ تو اس وجہ سے یہ عارف اس نبی علیہ السلام کے مشرب پر ہوتا ہے۔

یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مشارب کا اختلاف حق تعالیٰ و تقدس کی ازلی تقسیمات میں سے ہے اس لئے کہ بشر کی ایجاد سے قبل صفاتِ ثمانیہ مقدسہ کی تجلی کا انعکاس اس کی اضدادِ متقابلہ پر منعکس تھا اور تجلیٔ صفات کا امتزاج ان کی اضدادِ مقابل سے مشیئتِ خداوندی کی بناء پر وجودِ بشریت کی تخلیق اُبھر کر سامنے آئی ہے اور اس بنیاد پر ہر صفت کی تجلی کا انعکاس ہر انسان کے عدم پر منعکس ہوتا ہے۔ اس شخص کا مبدا ٔ فیض کمالاتی اور مبدا ٔ فیض تخلیقی اس کا یہی صفت و ظلال ہوگا۔ اور یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادیٔ فیوض صفاتِ ثمانیہ مقدسہ کی اصل اور بقیہ تمام لوگوں کا ظلال اور صفات کا تعلقات ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "لہٰذا تجلیٔ ذاتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، الخ" یعنی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کمالاتی مبدا ٔ فیض شان العلم ہے اور شان العلم وجودِ خارجی نہیں رکھتا۔ اس لئے سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدا ٔ فیض حق تعالیٰ و تقدس کی ذاتِ مقدسہ کی طرف راجع ہوگیا۔ اور محمدی المشرب اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تجلیٔ ذاتی پر مشرف ہیں اس لئے کہ ان کا منبع فیض شان العلم کے ظل میں قرار پذیر ہے نہ کہ صفات پر۔ اور ان لوگوں کو اس مقدس مرتبہ پر یہ شرف و بزرگی سردارِ دو

عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل متابعت اور مناسبت کی وجہ سے حاصل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور دوسروں کے لئے چونکہ صفات کے وسائط درمیان میں ہیں، اور صفات ووجود زائد کے ساتھ موجود ہیں، اس لئے ایک مضبوط مانع درمیان میں واقع ہو گیا اور تجلیٔ ذاتی ان کے حصے آگئی، الخ" یعنی حق تعالیٰ وتقدس اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے درمیان شان العلم ہے اور شان العلم وجودِ خارجی نہیں رکھتی اس لئے درمیان میں کوئی حاجز (قوی مانع) نہیں ہے اس کے برعکس دیگر حضراتِ انبیاء اور حق تعالیٰ وتقدس کے درمیان صفات واسطہ ہیں اور صفاتِ مقدسہ وجودِ خارجی رکھتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ وتقدس اور ان حضرات علیہم السلام کے درمیان یہ صفاتِ مقدسہ حاجز ہیں۔

[جاننا چاہیئے کہ قابلیتِ اتصاف اگرچہ ایک اعتبار ہے، تاہم اس کا کوئی وجود زائد نہیں، کیونکہ صفاتِ موجود میں ان کی قابلیات موجود نہیں۔ لیکن چونکہ قابلیات ذات وصفات بلکہ شیون وصفات کے درمیان برزخ ہیں، اور برزخ اپنی دونوں طرفوں کا رنگ رکھتا ہے، اس بناء پر قابلیات نے بھی صفات کا رنگ پکڑ کا حائل اور مانع ہونے کی حیثیت اختیار کر لی۔

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

ترجمہ: دوست کا فراق اگر تھوڑا بھی ہو تو تھوڑا نہیں، آنکھ میں آدھا بال بھی پڑا ہو تو بہت ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جاننا چاہیئے کہ قابلیتِ اتصاف اگرچہ ایک اعتبار ہے، الخ" اس کی وضاحت سائل کے جواب کی صورت میں دی جاتی ہے، یعنی:

اگر کوئی سوال کرے کہ قابلیتِ اتصاف ایک صفت جو کہ ایک پیغمبر علیہ السلام کی مُربیٔ فیض ہے یہ بھی اَمرِ اعتباری ہے جو کہ وجودِ خارجی نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ صفات بذاتِ خود موجود ہیں نہ کہ اس کی قابلیت، پس قابلیتِ صفات بھی حائل نہیں ہونی چاہیئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صفات کے لئے قابلیتِ ذات اَمرِ خارجی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہاں قابلیت نے صفات کا رنگ پکڑا ہے اور اسی لئے برزخِ طرفین کا حکم رکھتا ہے اور صفاتِ وجودِ خارجی رکھتے ہیں۔ پس قابلیتِ صفات حیلولت (درمیان میں حائل) رکھتی ہیں۔

[اس سے واضح ہوا کہ ذاتِ تعالیٰ وتقدس کا بے پردہ ظہور تجلیٔ شہودی کے منافی نہیں۔ لیکن تجلیٔ وجودی کے منافی ہے۔ لہٰذا آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے لئے مختلف کمالاتِ ولایت کے وصول فیض کی جانب میں کوئی حائل اور حجاب واقع نہ ہوا۔ اور فیضِ وجودی کے وصول کی جانب میں حائل درمیان میں آیا جسے قابلیتِ اتصاف سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان گزرا۔

سوال: یہ نہ کہا جائے کہ جب شیون اور اُن کی قابلیات اعتباراتِ عقل میں سے ہیں تو اُن کے لئے وجودِ عقلی ثابت ہوا۔ اور اس سے حجابِ علمی لازم آتا ہے۔

غَايَةُ مَا فِي الْبَابِ اتنی بات ہے کہ صفات کے حجابات خارجی ہیں، اور شیون کے علمی۔ اس لئے کہ میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ موجودِ ذہنی، موجودِ خارجی کے درمیان پردہ نہیں بن سکتا، بلکہ

موجودِ خارجی کے لئے پردہ صرف موجودِ خارجی ہی بن سکتا ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بعض معارف کے حصول سے حجابِ علمی کے درمیان سے ارتفاع ممکن ہے۔ بخلاف حجابِ خارجی کے کہ اس کا زوال ممکن نہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اس سے واضح ہوا کہ، الخ'' یعنی حق تعالیٰ وتقدس اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے درمیان صفات حائل ہیں۔ اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے شہود و کمالات کے درمیان صفات کی حیلولیت وجود نہیں رکھتی اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فیضِ وجودی کا وصولِ صفات ہیں، اور صفاتِ وجودِ خارجی کے حامل ہیں، اس لئے حق تعالیٰ وتقدس اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجود کے درمیان صفات حائل ہیں، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کمالاتی مبدأ فیض شان العلم ہے اور شان العلم وجودِ خارجی نہیں رکھتا بلکہ ایک اَمرِ انتزاعی ہے اس بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فیضِ کمالاتی میں کوئی حائل موجود نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''یہ نہ کہا جائے کہ جب شیون اور اُن کی قابلیات اعتباراتِ عقل میں سے ہیں، تو اُن کے لئے وجودِ عقلی ثابت ہوا۔ اور اس سے حجابِ علمی لازم آتا ہے، الخ'' یعنی جس طرح سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان ہے اور شان ایک علمی و عقلی اَمرِ انتزاعی ہے

اس لئے حق تعالیٰ و تقدس اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے درمیان حجابِ علمی حائل ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اعتراضِ فوق کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس بھی موجودِ خارجی ہے اور سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی موجودِ خارجی ہیں۔ اور موجودِ علمی دو موجودِ خارجی کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے اور نیز یہ انتزاع دائمی نہیں ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات عقل شیونات کو ذات سے انتزاع کر لیتی ہے اور بعض اوقات انتزاع نہیں کرتی اس لئے شان کی حجابیت کو حجابیت نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ شیونات نہ تو عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جُدا مگر صفات ہیں اور ہماری عقل و بصیرت وہاں رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔

[جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو جان لو! کہ سالک اگر محمدی ہے تو اُس کی سیر کی منتہاء جس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں، شان کی ظل تک جو اُس کا اِسم ہے، اور اس اسم میں فنا کے بعد فنا فی اللہ پر مشرف ہوتا ہے۔ اور اگر اس اِسم کے ساتھ بقا حاصل ہو گئی تو بقا باللہ بھی اُسے میسر آ گئی۔ اور اس فنا و بقا کے ساتھ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر محمدی المشرب نہ ہو تو صفت کی قابلیت یا نفسِ صفت تک جو اُس کا رب ہے پہنچتا ہے۔ اور اگر اس اسم میں فانی ہو گیا تو اُس پر فانی فی اللہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس اسم میں بقا کی صورت میں وہ باقی باللہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اسم اللہ اُس مرتبہ سے عبارت ہے جو تمام شیون و صفات کا جامع ہے، اور جب شیون ذات پر محض درجہ اعتبار میں زائد ہیں، اس لئے وہ در حقیقت عینِ ذات ہیں اور ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ لہٰذا ایک اعتبار میں فنا ہونا سب اعتبارات میں فنا ہونا بلکہ ذاتِ تعالیٰ و تقدس میں فنا ہونا ہے اسی طرح ایک اعتبار کے ساتھ بقا تمام اعتبارات کے ساتھ بقا ہے۔ پس فانی فی اللہ اور

باقی باللہ اس صورت میں کہنا درست ہو جاتا ہے۔ بخلاف جانبِ صفات کے کہ وہ ذات پر زائد وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی مغائرات ذاتِ عزّ سلطانہٗ اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک امرِ واقعی ہے، اعتباری نہیں۔ لہٰذا ایک صفت میں فنا ہونا تمام میں فنا ہونے کو مستلزم نہیں۔ یہی حال بقا کی جانب میں ہے اس فانی کو کسی طور پر بھی فانی فی اللہ اور باقی کو باقی باللہ نہیں کہہ سکتے، بلکہ مطلق فانی اور باقی کہہ سکتے ہیں۔ یا کسی صفت کے ساتھ مقید کر کے کہہ سکتے ہیں، یعنی صفتِ علم میں فانی یا صفتِ علم کے ساتھ باقی۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ محمدیوں کی فنا سب سے اَتم اور ان کی بقا سب سے اکمل ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''تو جان لو کہ سالک اگر محمدی ہے، الخ'' یعنی محمدی المشربان کی سیر شان اور ظلالِ شان تک ہوتی ہے اور اگر کوئی محمدی المشرب نہ ہو تو اس کی سیر قابلیتِ صفات یا وصلِ صفات تک ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ محمدی المشربان شیون تک پہنچتے ہیں چونکہ شیون وجودِ خارجی نہیں رکھتا اور ایک امرِ انتزاعی ہے۔ لہٰذا عینِ ذاتِ مقدسہ تک پہنچتے ہیں۔ دیگر لوگوں کی سَیر صفات پر ہی منحصر ہوتی ہے اور اس سے بالاتر نہیں جاسکتے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ موجودِ خارجی دو قسم کے ہیں، ایک موجودِ خارجی اصلی ہے اور دوسرا موجودِ خارجی ظلی۔ موجودِ خارجی اصلی حق تعالیٰ وتقدس کی ذات اور صفاتِ مقدسہ سے عبارت ہے جبکہ موجودِ خارجی ظلی ممکنات سے عبارت ہے کہ اسے وہمِ متقن اور موجودِ نفسِ اَمری کہا جاتا ہے۔ جس طرح حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات حروفِ قرآن، عرش وکرسی، اولیاء کرام کا باطن اور بہشت کی موجودات وغیرہ۔

فنافی اللہ اور بقاباللہ کا اطلاق محمدی المشربان کے حصہ میں صحت پزیر ہے، اور محمدی المشربان کے علاوہ دیگر مشارب والے جو کہ محمدی المشرب نہیں ہوتے اُن کو بھی فانی اور باقی تو کہا جاتا ہے مگر فنافی اللہ اور بقاباللہ نہیں کہا جاتا، اس لئے کہ محمدی المشربان کے علاوہ دیگر مشارب والوں کی فنا حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ میں نہیں بلکہ اپنے مُربی کے اسم وصفات میں ہوتی ہے اور ان کا بقا حاصل کرنا حق تعالیٰ وتقدس کے ذاتِ مقدسہ کی تجلی کے انعکاس پر نہیں بلکہ اس اسم وصفات کے انعکاس پر ہے۔ اسی بناء پر یہ بزرگوار مطلقِ فنا تک پہنچے ہیں اور ذاتِ مقدس کی فنا پر مشرف نہیں ہوئے ہیں اور فانی فی اللہ نہیں سمجھے جاتے۔

سوال: تصوف میں یہ بات ثابت ہے کہ اس اُمتِ مرحومہ کے اولیاء کرام میں سے بعض محمدی المشرب اور بعض دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے مشارب میں ہیں یعنی آدمی المشرب، موسوی المشرب اور عیسوی المشرب کی نوع سے وعلیٰ ہذاالقیاس۔ اور حال یہ ہے کہ سب کے سب سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت ہیں اور ان کی کتاب قرآن مجید ہے لہٰذا یہ ضروری تھا کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ساری اُمت دیگر مشارب پر نہ ہوتی، بلکہ صرف محمدی المشرب ہی ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جس طرح یہ شریعتِ مقدس اور فرقان مجید تمام اَدیانِ سماوی کی جامع ہے، یعنی قرآن عظیم الشان کے علاوہ جتنی بھی آسمانی کُتب اور صحیفے ہیں وہ سب کے سب قرآنِ عظیم الشان کے جزء ہیں۔ اسی طرح دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے مشارب سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جامع مشرب کا ایک جزء

ہیں۔ تو اس لئے اولیاء کرام مشارب میں سے چاہے جس مشرب پر بھی ہوں حقیقت میں ان کے مشارب مشربِ محمدی کے جزئیات میں سے ایک جزو ہوتے ہیں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس فرمان کے بارے میں ایک اور سوال بھی وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ:

اگر کوئی سوال کرے کہ جبکہ شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام شرائع کی جامع ہے تو پھر ایک ولی کو کسی ایک پیغمبر علیہ السلام کے مشرب سے خاص کرنا اور دوسرے ولی کو کسی دوسرے پیغمبر علیہ السلام کے مشرب کے ساتھ خاص کرنے کے کیا معنی اور مفہوم ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عارفان جو محمدی المشرب نہیں ہیں اگرچہ وہ شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ایک خاص جزء تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں مگر اپنی ذات میں دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اسی بناء پر ان کے مشارب دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے مشارب پر تبدل ہیں۔

اور اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ ان عارفان کی دیگر حضراتِ انبیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مناسبت کس چیز کی وجہ سے ہے؟

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ایک عارف جو اپنے مبدأ فیض میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے تو اس عارف کا مبدأ فیض صفت الکلام ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر عارف جو کہ اپنے تخلیقی مبدأ فیض میں جس نبی علیہ السلام کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہو وہ اسی نبی علیہ السلام کے مبدأ فیض پر مشرف ہوتا ہے اور اس کا مشرب اسی نبی علیہ السلام کا مشرب ہوتا ہے۔ اگرچہ تمام اولیاء کرام شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے

پیروکار ہوتے ہیں مگر چونکہ تخلیقی مناسبت کسی ایک سابق نبی علیہ السلام کے ساتھ رکھتے ہیں تو اسی بناء پر اسی نبی علیہ السلام کے قَدم پر ہوتے ہیں۔

[نیز عروجِ محمدی چونکہ جانبِ شیون میں ہے، اور شیون کو عالم کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں، کیونکہ صفات کا ظل ہے نہ کہ شیون کا۔ پس سالک کی ایک شان میں فنا اُس کے فنائے مطلق کو مستلزم ہے۔ ایسے طور پر کہ سالک کے وجود کی بقا اور اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح بقا کی صورت میں پورے طور پر اس شان کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ بخلاف صفت میں فانی کے کہ اس میں پورے طور پر اپنے سے باہر نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر اور اس کا ظل ہے۔ پس اصل کا ظہور ظل کے وجود کو بالکل محو کرنے والا نہیں ہوتا، اور بقا فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے، پس محمدی المشرب صفاتِ بشریت کی طرف رجوع سے مامون اور ردّ کے خوف سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کلیۃً اپنے سے باہر آچکا ہوتا ہے اور ذاتِ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ اس مقام میں رجوع محال اور ممنوع ہے۔ بخلاف فنائے صفاتی کی صورت میں کہ یہاں سالک کے وجود کا اثر باقی رہنے کے واسطہ سے رجوع اور عود ممکن ہے۔ مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درمیان واصل کے رجوع اور عدمِ رجوع میں جو اختلاف ہے ہو سکتا ہے کہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہو۔ حق بات یہ ہے کہ سالک اگر محمدی المشرب ہے تو رجوع سے محفوظ ہے ورنہ خطرہ میں ہے۔

اور اسی طرح ہے وہ اختلاف جو مشائخ کے درمیان سالک کی فنا کے بعد وجودِ سالک کے اثر کے زوال میں واقع ہوا ہے۔ بعض مشائخ ذات اور صفات کے زوال کے قائل ہیں اور بعض دوسروں نے زوال کو جائز نہیں رکھا۔ اس باب میں بھی حق بات مفصل گفتگو کی متقاضی ہے۔ اگر سالک محمدی

المشرب ہے تو عین اور اَثر دونوں کو گم کر دیتا ہے۔ اور غیر محمدی المشرب کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ صفت جو اس کی اصل ہے باقی ہے، اس لئے اس کے ظل کا بالکلیہ زائل ہو جانا ممکن نہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نیز عروج محمدی چونکہ جانبِ شیون میں ہے اور فرماتے ہیں کہ پس محمدی المشرب صفات بشریت کی طرف رجوع سے مامون اور ردّ کے خوف سے محفوظ ہوتا ہے، الخ" یعنی چونکہ محمدی المشربان کا عروج شیونات میں ہے اور شیونات عالم کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتے تو اسی بناء پر یہ لوگ فنائے عین اور اثر پر مشرف ہیں اور محمدی المشربان کے علاوہ دیگر مشارب والے چونکہ صفات میں پہنچے ہوتے ہیں اسی بناء پر یہ لوگ عینِ شان اور اثرِ شان میں فانی نہیں ہوتے۔ لہٰذا عروض غفلت کے وقت ان کے بشری صفات عود کرتے ہیں، اس لئے ان کا اثر فانی نہیں ہوتا ہے اور فنائے اثر شیونات کے عروج پر مربوط ہوتا ہے۔

ہر ممکن میں حق تعالیٰ وتقدس کی صفات کا ایک اثر پہنچا ہوا ہے اسی بناء پر وہ عارف جو کہ صفت تک پہنچ جائے اس کا عین فانی اور اس کا اثر فانی نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ خود ہی اس صفت کا ظل اور اثر ہوتا ہے اسی بناء پر جس وقت سالک اپنے اصلِ صفت تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا یہ پہنچنا اس صفت کے اصلِ اثر کو ختم نہیں کرتا تو اس کا اصلِ اثر تک پہنچنا اس صفت کو ختم نہیں کرتا ہے۔ اور جو لوگ شیونات تک پہنچ جاتے ہیں تو وہ ان دونوں فنائے عین اور فنائے اثر پر مشرف ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ذات شیونات کا اثر ہوتی ہیں پس وہ اولیاء کرام جو صفاتِ بشری کے رجوع اور ان کے عدمِ رجوع میں اختلاف نظر رکھتے ہیں ان کے اس اختلاف کا منشاء احوال ومقامات کا اختلاف ہے۔ یعنی جو لوگ

شیونات تک پہنچے ہیں اور صفاتِ بشری کے عدمِ رجوع کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو صفات تک پہنچے ہیں صفاتِ بشری کے رجوع کے قائل ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر عارف محمدی المشرب ہو تو شیونات تک پہنچ جاتا ہے اور صفاتِ بشری کی طرف رجوع سے محفوظ ہوتا ہے اور اگر محمدی المشرب کے علاوہ دیگر مشارب میں ہو اور شیونات تک نہ پہنچا ہو تو وہ صفاتِ بشری کی طرف رجوع سے محفوظ نہیں ہوتا ہے۔

[یہاں ایک دقیق بات ہے، جاننا چاہیئے کہ ذات اور صفت کے زوال سے مراد زوالِ شہودی ہے نہ کہ زوالِ وجودی۔ کیونکہ زوالِ وجودی کا قول الحاد اور زندقہ (بے دینی) کو مستلزم ہے۔ اور اس گروہ میں سے ایک جماعت نے زوالِ وجودی تصور کیا ہے۔ یہ لوگ ممکن کے اثر کے زوال سے دور بھاگے ہیں اور انہوں نے اس کو الحاد اور بے دینی خیال کیا ہے، لیکن حق بات وہی ہے جس کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے بتانے سے میں نے تحقیق کی ہے۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ زوالِ وجودی کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ زوالِ عین کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ عینِ وجود کے زوال کا حکم زوالِ اثر کے حکم کی طرح الحاد اور زندقہ کو مستلزم ہے۔ الغرض عین اور اثر میں زوالِ وجودی محال ہے۔ اور زوالِ شہودی دونوں میں ممکن بلکہ واقع ہے۔ لیکن یہ زوال محمدی المشرب سالک کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو محمدی المشرب سالک قلب سے پورے طور پر باہر نکل آتے ہیں اور مقلب قلب (حق تعالیٰ) سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات حالات کے اَدل بدل اور غیرِ حق کی غلامی سے بالکلیہ آزاد ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو چونکہ آثار کا وجود دامن گیر اور احوال میں ردوبدل ان کا نقد وقت ہوتا ہے۔ اس لئے مقامِ قلب سے نجات نہیں پاسکتے۔ کیونکہ آثار کا وجود اور احوال میں ردوبدل حقیقتِ جامعہ قلبیہ کی تنویر کی شاخوں میں سے

ہے۔ لہٰذا دوسروں کا شہود ہمیشہ پردہ میں رہتا ہے، کیونکہ جس قدر سالک کے وجود کا حصہ باقی رہتا ہے، اسی قدر مطلوب بھی پردہ میں رہتا ہے، اور جبکہ اثر باقی ہے تو پردہ یہی اثر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جاننا چاہیئے کہ ذات اور صفت کے زوال سے مراد زوالِ شہودی ہے نہ کہ زوالِ وجودی۔ کیونکہ زوالِ وجودی کا قول الحاد اور زندقہ (بے دینی) کو مستلزم ہے، الخ"یعنی فناوبقاعارف کے وجود میں نہیں بلکہ اس کے شہود میں ہوتا ہے اس لئے کہ عارف کا وجودِ خارجی کمافی السابق خود اپنے حال پر باقی ہوتا ہے، درمیان سے دُور نہیں ہوا ہوتا۔ عروج کے وقت صرف عارف اپنے آپ کو فانی تصور کرتا ہے، اور اس کا شہود ممکنات سے گزر کر مراتبِ وجود تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ لوگ ممکن کے اثر کے زوال سے دُور بھاگے ہیں اور انہوں نے اس کو الحاد او بے دینی خیال کیا ہے۔ لیکن حق بات وہی ہے جس کو اللہ سبحانہٗ کے بتانے سے میں نے تحقیق کیا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ زوالِ وجودی کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ زوالِ عین کے بھی قائل ہوئے ہیں، الخ" یعنی جبکہ زوالِ اثر کو زندقہ کہا جائے، تو چاہیئے کہ زوالِ وجودی کو بھی زندقہ کہا جائے حقیقت میں یہ لوگ نہیں سمجھ پائے کہ فنا اور زوالِ عین، زوالِ وجودی نہیں بلکہ زوالِ شہودی کا اثر ہے۔ خلاصہ یہ کہ زوالِ وجودی عین اور اثرِ واقعیت نہیں رکھتا اسے زندقہ کہا جاتا ہے۔ اور زوالِ شہودی عین اور اثر دونوں زندقہ نہیں بلکہ کمالِ معرفت کا سبب ہے۔

کیونکہ فنازوالِ وجودی نہیں بلکہ زوالِ شہودی ہے، اس بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ "جاہلیت کے وہ اخلاق جو مجھ میں موجود تھے وہ مجھ سے بالکل ختم نہیں ہوئے، بلکہ ان کی اصلاح ہو گئی۔" اور اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر آپ سُنیں کہ کسی پہاڑ نے اپنی جگہ سے حرکت کی ہے تو اس بات کو تسلیم کریں اور اگر کسی سے یہ بات سُنیں کہ لوگوں میں سے کسی نے اپنی فطری خواص سے مکمل طور پر انحراف کر لیا ہے تو اس بات کو قبول نہ کریں" سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیثِ مبارکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے یہ بات معلوم ہو گئی فنا و بقا، فنائے وجودی کو مستلزم نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عین اور اثر میں زوالِ وجودی محال ہے، اور زوالِ شہودی دونوں میں ممکن بلکہ واقع ہے۔ لیکن یہ زوال محمدی المشرب سالک کے ساتھ مخصوص ہے، الخ" یعنی جو لوگ محمدی المشرب نہیں ہیں وہ فنائے عین اور فنائے اثر سے بے نصیب اور بے بہرہ ہیں اس لئے کہ فنائے اثر شیونات پر مربوط ہے اور جو لوگ محمدی المشرب نہیں ہیں وہ ابھی تک شیونات کے شہود تک نہیں پہنچے ہیں۔

محمدی المشرب سالک کے علاوہ جتنے مشارب رکھنے والے سالک ہیں اُن کا عروج قلب میں ہوتا ہے جبکہ محمدی المشرب سالک کا عروج روح میں ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے اکثر مکاتیب میں یہ فرمایا ہے کہ سلوک دو قدم ہے ایک قلب اور دوسرا رُوح۔ اور محمدی المشرب سالک کے عروجات جو کہ شیونات اور ذات تک ہیں وہ رُوح طے کرتی ہے اور غیر

محمدی المشرب سالک صرف قلب کے عروجات کو طے کرتا ہے کیونکہ رُوح کے عروجات اس کے لئے نہیں ہیں اس لئے غیر محمدی المشرب سالک جتنے بھی بلند مقام تک رسائی حاصل کرلے خصلتِ رزیلہ کی طرف عود کر سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "تو محمدی المشرب سالک قلب سے پورے طور پر باہر نکل آتے ہیں، اور مقلب قلب (حق تعالیٰ) سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات حالات کے ادل بدل اور غیر حق کی غلامی سے بالکلیہ آزاد ہوتے ہیں، الخ" یعنی اس سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مقصد یہ ہے کہ وہ عارفان جو شیونات پر پہنچ کر مقلبِ قلب یعنی حق تعالیٰ و تقدس تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں، اُن کا ابو الوقت کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مقلب القلب پر پہنچ چکے ہیں اور تقلبِ قلب سے آزادی حاصل کر چکے ہیں، اور اس کے برعکس وہ لوگ جو صفات تک پہنچے ہیں اور قلب کے مقام میں ہیں اور منقلبہ قلب کے احوال میں گرفتار ہیں، اس طائفہ کو ابنائے وقت کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ صفات تک پہنچنے والا طائفہ ہے مقلب تک پہنچنے والا طائفہ نہیں ہے۔

[معرفت:

اگر سالک غیر متعارف راستہ سے مراتبِ فوق کے اسم میں سے کسی مرتبہ میں پہنچے جو اس کا ربّ ہے اور بغیر اس کے کہ اس اسم میں پہنچے بلکہ کسی نیچے کے مرتبہ میں فانی اور ہلاک ہو جائے تو صورت میں بھی فنا فی اللہ کہنا درست ہے۔ اور یہی اس مرتبہ کے ساتھ بقا کا حال ہے، پس اس اسم کے ساتھ فنا فی اللہ کی تحقیق اس وجہ سے ہے کہ تمام فناؤں کے مراتب میں سے یہ پہلا مرتبہ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اگر سالک غیر متعارف راستہ سے مراتبِ فوق کے اسم میں سے کسی مرتبہ میں پہنچے، الخ" یعنی سلوکِ متعارف سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے اسم مربی تک پہنچ جائے اور اس کے بعد مقاماتِ عالیہ پر ترقی کر لے۔ اور وہ سالک جو اپنے اسمِ مُربی تک پہنچنے کے بغیر اور اپنے اسمِ مُربی کے رابطے کے بغیر مقاماتِ عالی پر مشرف ہو جائے تو اس کا سلوک غیر معتاد اور غیر متعارف ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ فنافی اللہ اور بقاباللہ کا اطلاق اس سالک کے بارے میں صحیح ہے، اگرچہ متعارف یہ ہے کہ اپنے اسمِ مُربی میں فانی ہو جائے۔ پس جن لوگوں نے فنا کو اسمِ مُربی کے ساتھ مخصوص جانا ہے اُن کا اس سے یہ معنیٰ ہے کہ اسمِ مُربی کی فنا ابتدائی فنا ہے اور جو سالک اس سے بلند مقام پر فانی ہو جائے اُسے فنائے انتہائی یا فنائے مطلق کہا جاتا ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں فنا کا اطلاق درست ہوتا ہے کہ ایک اپنے اسمِ مُربی سے اور دوسرا اس سے بلند تر ہے جو کہ مراتبِ ذات اور شیوناتِ ذاتیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ وہ سالک جو اپنے اسمِ مُربی میں فانی ہوا ہو اس کے بارے میں فنا کا اطلاق مجاز کے طریق پر ہے۔ اور حقیقت میں فانی فی اللہ وہ سالک ہے جو صفات سے گزر کر ذاتِ مقدس کے مراتب تک پہنچ چکا ہو۔

[معرفت:

سلوک چند قسم ہے۔ بعض کا سلوک تو بے تقدمِ جذبہ ہے، اور بعض دوسروں کے لئے جذبہ سلوک پر مقدم ہے، اور ایک جماعت کو منازلِ سلوک طے کرنے کے دوران جذبہ حاصل ہوتا ہے۔

اور ایک جماعت کو منازلِ سلوک کا طے کرنا تو میسر آتا ہے، لیکن جذبہ کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ جذبے کا سلوک پر مقدم ہونا محبوبوں کا حصہ ہے۔ اور باقی اقسام محب لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ محبوں کا سلوک ترتیب وتفصیل کے ساتھ مقاماتِ عشرہ مشہورہ کے طے کرنے سے عبارت ہے۔ اور محبوبوں کے سلوک میں مقاماتِ عشرہ کا خلاصہ میسر آتا ہے۔ وہ ترتیب وتفصیل سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ وحدتِ وجود کا علم اور اس کی مانند احاطہ۔ سریان اور معیتِ ذاتیہ جذبہ ٔ مقدم یا متوسط سے وابستہ ہیں۔ سلوکِ خالص اور منتہی حضرات کے جذبہ کو اس طرح کے علوم سے کچھ مناسبت نہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور منتہی حضرات کا حق الیقین بھی توحیدِ وجودی کے ساتھ مناسبت رکھنے والے علوم سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ہر وہ مقام جہاں توحیدِ وجودی والوں کے مناسب حق الیقین کا بیان کیا گیا ہے، وہ مبتدی یا متوسط مجذوبوں کا حق الیقین ہے نہ کہ منتہی حضرات کا حق الیقین۔]

تشریح

محبوبین کا جذبہ ان کے سلوک پر مقدم ہوتا ہے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں محبوبین اور محبین کے یہ دونوں طائفے جذبہ ٔ مقام پر مشرف ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ طریقہ ٔ عالیہ نقشبندیہ محبوبان کا طریق ہے اور جو سالکین سلوک کے دوران جذبہ پیدا کر لیتے ہیں تو اس کا سبب سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں کی کامل ومکمل اتباع اور فی الجملہ تصفیہ کا حصول ہے۔ اور جو سالکین سلوک کی بعض منازل طے کرنے میں جذبہ تک نہیں پہنچ پاتے ان کا سبب اپنے اسمِ مُربی پر عدمِ وصول ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو سالک اپنے اسمِ مُربی کو پہنچ جائے تو اس کی روح اور نفس ایک دوسرے سے جُدائی پیدا کر لیتے ہیں، اس سالک کا نفس مخلوق کی ارشاد وہدایت کے لئے نزول کرتا ہے اور اس کی روح جذبہ کی وجہ سے مقاماتِ عالیہ کو طے کرتی ہے

اور وقتی جذبہ نہائی کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تاکہ رُوح اور نفس ایک دوسرے سے تفریق پیدا کر لیں۔ اس لئے کہ جذبہ رُوح کا خاصہ ہوتا ہے اور جذبۂ مبتدی جذبۂ صُوری ہوتا ہے جو کہ رُوح اور نفس کے افتراق سے قبل میسر ہوتا ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا حقیقتِ جامع قلبیہ کے بارے میں وہ کلام جس کا ذِکر اس سے قبل گزر چکا ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ جس وقت تک سالک اپنے اسمِ مُربی تک نہ پہنچ پائے تو اس وقت تک وہ حقیقتِ جامع قلبیہ پر قائم ہوتا ہے یعنی اس کے تمام لطائف باہم ملے ہوئے ہوتے ہیں اور اسمِ مُربی کے وصول کے بعد عارف کے لطائف ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کے لطائف میں سے اس کا ہر ایک لطیفہ قلبِ نُوری، رُوح، سِرّ، خفی اور اخفٰی کے زمرے میں سے ان تمام لطائف کے مبادی فیوض اور اپنے اسمائے مربی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس ترتیب سے رُوح نفس سے جُدا ہو جاتی ہے اس وقت حقیقتِ جامع قلبیہ اپنے سابق حال پر باقی نہیں رہتی۔ اور لطائفِ متذکرہ میں سے عارف کا ہر ایک لطیفہ جُدا شغل میں مصروف ہو جاتا ہے جبکہ لطائف کی اس جُدائی سے قبل اس طرح نہیں ہوتا۔ وہ عارف جو تمام کمالاتِ عالیہ کے انجام پر سرفراز ہو جاتا ہے تو اس کے تمام لطائف نزول کر لیتے ہیں اور یہ عارف اپنی تمام قوت سے مُریدین کے ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "وحدتِ وجود کا علم اور اس کی مانند احاطہ، الخ" یعنی توحیدِ وجودی کی معرفت جذبۂ مقام یا جذبۂ متوسط میں پیدا ہوتی ہے کہ جس میں سالک مقاماتِ عالیہ کو مقاماتِ سافلہ سے جُدا نہیں کر سکتا اور رُوح کی بیچونی کو بہ عنوانِ وجوب کے دیکھتا ہے اور اس کا سبب محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور خالص سلوک میں جذبہ توحیدِ وجودی کے بغیر پیدا

نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ سلوک میں خالص محبت کمتر ہوتی ہے، نیز منتہی عارفان کا جذبہ توحیدِ وجودی کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اس لئے کہ منتہی عارف صاحبِ بصیرت ہوتا ہے اور یہ عالمِ اَمر اور عالمِ اَرواح کی بیچونی کو عالمِ قدس کی بیچونی سے جُدا کرتا ہے۔

[معرفت:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جذبہ ہی اس کا رہبر بن جاتا ہے بس۔ یعنی کسی اور رہبر کے واسطے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ وہی جذبہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے، اگر اس جذبہ سے مشائخ نے جذبہ سیر فی اللہ مراد لیا ہے تو البتہ یہ کافی ہے۔ لیکن رہبر کا لفظ اس ارادہ کے منافی ہے۔ کیونکہ سیر فی اللہ کے بعد کوئی مسافت نہیں جس کے طے کرنے کے لئے رہبر کی ضرورت پیش آئے۔ اسی طرح جذبۂ مقدم بھی مراد نہیں جیسا کہ عبارت سے متبادرًا مفہوم ہوتا ہے۔ تو لازمًا انہوں نے جذبۂ متوسط ہی مراد لیا ہے۔ لیکن اس کا مطلوب تک وصول کے لئے کافی ہونا علم میں نہیں آتا۔ کیونکہ بہت سے متوسط حضرات اس جذبہ کے حصول کے وقت اوپر کی طرف عروج سے رہ گئے ہیں۔ اور جذبہ کو انہوں نے جذبۂ نہایت گمان کر لیا ہے۔ اگر یہ جذبہ کافی ہوتا تو انہیں راہ میں نہ چھوڑتا۔ ہاں جذبہ متقدم چونکہ محبوبوں سے تعلق رکھتا ہے، اگر کافی ہو جائے تو گنجائش رکھتا ہے۔ محبوبوں کو قلاب (حلقہ) عنایت کے ساتھ کھینچ کر لے جائیں گے۔ راستہ کے درمیان ہی نہیں چھوڑ دیں گے، لیکن یہ کفایت تمام متقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے۔ ہاں وہ جذبہ جو انجامِ کارِ سلوک تک لے جاتا ہے، وہ کافی ہے۔ اور اگر سلوک تک نہ پہنچائے تو اس طرح کا صاحبِ جذبہ بے نصیب مجذوب ہے، محبوبوں میں سے نہیں ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مقصد مقام کی تحقیق ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمودات کا حاصل یہ ہے کہ اگر مشائخ کی مراد منتہی کا جذبہ ہو جس طرح کہ فرمایا ہے کہ "جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جذبہ ہی اس کا رہبر بن جاتا ہے بس" ان کے اس کلمہ "پہنچ جاتا ہے" میں اگر اس جذبہ کو منتہی کے جذبہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو اس کے یہ معنی درست نہیں آتے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ منتہی کو رہبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر اس جذبہ کو جذبۂ متقدم پر تعبیر کیا جائے تو اس کے معنی بھی درست نہیں آتے اس لئے "پہنچ جاتا ہے" کا کلمہ اس کے موافق ہے جو کہ ایک فاصلہ کو طے کرنے کے بعد کسی مقام پر پہنچے اور حال یہ ہے کہ مبتدی نے ابھی تک نہ تو کسی قسم کا فاصلہ طے کیا ہے اور نہ ہی کسی مقام پر پہنچا ہے۔ تو اسی بناء پر یہ احتمال ہے کہ ان کی اس سے مراد جذبۂ متوسط ہو حالانکہ جذبۂ متوسط مطلوب کے وصول کے وہم میں کافی نہیں ہے، اس لئے کہ متوسطوں میں سے بہت سے متوسط اس جذبہ کے حصول کے وقت عروج سے رہ جاتے ہیں اور اسی جذبۂ متوسط کو جذبۂ نہایت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہاں جذبۂ مقدم چونکہ محبوبان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اگر ہم اسی کو کافی سمجھ لیں تو یہ گنجائش رکھتی ہے اس لئے کہ محبوبان کو حلقۂ عنایت کی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اثنائے طریق میں نہیں چھوڑتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی مراد جذبۂ مقدم ہے۔ بیت:

مرا گر توسنِ دل نیست در راہ
کمند زلف او ہم نیست کوتاہ

ترجمہ: اگر میرے دل کا گھوڑا راستے میں نہیں ہے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں تو کیا ہوا اس (معشوق) کی زُلف کی کمند بھی تو کوتاہ نہیں ہے۔یعنی اس تک پہنچنے کا راستہ بھی تو کم نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر ''پہنچ جاتا ہے'' سے مشائخ کی مراد جذبۂ تقدم ہو تو درست ہے، مگر جذبۂ تقدم بھی جداگانہ تفصیل کی حامل ہے۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''لیکن یہ کفایت تمام متقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے۔ ہاں وہ جذبہ جو انجامِ کار سلوک تک لے جاتا ہے وہ کافی ہے، اور اگر سلوک تک نہ پہنچائے تو اس طرح کا صاحبِ جذبہ بے نصیب مجذوب ہے، محبوبوں میں سے نہیں ہے، الخ'' یعنی اگر محبوبان اور محمدی المشربان سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں کی کامل و مکمل اتباع اور شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عمل پیرا ہوں تو ان کی محبوبیت ان کے وصول کا سبب بن جاتی ہے۔ اور کوئی سالک محبوب اور محمدی المشرب ہو مگر شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عمل کرنے والا نہ ہو تو اسے مجذوبِ ابتر کہا جاتا ہے، اور یہ بے سرانجام محبوب ہے۔ خلاصہ یہ کہ مشائخِ کبار کی عبارات سے معلوم ہوا کہ ان کا جذبہ سے مراد جذبۂ مقدم ہے، اس شرط پر کہ اس جذبہ کی عاقبت سلوک کے ساتھ انجام پذیر ہو۔

[خاتمہ:

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ تجلیٔ ذاتی شعور سے غافل اور ظاہری حواس کو معطل کر دیتی ہے۔ ان مشائخ میں سے بعض نے اپنے حال سے یوں خبر دی ہے کہ اس تجلیٔ ذاتی کے ظہور کے وقت ایک مدت تک وہ بے حس و حرکت پڑے رہے ہیں۔ اور لوگ انہیں

مُردہ خیال کرتے تھے، اور بعض دوسروں نے تجلیٔ ذات میں کلام کرنے سے روکا ہے، وغیرہ ذلک۔

اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ ذات کی یہ تجلی اسماء میں سے ایک اسم کے پردہ میں ہوئی ہے۔ اور بقائے پردہ صاحبِ تجلی کے وجود کے اثر کے باقی رہنے کے باعث ہے۔ اور وہ بے شعوری اس باقی ماندہ اَثر کی وجہ سے ہے، اگر پورے طور پر فنا ہو جاتا اور بقاباللہ سے مشرف ہو جاتا تو وہ تجلی اسے ہر گز بے شعور نہ کرتی۔

یُحۡرَقُ بِالنَّارِ مَنۡ یَّمَسُّ بِھَا
وَمَنۡ ھُوَ النَّارُ کَیۡفَ یُحَرَّقُ

ترجمہ: آگ اسے جلا دیتی ہے جو اُسے چھوئے، لیکن جو خود آگ ہو وہ کیسے جلے؟

پہلا شخص تو آگ کو چھونے والا ہے، اُسے تو یہ جلا دیتی ہے اور لاشئ کر دیتی ہے، اور دوسرا عین آگ ہے۔ تو آگ آگ کو کیسے جلائے؟ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو تجلی کسی پردے میں ہوتی ہے وہ ذات کی تجلی نہیں بلکہ تجلیٔ صفات میں داخل ہے۔ تجلیٔ ذات جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ مخصوص ہے، بے پردہ تجلی ہے، اور پردے کی علامت بے شعوری ہے، اور بے شعوری دوری کے باعث ہے۔ اور بے پردگی کی دلیل شعور ہے، اور شعور کمالِ حضور میں ہے۔ ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس تجلیٔ بالاصالۃ والاستقلال والے صاحب کے متعلق یوں خبر دی ہے جب کہ اُس نے کہا کہ:

موسیٰؑ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
توؐ عینِ ذات می نگری در تبسمی

ترجمہ: حضرت موسٰی علیہ السلام تو ایک ہی پرَتو جمال سے ہوش کھو بیٹھے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عینِ ذات کو تبسم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔]

تشریح

یہ تجلی ذاتِ بحت کی تجلی نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء میں سے تجلیٔ اسمی ہوتی ہے جو کہ سالک کے وجود کو کامل طور پر فنا نہیں بخشتی اور سالک کی بے شعوری اور بے حسی کا سبب بن جاتی ہے اگر سالک فنا پر مشرف ہو جائے تو اسے بے شعوری نہیں ہوتی، وہ آگ جو جلتی ہے اسے تانبا بنا دے اور وہ سالک جس کا وجود کُلی طور پر آگ بن جائے تو وہ کس طرح جَل سکتا ہے؟ یعنی عارف کا بشری وجود کمالِ فنا کے بعد وجودِ موہوبی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی بے حسی اور بے شعوری کسی قسم کا معنی نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ اس مرتبہ میں عارف کا ظاہر تجلیٔ صفات اور عارف کا باطن حق تعالیٰ وتقدس کی ذات کی تجلی بن جاتا ہے اور عالمِ اَمر اور عالمِ خلق جو کہ دوسرے سالکین کا ظاہر وباطن ہے یہ سب عارف کے لئے لباس کے حکم کی طرح حیثیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ وہ سالکین جو حقیقی بصیرت کے حامل نہیں ہوتے اس طرح وہ عارفان کو اپنی ظاہری شکل میں عام لوگوں کی طرح سمجھتے ہیں اس لئے کہ عارف کا ظاہر ظاہری طور پر عوام ہی کی مانند ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عوام الناس عارف کو اس کی مثل نہیں پہچانتے بلکہ صرف عارف کا لباس دیکھ کر اس کو اپنی ہی طرح کا سمجھتے ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں کفار حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بارے میں کہتے تھے کہ:

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا (الفرقان ۷)

ترجمہ: اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہ اُتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ اُن کے ساتھ ڈر سناتا۔

اور یہی وہ جگہ ہے جہاں مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی عارف کے ظاہر کی طرف دیکھے وہ خاسر وخائب (یعنی دنیا وآخرت میں نقصان اٹھانے والوں) میں سے ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس جو عارف کے باطن کی طرف دیکھے وہ کامیاب اور رہائی پانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔

[اور یہی تجلیٔ ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کو دائمًا حاصل ہے اور محبوں کو صرف ایک لحظہ کے لئے کیونکہ محبوبوں کے اجسام نے ان کی ارواح کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اُس نسبت نے ان میں بالکلیہ سرایت کر لی ہے۔ اور محبوں میں یہ نسبت بر سبیلِ نُدرت ہے، اور وہ جو حدیثِ نبوی علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا میں واقع ہے: لِيْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت نصیب ہوتا ہے۔

اس میں وقت سے مراد یہ تجلیٔ برقی (جو ایک لحظہ سے زیادہ نہ ہو آسمانی بجلی کی مانند) نہیں۔ کیونکہ یہ تجلی آنسرور علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے لئے جو تمام محبوبوں کے بادشاہ ہیں، دائمی ہے۔ بلکہ اس وقت سے اس تجلیٔ ذاتی دائمی میں ایک خاص نوع مراد ہے۔ جو بر سبیلِ قلت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو میسر آتی تھی، جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں۔

معرفت:

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم حدیث:

لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل۔

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت میسر آتا ہے جس میں کسی فرشتۂ مقرب اور نبیٔ مرسل علیہ السلام کی گنجائش نہیں۔[1]

میں دو گروہ ہیں۔ ایک جماعت نے وقت سے وقتِ دائمی مراد لیا ہے۔ اور دوسری جماعت نے ایک خاص اور نادر وقت مراد لیا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ استمرار اور دوامِ وقت کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ایک خاص اور نادر وقت بھی میسر آتا تھا۔ جیسا کہ ابھی گزشتہ بیان میں اس کی طرف اشارہ گزرا ہے۔ اور اس حقیر کے نزدیک اس نادر وقت کا میسر آنا نماز میں ہوتا تھا۔ اور شاید آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلَاۃِ۔

ترجمہ: میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔[2]

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے فرمایا:

أَقْرَبُ مَا یَکُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّ فِی الصَّلوٰۃِ۔

ترجمہ: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے۔[3]

---

[1](تفسیر روح البیان، ج ا، ص ۴۶۹، الناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت)

[2](سنن النسائی، ج۷، ص ۶۱، الناشر: مکتب المطبوعات الإسلامیة-حلب)

[3](صحیح مسلم، ج۳، ص ۲۹، المکتبة الفاروقیة میں ان الفاظ کے ساتھ أَقْرَبُ مَا یَکُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ۔ یعنی بے شک بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کرنے کی حالت میں ہوتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاسْجُدْوَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

پس ہر اس وقت میں کہ قُربِ الٰہی زیادہ حاصل ہوتا ہے، اُس میں غیر کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہوتی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہی تجلیٔ ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کو دائمًا حاصل ہے اور محبوں کو صرف ایک لحظہ کے لئے کیونکہ محبوبوں کے اجسام نے ان کے اَرواح کا رنگ اختیار کر لیا ہے، اُس نسبت نے ان میں بالکلیہ سرایت کر لی ہے، اور محبوں میں یہ نسبت بَر سبیلِ نُدرت ہے، الخ"۔ یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ محبوبان کی باطنی نسبت ان کے ظاہر میں بھی سرایت کرتی ہے اور ان کے لئے تجلیٔ ذاتی دائمی ہو جاتی ہے جبکہ محبان اس نعمت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ مگر بعض محبان کو بھی یہ سرایت بر سبیلِ نُدرت میسر ہو جاتی ہے اور تجلیٔ ذاتی دائمی ہو جاتی ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ غیر محبوب عارف کی قسمت میں دوامِ تجلی کس راستے سے باطن کی نسبت ظاہر میں سرایت کا سبب ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتِ سُنیہ کی کامل و مکمل اتباع اور عزیمت پر عمل محمدی المشرب پیر کی تربیت کے واسطہ سے اس کو اس مرتبہ تک پہنچا سکتا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی معنوی میں فرمایا ہے کہ:

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

دست در پائے کبوتر زد وناگاہ رسید

ترجمہ: چیونٹی کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ میں کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے جاؤں چنانچہ ایک دن وہ کسی کبوتر کے پاؤں سے چمٹ گئی اور اچانک کعبۃ اللہ میں پہنچ گئی۔

اسی طرح اگر محبوب اپنے شیخ کامل و مکمل کے دامن سے چمٹا رہے تو ایک دن یہ بھی محبوبین کے کمال پر مشرف ہو جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور وہ جو حدیثِ نبوی علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا میں واقع ہے: لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت نصیب ہوتا ہے، الخ"۔

یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حق میں دائمی تجلی، تجلیٔ ذاتی تھی نہ کہ برقی پس حدیثِ مبارکہ میں اس وقت سے کیا مراد ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سالک ہمیشہ اپنے محبوب کی صحبت پر مشرف اور اس کی صحبت سے بہرہ ور ہو کر بھی بعض اوقات ایک عجیب و غریب محبوبانہ وضع کو ظاہر کرلیتا ہے تو اسی بناء پر دائمی تجلیٔ ذاتی ہوتی ہے اور یہ خصوصیت بھی نادر ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم حدیث: لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملک مقرب ولا نبي مرسل۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ

کے ساتھ ایک خاص وقت میسر آتا ہے جس میں کسی فرشتۂ مقرب اور نبیٔ مرسل علیہ السلام کی گنجائش نہیں۔ میں دو گروہ ہیں۔ ایک جماعت نے۔۔۔۔۔ اس نادر وقت کا میسر آنا نماز میں ہوتا تھا، الخ'' یعنی اگرچہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حق میں تجلیٔ ذاتی دائمی ہے مگر اس تجلی میں بعض جُداگانہ خصوصیات کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ میں برسبیلِ نُدرت میسر ہوتا ہے، اور یہ خصوصیات نماز ہی میں ہیں۔

[اور وہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے اور اپنی قوتِ حال اور استمرارِ وقت سے یوں خبر دی ہے کہ میرا حال نماز میں غیر نماز کے حال کی طرح ہوتا ہے۔ تو احادیثِ مذکورہ بلکہ نصِ مذکورہ مساوات اور استمرار کی نفی کرتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ استمرارِ وقت تو محقق ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ باوجودِ حالتِ نادرہ بھی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ ایک جماعت کو جسے اس نادر وقت پر اطلاع نہیں دی گئی اس کی نفی کے قائل ہیں۔ اور دوسری جماعت کو جسے اس مقام میں حصہ دیا گیا ہے، اس نادر وقت کے معترف ہوئے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ جسے طفیل آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نماز میں جمعیت عطا کی گئی ہے اور اس دولتِ قُرب سے حصہ دیا گیا ہے، بہت قلیل ہے۔ اللہ سبحانہٗ اپنے کمال کرم سے بحرمت حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام اس مقام سے ہمیں بھی حصہ عطا کرے، آمین۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے اور اپنی قوتِ حال اور استمرارِ وقت سے یوں خبر دی ہے کہ میرا حال نماز میں غیر نماز کے حال کی طرح ہوتا ہے، الخ'' یعنی وہ احادیثِ مبارکہ جس میں سردارِ دوعالم خاتم النبیین

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ قُرَّۃُ عَیۡنِی فِی الصَّلاۃِ وَأَقْرَبُ مَایَکُونُ الْعَبۡدُمِنۡ رَبِّ فِی الصَّلوٰۃِ۔ یعنی ''میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے، بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے''۔ اور اسی طرح حق تعالیٰ وتقدس نے فرمایا ہے: وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ (العلق ۱۹) یعنی: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔ درج بالا نصوص اس قول کے مخالف ہیں اس لئے کہ اس درج بالا آیتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ سے دوامِ تجلیٔ ذاتی کے باوجود وقتِ نادرہ کا بھی استنباط ہوتا ہے۔ بعض مشائخ عظام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اس وقتِ نادرہ سے انکار کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس مرتبۂ مقدسہ پر مشرف نہیں بلکہ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔

[معرفت:

صفات والے منتہی حضرات علوم و معارف میں مجذوبوں کے زیادہ نزدیک ہیں اور دولتِ شہود میں بھی دونوں ایک رنگ ہیں، کیونکہ دونوں اَربابِ قلوب سے ہیں۔ غَایَۃُمَافِی الْبَابِ اتنی بات ہے کہ اربابِ صفاتِ تفاصیل سے بھی مطلع ہیں، اور مجذوب تفاصیلِ صفات سے مطلع نہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''صفات والے منتہی حضرات علوم و معارف میں مجذوبوں کے ۔۔۔۔ مطلع نہیں، الخ'' یعنی منتہی حضرات حق تعالیٰ وتقدس کی ذاتِ مقدسہ تک نہیں پہنچے بلکہ صفات تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں یہ اربابِ قلوب مبتدی مجذوبوں کی مانند ہیں اور مقلب القلب کے ساتھ پیوستہ نہیں ہیں اور تلوین سے تمکین تک نہیں پہنچے ہیں۔ مبتدی مجذوبوں اور اَربابِ صفات میں فرق یہ ہے کہ اَربابِ صفات تفاصیل سے باخبر اور اسرارِ صفات تک

پہنچنے والے ہیں مگر مجذوبان صفات کی تفاصیل سے بے خبر ہیں اور اسی طرح اربابِ صفات عروج کی وجہ سے زیادہ قُرب رکھتے ہیں جبکہ مجذوبان اور مبتدی اس قُرب کے حامل نہیں ہوتے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ منتہی تو وہ ہے جو اپنے مبدأ فیض تک پہنچ جائے جبکہ جو عارف صفات تک ہو وہ اپنے مبدأ فیض تک پہنچا ہے پس اسے کیوں اَربابِ قلوب میں سے کہا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کوئی سالک شیونات تک رسائی حاصل نہ کرلے وہ اربابِ قلوب میں سے ہوتا ہے۔ یہ بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ متعارف وہ سالک ہے جو اپنے مبدأ فیض اور اسمِ مُربی تک پہنچ جائے وہ مقلب القلب تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک سالک شیونات تک نہ پہنچے وہ اَربابِ قلوب میں سے ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو سالک اپنے اسمِ مُربی تک پہنچ جائے اگرچہ منتہی ہو مگر صفاتِ بشری کے رجوع سے محفوظ نہیں ہوتا اور اس کے حق میں ابھی بھی صفاتِ بشری کے رجوع کا امکان موجود رہتا ہے، برخلاف اس عارف کے جو شیونات تک پہنچا ہو وہ اس خوف سے محفوظ ہو گا۔

اگرچہ مجذوبان کے لئے درمیان میں حجاب موجود ہوتے ہیں پھر بھی ان کے لئے اصل محبت دامن گیر ہے، اس لئے کہ یہ محبوبان ہیں اور محبت رکھتے ہیں۔

[نیز اربابِ صفات سلوک اور فوق کی طرف عروج کی وجہ سے عروج ناکردہ مجذوبوں سے زیادہ قُرب رکھتے ہیں۔ لیکن اصل کی محبت ان (مجذوبوں) کے دامن گیر ہے۔ اگرچہ پردے درمیان میں حائل ہیں۔ کیا عجب ہے اگر مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان اپنے محبوب کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ مجذوبوں میں بھی قُرب اور معیتِ اصل کا اعتبار کرلیں۔ پس مجذوب محبت میں محمدیوں

کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حبِّ ذاتی اگرچہ حجابات کے ساتھ ہے مجذوبوں میں پائی جاتی ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کیا عجب ہے کہ مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اِنسان اپنے محبوب کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ مجذوبوں میں بھی قُرب اور معیتِ اصل کا اعتبار کرلیں، الخ"۔ یعنی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ "آدمی اُسی کے ساتھ ہے جس سے اُس کو محبت ہے" اس حدیث شریف کے معنی میں اگر مجذوبان کے بارے میں قُرب ومعیت کی اصل کا اعتبار کیا گیا ہے تو یہ بات گنجائش رکھتی ہے کیونکہ مجذوبان حجاب کے باوجود اصل کے عاشق اور اصل ہی کی محبت میں گرفتار ہیں۔ کیا ہی عجب ہوگا کہ معیت پیدا کرلیں اس لئے کہ محبت معیت کا سبب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "پس مجذوب محبت میں محمدیوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، کیونکہ حُبِ ذاتی اگرچہ حجابات کے ساتھ ہے مجذوبوں میں پائی جاتی ہے، الخ" یعنی مجذوبان بہ نسبت محمدیوں کے عام تَر ہیں۔

اور ان کی چند اقسام ہیں:

ا۔ محمدی المشربان جو کہ اس جگہ محمدیوں کے نام سے یاد ہوئے ہیں۔

۲۔ جو سالک سُنت کے تابع ہو وہ مجذوب ہے اگرچہ محبوب نہ ہو۔

۳۔ وہ سالک جس نے تصفیہ اور تزکیہ حاصل کرلیا ہو وہ بھی مجذوب ہے اگرچہ وہ محبوب اور محمدی المشرب نہ ہو۔

اس لئے کہ جو سالک سُنتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تابع ہو یا تصفیہ اور تزکیہ پر مشرف ہو چکا ہو اس کو محبوبیتِ عارضی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہے، وہ مجذوب بھی ہے اور محمدیان جو کہ سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ فی الجملہ مبداء فیض میں مناسبت اور مشارکت رکھتے ہیں ان کو محبوبیتِ ذاتی نصیب ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مجذوبان نے اَربابِ صفات کے ساتھ عروج نہیں کیا ہے جو کہ عروج کے حامل ہیں ایک ہی رنگ میں رنگ دار ہیں۔ کیونکہ ان دونوں گروہوں کے سالکین اربابِ قلوب ہیں اور مقلب القلب کے ساتھ ملحق نہیں ہیں۔

[معرفت:

اس گروہِ صوفیہ کے بعض حضرات کی عبارات میں واقع ہے کہ اقطاب کے لئے تجلیٔ صفات ہے اور افراد کے لئے تجلیٔ ذات۔ یہ بات محلِ غور ہے کیونکہ قطب محمدی المشرب ہوتا ہے، اور محمدیوں کے لئے تجلیٔ ذات ہے۔ ہاں! اتنی بات ہے کہ اس تجلی میں بہت سا تفاوت ہوتا ہے۔ وہ قُرب جو افراد کو حاصل ہوتا ہے اقطاب کو حاصل نہیں۔ لیکن دونوں کو تجلیٔ ذات سے حصہ ضرور ملا ہوا ہے۔ ہاں! اگر ہم یہ کہیں کہ قطب سے مراد قطبِ ابدال ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قدم پر ہوتا ہے نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قدم مبارک پر۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اس گروہِ صوفیہ کے بعض حضرات کی عبارات میں واقع ہے کہ اقطاب کے۔۔۔۔۔ نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

واصحابہ وسلم کے قدم مبارک پر، الخ‘‘ یعنی اس موضوع کو اصل انداز میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ہی سمجھ سکتے ہیں کہ قطب بھی حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قدم پر ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں کہ جو عارف نبی علیہ السلام کے کمالاتِ نبوت کو انجام تک پہنچالیتا ہے اگر وہ اہلِ منصب میں سے ہے تو امامت کے منصب سے سرفراز ہو جاتا ہے ورنہ امامت کے کمالات پر مشرف ہو جاتا ہے، مگر اہلِ منصب میں سے نہیں ہوتا۔ اور وہ عارف جو ولایتِ نبی علیہ السلام کے کمالات کو انجام تک پہنچالیتا ہے اگر اہلِ منصب میں سے ہو تو خلافت کے منصب سے سرفراز ہو جاتا ہے ورنہ اس کو مقامِ خلافت کے کمالات حاصل ہیں۔ قطبِ ارشاد مقامِ امامت کے ظل میں اور قطبِ مدار مقامِ خلافت کے ظل میں قرار پذیر ہے اور غوث، قطبِ مدار کا مدد ومعاون ہے۔ قطبِ مدار اُمورات میں اس سے مدد طلب کرتا ہے اور ابدال کے مناصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ قطبِ فرد کا مقام قطبِ ارشاد اور قطبِ مدار کی بہ نسبت بلند تر ہوتا ہے اور اصالت کے مقام میں اس (قطبِ فرد) کا زیادہ حصہ ہوتا ہے۔ مگر قطبِ فرد اکثر عروج میں ہوتا ہے نزول نہیں کرتا اگر قطبِ فرد نزول فرمائے تو اس کا ارشاد وہدایت کرنا قطبِ ارشاد کی بہ نسبت کامل تَر ہوتا ہے، اور اس کی صحبت کبریتِ احمر ہے۔ چونکہ قطبِ فرد اکثر عروج میں رہتا ہے اسی بناء پر حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ ارشاد ایسے ہی نہیں فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے جو میری نادر صحبت ومجلس کا شرف حاصل کیا ہے اُن لوگوں میں حضرت علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہیں جو فرماتے تھے کہ میرا ایمان حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی صحبتِ مبارکہ سے پہلے تذبذب سے آزاد اور محفوظ نہ تھا۔

ابدال اور اوتاد قطبِ مدار کے مددگاروں میں سے ہیں یعنی ان کے مقامات ظلیہ مقامات ہیں۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ امامت کا مقام ولایت کے بلند ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ امامت کے مقام کے بعد خلافت کا مقام اور خلافت کے بعد قطبِ فرد کا مقام اور قطبِ فرد کے مقام کے بعد قطبِ ارشاد کا مقام اور قطبِ ارشاد کے مقام کے بعد قطبِ مدار کا مقام اور ان مقامات کے بعد ابدال اور اوتاد کا مقام ہے۔ جو کہ مقاماتِ ظلیہ میں قرار پذیر ہیں۔ ابدال اور اوتاد کے احوال کی تفصیل قطب الارشاد یا کتاب ابریز سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

[معرفت:

فَإِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلَی صُورَتِہِ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔[1]

اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے، اُس نے آدم علیہ السلام کی رُوح کو جو آدم کا خلاصہ ہے، بے مثل و بے کیف پیدا فرمایا، تو جس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ لامکانی ہے، رُوح بھی لامکانی ہے۔ رُوح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کے ساتھ ہے، کہ نہ عالم میں داخل ہے اور نہ خارج، نہ متصل ہے نہ منفصل۔ قیومیت یعنی تدبیر و تصرف کے سوا اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ہر ذرے کا منتظم رُوح ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے۔ بدن کے لئے اللہ تعالیٰ کی قیومیت و تدبیر رُوح کی قیومیت کے واسطہ سے ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیض

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱۳، ص ۲۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بھی وارد ہوتا ہے اُس فیض کا محلِ ورود اولاً اور ابتداءً رُوح ہے۔ پھر روح کے واسطہ سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے۔ اور جب کہ رُوح بے چونی اور بے چگونی (بے مثل و کیف) کی حالت پر پیدا کی گئی ہے تو لا محالہ بے چون و بے چگون حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی اس میں گنجائش ہے۔

لَا یَسَعُنِیۡ أَرۡضِیۡ وَلَا سَمَائِیۡ وَلٰکِنۡ یَّسَعُنِیۡ قَلۡبُ عَبۡدِیَ الۡمُؤۡمِنِ۔

ترجمہ: میری گنجائش نہ تو میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان، ہاں میری گنجائش میرے بندۂ مؤمن کا قلب رکھتا ہے۔[1]

کیونکہ ارض و سماء اس وسعت و فراخی کے باوجود چونکہ دائرۂ مکان میں داخل ہیں، اور چون و چگون کے داغ سے داغ دار ہیں، اس لئے لا مکانی ذات جو کمیت اور مقدار سے مقدس اور پاک ہے کی گنجائش نہیں رکھتے۔ لا مکانی شئ مکان میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اور بے چون، چون میں آرام پذیر نہیں ہو سکتی۔ تو لا محالہ عبد مؤمن کے قلب میں جو لا مکانی اور کمیت و مقدار سے پاک ہے میں اس کا سمانا ثابت ہو گیا۔ عبدِ مؤمن کے قلب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ غیر مؤمن کامل کا قلب لا مکان کی بلندی سے نیچے آ چکا ہے اور مقدار و کیف کا گرفتار ہو چکا ہے اور اس کا حکم اختیار کر چکا ہے۔ پس اس نزول اور گرفتاری کی بناء پر چونکہ دائرۂ مکانی میں داخل ہو چکا ہے اور کیف و مثل کی حالت پیدا کر چکا ہے اس لئے اس قابلیت کو ضائع کر چکا ہے۔

أُولَئِکَ کَالۡأَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹)

ترجمہ: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔]

---

[1] (رواہ احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان معنی النفس والروح والقلب والعقل وماھو المراد بھذہ الاسامی، ج۳، رواہ الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، حرف المیم، حدیث نمبر ٣٦٣، ج ١، رواہ مسند الفردوس وھو الفردوس بمأثور الخطاب، باب القاف، حدیث نمبر ۴۴٦٣، ج٣)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے، اُس نے آدم علیہ السلام کی رُوح کو جو آدم کا خلاصہ ہے، الخ'' یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس حدیث کی معرفت میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ہے کہ: ''فَإِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُورَتِہِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا'' کی تشریح فرماتے ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ وتقدس بیچون ہے حضرت آدم علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی رُوح بھی بیچون ہے، جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لا مکان ہے رُوح بھی لا مکان ہے اور جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مقومِ عالم ہے رُوح بھی مقومِ بدن ہے۔ اس حدیث کی شرح میں علماء کا اختلافِ نظر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض علماء نے صُوْرَتِہٖ کی ضمیر کو حق تعالیٰ وتقدس کی طرف راجع کیا ہے اور بعض علماء اس کو حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی طرف راجع کرتے ہیں۔ صوفیہ کرام جو حقیقتِ شریعت سے آگاہ ہیں اس حدیث شریف کا ترجمہ بھی ان پر روشن اور واضح ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں کہ ''حضرت آدم علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات حقیقتِ وجوب کی صورت میں نہیں بلکہ وجوبِ خلق کی صورت میں پیدا ہوئے ہیں'' یعنی حق تعالیٰ وتقدس کی حیات حقیقی حیات ہے اور حضرت آدم علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کی حیات صُوری حیات ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم حقیقی علم اور حضرت آدم علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کا علم صُوری علم ہے۔ بعض علماء کرام اس حدیثِ مبارکہ کے ملاحظہ سے تصور کرتے ہیں کہ شاید حضرت آدم علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات واجب

ہوں، مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ ثابت کیا ہے کہ واجب کے مقابل میں ممکن عجز وانکسار اور قصور پر متصف ہے یعنی اس کے کمالات صُوری کمالات ہوتے ہیں اور عالمِ وجوب کے کمالات حقیقی کمالات کا مرکز ہوتے ہیں۔ ممکن عالمِ وجوب کے کمالات سے ایک شبہ اور نمونہ ہے اور اس ضمیر کی حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی طرف راجع ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ترجمہ: عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

بیت:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیز و من چیزے تست

ترجمہ: میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں تُو نے ہی مجھے سب عطا فرمائی ہیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''جس طرح اللہ تعالیٰ تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے، بدن۔۔۔۔۔رُوح کے واسطہ سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے، الخ'' یعنی جس طرح کہ حق تعالیٰ و تقدس نہ داخلِ عالم ہے اور نہ خارجِ عالم، اسی طرح رُوح بھی نہ تو داخلِ بدن ہے اور نہ ہی خارجِ بدن، صرف مقوم اور مدبرِ بدن ہوتی ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ کئی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے رُوح کا دُخول اور خروج ثابت ہوتا ہے، مگر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس رُوح کو داخلِ بدن نہیں جانتے بلکہ صرف اور صرف مقومِ بدن سمجھتے ہیں تو یہ دعویٰ کرنا کس طرح ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیثِ نبویہ رُوح کے اخراج پر دلالت کرتی ہیں یعنی ظاہرِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح داخلِ بدن ہے اور حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط سے رُوح کا اخراج ہوتا ہے، حقیقت میں حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط سے رُوح کے اخراج سے مراد اس کا خارج ہونا نہیں بلکہ اس سے مراد رُوح کا قطع تعلق اور قطع تقویم ہونا ہے۔ جس طرح رُوح تقویمِ بدن میں عالمِ وجوب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے اور عالمِ وجوب کی صورت میں خلق ہوئی ہے، اسی بناء پر انسان کی رُوح نے اس کی لیاقت و قابلیت پیدا کی کہ عالمِ وجوب کے مظہر کے قابل ہوگئی۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ وتقدس نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے کہ: "لَا یَسَعُنِیْ أَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ۔ یعنی: میری گنجائش نہ تو میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان، ہاں میری گنجائش میرے بندۂ مؤمن کا قلب رکھتا ہے" اس لئے کہ زمین وآسمان زیادہ وسعت کے باوجود مکانی ہیں لامکانی کی گنجائش کے حامل نہیں ہیں۔ چونکہ بندۂ مؤمن کا قلب وروح لامکانی ہے اس لئے لامکانی کے ظہور کی گنجائش کا حامل ہوگیا، قلبِ لامکانی سے مراد قلبِ نُوری ہے اور وہ کہ گنجائشِ لامکانی کو مؤمن کے قلب کے ساتھ تخصیص دی گئی ہے اس میں علت یہ ہے کہ غیر مؤمن کا قلب اوجِ لامکانی سے نیچے آکر چندی وچونی میں گرفتار ہوگیا ہے۔ اسی لئے اس نزول کے واسطہ سے چونی کی گرفتاری پیدا کرلی ہے اپنی اصل قابلیت کو ضائع کردیا ہے۔ جس طرح کہ آیتِ کریمہ: أُولٰئِکَ کَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹) یعنی: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ یہ ان ہی لوگوں کے حال کا بیان ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے ایک مکتوب میں فاسق وفاجر لوگوں کی روح نکلنے کی سختی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چونکہ ان کی ارواح نے اپنی روح کی لطافت کے خواص کو ضائع کرکے نفس کے

اوصاف کو اختیار کرلیاہے اسی وجہ سے ان کی روح کا ان کے بدن سے قطع علاقہ زیادہ دشوار اور سنگین ہوتا ہے کیونکہ ان کی رُوح نفس کی صفات کو اختیار کر کے کثیف ہوگئی ہوتی ہے۔

[اور مشائخ میں سے جس نے بھی اپنے قلب کی وسعت سے خبر دی ہے تو اس کی مراد یہی قلب کی لامکانیت ہے۔ اس لئے مکانی شئ اگرچہ کتنی بھی وسیع ہو بہر حال تنگ ہی ہے۔ عرش عظمت وفراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے، لامحالہ لامکانی (رُوح) کے سامنے رائی کے دانہ کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی کمتر۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ قلب چونکہ انوارِ قدم کی تجلی کا محل بن چکا ہے، بلکہ قدیم ذات کے ساتھ بقاحاصل کر چکاہے، اس لئے عرش ومافیہا اگر اس میں آپڑیں تو بالکل محو ولاشئ ہو جائیں، اور ان کا کچھ اثر ونشان باقی نہ رہے۔ جیسا کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ محدث (فانی) کو جب قدیم کے ساتھ ملایا جائے تو فانی اور محدث کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ ایک یکتا لباس ہے جو صرف رُوح کے قدم پر ہی سِیا گیاہے۔ ملائکہ بھی یہ خصوصیت نہیں رکھتے، کیونکہ یہ بھی دائرۂ مکان میں داخل ہیں، اور چون کے ساتھ متصف ہیں۔ اسی بناء پر انسان رحمٰن جل سلطانہٗ کا خلیفہ قرار پایا۔ ہاں ہاں! شئ کی صورت ہی شئ کا خلیفہ بن سکتی ہے۔ جب شئ کی صورت پر پیدا نہ کیا گیا ہو تو اس کے خلاف کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھاسکتا۔ بادشاہ کی عطاؤں کو اُس کی سواریاں اٹھاسکتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الأحزاب ۷۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو اُنہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُٹھالی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

یعنی انسانی اپنی ذات پر بہت ہی ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے وجود اور توابعِ وجود کا کچھ اثر اور حکم باقی نہیں رہنے دیتا۔ اور کثیر الجہل ہے کہ اسے اپنے مقصود سے متعلق کچھ ادراک ہی نہیں، اور نہ ہی علم رکھتا ہے جس کی اپنے مطلوب کی طرف نسبت ہو۔ بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز رہنا ہی ادراک ہے۔ اور جہالت کا اعتراف معرفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہو گی وہ سب سے زیادہ حیرت میں ہو گا۔

تنبیہ:

اگر بعض عبارات میں ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے ذاتِ واجب تعالیٰ کے لئے ظرفیت یا مظروفیت کا وہم پڑتا ہو تو اسے میدانِ عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہیئے، اور کلام کی مراد کو علمائے اہلِ سُنت وجماعت کی آراء کے مطابق کرنا چاہیئے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”مشائخ میں سے جس نے بھی اپنے قلب کی وسعت کی خبر دی ہے۔۔۔۔۔۔ جیسا کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اس مقام پر فرمایا ہے، الخ“ یعنی مکانی لا مکانی کے مقابلے میں ایک ناچیز اَمر اور بسیط ہوتا ہے۔ یہ فرمانا اعتبارِ فراخی اور لا مکانیتِ قلب کے اعتبار سے ہے مگر عرش کی لیاقت بلند تَر ہے جو کہ ذاتِ مقدس کا مظہر اور صفاتِ ثمانیہ ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ ایک یکتا لباس ہے جو صرف رُوح کے قدس پر ہی سِیا گیا ہے۔۔۔ اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا، الخ" یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یعنی "بے شک ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے"۔ اس کے ظالم ہونے میں علت یہ ہے کہ انسان نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے وجود اور توابعِ وجود کو حق تعالیٰ و تقدس کی معرفت اور اس کے ذکر میں فانی کر دیا ہے اور اپنے عین اور اثر کو فانی کر دیا۔ اور اس کی جہالت کی علت یہ ہے کہ فنائے ماسویٰ کے باوجود ذاتِ مقدس کے درک سے عاجز ہے۔

درج بالا دلائل سے معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں ظالمیت اور جاہلیت انسان کا وصف ہوتی ہیں نہ کہ انسان کا ذَم یعنی فنا اور بقا کے بعد اور مراتبِ وجوب میں عروج کے بعد ایک مقام میں پہنچ جاتا ہے کہ جس کی تعبیر نہیں کر سکتا۔

جس طرح کہ حضرت مرزا عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

عجـزادراک اگر فہمیـدی

معنی این است کہ فہمیـدن نیست

ترجمہ: ہر عجز کو ادراک سمجھنا گویا کچھ نہ سمجھنا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی تک کچھ نہیں سمجھ پایا ہے۔

اب اگر سوال کیا جائے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں رُوح کی لامکانیت اور قلب کی وسعت کا ذکر فرمایا ہے اور قلب کو عرش کی بہ نسبت درجہ

دیا گیا ہے اور حال یہ ہے کہ دیگر مکاتیب میں ظہورِ عرش کو ظہورِ کُلی اور ظہورِ قلبی کو ظہورِ جزئی جانا ہے۔ان متناقض فرمودات کی تطبیق کس طرح کی جائے گی؟

اس درج بالا سوال کے دو جوابات ہیں:

اول: لا مکانیت کی وسعت اور چیز ہے اور فوقیتِ کمال چیزِ دیگر۔ جس طرح قلبِ صنوبری جو کہ قلبِ نُوری کی بہ نسبت اصغر اور لا مکانی ہے مگر قلبِ نُوری کے ظہور اور کمال سے فوقیت رکھتا ہے۔

دوم: یہ کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بیان احوال کا بیان ہوتا ہے اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال وقتاً فوقتاً بلندی کی طرف گامزن رہتے ہیں۔ اسی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بعض مکاتیب میں کمالاتِ عرش سے اور بعض مکاتیب میں مزیتِ قلب کو بیان فرمایا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے یہ فرمودات احوال کے مراتب اور مقامات کے بارے میں ہیں۔ لہٰذا حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمودات میں تناقض نہیں ہے بلکہ احوالِ بیان کا اختلاف ہے مگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آخری فرمان یہ ہے کہ عرش کی تجلی کُلی اور قلب کی جزئی ہوتی ہے۔

[معرفت:

عالم چاہے صغیر (انسان) ہو چاہے کبیر (مجموعہ کائنات) سب اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے مظاہر اور اس ذات سبحانہٗ کے شیون و کمالاتِ ذاتیہ کے آئینے ہیں۔ اور وہ ذات سبحانہٗ وتعالیٰ ایک پوشیدہ خزانہ اور مخفی راز تھی، اس نے چاہا کہ خفا سے ظہور میں آئے اور اپنے آپ کو اجمال سے تفصیل کی طرف لائے۔ جہان کو پیدا فرمایا تاکہ اپنے اصل پر دلالت کرے اور اپنی حقیقت کے لئے علامت اور نشانی بنے۔ پس عالم کو اپنے صانع اور خالق کے ساتھ اس کے سوا اور کچھ نسبت نہیں کہ

عالم مخلوق ہے اور اس ذاتِ تعالیٰ وتقدس کے کمالاتِ پوشیدہ پر دلیل ہے۔ اس نسبت کے ماسوا جو حکم بھی لگایا جائے جیسے اتحاد، عینیت، احاطہ اور معیت، سب سُکرِ وقت اور غلبہُ حال کے باعث ہے۔

مستقیم الاحوال اکابر جنہیں صحو اور ہوش کے پیالہ سے حصہ ملا ہے۔ اس طرح کے علوم سے بیزار اور استغفار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان مستقیم الاحوال بزرگوں کو راہِ سلوک کے درمیان یہ علوم حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن بالآخر انہیں ان علوم سے گزار کر آگے لے جاتے ہیں، اور علومِ شریعت کے مطابق ان پر علومِ لدنی وارد فرماتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "عالم چاہے صغیر (انسان) ہو چاہے کبیر (مجموعہ کائنات) سب اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے مظاہر اور اُس ذات سبحانہٗ کے شیون وکمالاتِ ذاتیہ کے آئینے ہیں، الخ" یعنی حقیقتِ عالم عدم ہے حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کے پرتَو کے ساتھ۔ پس عالم کو عالمِ وجوب کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے بغیر نسبتِ مخلوقیت، مصنوعیت، حکمِ عینیت، اتحاد ومعیت، سُکرِ وقت سے احاطہ اور غلبہُ حال کے ہے۔ جن لوگوں نے عالم کو عینِ حق اور باحاطہ حق تعالیٰ وتقدس کو عالم احاطہ ذاتی اور حق تعالیٰ وتقدس کی معیت کو عالم معیتِ ذاتی جانا ہے ان لوگوں نے اشتباہ کیا ہے اور وہ سُکر کے مقام میں ہیں، اس لئے کہ حق تعالیٰ وتقدس کا احاطہ ومعیت عالم معیت اور احاطہ علمی کے ساتھ ہے نہ کہ ذاتی کے ساتھ۔ صاحبانِ صحو جو کہ سُکر کے مقام سے گزر چکے ہیں، وہ ان علوم اور مکشوفات سے مبری اور مستغفر ہیں یعنی اربابِ صحو نے ابتداء اور وسط میں اسی طرح کے مکشوفات کو دیکھا ہے اور آخر کار اس مرحلہ سے ارتقاء فرما کر ان کی مکشوفات شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہو چکی ہیں۔

[اس بحث کی تحقیق کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں، زیرت اور صاحبِ کمالات عالم جب چاہتا ہے کہ اپنے ذہن میں پوشیدہ کمالات کو میدانِ ظہور اور اپنے مخفی فنون کو سامنے لائے تو وہ حروف واصوات کو ایجاد کرتا ہے۔ ان دلالت کرنے والے حروف واصوات کو خزانۂ ذہن میں موجود معانی بلکہ اس عالمِ مؤجد کے ساتھ اس کے سوا کچھ نسبت نہیں کہ وہ عالم ان کا مؤجد ہے۔ اور یہ حروف واصوات کو اس ایجاد کرنے والے عالم کا عین یا اُن معانی کے عین کہنا بالکل بے معنی ہے۔ اسی طرح احاطے اور معیت کا حکم بھی اس واقعہ میں غیر موجود ہے۔ معانی اپنی اسی سادگی اور تنہائی کی حالت میں ہے۔ ہاں جب کہ معانی اور صاحبِ معانی اور حروف واصوات کے درمیان دالیت اور مدلولیت کی نسبت متحقق اور موجود ہے۔ اس بناء پر بعض معانی زائدہ غیر مطابق واقع تخیل میں آجاتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ عالم اور اس کے ذہن میں موجود معانی اس نسبتِ زائدہ سے منزہ ومبرّا ہیں۔ اور یہ حروف واصوات خارج میں موجود ہیں اور حروف واصوات محض اوہام وخیالات ہیں۔ پس عالم جو ماسوا اللہ سے عبارت ہے، خارج میں وجودِ ظلی اور کون تبعی کے ساتھ موجود ہے نہ یہ کہ عالم اوہام وخیالات ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''اس بحث کی تحقیق کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ زیرک اور صاحبِ کمالات۔۔۔۔ اپنے مخفی فنون کو سامنے لائے، الخ'' یعنی حق تعالیٰ وتقدس کی شان اس عالم کے شان کے مشابہ ہے جو کہ اپنے باطنی مکنونہ کے معنی کو عباراتِ مختلفہ کے ساتھ روشن اور ظاہر کرتا ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ ہے کہ وہ عالم ایک علیحدہ شخص اور حروف واصوات ایک جداگانہ چیز ہے۔ یعنی عالم اور

حروف واصوات کے درمیان کسی قسم کی عینیت واتحاد وجود نہیں رکھتا بلکہ عالم شخص ان حروف واصوات کا موجد ہوتا ہے اور حروف واصوات اس کے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرتی ہیں۔ اسی بناء پر حروف اور اصوات کو عین سمجھنا سُکر کے حال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح عالمِ ممکنات کی تخلیق عالمِ وجوب کے کمالات کی سی ہے، اور یہ عالمِ ممکنات کسی بھی طرح عالمِ وجوب یعنی حق تعالیٰ وتقدس کے عینیت واتحاد نہیں رکھتا بلکہ صرف اور صرف حق تعالیٰ وتقدس کے کمالاتِ ذاتی اور صفاتی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ سالکین جو حروف واصوات کو عینِ عالم جانتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ حروف واصوات اور معانی مخزونہ اور عالم موجد کے درمیان دالیت اور مدلولیت موجود ہے۔ لہٰذا بعضی معنی غیر واقعی مثلِ اتحاد وعینیت سالک کے تخیل میں متصور کیا گیا ہے ورنہ حقیقت میں وہ عالم اور اس کے معانی مخزونہ اس نسبت سے منزہ اور مبرا ہیں اور عالم اور اس کے معانی مخزونہ اور حروف واصوات کے درمیان دالیت اور مدلولیت کے بغیر کسی قسم کی دوسری نسبت نہیں پائی جاتی۔ پس صوفیہ وجودیہ جو عالم کو عینِ واجب جانتے ہیں ان کی یہ گفتار غلبۂ سُکر اور غلبۂ حال میں ہوتی ہے اور اس کا سبب غلبۂ محبت ہے جس طرح مجنون آخر میں عینِ لیلیٰ بن گیا اور اپنے آپ کو لیلیٰ سمجھنے لگا اور آخر وقت میں لیلیٰ مجنون کے پاس آئی تو مجنون نے اس سے اظہار کیا کہ میں اپنے حال میں خود ہی لیلیٰ ہوگیا ہوں لہٰذا اب میں آپ (لیلیٰ) کا محتاج نہیں رہا۔

گفت رو رو کہ آنچہ نام من

کہ بجز عشق تو ندانم من

عشق تو اے نگار فرزانہ

این چنین کرد در دلم خانہ

که تراہم نماند گنجائی

بعد ازین خوشترم بہ تنہائی

ترجمہ: اس نے کہا کہ جاؤ جاؤ میں تو ویسے ہی ہوں کہ میں آپ کے عشق کے بغیر اور کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ اے علم اور سمجھ کو ظاہر کرنے والے آپ کے عشق نے میرے اس دل میں کام کیا ہے۔ آپ کے پاس کوئی جگہ باقی نہیں ہے اس کے بعد میں تنہائی میں خوش ہوں۔

یہ عشق میں وہ مقام ہے کہ عاشق معشوق کے عشق کے بغیر اس کے وصال کو بھی نہیں چاہتا جس طرح کسی بزرگ نے عشق کے کارنامے کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

بسیارِ دیدہ ام کہ یکے رادو کرد تیغ

قربان تیغ عشق دو کس را یکے کند

ترجمہ: میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار ایک چیز کو دو ٹکڑے کر دیتی ہے، اور قربان جاؤں عشق کی تلوار پر جو دو کو ملا کر ایک کر دیتی ہے۔

یہ بھی خواص کے عشق میں سے ہے کہ جو وصال نہیں چاہتے بلکہ صرف دَرد اور معشوق کے عشق میں گرفتاری چاہتے ہیں۔ جس طرح حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے عشق تو کیا مگر وصالِ عشق کو نہ چاہا۔

بدست آوردن مطلب ندارد لذت چنداں

عجب کیفیتے دارد بمقصد نارسیدن ہا

ترجمہ: اپنی مراد کو حاصل کر لینا زیادہ لذت نہیں رکھتا بلکہ مقصد تک نہ پہنچنا عجیب کیفیت رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی عشق ہی کی مشق پر قناعت کی اسی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصل پر مشرف نہ ہوئے کیونکہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق صرف شُنید سے تھا نہ کہ دید سے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا این دولت از گفتار خیزد

ترجمہ: عشق صرف محبوب کے دیدار سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ دولت اکثر محبوب کی باتوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ حروف واصوات خارج میں موجود ہیں اور حروف واصوات محض اوہام وخیالات۔۔۔۔نہ یہ کہ عالمِ اوہام وخیالات ہے، الخ" یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان صوفیہ وجودیہ کے گفتار کی تردید کرنا ہے کہ انہوں نے عالمِ امکان کو صرف اوہام وخیالات جانا ہے اور واجب تعالیٰ سے بغیر تمام موجودات کے وجود کو ایک موہوبی امر خیال کیا ہے۔ جناب عین القضاۃ ہمدانی چونکہ توحید میں راسخ قدم رکھتے ہیں لہٰذا جو لوگ دو موجود کے وجود کے قائل ہیں اُن کو مشرک جانا ہے یعنی اُن کا مقصد توحیدِ وجود تھا واجب تعالیٰ کے بغیر تمام موجودات کے وجود کے قائل نہیں ہوتا اور اظہار رکھتے ہیں کہ یہ تمام محسوسات صرف واجب تعالیٰ کا ظہور ہوتے ہیں۔ جس طرح موضوعِ توحید کو ظہورِ آئینہ سے تشبیہ دی ہے مثلاً اگر کسی ایک چیز کے سامنے مختلف رنگوں والے آئینہ کو رکھا جائے تو وہی ایک چیز مختلف رنگوں میں نمایاں ہوگی۔ ان تشریحات سے یہ معلوم ہوگیا کہ کسی چیز کا وجود علیحدہ چیز ہے

اور کسی چیز کا ظہور علیحدہ۔ مثال کے طور پر گھر میں زید کی موجودگی زید کا وجود ہے اور آئینہ میں زید کی تصویر زید کا ظہور ہوتا ہے نہ کہ اس کا وجود۔

[یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائی کا مذہب ہے جو عالم کو اوہام وخیالات کا تصور کرتا ہے۔ عالم کی حقیقت کو ثابت ماننا عالم کو اوہام وخیالات سے نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں تو حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم۔ کیونکہ عالم اس کی حقیقتِ مفروضہ سے الگ ایک شئ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائی کا مذہب ہے جو عالم کو اوہام وخیالات۔۔۔۔۔ اس صورت میں تو حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم، الخ" یعنی صوفیہ وجودیہ کہتے ہیں کہ عالم وہ وہم ہے جو حقیقت کا حامل ہوتا ہے۔

وہم کی دو اقسام ہیں:

اول: وہمِ مخترع　　　　دوم: وہمِ متحقق

وہمِ مخترع اس وہم سے عبارت ہے جو حقیقت کی حامل نہ ہو بلکہ صرف وہم کا اختراع ہو۔ جس طرح جفت عدد کا طاق عدد پر توہم کیا جائے اور کہا جائے کہ دو طاق ہیں جفت نہیں ہیں۔

وہمِ متحقق سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز نمود کی حامل تو ہو مگر حقیقت نہ رکھتی ہو جس طرح کہ سراب جو دُور کی مسافت سے تو نمود کی حامل ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس طرح نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کیونکہ اس صورت میں تو حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم، الخ" یعنی جو لوگ عالم کو وہمِ حقیقت دار تصور کرتے ہیں ان کے اس تصور کی وجہ سے ان کو ثبوتِ حقیقت میسر ہو جاتا ہے نہ کہ ثبوتِ عالم، لٰہذا ان صوفیاء کرام مذہب

بعینہٖ سوفسطائی کا مذہب ہے۔ یہ صوفیہ کرام اپنے مذہب کو سوفسطائی کے مذہب سے جُدا سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عالم ایک وہمِ محقق ہے اور سوفسطائی عالم کو صرف ایک موہوم اَمر جانتے ہیں اور صوفیاء کرام کا یہ دعویٰ سوفسطائی کے مذہب سے امتیاز کا سبب نہیں ہو سکتا۔

[تنبیہ:

جہان کا واجب تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا مظہر اور آئینہ دار ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ صورِ اسماء اور صفات کا آئینہ ہیں نہ کہ بے واسطہ صورِ عین صفات اور اسماء کا آئینہ اور مظہر ہیں۔ کیونکہ اس کا اسم بھی مسمّٰی کی طرح کسی آئینے کا محاط نہیں ہو سکتا۔ اور صفت بھی مثل موصوف کی مانند کسی مظہر کی قید میں نہیں آسکتی۔

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد
در کلبہ گدایان سلطان چہ کار دارد

ترجمہ: صورت کے تنگ مقام (جگہ) میں معنی نہیں سما سکتا۔ گداوں کی کٹیا میں سلطان کا کیا کام۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جہان کا واجب تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا مظہر اور آئینہ دار ہونے سے مراد یہ، الخ" یعنی چونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معرفتِ سابق میں عالم کو حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کا مظہر فرمایا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاہتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سابق فرمودات کی شرح کر کے اُن کو واضح کریں کہ عالم حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کا مظہرِ صُور ہے نہ کہ حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کے مظہر کا اصل۔ یعنی حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کی تجلیات عالم میں ظاہر اور عالم ان تجلیات کا آئینہ ہوتا

ہے اور آئینہ حق تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کا اصل نہیں ہوتا اور اصل صفات جو کہ غیر متناہی ہوتی ہیں ممکنات میں گنجائش نہیں رکھتیں۔

[معرفت:

اگرچہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے کامل متبعین کے لئے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع کی برکت سے تجلیٔ ذات سے جو بالاصالۃ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے، حصہ ملتا ہے۔ اور باقی تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کے لئے تجلیاتِ صفات ہیں اور تجلیٔ ذات تجلیٔ صفات سے اشرف اور اعلیٰ ہے۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کو تجلیاتِ صفات میں وہ قُرب حاصل ہے جو اس اُمت کے کامل متبعین کو بطریقِ تبعیت تجلیٔ ذات حاصل ہونے کے باوجود حاصل نہیں۔

مثلاً ایک شخص جمالِ آفتاب کی محبت میں مدارجِ عروج کو طے کر کے آفتاب تک پہنچے اور اس کے اور آفتاب کے درمیان سوائے ایک باریک پردہ کے کچھ حائل نہ رہے۔ اور ایک دوسرا شخص ذاتِ آفتاب کی محبت کے باوجود اُن مراتب تک عروج سے عاجز ہو، اگرچہ اس کے اور آفتاب کے درمیان باریک سا پردہ بھی حائل نہ ہو، تاہم اس امر میں کچھ شک نہیں کہ شخصِ اول آفتاب کے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے کمالاتِ دقیقہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔

پس اس اُمت کے اولیاء کرام میں باوجود اس اُمت کے خیر الامم ہونے کے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے افضل ہونے کے باوجود کسی نبی علیہ السلام کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ اُس ولی کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کی متابعت کے واسطہ سے متامِ مابہ الافضلیت سے حصہ ملا ہوا ہے۔ فضیلتِ کُلی صرف انبیاء کرام علیہ السلام کو حاصل ہے، اولیاء کرام طفیلی ہیں۔

اب ہمیں اپنے اس مکتوب کو ان ہی الفاظ پر ختم کرنا چاہیئے، ہم اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ عزوجلّ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلیٰ ذٰلِکَ وَعَلیٰ جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ اَفْضَلِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلیٰ جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلیٰ الصِّدِیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب کی آخری معرفت میں فرماتے ہیں کہ ”جاننا چاہیئے کہ انبیاء کرام علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کو تجلیاتِ صفات میں وہ قُرب حاصل ہے جو اس اُمت کے کامل متبعین کو بطریقِ تبعیت تجلیٔ ذات حاصل ہونے کے باوجود حاصل نہیں، الخ“ یعنی اس فرمان سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اس اُمت کے اولیاء کرام اگرچہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل تابعداری کی وجہ سے تجلیٔ ذاتی پر مشرف ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا قُرب بہ نسبت ان اولیاء کرام کے زیادہ ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات عروج میں مراتبِ وجوب کے قریب ہیں اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عروج میں ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے استقرار کا مقام ظلال ہے اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا صفاتِ مقدسہ کا اصل ہے۔ اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تجلیٔ ذاتی کو دُور سے دیکھتے ہیں جبکہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات تجلیٔ ذاتی کو نزدیک سے دیکھتے ہیں۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ محمدی المشرب اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ شیونات تک پہنچتے ہیں اور شیونات وجودِ خارجی نہیں رکھتیں بلکہ عینِ ذات ہیں اور حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا مُربی صفات ہوتی ہیں اور صفات شیون کے تحت قرار پذیر ہوتی ہیں۔ پس حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی زیادتِ قُرب کیسے ہو سکتی ہیں، اور حال یہ ہے کہ محمدی المشرب اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے حق میں شیون حائل نہیں ہیں اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں شیون حائل ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شیون کی حیلولیت ایک رقیق حیلولیت ہوتی ہے، اسی بناء پر حجاب نہیں ہوتا۔ چونکہ حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات صفات کے اصل میں قرار پذیر ہیں اگرچہ شیون کی رقیق حیلولیت کو درمیان میں رکھتے ہیں مگر رؤیت کی مانع نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کا قُرب اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت جو کہ ظلال میں قرار پذیر ہیں سے زیادہ ہے۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل تابعداری کرنے والے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس دولت تک پہنچ سکتے ہیں اور حضراتِ انبیاء عظام علیہم الصلوات والتسلیمات بھی سردارِ دوعالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل سے اس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز اور مشرف ہیں۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذتھم ولا ھل بیتھم اجمعین

آمین یارب العالمین

بحرمت سید المرسلین وخاتم النبیین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

(نور الخلائق، جلد پنجم)

مکتوب نمبر ۲۸۸

[سید انبیاء سارنکپوری کی طرف صادر فرمایا:

نمازِ نوافل جیسے نمازِ عاشورا، شبِ قدر اور شبِ برأت وغیرہ باجماعت ادا کرنے سے روکنے اور منع کرنے کے بیان میں اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اس رب العالمین کے لئے جس نے ہمیں سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت سے مشرف فرمایا اور جس نے ہم سب کو دین میں بدعات سے بچایا۔ اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو اُس ہستی پر جس نے ضلالت وگمراہی کی بنیادوں کا قلع قمع فرمایا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند فرمایا۔ اور آپ کے نیکوکار آل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پسندیدہ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی رحمت وسلامتی کا نزول ہو، آمین

جاننا چاہیئے کہ اس زمانہ کے اکثر عوام وخاص ادائے نوافل کا اہتمام بڑا ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی میں سُستیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور فرائض میں سُنن ومستحبات کی بہت کم رعایت کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کو اوقاتِ مستحبہ میں ادا کریں۔ مسنون جماعت کے بڑھانے بلکہ نفسِ جماعت میں کچھ اہتمام نہیں کرتے اور سُستی اور تساہل کے ساتھ فرائض کے ادا کرنے کو غنیمت شمار کرتے ہیں۔ اور عاشورا کے روزے ماہِ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہِ مذکورہ کی اوّل شبِ جمعہ میں جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہوا ہے، کمال اہتمام کی رعایت کرتے اور کثیر جماعت کے ساتھ نوافل کو

باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اور اس عمل کو نیک اور مستحسن خیال کرتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ یہ شیطانی آرائشوں میں سے ہے، جوبُرائیوں کو حسنات کی شکل میں دکھاتا ہے۔

۱۔ شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ شرح وقایہ میں فرماتے ہیں کہ: نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور فرضوں کی جماعت ترک کرنا ابلیس لعین کے پھیلائے ہوئے جالوں میں سے ہے۔

۲۔ جاننا چاہیئے کہ نوافل کو پوری دل جمعی اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعاتِ مذمومہ مکروہہ میں سے ہے۔ ایسی بدعتوں کے متعلق حضرت رسالتِ خاتمیت علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرمایاہے کہ:

مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

ترجمہ: جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ بات مردود ہے۔[1]

۳۔ جاننا چاہیئے کہ نوافل باجماعت ادا کرنا بعض فقہی روایات میں مطلقًا مکروہ ہے۔ اور بعض دوسری فقہی روایات میں یہ کراہت تداعی (ایک دوسرے کو بُلانا) اور اجتماع کے ساتھ مشروط کی گئی ہے۔ پس اگر تداعی کے بغیر ایک دو آدمی مسجد کے کونہ میں نوافل باجماعت ادا کریں تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر نفلوں کی جماعت میں تین افراد جمع ہو جائیں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور اگر چار افراد شریک ہو جائیں تو بعض روایات کے مطابق باتفاقِ فقہاء کرام مکروہ ہے۔ اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ چار افراد کامل کر نوافل باجماعت ادا کرنا زیادہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

---

[1] (شرح السنة للبغوی، ج ۱، ص ۲۱۱، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

كُرِهَ التَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ بِخَلَافِ التَّرَاوِيحِ وَصَلٰوةِ الْكُسُوفِ۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، بخلاف نمازِ تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے (کہ اسے باجماعت ادا کرنا مکروہ نہیں)۔

۴۔ فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الاسلام سرخسی رحمۃ اللہ سبحانہٗ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّطَوُّعُ بِجَمَاعَةٍ خَارِجَ رَمْضَانَ اِنَّمَا يُكْرَهُ اِذَا كَانَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ اَمَّا اِذَا اقْتَدٰى وَاحِدٌ اَوِ اثْنَانِ لَا يُكْرَهُ وَفِي الثَّلٰثِ اخْتِلَافٌ وَفِي الْاَرْبَعِ يُكْرَهُ بِلَا خِلَافٍ۔

ترجمہ: غیر رمضان میں نوافل باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، جب تداعی کے طور پر ہو، لیکن اگر ایک مقتدی یا دو ہوں تو مکروہ نہیں، اور تین میں اختلاف ہے اور چار مقتدیوں کی صورت میں بلا اختلاف مکروہ ہے۔

۵۔ فقہ کی مشہور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے:

اَلتَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ اِذَا كَانَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ يُكْرَهُ اَمَّا اِذَا صَلَّوْ بِجَمَاعَةٍ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا يُكْرَهُ۔

ترجمہ: نفلوں کی جماعت جب کہ تداعی کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر بغیر اذان واقامت کے ایک کونے میں باجماعت نفل پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

۶۔ شمس الائمہ الحلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا كَانَ سِوَى الْاِمَامِ ثَلَاثَةٌ لَا يُكْرَهُ بِالْاِتِّفَاقِ وَفِي الْاَرْبَعِ اخْتِلَافٌ وَالْاَصَحُّ اَنَّهُ مَكْرُوْهٌ۔

ترجمہ: جب امام کے سوا تین افراد ہوں تو نوافل کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں۔ اور چار میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح تر یہی ہے کہ مکروہ ہے۔

فتاویٰ شافیہ میں ہے:

وَلَا یُصَلِّی التَّطَوُّعَ بِالْجَمَاعَةِ اِلَّا فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَذٰلِکَ اِنَّمَا یُکْرَهُ اِذَا کَانَ عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاعِیْ یَعْنِیْ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ اَمَّا لَوِ اقْتَدٰی وَاحِدٌ اَوِ ثْنَانِ لَا عَلٰی سَبِیْلِ التَّدَاعِیْ فَلَا یُکْرَهُ وَاِذَا اقْتَدٰی ثَلَاثَةٌ اخْتَلَفَ الْمَشَایِخُ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِنِ اقْتَدٰی اَرْبَعَةٌ کُرِهَ اتِّفَاقًا۔

ترجمہ: کوئی شخص بھی نوافل جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے سوائے رمضان شریف کے مہینہ کے اور نوافل باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے جب کہ اذان اور اقامت کے ساتھ ان کی جماعت کرائی جائے۔ اور اگر ایک آدمی یا دو آدمی اذان اور اقامت کے بغیر اقتداء کریں تو مکروہ نہیں۔ اور جب تین مقتدی ہوں تو اس میں مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اختلاف ہے۔ اور اگر مقتدی چار ہو جائیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

اور اس طرح کی روایات بہت ہیں اور فقہی کتابیں ایسی سے پُر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی روایت ملے جس میں تعداد کا ذکر نہ ہو اور مطلقاً جواز ظاہر کرے تو اس بارے میں مقید روایات پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہیئے اور جواز کو دو یا تین افراد میں ہی منحصر جاننا چاہیئے۔ اس لئے علماءِ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے۔ اور اگر بطریق فرضِ محال حمل نہ کریں اور مطلق ہی رہنے دیں تو ایسی صورت میں یہ مطلق اس مقید کے قابل اور منافی ہو جائے گا، اگر قوت میں برابر ہو۔ اور قوت میں مساوات ممنوع ہے، کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتٰی بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے، اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کر لی جائیں تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی

صورت میں جانبِ کراہیت کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ اسی میں احتیاط کی رعایت ہے۔ جیسا کہ اصولِ فقہ والوں کے ہاں یہ امر طے شدہ ہے۔

پس وہ لوگ جو عاشورہ کے دن اور شبِ برأت اور ستائیسویں رجب کی رات میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، کم وبیش دو دو سو اور تین تین سو افراد مسجد میں جمع ہوتے ہیں، اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو نیک خیال کرتے ہیں، باتفاقِ فقہاء مکروہ امر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور مکروہ چیز کو اچھا جاننا بُرے گناہوں میں سے ہے۔ کیونکہ حرام کو مباح جاننا کُفر تک کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اور مکروہ چیز کو اچھا گمان کرنا اس سے صرف ایک مرتبہ کم ہے۔۔۔ اس فعل کی بُرائی کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیئے۔

نوافل کی جماعت جائز کہنے والوں کی دلیل عدمِ تداعی ہے۔ ہاں بعض روایت کے مطابق عدمِ تداعی کراہت کو دور کر دیتی ہے۔ لیکن وہ بھی ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ ہے، اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مسجد کے کسی کونے میں ہو، اور اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں جواز کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ ازیں تداعی کا معنی یہ ہے کہ نفل نماز کی ادائیگی کے لئے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا اور یہ معنی اس طرح کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ قبیلوں کے قبیلے عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں چلنا چاہیئے اور نفل نماز باجماعت ادا کرنی چاہیئے۔ ان لوگوں نے اس فعل کو عادت بنا رکھا ہے، اس طرح بتاتے پھرنا اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس اس صورت میں تداعی بھی ثابت ہے، اور اگر ہم تداعی کو اذان اور اقامت کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں، جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے۔ اور حقیقتًا

اذان اور اقامت ہی مراد لیں تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو اُوپر گزرا ہے کہ ایسی نماز مذکورہ شرط کے ساتھ ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ خاص ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نوافل ادا کرنے کی بنیاد اِخفا اور پوشیدگی پر ہے، کیونکہ نفل عبادت رِیا اور نمائش کا مقام ہے اور جماعت اِخفا اور پوشیدگی کے منافی ہے۔ اور ادائے فرائض میں اظہار اور اعلان مطلوب ہیں، کیونکہ فرائض، ریا اور نمائش کے شبہ سے مُبرّا ہیں، پس انہیں باجماعت ہی ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنے کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔ اسی لئے نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب کی موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے، تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے۔ اور ان مکروہ جماعتوں میں اس فتنے کو بیدار کرنے کا قوی احتمال ہے۔ لہٰذا اس طرح کا اجتماع شرعاً جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے۔

اور حدیثِ نبوی علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا میں وارد ہے:

اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللهُ مَنْ أَيْقَظَهَا۔

ترجمہ: فتنہ سویا ہوتا ہے، اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت پڑتی ہے جو اُسے جگائے۔ [1]

پس اسلام کے والیوں اور ملت کے قاضیوں اور لوگوں کا محاسبہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے لوگوں کو روکیں اور اس بارے میں لوگوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تاکہ اس بدعت کی بیخ کنی ہو سکے جو فتنے میں مبتلا کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔]

(نور الخلائق، جلد پنجم)

---

[1] (جمع الجوامع المعروف بہ الجامع الکبیر، ج ۴، ص ۸۲، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة - جمهورية مصر العربية)

تشریح

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ میں ہے:

نفل نماز باجماعت علیٰ سبیل تداعی ادا کرنے کے بیان میں

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: جو کچھ یہ رسول ﷺ تمہیں دیں لے لو اور جس سے منع کر دیں اسے چھوڑ دو۔

ایک مسلمان کیلئے عبادات واحکام اور مسائل ومعاملات میں رسول ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال واعمال ہی بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل بطورِ عبادت پسند ہے جو اس کے محبوبِ کریم ﷺ کے طریقہ مبارکہ کے مطابق اور تابع ہو اور ایسا عمل ہی قبولیت کے لائق ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) فرما دیجئے اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ (بھی) تمہیں دوست رکھے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں اعمال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے یعنی عبادات اور نیک اعمال کو ناپسندیدہ اور ممنوع طریقے سے ادا کر کے انہیں برباد نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق اور تابع رہتے ہوئے امور بندگی کو بجالانا چاہئے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد"۔

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہ ہو وہ چیز مردود ہے۔[1]

عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے حضور ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر اپنی من مانی اختیار کرنا ہی وہ ناپسندیدہ عمل ہے جسے بدعت کہتے ہیں۔ آج کل اکثر مساجد میں نفل نمازوں کا باجماعت اہتمام پورے زور وشور سے کیا جانا بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔شب معراج، شب برات، اور لیلۃ القدر جیسی خاص راتوں میں "صلوٰۃ التسبیح" جیسی اہم انفرادی نماز کو اعلانات و اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو بلا بلا کر با جماعت ادا کیا جاتا ہے۔حالانکہ فقہاء کرام نے نوافل کی جماعت اور اس کے لئے اعلان و اشتہار بازی کو "مکروہ تحریمی" قرار دیا ہے بغیر دعوت واعلان کے دو یا تین شخص امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے کبھی تعلیم کیلئے اور کبھی تبرکاً ایسی نماز نفل صحابی کے گھر میں ادا فرمائی ہے۔

جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ان جدتہ ملیکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دعت رسول اللہ ﷺ بطعام صنعتہ فاکل منہ، ثم قال: قوموا افاصلی لکم قال انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقمت الی حصیر لنا قد اسود

---

[1] (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ص: ۲۷)

من طول ما لبس فنضحته بماء فقام علیه رسول اللهﷺ وصففت انا والیتیم ورآء والعجوز من ورآئنا فصلی لنا رسول اللہﷺ رکعتین ثم۔۔۔انصرف"۔

ترجمہ: ان کی دادی حضرت ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کی کھانا پکا کر دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: چلو میں تم کو نماز پڑھاؤں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی لیکر آیا جو کثرت استعمال کیوجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر اس چٹائی پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں اور (ایک) یتیم آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بڑھیا (ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہمارے پیچھے تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ہم کو دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔[1]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اس یتیم لڑکے کا نام ضمیر بن سعد الحمیری تھا اور بڑھیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم تھیں۔

صحیح بخاری و مسلم کی دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض اوقات فرض نماز کی جماعت بھی گھر میں کروائی ہے۔

اسی طرح تنہا یا با جماعت (دو یا تین مقتدیوں کے ساتھ) نوافل بھی آپ ﷺ نے گھر ہی میں ادا فرمائے ہیں۔

حدیث پاک میں نوافل اور سنتیں گھر میں ادا کرنے کا حکم آیا ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عن النبی ﷺ قال: صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبورا"۔

---

[1] (صحیح مسلم: ج: ۱ ؛ص: ۲۳۴)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں (نفل) نماز پڑھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔[1]

سنن موکدہ، غیر موکدہ اور نوافل گھر میں پڑھنا سنت بھی ہے اور باعث اجر و ثواب بھی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ"۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو! بے شک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرائض کے۔[2]

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"عن زید بن ثابت قال: قال رسول اللہ ﷺ۔ صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰۃ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ"۔

ترجمہ: حضرت بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے، سوائے فرائض کے۔[3]

شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت و فضیلت بتانے کیلئے حضورِ اکرم ﷺ نے بطورِ مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائیں علاوہ مسجد الحرام کے۔ نفل اخلاص و للّٰہیت کیلئے

---

[1] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۲۶۵)

[2] (صحیح بخاری: ج: ۱: ص: ۱۰۱: مطبع کراچی)

[3] (رواہ ابوداود و الترمذی مشکوۃ: ص: ۱۱۵: فتاویٰ رضویہ: ص: ۴۱۱)

ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے"۔ [1]

یہ ارشاد چونکہ تراویح کی چند شب ادائیگی کے موقع پر فرمایا گیا تھا، اس لئے بعض صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک تراویح کی نماز بھی گھر میں پوشیدہ ادا کرنا افضل ہے۔ البتہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور ائمہ کے نزدیک فضیلت باجماعت تراویح مسجد میں ادا کرنے میں ہی ہے۔ [2]

مسئلہ: ایسے ہی یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ جن لوگوں کی سابقہ فرض نمازیں قضا ہو چکی ہوں ان کا نوافل میں مشغول ہونا درست نہیں۔ ایسے حضرات کو چاہیئے کہ پہلے اپنی پچھلی فرض نمازیں ادا کریں، پھر نفلی نمازیں پڑھیں، کیونکہ فقہائے کرام فرماتے ہیں:

"نفل بغیر فرض کے دھوکہ ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود ہے جبکہ فرض کے ترک کا عذاب گردن پر موجود ہے"۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اے عزیز فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ، قرض ادا نہ کیا جائے اور اوپر اوپر سے بیکار تحفے بھیجے جائیں، تو کیا وہ قابلِ قبول ہونگے؟ خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے"۔

---

[1] (مشکوۃ:ص:۱۱۵)

[2] (اشعۃاللمعات:حصہ:۱:ص:۵۴۶)

مزید نقل کرتے ہیں:

"جب خلیفۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا تو آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انہیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں ہیں اگر انہیں دن میں کرو تو قبول نہیں ہوں گے اور خبر دار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے"۔[1]

حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم، مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملۃ والدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کیلئے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے فرماتے ہیں:

"اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہو اور بادشاہ کے غلام کی خدمت گاری میں لگا رہے"۔

پھر حضرت امیر المؤمنین سیدنا مولیٰ علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں:

"ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا، جب بچہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہوگیا اب نہ وہ حاملہ ہے نہ بچے والی"۔

حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فرمان بھی "فتوح الغیب" میں نقل کرتے ہیں:

"فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ واھین"۔

---

[1] (فتاوی رضویہ: ج:۴: ص:۴۳۷، ۴۳۶)

ترجمہ:یعنی اگر فرائض چھوڑ کر سنن ونوافل میں مشغول ہو گا تو وہ قبول نہیں ہوں گے الٹا وہ خوار کیا جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”جو چیز لازم وضروری ہے اسے چھوڑ دینا اور غیر ضروری کا اہتمام کرنا عقل وشعور سے دور ہے، کیونکہ عقل مند شخص کی نظر میں تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بہ نسبت نفع بخش چیز کے حصول کے زیادہ ضروری ہے بلکہ حقیقی نفع اسی صورت میں ممکن ہے“۔[1]

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر صدیقی سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ خواص کا فرمان ہے: ”اللہ تعالیٰ نوافل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ فرض ادا نہ کئے جائیں“

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

”تمہاری مثال اس بُرے بندے کی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے ہدیہ پیش کرتا ہے“۔[2]

صلوۃ التسبیح کی فضیلت

صلوٰۃ التسبیح ایک نفلی عبادت ہے، جس کی فضیلت اور اجر وثواب کا بیان حدیث شریف میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: "يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيكَ، أَلَا أَمْنَحُكَ، أَلَا أَحْبُوكَ، أَلَا أَفْعَلُ لَكَ عَشْرَ خِصَالٍ، إِذَا أَنْتَ

---

[1] (فتاوی رضویہ: ج:۴: ص:۴۳۷)

[2] (عوارف المعارف: مترجم: ص:۴۷۵)

فَعلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَقَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ وَخَطَأَهُ وَعَمْدَهُ وَصَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ وَسِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ عَشْرُ خِصَالٍ: أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ قُلْتَ وَأَنْتَ قَائِمٌ، سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُ، وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، فَذَلِكَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا! اے عباس: اے چچا جان! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپ کو نہ نوازوں؟ کیا میں آپ پر نوازشات نہ کروں؟ کیا میں آپ کو ایسی دس چیزوں سے آگاہ نہ کروں کہ جب آپ ان کو سرانجام دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، نئے پرانے، دانستہ نادانستہ، چھوٹے بڑے، خفیہ اور اعلانیہ تمام گناہ معاف فرما دے۔ وہ دس امور یہ ہیں: کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں، جس کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھیں، قراءت کے بعد پہلی رکعت کے قیام میں پندرہ بار۔۔۔ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پڑھیں، پھر رکوع کریں اور دس بار ایسا ہی پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں اور دس بار یہی پڑھیں، پھر سجدے میں جھک جائیں اور حالتِ سجدہ میں ایسے ہی پڑھیں، یوں ایک رکعت میں پچھتر (۷۵) بار پڑھا جائے گا۔ چاروں رکعتوں میں اس طرح کریں۔ اگر ہو سکے تو یہ نماز

ہر روز ایک بار پڑھیں اور اگر نہ ہوسکے تو ہر ہفتہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ہر مہینہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی عمر میں ایک بار پڑھو۔[1]

جامع ترمذی میں درج ذیل الفاظ اس روایت میں زائد ہیں:

”لو کانت ذنوبک مثل رمل عالج غفرھا اللہ لک“۔

ترجمہ: اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّات جتنے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو بخش دے گا۔ اسی طرح ترمذی میں ”فی کل سنۃ“ (ہر سال میں ایک مرتبہ) کے الفاظ بھی وارد ہیں۔

صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ

امام ترمذی نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلوٰۃ التسبیح کی ادائیگی کا درج ذیل طریقہ روایت کیا ہے:

قال۔ یکبر ثم یقول سبحانک اللّٰھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک و لا الٰہ غیرک، ثم یقول خمس عشرۃ مرۃ۔۔۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ أَکْبَرُ ثم یتعوذ ویقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و فاتحۃ الکتاب و سورۃ، ثم یقول عشر مراۃ۔۔۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ أَکْبَرُ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر پندرہ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ أَکْبَرُ پڑھے۔ پھر تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورۃ تلاوت کرے۔ اس کے بعد دس بار تسبیح (تیسرا کلمہ) پڑھے۔ ایسے ہی آخر تک چار رکعتیں مکمل کرے۔[2]

---

[1] (سنن ابن ماجہ: ج: ۱: ص: ۴۴۳: رقم: ۱۳۸۷: الجامع الترمذی عن ابی رافع: ج: ۱: ص: ۱۰۹: ابو داؤد: البیہقی: مشکوۃ: ص: ۱۱۷)

[2] (ترمذی: ص: ۱۰۹)

ابن ابی رزمہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اگر نمازی سے اس نماز میں سہو (غلطی) ہو جائے تو کیا وہ سجدہ سہو میں دس دس بار تسبیح پڑھے؟

"قال لا انما ھی ثلثمائۃ تسبیحۃ"۔

تو انہوں نے فرمایا: نہیں یہ نماز بس تین سو تسبیحات پر مشتمل ہے۔[1]

عظیم حنفی فقیہہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"وھٰذہ الصفۃ التی ذکرھا ابن المبارک ھی التی ذکر فی مختصر البحر وھی الموافقۃ لمذھبنا لعدم الاحتیاج فیھا الی جلسۃ الاستراحۃ اذ ھی مکروھۃ عندنا"۔

ترجمہ: حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد فرمودہ طریقہ وہی ہے جو مختصر البحر الرائق میں نقل کیا گیا ہے اور یہ ہمارے مذہب حنفی کے مطابق ہے کیونکہ اس میں جلسۂ استراحت کی حاجت باقی نہیں رہتی جو کہ ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک مکروہ ہے۔[2]

ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے:

"نمازی کو چاہیئے کہ کبھی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے مطابق عمل کرے اور کبھی عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان پر عمل کرے اور اس نماز کو زوال کے بعد ظہر سے پہلے ادا کرے اور اس کی رکعتوں میں کبھی بالترتیب سورۃ زلزال، العادیات، سورۃ النصر اور سورۃ اخلاص پڑھے۔ اور کبھی سورۃ التکاثر، کافرون اور اخلاص تلاوت کرے۔ اور دعا تشہد

---

[1] (ترمذی: ج: ۱: ص: ۱۱۰)

[2] (حلبی کبیر: ص: ۴۳۲: مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے پڑھے پھر سلام پھیر کر اپنی حاجات طلب کرے۔ ہمارے بیان کردہ یہ امور سنت سے ثابت ہیں"۔

احیاء العلوم میں ہے اگر **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** کے الفاظ کا اضافہ کرے تو اچھا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نماز کو جمعہ کے دن زوال کے بعد ادا کرتے تھے۔ متقدمین اور متاخرین کا اس حدیث کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے اسے حسن کہا ہے، امام عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں درج کر کے برا کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے، کہ وہ صلوٰۃ التسبیح کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے:

"اللّٰھم انی اسئلک توفیق اھل الھدی و اعمال اھل الیقین و مناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر حذر اھل الخشیۃ و طلب اھل الرغبۃ و تعبد اھل الوارع و عرفان اھل العلم حتیٰ اخافک۔ اللّٰھم انی اسئلک مخافۃ تحجرنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق بہ الرضا وحتی اناصحک فی التوبۃ خوفا منک وحتی اخلص لک النصیحۃ حبّالک وحتی التوکل علیک فی الامور کلھا وحسن ظن بک سبحان خالق النور"۔[1]

---

[1](حاشیۃ ترمذی: ص: ١١٠: اشعۃ اللمعات: ج: ١: ص: ٥٥١)

مسئلہ: صلوٰۃ التسبیح دن کے وقت ادا کرنا مسنون اور باعث اجر وثواب ہے۔ آدھی رات کے وقت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کھول کر اعلانیہ اس نماز کو ادا کرنا نوافل کے روح کے منافی ہے۔ اور اگر اس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو سخت ناجائز اور ممنوع ہے۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں: "جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ باآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید ووظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے (حتیٰ کہ) مسجد میں جب اکیلا تھا اور باآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فوراً آہستہ ہو جائے" واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

مسئلہ: شبینہ کہ ایک یا چند حافظ ملکر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایاہے مگر وہ خالص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصاً اکثر بلکہ شاید تمام وہی ہوں جو اسے بوجھ سمجھیں اور شرما شرمی میں شریک ہوں۔

حدیث صحیح میں ہے:

"اذاام احدکم فلیخفف"۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی امامت کروائے تو ہلکی نماز پڑھائے۔[2]

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

نفل کے معنی اضافی اور زائد کے ہیں اصطلاحِ شرع میں فرائض وواجبات اور سنن موکدہ کے علاوہ دیگر عبادات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اذان اور جماعت چونکہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں۔ اس

[1] (فتاویٰ رضویہ جلدسوم: ص: ۲۱۹)
[2] (فتاویٰ رضویہ جلدسوم: ص: ۵۰۳)

لئے غیر فرض کو اعلان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعتِ اسلامیہ میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ تراویح اور رمضان میں وتر کی جماعت اپنے مخصوص احکام کے باعث اس سے مستثنیٰ ہے۔

صلوٰۃ التسبیح اور دیگر تمام نفلی عبادات بجائے اعلان واشتہار کے تنہا خفیہ اور گھروں میں ادا کی جانی چاہئیں تاکہ ان کے اصل مقصود یعنی قربِ الٰہی کے حصول کی صورت میسر آسکے۔

ہمارے ائمہ احناف اور فقہائے عظام نے نوافل کی جماعت اور اس کیلئے اعلان واشتہار بازی کو ''مکروہ تحریمی'' قرار دیا ہے۔ بغیر دعوتِ اعلان کے دو یا تین افراد امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

آیئے فقہائے کرام اور ائمہ ملت کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں:

الامام الحافظ المجتہد الربانی محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''قلت وتری فی کسوف القمر صلٰوۃ؟ قال نعم الصلٰوۃ فیہ حسنۃ۔ قلت فھل یصلون جماعۃ کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال۔ لا۔ قلت فھل تکرہ الصلٰوۃ فی التطوع جماعۃ ما خلا قیام رمضان وصلٰوۃ کسوف الشمس؟ قال۔ نعم۔ ولا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعۃ الا الامام الذی یصلی الجمعۃ فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ فانی لا احب ذلک، ولیصلوا وحدانا''۔

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا اسے سورج گرہن کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام

اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہیئے کہ الگ الگ ادا کریں۔[1]

اسی طرح نفل با جماعت ادا کرنے کے بارے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کر کے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھنا مکروہ ہے"۔[2]

البنایة فی شرح الهدایة:

صاحب البنایۃ لکھتے ہیں:

صلٰوۃ النفل بالجماعة مکروهة ماخلا قیام رمضان و صلٰوۃ الکسوف۔

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ اور صلٰوۃ کسوف کے علاوہ باقی سب مکروہ ہیں۔

ردالمحتار علی الدر المختار: حاشیہ ابن عابدین:

"و لا یصلی الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان۔ ای یکره ذلک لو علی سبیل التداعی و ان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة"۔

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل کی جماعت رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ہمیشگی کے ساتھ ہو تو بدعت مکروہ ہے۔

---

[1] (باب الصلٰوۃ الکسوف: ج: ۱ :ص: ۴۴۳: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیه و حیدر آباد دکن: الهند)
[2] (وقار الفتاوىٰ: ج: ۲ :ص: ۲۲٦)

وفی الاشباہ عن البزازیۃ:

"یکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ رغائب۔ ھی التی فی رجب فی اول لیلتی جمعۃ منہ۔ و براءۃ۔ ھی لیلۃ النصف من شعبان۔ و قدر الظاہر ان المراد بھا لیلۃ السابع و العشرین من رمضان"۔

ترجمہ: اور اشباہ نے بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ الرغائب و براءۃ و قدر میں اقتدا مکروہ ہے یعنی ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔[1]

۱۷۲۳: "و لا یصلی تطوعًا بجماعۃ الا قیام رمضان لما روی عن رسول اللہ ﷺ ان قال: صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی المسجد الا المکتوبۃ (مشکوٰۃ: ص: ۱۱۴) ولو جاز اداء النافلۃ بالجماعۃ لکان اداء ھا فی المسجد افضل کما فی المکتوبۃ و لان الجماعۃ لاظہار الشعائر فیختص بالمکتوبات"۔

۱۷۲۴: "و حکی عن الشیخ الامام الاجل شمس الائمۃ السرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثۃ بواحد ذکر ھو رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان فیہ اختلاف المشائخ قال بعضھم یکرہ و قال بعضھم لا یکرہ و اذا اقتدی اربعۃ بواحد یکرہ بلا خلاف"۔

ترجمہ: نماز نفل جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں سوائے رمضان کے (مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ دوسرے نوافل) اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے سوائے فرائض کے۔ اگر نفل کی جماعت جائز ہوتی تو اس کا ادا کرنا مسجد میں افضل ہوتا۔ جیسے کہ فرائض میں۔ اس لئے کہ جماعت شعائر کے اظہار کیلئے ہے اور یہ شعائر اسلام خاص ہیں فرضوں کے ساتھ اور شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے کہ نفل باجماعت مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ اگر ایک کے پیچھے ایک

---

[1] (المحیط البرہانی: ج: ۲ ص: ۲۶۴: ۲۵۰) تالیف الامام برہان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ: ۵۵۱ھ: ۶۱۶ھ

یا ایک کے پیچھے دو کا اقتداء ہو تو مکروہ نہیں اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو سب کے نزدیک مکروہ ہے بلا خلاف۔

"النفل بالجماعۃ بما شاؤ و ایکرہ"۔

ترجمہ: یعنی نفل نماز جماعت کے ساتھ جیسے بھی ہو مکروہ ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت و فضیلت بتانے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے بطور مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائے علاوہ مسجد الحرام کے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نوافل کی مشروعیت چونکہ قربِ الٰہی کے حصول اور اظہارِ اخلاص وللّٰہیت کیلئے ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے۔ [1]

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ

صلٰوۃ النافلۃ فی المنزل افضل لقول علیہ الصلٰوۃ و السلام: "صلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلٰوۃ صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ" (رواہ البخاری ومسلم ویستثنی النافلۃ التی شرعت لھا الجماعۃ کالتراویح)۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکٰوۃ شریف: ج: ا ص: ۵۸۴)

ترجمہ: نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بیشک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے سوائے فرائض کے اور اس سے مستثنی ہے وہ نوافل جس کیلئے جماعت شروع کی گی ہے۔ جیسے کہ تراویح۔[1]

شرح الیاس میں ہے

شمس الائمہ فرماتے ہیں:

"التطوع بالجماعة انما یکره علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد واثنان بواحد لا یکره فان اقتدی ثلاث بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقًا"۔

ترجمہ: یہ مبارک فرماتے ہیں نفل جماعت اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو اس میں اختلاف ہے اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقًا مکروہ ہے۔[2]

الفتاوی الوالوالجیہ میں ہے

الامام الفقیہ ابی الفتح ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ ابن عبد الرزاق الوالوجی لکھتے ہیں:

"وصلوٰة التطوع بالجماعة لیست بمستحبة"۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت مستحب نہیں۔[3]

منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی میں ہے:

"والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروه فالاحتیاط ترکها"۔

---

1 (تالیف عبدالرحمٰن الجزیری: الجزء الاول: ص: ۳۳۸)

2 (شرح الیاس ص: ۷۳: طبع بمطبع فتح الکریم الواقع فی البمبئی)

3 (الفتاوی الوالوالجیة: ج: ۱: ص: ۱۱۷)

رمضان شریف کے علاوہ نفل با جماعت مکروہ ہے احتیاط اس میں ہے کہ نفل با جماعت ادا نہ کئے جائیں۔[1]

المبسوط لشمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والاصل فی التطوع اداءھا فرادی"۔

ترجمہ: یعنی اصل نفل نماز تنہا پڑھنا ہے۔[2]

"والاصل فی التطوعات ترک الجماعة فیھا ما خلا قیام رمضان لاتفاق الصحابة علیه وکسوف الشمس لورود الاثر به الا تری ان ما یؤدی بالجماعة من الصلوة یؤذن لها ویقام ولا یؤذن للتطوعات ولا یقام فدل انها لا تودی بالجماعة"۔

ترجمہ: نوافل کی اصل یہ ہے کہ اس میں جماعت کو ترک کیا جائے سوائے تراویح کی نماز کے کیونکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق ہے اور نماز کسوف (سورج گرہن) کیونکہ اس کے بارے میں اقوال صحابہ وارد ہوئے ہیں۔ آیا تم نہیں دیکھتے کہ نماز باجماعت کیلئے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ نفل کیلئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے اس پر کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کی جائے۔[3]

شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ولنا ان الاصل فی النوافل الاخفاء فیجب صیانتها عن الاشتهار ما امکن وفیما قاله الخصم اشهار فلا یعمل به بخلاف الفرائض لان مبناها علی الاعلان والاشهار وفی الجماعة

---

[1] (منیة المصلی مع التعلیق المجلی، للفقیه المحدث العلامة وصی احمد السورتی رحمة اللہ تعالٰی علیه: ص:٤٠٦: حاشیه:٣)

[2] (المبسوط للسرخسی، ج:١ :ص ٧٥، باب صلوٰة الکسوف، مکتبه دار الفکر)

[3] (المبسوط للسرخسی، ج:١ :ص ٧٦، باب صلوٰة الکسوف، مکتبه دار الفکر)

اشهار فکان احق یوضح ما قلنا ان الجماعة لو کانت مستحبة فی حق النوافل لفعله المجتهدون القائمون باللیل لان کل صلٰوة جوزت علی وجد الانفراد وبالجماعة کانت الجماعة فیها افضل ولم ینقل اداؤها بالجماعة فی عصره ﷺ ولا فی زمن الصحابة رضوان اللہ تعالٰی علیهم اجمعین ولا فی زمن غیرهم من التابعین فالقول بها مخالف للامة اجمع وھٰذا باطل"۔

ترجمہ: ہمارا موقف یہ ہے کہ نوافل کی بنیاد اخفا (پوشیدگی) پر ہے لہٰذا اس کو اظہار واشتہار سے ہر ممکن طور پر بچانا واجب ہے اور وہ جو قول مخالف اس بارے میں اظہار کا ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں فرائض کی مخالفت ہے کیونکہ فرائض کی بنیاد اعلان واظہار پر ہے اور جماعت میں اظہار کا پہلو ہے اور فرائض اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہماری بات سے واضح ہوا کہ اگر جماعت کی نماز مستحب ہوتی تو شب زندہ دار مجتہدین اس کا اہتمام کرتے۔ کیونکہ ہر وہ نماز جس میں جماعت اور انفرادیت دونوں جائز ہوں تو اسے جماعت سے ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی روایت نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں اس نماز کو باجماعت ادا کیا گیا ہو نہ ہی صحابہ کرام اور ان کے علاوہ تابعین کے عہد میں ایسا ہوا ہو لہٰذا نوافل کی جماعت اجماعِ امت کے خلاف ہونے کے باعث باطل ہے۔[1]

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"ولو زاد علی العشرین بالجماعة یکره عندنا بناء علی ان صلٰوة التطوع بالجماعة مکروه"۔

[1] (المبسوط للسرخسی، ج:۲:ص ۱۴۴، کتاب التراویح، الفصل الاول فی عدد الرکعات، مکتبہ دار الفکر)

ترجمہ: اگر نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کے ساتھ اگر بیس سے زیادہ ہو جائے تو یہ مکروہ ہے یہ بات بناء ہے اس پر کہ نفل نماز باجماعت مکروہ ہے۔[1]

"ولا یصلی التطوع بجماعة الا فی شهر رمضان وعن شمس الائمة السرخسی رحمة الله تعالٰی علیه ان التطوع بالجماعة انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحدًا واثنان بواحد یکره واذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقا الاقتداء فی الوتر خارج رمضان یکره وذکر القدوری لا یکره واصل هٰذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی یکره فی الاصل للصدر الشهید رحمة الله تعالٰی علیه اما اذا صلوا بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحیة المسجد لا یکره وقال شمس الائمة الحلوانی رحمة الله تعالٰی علیه ان کان سوی الامام ثلاثة لا یکره بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ"۔

ترجمہ: نماز نفل سوائے رمضان (تراویح) کے باجماعت ادا نہ کیا جائے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اگر اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے البتہ ایک یا دو مقتدی اگر ایک شخص کے پیچھے پڑھیں تو مکروہ نہیں اور اگر تین افراد ایک کی اقتدا کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار افراد ایک امام کے پیچھے پڑھیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔[2]

رمضان المبارک کے علاوہ وتر کی جماعت بھی مکروہ ہے

امام قدوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں اس کی اصل یہ ہے کہ نوافل کی جماعت اگر تداعی اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے۔ "کتاب الاصل لصدر الشہید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ" میں

---

[1] (خلاصۃالفتاوی: ج: ۱: ص ۶۳، الفصل الثالث فی التراویح)

[2] (خلاصۃالفتاوی: ج: ۱: ص ۱۵۳، الفصل الخامس عشرۃ فی الامامۃ والاقتداء)

ہے البتہ اگر بغیر اذان واقامت اعلان واشتہار کے مسجد کے کونے میں جماعت سے پڑھے تو مکروہ نہیں۔

امام شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں اور چار میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

الحافظ المجتہد الربانی ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"قلت: وترى فى كسوف القمر صلٰوة؟ قال نعم الصلٰوة فيه حسنة قلت فهل يصلون جماعة كمايصلون فى كسوف الشمس؟ قال لا قلت فهل تكره الصلٰوة فى التطوع جماعة ما خلا قيام رمضان وصلٰوة كسوف الشمس؟ قال نعم ولا ينبغى ان يصلى فى كسوف الشمس جماعة الا الامام الذى يصلى الجمعة، فاما ان يصلى الناس فى مساجدهم جماعة فانى لا احب ذلك، وليصلوا وحدانا"۔

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا! کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اسے سورج گرہن کی نماز کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا۔ کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں! اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہیئے کہ الگ الگ ادا کریں۔[1]

---

[1] (المبسوط،:ج: ۱ :ص: ۴۴۳،:باب الصلٰوۃ الکسوف)

الامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الملقب بملک العلماء فرائض ونوافل کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومنھا ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ الا فی قیام رمضان وفی الفرض واجبۃ او سنۃ مؤکدۃ لقول النبی ﷺ صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی مسجدہ الا المکتوبۃ وروی ان النبی ﷺ کان یصلی رکعتی الفجر فی بیتہ ثم یخرج الی المسجد ولان الجماعۃ من شعائر الاسلام وذلک مختص بالفرائض او الواجبات دون التطوعات وانما عرفنا الجماعۃ سنۃ فی التراویح بفعل رسول اللہ ﷺ واجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین"۔

ترجمہ: ایک اور فرق یہ ہے کہ نفل نماز سوائے رمضان المبارک کے دوسرے ایام میں با جماعت ادا کرنا جائز نہیں ہے جبکہ فرض نمازوں میں جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے سوا باقی تمام نمازیں مرد کیلئے گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز فجر کی دو رکعات اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے پھر آپ مسجد کی طرف نکلتے تھے علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ جماعت شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ لہٰذا وہ فرائض یا واجبات کے ساتھ مخصوص ہو گی نہ کہ نوافل کے ساتھ اور نماز تراویح کا با جماعت ادا کرنا مسنون ہے تو وہ اس لئے کہ اسے جماعت سے پڑھنے کا طریقہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع سے معلوم ہوا ہے۔[1]

---

[1] (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع تالیف، ج: ۱: ص: ۲۹۸، الناشر: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی کی شرح کے حاشیہ میں ہے:

"ان نفس التراویح سنة و اداؤھا بجماعة مستحب قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیا یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق و التطوع المطلق بجماعة مکروہ"۔

ترجمہ: تراویح بذات خود سنت ہے اور اسے باجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔ صاحب بدائع الصنائع کہتے ہیں: جب تراویح کی نماز ادا کر چکیں اور پھر دوبارہ پڑھنا چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں نہ کہ با جماعت کیونکہ دوسری بار پڑھنا نفل مطلق ہے اور نوافل مطلق کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

امام عبد الرحمٰن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھتے ہیں:

"(ویوتر) ای یصلی الوتر (بجماعة فی رمضان فقط) لانعقاد الاجماع علیه کما فی الهدایة وفیه اشارة الی انه لا یوتر بجماعة فی غیر شهر رمضان لانه نفل من وجه و الجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ"۔

ترجمہ: یعنی وتر کی نماز صرف رمضان میں باجماعت ادا کریں کیونکہ اس پر اجماع واقع ہو چکا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے نہ پڑھیں کیونکہ یہ ایک اعتبار سے نفل ہے اور نفل کی جماعت رمضان (تراویح) کے علاوہ مکروہ ہے۔[2]

---

[1] (حاشیة تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ص:۱۷۸)

[2] (فتاوی مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر: ج:۱ ص:۱۳۷،۔دار الاشاعت العربیة)

الفتاوی الغیاثیۃ

حجۃ الاسلام الامام الکبیر مولانا الشیخ داوٗد ابن یوسف الخطیب علی مذھب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما لکھتے ہیں:

"ان التطوع بجماعۃ خارج رمضان انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی و التجمع اما اذا اقتدی واحدًا او اثنان لا یکرہ وفی الثالث اختلاف وفی الرابع یکرہ بلا خلاف"۔

ترجمہ: یعنی نفل نماز با جماعت رمضان شریف کے علاوہ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو یعنی ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں، تین میں اختلاف ہے اور اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقی طور پر مکروہ ہے۔[1]

قطب الارشاد

مولانا قطب الارشاد الحاج فقیر اللہ بن عبد الرحمٰن الحنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ ما عدی التراویح و صلٰوۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کل من صلٰوۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب وصلٰوۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان وصلٰوۃ القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ"۔

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے ماسوا نماز تراویح اور صلٰوۃ کسوف اور استسقاء کے۔ صلٰوۃ رغائب، صلٰوۃ براءۃ جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔[2]

---

[1] (الفتاوی الغیاثیۃ، ص:۳۷)

[2] (قطب الارشاد، ص:۲۷۸)

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح

فقیہ جلیل علامہ السید احمد طحطاوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها فی الوتر خارج رمضان"۔

ترجمہ: تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت بھی احتیاطًا نہیں کرنی چاہیے۔[1]

الاشباہ والنظائر

علامہ امام زین الدین ابن نجیم حنفی مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"یکره الاقتداء فی صلٰوة الرغائب وصلٰوة البراءة ولیلة القدر الا اذا قال نذرت کذا رکعة بهذا الامام بالجماعة" (کذافی البزازیه)۔

ترجمہ: رجب، شبِ برات اور لیلۃ القدر کی نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے سوائے اس کے کہ کسی امام کی اقتدا میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی نذر مان کر کہے کہ میں اس امام کے پیچھے اتنی رکعت پڑھونگا۔ فتاوی بزازیہ میں ایسا ہی ہے۔[2]

---

[1] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح:ص:۲۱۱)

[2] (الاشباہ والنظائر:ص:۸۶)

ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے

کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدی ثلاثۃ بواحد اختلف فیہ وان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقًا" (کذافی الکافی)۔

ترجمہ: نفل جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بالاتفاق مکروہ ہے۔[1]

فتاویٰ عالمگیری جو کہ فقہ حنفی کی نہایت اہم کتاب ہے اس میں تحریر ہے کہ:

"التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ"۔

ترجمہ: نوافل کی جماعت اگر دعوت واعلان کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔[2]

فتاوی سراجیہ میں ہے:

"یکرہ التطوع بالجماعۃ ما خلا التراویح وصلٰوۃ الکسوف"۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے بخلاف نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے کہ اسے باجماعت ادا کرنا مکروہ نہیں۔[3]

علامہ امام ابراہیم حلبی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:

"واعلم: ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ علی ما تقدم ما عدا التراویح وصلٰوۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من صلٰوۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب

---

1 (ذخیرۃ العقبی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی: ص ۹۵، المطبع الرفیع المغربی المنشي نول کشور)

2 (فتاوی عالمگیری: ج: ۱: ص: ۸۳ مکتبہ ماجدیہ، عیدگاہ طوغی روڈ، کوئٹہ)

3 (فتاوی سراجیہ، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۵، باب الصلوٰۃ بالجماعۃ)

وصلٰوۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان وصلٰوۃ القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ قال حافظ الدین البزازی: ان شرعا فی نفل فافسداہ واقتدی احدھما بالاخر فی القضاء لایجوز لاختلاف السبب وکذااقتدی الناذر بالناذر لایجوز وعن ھٰذا کرہ الاقتداء فی صلٰوۃ الرغائب وصلٰوۃ البراءۃ ولیلۃ القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھٰذا الامام بالجماعۃ لعدم امکان الخروج عن العھدۃ الا بالجماعۃ ولا ینبغی ان یتکلف لالتزام ما لم یکن فی الصدر الاول کل ھٰذا التکلف لاقامۃ امر مکروہ وھو اداءالنفل بالجماعۃعلی سبیل التداعی"۔

ترجمہ: جان لو! نفل کی جماعت اعلان واشتہار کے ساتھ مکروہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ماسوائے تراویح نماز کسوف اور استسقاء کی نماز کے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الرغائب (رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز) اور صلوٰۃ البراءۃ نصف شعبان کی رات اور شبِ قدر یعنی ستائیس رمضان کی رات والی نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا ناپسندیدہ بدعت ہے۔ حضرت حافظ الدین البزازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اگر دوافراد نفل شروع کریں اور وہ فاسد ہو جائیں پھر دونوں نوافل کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے کی اقتدا کریں تو یہ اسباب (فساد) کے مختلف ہونے کیوجہ سے جائز نہیں۔ ایسے ہی دو نذر (منت) ماننے والوں کی جماعت جائز نہیں۔ (علیٰ ھٰذا القیاس) اسی کلیہ کے تحت رجب شعبان اور لیلۃ القدر (رمضان) کی نمازیں با جماعت جائز نہیں ہیں اگرچہ نذر (منت) ہی کیوں نہ مانی گئی ہو، سوائے اس کے کہ کسی نے یوں کہا:

میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں امام کے پیچھے با جماعت اتنی رکعتیں پڑھونگا یہ اس لئے کہ وہ بغیر جماعت میں شمولیت کے ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک ایسے عمل کے لئے اتنا اہتمام والتزام کیا جائے جو ابتداء اسلام میں موجود نہیں تھا۔ یہ سارا اہتمام ایک مکروہ عمل کیلئے ہوتا ہے اور وہ ہے نوافل کو اعلان واشتہار کے ساتھ باجماعت ادا کرنا۔

امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ کی نذاکت کے پیشِ نظر انتہائی اہم اور فیصلہ کن بات ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلو ترک امثال ھٰذہ الصلٰوت تارک لیعلم الناس انه لیس من الشعائر احسن۔ انتھی"۔

ترجمہ: اگر کوئی (ذمہ دار) شخص ایسی نفل نمازوں کو بطورِ تعلیم ترک کرے تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں تو یہ بہت اچھا ہے۔[1]

میں خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"جماعت در نفل مکروہ است۔۔۔ وسوائے رمضان وتر بجماعت مکروہ است"۔

ترجمہ: نماز نفل کی جماعت مکروہ ہے۔۔۔ رمضان کے علاوہ وتر بھی جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔[2]

علامہ بحر العلوم انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والاصل فی النوافل ان لا یصلی بجماعة"۔

ترجمہ: نوافل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انہیں باجماعت ادا نہ کیا جائے۔[3]

---

1 (حلبی کبیر: ص: ۴۳۳: ۴۳۲:)

2 (مالابدمنه: ص: ٦٩:)

3 (رسائل الارکان: ص: ۱۴۲:)

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے آئمہ کرام کے نزدیک نوافل کی جماعت بالتداعی مکروہ ہے۔ [1]

محمد انور الکشمیری الدیوبندی لکھتے ہیں:

"قال الفقهاء ان الجماعة فی النوافل مکروهة الا فی رمضان ولم يفهم مرادهم بعض الاغباء فحمله علی جواز الجماعة فی النفل المطلق فی رمضان مع ان مرادهم التراويح لاغير"۔

ترجمہ: فقہائے کرام نے فرمایا کہ نفل با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے سوائے رمضان کے لیکن بعض بے عقل لوگوں نے اس بات کو محمول کیا ہے اس پر نفل با جماعت مطلق رمضان میں جائز ہے حالانکہ مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ غیر۔ [2]

الفتاوی السعیدیۃ فی الفروع الحنفیۃ میں ہے:

"ان التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل التداعی۔"

ترجمہ: نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔

اسی طرح نماز تہجد کے بارے میں فرماتے ہیں:

جماعت در نماز تہجد بتداعی مکروہ است۔ وبغیر تداعی کہ اتفاقاً یک دو کس یاسہ کس اقتدائے تہجد نمائید مکروہ نیست۔

التداعی بان يقتدی اربعة واحدٍ۔

---

[1] (فتاوی رضویہ: ج:۳:ص:۴۸۰:)

[2] (فیض الباری،:ج:۲:ص:۴۳۲)

ترجمہ: نماز تہجد کے جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر بغیر تداعی کا ہو ایک آدمی یا دو یا تین کی اقتدا میں تو مکروہ نہیں۔ تداعی ایک کے پیچھے چار کہلاتا ہے۔[1]

حضرت علامہ مخدوم عبدالواحد سیوستانی سندھی لکھتے ہیں:

"الظاھر ان الصلوٰۃ بالجماعۃ فی النوافل مکروھۃ"۔

ترجمہ: ظاہر یہ کہ نفل باجماعت مکروہ ہے۔[2]

حضرت مجدد منور الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ مکتوب لکھتے ہیں:

(بسید امین سار نکپوری صدور یافتہ در منع از ادائے صلوٰۃ نوافل باجماعت مانند نماز عاشورہ وشبِ قدر وشبِ برأت وغیرھا ومایناسب ذلک)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعۃ سید المرسلین وجنّبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من قمع بنیان الضلالۃ ورفع اعلام الھدایۃ وعلیٰ الہ الابرار وصحبہ الاخیار! باید دانست کہ اکثر مردم از خواص وعوام درین زمان در ادائے نوافل اہتمام تمام دارند ودر مکتوبات مساہلات مینمایند ومراعات سنن ومستحبات رادرآنہا کمتر میکنند نوافل را عزیز میدارند وفرائض را ذلیل وخوار کم است کہ فرائض را در اوقاتِ مستحبہ ادا نمایند ودر تکثیر جماعتِ مسنونہ بلکہ در نفسِ جماعۃ تقیُّدے ندارند وبتکاسل وتساہل اداء نفس فرائض را غنیمت می شمارند وروزِ عاشورا وشبِ برأت وشبِ بست ہفتم ماہِ رجب واولِ شبِ جمعہ از ماہِ مذکور کہ

---

[1] (الفتاوی السعیدیۃ فی الفروع الحنفیۃ: ص: ۱۷، مکتبہ قاسمیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[2] (فتاوی واحدی المعروف بیاض واحدی: ص: ۱۸۵)

آن را الیلۃ الرغائب نام نہادہ اند کمال اہتمام را مرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل را بجماعت میگذارند وآنرا نیک و مستحسن مے پندارند ونمیدانند کہ این از تسویلاتِ شیطان است کہ سیئات را بصورتِ حسنات مینماید شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی در حاشیۂ شرح وقایہ میفرماید کہ تطوع بجماعت وترکِ فرض بجماعت از حبائل شیطانست بدانکہ نوافل را بجمعیتِ تمام گذاردن از بدعتہائے مذمومہ ومکروہ است از ان بدعتہا است کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا در شانِ آن فرمودہ است ''من احدث فی دیننا ھٰذا فھو رد'' بدانکہ اداء نوافل بجماعت در بعضی روایاتِ فقہیہ مطلقاً مکروہ است ودر بعضے دیگر کراہت مشروط بتداعی وتجمع است پس اگر بے تداعی یکدو کس در ناحیہ مسجد نفل را بجماعت گذارند روا باشد بے کراہت ودر سہ کس اختلافِ مشائخ است ودر چہار کس باتفاق مکروہ است در بعضی روایات ودر بعضے دیگر اصح آنست کہ مکروہ است ''فی الفتاوی السراجیۃ: کرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح وصلٰوۃ الکسوف'' ۔

''وفی الفتاوی الغیاثیۃ: قال الشیخ الامام السرخسی رحمہ اللہ سبحانہ التطوع بجماعۃ خارج رمضان انما یکرہ اذا کان علٰی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد او اثنان لا یکرہ وفی الثلث اختلاف وفی الاربع یکرہ بلا خلاف وذکر فی الخلاصۃ التطوع بالجماعۃ اذا کان علٰی سبیل التداعی یکرہ اما اذا صلّوا بجماعۃ بغیر اذان واقامۃ فی ناحیۃ المسجد لا یکرہ'' ''وقال شمس الائمۃ الحلوانی: اذا کان سوی الامام ثلٰثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلاف والاصح انہ مکروہ'' ''وفی الفتاوی الشافیۃ: ولا یصلی التطوع بالجماعۃ الا فی شہر رمضان وذلک انما یکرہ اذا کان علٰی سبیل التداعی یعنی باذان واقامۃ اما لو اقتدی

واحد او اثنان لا علٰی سبیل التداعی فلا یکرہ و اذا اقتدی ثلٰثة اختلف المشائخ رحمهم اللّٰہ تعالٰی و ان اقتدی اربعة کرہ اتفاقًا" وامثال این روایات بسیار است و کتبِ فقهیه بآن مملواند و اگر روایتے پیدا شود کہ از ذکر عدد ساکت باشد ومطلقًا مجوّز باشد اداء نفل بجماعت آنرا حمل باید کرد بر مقیّد کہ در روایاتِ دیگر واقع شدہ است دار مطلق مقید مراد باید داشت وجواز مقصور بر اثنین یا ثلث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگرچہ در اصول مطلق را بر اطلاق میگزارند و بر مقید حمل نمیکنند اما در روایاتِ حمل مطلق بر مقید جائز داشتہ اند بلکہ لازم دانستہ و اگر بر طریقِ فرضِ محال نکنیم و بر اطلاق بگذاریم ہر آئینہ این مطلق معارض خواہد بود مر آن مقید را اگر در قوت برابر باشد و مساوات در قوت ممنوع است چہ روایات کراہت باوجود کثرت مختار و مفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت ولو سلّم مساواتہما گوئیم کہ بر تقدیر تعارض ادلّہ کراہت وادلہ اباحت ترجیح جانب کراہت راست کہ رعایت احتیاط در آنست چنانچہ مقرر اہلِ اصول فقہ است پس جماعة کہ در روزِ عاشورا وشبِ برأت ولیلة الرغائب نماز بجماعت میگذارند دویست دویست وسیصد سیصد کس کم وبیش کہ در مسجدہا جمع میشوند وآن نماز را واجتماع وجماعت را مستحسن می پندار مرتکبانِ امر مکروہ اند باتفاق فقہاء ومکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایاتست چہ حرام را مباح دانستن منجرّ بکفر است ومکروہ را حسن پنداشتن یکمرتبہ از آن پایان است شناعت این فعل را نیک ملاحظہ باید نمود ودست آویز ایشان در باب رفع کراہت عدم تداعی است

آرے عدم تداعی بمقتضائے بعضی روایات دفع کراہت میکند اما مخصوص بواحد واثنین
است وآنہم بشرطے است کہ در ناحیۂ مسجد متحقق شود وبدونہا خرط القتاد باآنکہ تداعی
عبارت از اعلام یک دیگر است از برائے ادائے نماز نفل واین معی در این
جماعات متحقق است چہ قبیلہ قبیلہ در روزِ عاشورہ وغیرہ یک دیگر را
اعلام میکنند ومیخوانند کہ در مسجد فلان شیخ یا فلان عالم میباید رفت
ونماز بجمعیت مے باید گذارد واین فعل رااعتیاد نمودہ اند این قسم اعلام از اذان واقامت ہم
ابلغ است پس تداعی ہم ثابت شد واگر تداعی را مخصوص باذان واقامت داریم چنانچہ در
بعضے روایات واقع شدہ است وحقیقتِ اذان واقامت خواہم پس جواب ہمانست
کہ بالا گذشت کہ مخصوص است بواحد واثنین با شرطِ دیگر کہ بالا مذکور شد باید
دانست کہ بنائے ادائے نوافل بر اخفا وتستر است کہ مظنہ ریا وسمعہ است وجماعت
منافی آنست ودر ادائے فرائض اظہار واعلان مطلوب است چہ از شائبہ
ریا وسمعہ مبرا است پس باجماعت مناسب باشد اانکہ گوییم کثرت اجتماع
محل حدوث فتنہ است لہٰذا از برائے ادائے نماز جمعہ حضور سلطان یانائب او
شرط کردہ اند تا از حدوث فتنہ امن متحقق شود ودرین جماعات
مکروہات ہم احتمال ایقاظ فتنہ قوی است پس این اجتماع مشروع نباشد
ومنکر باشد ودر حدیث نبویست علیہ من الصلوات افضلها و من التسلیمات اکملها
"الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها پس ولاۃِ اسلام وقضاۃ واہلِ احتساب راالازم است

کہ منع این اجماع نمایند ودرین باب زجر را بالغ وجوہ مرعی دارند تا استیصال این بدعت کہ منجر بفتنہ است متحقق شودو اللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل"۔

ترجمہ: اس بیان میں کہ عاشورا اور شبِ برات میں نماز نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا نہ کرنا چاہیۓ۔ اور اس کے مناسب بیان میں سید امین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعة سید المرسلین و جنبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین و الصلٰوۃ و السلام علٰی من قمع بنیان الضلالة ورفع اعلام الھدایة وعلٰی اٰلہ الابرار وصحبہ الاخیار!

اللہ تعالٰی کی حمد ہے جس نے ہم کو سید المرسلین ﷺ کی متابعت سے مشرف فرمایا اور دین کی بدعتوں سے بچایا۔ اور آنحضرت ﷺ پر جنہوں نے گمراہی کی بنیاد کو اکھیڑا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند کیا اور ان کی آل ابرار اور اصحاب اخیار پر صلٰوۃ و سلام ہو۔

جاننا چاہیۓ کہ اکثر خاص و عام لوگ اس زمانہ میں نوافل کے ادا کرنے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور مکتوبات یعنی فرضی نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان میں سنتوں اور مستحبوں کی رعایت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ فرائض کو اوقاتِ مستحبہ میں بمشکل ادا کرتے ہیں اور جماعت مسنونہ کی تکثیر بلکہ نفسِ جماعت کی کوئی تقید نہیں رکھتے۔ نفسِ فرائض کو غفلت و سستی سے ادا کرنا غنیمت سمجھتے ہیں اور روزِ عاشور اور شبِ برات اور ماہِ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہِ رجب کے اول جمعہ کی رات کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے، بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اور نوافل کو بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن

خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ شیطان کے تسویلات یعنی مکر و فریب میں جو سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ:

نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرض کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے۔ جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت تمام کے ساتھ ادا کرنا، ان مکروہ اور مذمومہ بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے: "من احدث فی دیننا ھٰذا فھو رد" (جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ رد ہے)۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایات میں مطلق طور پر مکروہ ہے۔ اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمیع (یعنی بلانے اور جمیعت) پر مشروط ہے۔ پس اگر بغیر تداعی کے ایک دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل کو جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت کے روا ہے اور تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ:

"تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے"۔

اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی کے طریق پر ہو، مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا اختلاف کراہت ہے"۔

اور خلاصہ میں ہے کہ: ’’نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن جب اذان واقامت کے بگیر گوشہ مسجد میں ادا کئے جائیں تو مکروہ نہیں‘‘۔

اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہاہے کہ:

’’جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے‘‘۔

اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ:

’’ماہِ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان واقامت سے ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو اقتدا کرلیں جو تداعی کے طور پر نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے‘‘۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت پیدا ہو جائے جو عدد کے ذکر سے ساکت ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہئے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا معارض ہو گا اگرچہ قوت میں برابر ہوں اور مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتٰی بہاہیں بر خلاف اباحت کی روائیتوں کے اور اگر مساوات کو مان بھی لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت واباحت کے دلائل متعارض ہونے کی صورت میں کراہت کی جانب کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسے کہ اصول فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ نماز جو روزِ عاشورا اور شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ فقہاء کے اتفاق سے امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو احسن سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے اور کراہیت کے دفع کرنے میں ان کے پاس سند عدم تداعی ہے۔ ہاں عدم تداعی بعض روایات میں کراہیت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشۂ مسجد میں ہو۔ **وبدونها خرط القتاد۔** اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

تداعی سے مراد ہے نماز نفل کے ادا کرنے کیلئے ایک دوسرے کو خبر دینا اور یہ معنی اس جماعت میں مستحقق ہیں کیونکہ قبیلہ قبیلہ عاشورا کے دن ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بتلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نماز کو جماعت سے ادا کرنا چاہئے اور اس فعل کو معتبر جانتے ہیں۔ اس قسم کا اعلام اذان واقامت سے بھی ابلغ ہے پس تداعی بھی ثابت ہو گئی اگر تداعی کو اذان واقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسے کہ بعض روایات میں واقع ہے اور اس سے اذان واقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گذر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی۔

جاننا چاہئے کہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفاو تستر یعنی پوشیدگی پر ہے تاکہ سمعہ وریا کا گمان نہ گذرے اور جماعت اس کی منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار واعلان مطلوب ہے کیونکہ ریا وسمعہ کی آمیزش سے پاک ہے۔ پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ

کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کے ادا کرنے کیلئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تا کہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہہ جماعت میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہو گا۔ بلکہ منکر ہو گا۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

"الفتنة نائمة لعن الله من ايقظها"۔

فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں تا کہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہو، جڑ سے اکھڑ جائے۔ "و الله يحق الحق و هو يهدى السبيل" اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔[1]

مکتوب نمبر:۱۳۱: میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی السرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست درین طریقۂ عالیہ احداث نمودہ اند نماز تہجد را بجماعت می گزارند اطراف وجوانب درآن وقت مردم از برائے نمازِ تہجد جمع می گردند وبجمعیت تمام ادا می نمایند واین عمل مکروہ است بکراہیت تحریمہ۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ: مکتوب: ۲۸۸: حصہ: ۵)

جمعے از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیہ ٔمسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را باتفاق مکروہ گفتہ اند۔

ترجمہ: ''افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسوں میں نام ونشان تک پایا نہیں جاتا وہ اس طریقہ عالیہ میں پیدا کر دی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گرد ونواح سے اس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمیہ''۔

بعض فقہاء نے جن کے نزدیک تداعی (یعنی ایک دوسرے کو بلا نام کراہت کی شرط ہے اور نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیاہے۔ تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہاہے)۔[1]

بعض اوقات لوگ باجماعت نفل نماز پوری رات ادا کرتے ہیں یا شبینہ کرتے ہیں پھر بدن میں سستی آنے کیوجہ سے فجر کی نماز ان سے قضاء ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کے بارے میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

منقول است کہ روزی امیر المومنین، حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز بامداد راب جماعت گذارند، بعد از فراغ از صلوۃ، در قوم نگاہ کردند شخصی را از اصحاب خود در آن وقت نیافتند فرمودند کہ: فلانی ب جماعت حاضر نشد۔ حاضران عرض کردند کہ او اکثر شب بیدار می باشد۔ یحتمل کہ در این وقت

---

[1] (مکتوب نمبر: ۱۳۱، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حصہ سوئم، ص ۱۰، مکتبۃ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ)

خوابش بردہ باشد۔ فرمودند کہ: اگر تمام شب خواب می کرد و نماز بامداد را بہ جماعت می گزارد، بہتر می بود۔

"منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر آدمیوں پر نگاہ کی۔ اپنے یاروں میں سے ایک شخص کو اس وقت موجود نہ دیکھا۔ فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کی کہ وہ رات کو اکثر جاگتا رہتا ہے۔ شاید اس وقت سو گیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو اس کیلئے بہتر ہوتا" پس مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا اگرچہ تنزیہی ہو ذکر اور فکر اور مراقبہ اور توجہ سے کئی درجے بہتر ہے پھر مکروہ تحریمی کا کیا ذکر ہے۔ ہاں اگر رعایت اور اجتناب کے ساتھ یہ امور جمع ہوں تو "**فقد فاز فوزًا عظیمًا**" بڑی کامیابی ہے۔ "**وبدونه خرط القتاد**" ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔[1]

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

"**ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد۔ لانه لم یفعله النبی ﷺ ولا صحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم فانکرہ اکثر العلماء من اهل الحجاز منهم اعطاء وابن ابی ملیکة وفقهاء اهل المدینة والصحاب مالک وغیرهم وقالوا ذلک کله بدعة ولم ینقل عن النبی ﷺ ولا عن اصحابه رضی اللہ تعالٰی عنهم احیاء لیلتی العیدین جماعة**"۔

ترجمہ: شعبان کی نصف رات میں یا صلوٰۃ برات یا قدر مساجد میں ان نمازوں کی باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کیا اور اکثر علمائے اہلِ حجاز کے جن میں سے عطا ابن ابی ملیکہ اور مدینہ کے فقہاء ان سب کا یہ قول ہے کہ یہ

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۲۹، حصہ اول، ص ۷۷)

تمام کے تمام بدعت ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان راتوں میں جماعت ادا کرنا منقول نہیں۔[1]

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کرکے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھانا مکروہ ہے"۔[2]

اور اسی طرح کی روایات بہت ہیں اور فقہی کتابیں ایسی روایات سے پُر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی روایت ملے جس میں تعداد کا ذکر نہ ہو اور مطلقًا جواز ظاہر کرے تو اس بارے میں مقید روایات پر محمول کرنا چاہیئے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہیئے اور جواز کو دو یا تین افراد میں ہی منحصر جاننا چاہیئے۔ اس لئے کہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے اور اگر بطریق فرض محال حمل نہ کریں اور مطلق ہی رہنے دیں تو ایسی صورت مین یہ مطلق اس مقید کے قابل اور منافی ہو جائے گا، اگر قوت میں برابر ہو اور قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے۔ اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کرلی جائے تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی صورت میں جانبِ کراہت کو ترجیح حاصل ہے۔

---

[1] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ص: ۵۹)

[2] (وقار الفتاوی: ج: ۲: ص: ۲۲۶:)

(۱): جیسا کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"لان الفعل اذا تردد بین السّنیۃ والکراھۃ کان ترکہ اولٰی"۔

(۲): الاخیار فی بیان الصلٰوۃ علی السکون والوقار۔[1]

محمد مرید محی الدین الحنفی لکھتے ہیں:

"درمیانِ سنت وبدعت تردید آید ترک آن سنت لازم است"۔

ترجمہ: اگر سنت وبدعت کے درمیان میں تردید آجائے تو سنت کا ترک کرنا لازم ہے۔

بدلیل ان الفقھاء قالوا: "اذا تردد فی شئ بین کونہ سنۃ وبدعۃ فترکہ لازم"۔

ترجمہ: اس دلیل کے ساتھ کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب تردد آجائے کسی چیز میں کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو سنت کو چھوڑنا لازم ہے۔[2]

(۳): اسی طرح امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"گویم اگر تعارض در جواز وعدم جواز وحل وحرمت واقع شود ترجیح جانبِ عدمِ جواز رااست وجانبِ حرمت را"۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں اگر تعارض آجائے جواز اور عدمِ جواز میں حل اور حرمت میں ترجیح جو ہے عدمِ جواز کی طرف ہے اور حرمت کی طرف ہے۔[3]

(۴): درالمختار میں ہے:

"اذا تردد الحکم بین السنۃ والبدعۃ کان ترک السنۃ اولٰی"۔

---

[1] (فتاویٰ رضویہ: ص: ۶۸۴)

[2] (تالیف مسکین، ص: ۳۹)

[3] (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۳۱۲، ص ۱۲۶، حصہ پنجم، مکتبۃ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ)

ترجمہ: جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے۔[1]

(۵): در المختار میں ہے:

"ترک المکروہ مقدم علی فعل السنة"۔

ترجمہ: مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے۔یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہے یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اس کو سنت کہا ہے۔[2]

(٦): حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

"اذاتردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة اولٰی"۔

ترجمہ: جب تردد آجائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کا چھوڑنا اولٰی ہے۔[3]

(۷): رد المختار علی در المختار میں ہے:

"اذاتردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحًا علی فعل البدعة"۔

ترجمہ: جب تردد آجائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کو چھوڑنا راجح ہے، بدعت کے کرنے سے۔[4]

کیونکہ اس میں احتیاط کی رعایت ہے جیسا کہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ امر طے شدہ ہے۔

---

[1] (در المختار: ج: ۱: ص: ۴۵۰:)

[2] (در المختار: ج: ۱: ص: ۱۰۰: باب ادراک الفریضة)

[3] (حاشیہ ابن عابدین: ج: ۲: ص: ۴۹۳)

[4] (ردالمحتار علی در المختار: ج: ۱: ص: ۴۷۵)

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نماز نفل جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔[1]

در مختار میں ہے:

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحدة کما فی الدرر وفی الاشباہ عن البزازیة۔ یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب وبراءۃ وقدر۔

ترجمہ: در مختار میں ہے یعنی وتر اور نفل جماعت کے ساتھ رمضان کے علاوہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔ تداعی کا معنی یہ ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اشباہ میں بزازیہ سے نقل کی ہے کہ اقتداء صلٰوۃ رغائب وبراءۃ وقدر میں بھی مکروہ ہے۔[2]

رد المحتار میں ہے:

وَالنَّفَلُ بِالْجَمَاعَةِ غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ لِأَنَّهُ لَمْ تَفْعَلْهُ الصَّحَابَةُ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ۔

نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ نہیں ادا کی۔[3]

---

[1] (فتاوی امجدیہ: ج: ۱: ص: ۲۴۳)

[2] (الدر المختار، ج ۱، ص ۹۹، باب الوتر والنوافل، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی، اردو بازار، کراچی)

[3] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۲۴، مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی، پشاور)

فتاوی فیض الرسول میں لکھاہے:

" نفل جماعت کے ساتھ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔ تداعی کا معنی ہے ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے جس کی تحدید یوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے" ۔[1]

فتاوی فریدیہ میں لکھاہے:

"قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیًا یصلون فرادی لا بجماعۃ لان الثانیۃ تطوع مطلق و التطوع المطلق بجامعۃ مکروہ"۔

ترجمہ: علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں فرمایاہے کہ اگر لوگوں نے ایک مرتبہ نماز تراویح پڑھ لی ہے اور اب وہ دوبارہ پڑھنا چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں با جماعت نہ پڑھیں کیونکہ دوسری مرتبہ وہ جو پڑھ رہے ہیں وہ مطلق تطوع اور نفل ہے اور مطلق تطوع کا باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔اور نفل مطلق کی جماعت مکروہ ہے۔[2]

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب معلوم و مشہور اور عامۃ

---

[1] (فتاوی فیض الرسول ج ا ص:۳۴۲)

[2] (فتاویٰ فریدیہ، ص:۱۲۵)

الکتب مذہب میں مذکور و مسطور ہے کہ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ اور تین چار میں اختلاف نقل ومشائخ اور اصح یہ ہے کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے تو مذہبِ مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یازائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں۔

لہٰذا درر و غرر پر در مختار میں فرمایا:

"یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد"۔

ترجمہ: در مختار میں ہے کہ تداعی کے ساتھ مکروہ ہے یعنی ایک کے پیچھے چار۔[1]

فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔[2]

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی تحریر فرماتے ہیں:

"ماہِ رمضان میں وتر و تراویح کا باجماعت ادا کرنا بغیر کراہت صحیح و جائز ہے اس کے سوا کسی اور نفل نماز یا تہجد اتفاقیہ طور پر گاہ بگاہ جماعت کے ساتھ ادا کرلی جائے تو بغیر کراہت صحیح و جائز ہے اور تداعی و مواظبت کے ساتھ کسی نفل نماز یا تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے تداعی کا معنی یہ ہے کہ بعض نمازی بعض دوسرے نمازی کو نفل نماز یا تہجد کی جماعت کیلئے بلائے یا یہ نماز ہی بکثرت با

---

[1] (فتاوی فقیہ ملّت: ج: ا: ص: ۲۰۲)

[2] (فتاوی نوریہ: ج: ا: ص: ۱۷۱)

جماعت ادا کرے۔ کتب فقیہ کی عبارتیں مختلف ہیں۔ بعض سے مکروہ تحریمی مستفیض ہوتا ہے اور بعض سے مکروہ تنزیہی۔[1]

مولوی مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

"ان التنفل بجماعۃ مکروہ خارج رمضان"۔

ترجمہ: یعنی نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ مکروہ ہے۔[2]

تصنیف مولوی خیر محمد جالندھری لکھتے ہیں نفل نماز اور صلوٰۃ تسبیح اکیلے اکیلے پڑھا کریں جماعت کرانا مکروہ ہے۔

"ولایصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی"۔

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل نماز باجماعت ادا کرنا رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔[3]

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نصف صدی کے فتاوی کے مجموعہ میں ہے کہ رمضان مبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کیلئے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں۔[4]

---

1 (حبیب الفتاوی: ج: ۱: ص: ۴۰۷)

2 (احسن الفتاوی: ج: ۳: ص: ۵۲۲)

3 (خیر الفتاوی: ج: ۲: ص: ۴۸۳)

4 (فتاوی حقانیہ: ج: ۳: ص: ۲۸۱)

رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت سوا ان جگہوں سے جو حدیث مبارکہ سے ثابت ہیں باقی مکروہ تحریمی ہے۔ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ تداعی سے مراد چار مقتدی لیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء ان سے مستثنیٰ ہیں۔[1]

افادات مولوی مفتی عزیز الرحمن عثمانی لکھتے ہیں کہ:

"قال فی الدر المختار ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکره ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد"۔

ترجمہ: ماہِ رمضان مبارک میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز اور مشروع ومسنون ہیں اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں۔ اتفاقاً کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر مواظبت اس پر کی جاوے تو کراہت تحریمی ہے۔ تداعی کے ساتھ ہو یا بلا تداعی۔

"ثم ان کان ذلک احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالٰی عنه کان مباحًا غیر مکروہ۔ ای تحریمی ان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تداعی اور غیر تداعی برابر ہیں۔ لفظ بدعت کراہت تحریمیہ پر دال ہے۔[2]

[1] (فتاوی رشیدیه: ج:ص:۵۶۳)

[2] (فتاوی دار العلوم دیوبند: ج:۴:ص:۲۲۲)

حافظ قاری مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری لکھتے ہیں کہ:

"نوافل کی جماعت سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہے مکروہ تحریمی ہے فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہے"۔[1]

تصنیف مولوی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

نفل جماعت کیلئے لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا تداعی ہے اور تداعی کے ساتھ نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔[2]

حنفیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت مکروہ ہے جبکہ مقتدی تین یا زیادہ ہوں یہی حکم صلوٰۃ التسبیح کا ہے اس کی جماعت بدعت حسنہ نہیں بلکہ بدعت سیئہ ہے۔ شریعت نے عبادت کو جس انداز میں مشروع کیا ہے اس کو اسی طریقہ سے ادا کرنا مطلوب ہے۔ شریعت نے نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین وغیرہ کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن نوافل کو انفرادی عبادت تجویز کیا ہے اس لئے کسی نفل نماز کا (خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کوئی اور) جماعت سے ادا کرنا منشائے شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء نے نفل نماز کی جماعت کو (جبکہ مقتدی دو سے زیادہ ہوں) مکروہ لکھا ہے اور خاص راتوں میں اجتماعی نماز ادا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے اس لئے صلوٰۃ التسبیح کا جماعت سے ادا کرنا صحیح نہیں اور آپ نے جو مصلحت لکھی ہے وہ لائق التفات نہیں جس کو صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا شوق ہو اس کو ان کلمات کا یاد کر لینا اور ترتیب کا سیکھ لینا کیا مشکل ہے؟[3]

---

[1] (فتاوی رحیمیہ: ج:۵:ص:۲۱۸)

[2] (فتاوی عثمانی: ج:۱:ص:۴۴۴)

[3] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج:۳:ص:۷۹)

اجتماعی ہیئت سے نوافل میں مشغول رہنا مکروہ اور بدعت ہے:

اسی طرح فتاوی محمودیہ میں ہے کہ اگر امام کے علاوہ چار شخص یا زیادہ مقتدی ہوں تو یہ فعل مکروہ ہے اگر امام کے علاوہ صرف دو تین آدمی مقتدی ہوں تو مکروہ نہیں۔[1]

"قال شمس الائمة الحلوائی ان اقتدی به ثلاثة لا یکون تداعیا فلا یکره اتفاقا و ان اقتدی به اربعة فالاصح الکراهته۔آه"۔

ترجمہ: شمس الائمہ الحلوانی نے فرمایا دو تین میں تداعی بھی نہیں ہے اور کراہت بھی نہیں اور اصح قول یہ ہے کہ ایک کے پیچھے چار کا اقتدا مکروہ ہے۔[2]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نفل باجماعت نہ پڑھنی چاہئے کہ صحیح یہی ہے کہ جماعت نفل تداعی مکروہ ہے اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی جماعت میں ہوں یہ باتفاق مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو کراہت نہیں۔ (کذافی الشامی)

پس وہ لوگ جو عاشورہ کے دن اور شبِ برات اور ستائیسویں رجب کی رات میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ کم و بیش دو دو سو اور تین تین سو افراد مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو نیک خیال کرتے ہیں۔ باتفاق فقہاء مکروہ امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور مکروہ چیز کو اچھا جاننا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک کھینچ کر لے جاتا ہے اور مکروہ چیز کو اچھا گمان کرنا اس سے صرف ایک درجہ کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا نوافل کی جماعت جائز کہنے والوں کی دلیل عدمِ تداعی ہے۔ ہاں بعض روایات کے مطابق عدمِ تداعی

---

[1] (فی طحطاوی علی مراقی الفلاح:ص:۱٦٦)

[2] (فتاوی محمودیه:ج:۱۱:ص:۵۰)

کراہت کو دور کر دیتی ہے لیکن وہ بھی ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ ہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مسجد کے کسی کونے میں ہو اور اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں جواز کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ ازیں تداعی کا معنی یہ ہے کہ نفل نماز کی ادائیگی کیلیئے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا اور یہ معنی اس طرح کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ قبیلوں کے قبیلے عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں چلنا چاہئے اور نفل نماز با جماعت ادا کرنی چاہئے۔ ان لوگوں نے اس فعل کو عادت بنا رکھا ہے۔ اس طرح بتاتے پھرنا اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے پس اس صورت میں تداعی بھی ثابت ہے اور اگر ہم تداعی کو اذان اور اقامت کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے اور حقیقةً اذان اور اقامت ہی مراد لیں تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو اوپر گزرا۔ کہ ایسی نماز مذکورہ شرط کے ساتھ ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ خاص ہے۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کے ادا کرنے کی بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے کیونکہ نفل عبادت ریا اور نمائش کا مقام ہے اور جماعت اخفا اور پوشیدگی کے منافی ہے اور ادائے فرائض میں اظہار اور اعلان مطلوب ہے کیونکہ فرائض ریا یا نمائش کے شبہ سے مبرا ہیں پس انہیں با جماعت ہی ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنے کے پیدا ہونے کا امکان ہے اسی لئے نماز جمعہ کی ادائیگی کیلیئے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب کی موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہ جماعتوں میں اس فتنے کو بیدار کرنے کا قوی امکان واحتمال ہے۔

لہٰذا اس طرح کا اجتماع شرعًا جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے اور حدیثِ نبوی ﷺ میں وارد ہے: "الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظها" یعنی فتنہ سویا ہوتا ہے اس شخص پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے جو اسے جگائے۔

پس اسلام کے والیوں اور ملت کے قاضیوں اور لوگوں کا محاسبہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے لوگوں کو روکیں اور اس بارے میں لوگوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تاکہ اس بدعت کی بیخ کنی ہو سکے جو فتنے میں مبتلا کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

لہٰذا رمضان المبارک وغیرہ میں مردوں، عورتوں کو نماز تسبیح وغیرہ باجماعت پڑھنے پڑھانے کے مکروہ ناپسندیدہ عمل سے بچنا چاہیئے۔ نماز تسبیح کیلئے مساجد میں اعلان کرنا، عورتوں کا جمع ہونا اور نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرنا، ایسے خود ساختہ غلط رواجات سے اجتناب کرنا چاہیئے (حیرت کی بات ہے کہ بعض خواتین پانچ وقت نماز بھی نہیں پڑھتیں لیکن میک اپ کر کے نماز تسبیح کی جماعت میں شامل ہوتی ہیں حالانکہ پنجگانہ نماز اور پردہ وحیاء زیادہ ضروری ہے اور نماز تسبیح وغیرہ باجماعت مکروہ ہے)۔ نوافل کی جماعت کی تشہیر کے بجائے نفل گھروں میں علیحدہ اور تنہائی میں پڑھنا افضل اور پسندیدہ امر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا لوگوں کے سامنے نفل پڑھنے کی بہ نسبت ایسی جگہ نفل پڑھنا جہاں لوگ اسے نہ دیکھیں پچیس درجے زیادہ ثواب ہے"۔ [1] واللہ ورسولہ اعلم۔ [2]

(العطایا السیفیة فی الفتاویٰ النقشبندیة، المجلد الرابع)

---

[1] (جامع صغیر: ج:۲: ص:۴۷)

[2] (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج ا، ص ۲۵۵)

مکتوب نمبر ۲۸۹

[مولانا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا:

قضاو قدر کے اسرار اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے قضا اور قدر کے راز کو اپنے خاص بندوں پر منکشف کر دیا اور سیدھے راستے سے بھٹک جانے کے امکان کی بناء پر عوام سے اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ اور صلوٰۃ و سلام نازل ہو اُس ذات پر جس نے اس بارے میں حجت اور دلیل کو مکمل کر دیا۔ اور تباہ ہونے والے نافرمان لوگوں کے حیلوں بہانوں کو کاٹ کر رکھ دیا، اور آپ کے نیکوکار اور متقی اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی جو تقدیر پر ایمان لائے اور قضا پر راضی ہوئے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد جبکہ مسئلہ قضا و قدر کی تحقیق میں لوگ حیرت میں اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور ناظرین میں سے اکثر لوگوں پر باطل وہم اور بے فائدہ خیالات غالب آچکے ہیں، یہاں تک کہ بعض بندے سے جو کچھ اس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اُس میں جبر کے قائل ہوئے ہیں۔ اور بعض نے بندے سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اُس کی خدائے واحد کی طرف نسبت کی نفی کی ہے۔ اور ایک گروہ نے قضا و قدر کے عقیدے میں میانہ روی اختیار کی ہے، اور یہی صراطِ مستقیم اور مضبوط راستہ ہے۔ اور بے شک میانہ روی کے اس عقیدے کی توفیق فرقۂ ناجیہ یعنی اہلِ سُنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عن اسلافھم واخلافھم کو نصیب ہوئی ہے تو ان اہلِ سُنت و جماعت نے اس برے میں زیادتی اور کمی کو ترک کیا اور وسط اور درمیانی راستے کو اختیار کیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت امام جعفر بن محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت فرمایا اور عرض کیا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بیٹے! کیا اللہ تعالیٰ نے اختیار اپنے بندوں کے سپرد کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے عظیم اور بَرتر ہے کہ ربوبیت کو بندوں کے حوالے کر دے۔ پھر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: "کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مجبور پیدا کیا ہے؟ تو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت عدل والا ہے کہ وہ بندوں کو پہلے تو مجبور پیدا کرے اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے، پھر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس معاملے کی پھر اصل حقیقت کیا ہے؟ تو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اختیار اور جبر کے درمیان ہے کہ نہ تو انسان بالکلیہ مجبور ہے اور نہ بالکلیہ مختار ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر کوئی جبر ہے اور نہ کوئی بات خواہ مخواہ انسان پر مسلط کی گئی ہے"۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "صلوٰۃ وسلام نازل ہو اُس ذات پر جس نے اس بارے میں حجت اور دلیل کو مکمل کر دیا، اور تباہ ہونے والے نافرمان لوگوں کے حیلوں بہانوں کو کاٹ کر رکھ دیا، الخ" یعنی سردارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بعثت کے بعد لوگوں میں سے کوئی بھی فرد چاہے کافر ہو یا فاسق وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں حق تعالیٰ وتقدس کے اَوامر سے بے خبر ہوں یا مجھ تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر نہیں پہنچے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”مسئلہ قضاوقدر کی تحقیق میں لوگ حیرت اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور ناظرین میں سے اکثر لوگوں پر باطل وہم اور بے فائدہ خیالات غالب آچکے ہیں، الخ“ یعنی فرقہ قدریہ والے بندے کو خود اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں، اور فرقہ جبریہ والے انسان کو جماد (بے جان چیز) اور پتھر کی مانند سمجھتے ہیں اور انسان سے افعال کے صادر ہونے کو بلا اختیار جانتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان ایک جماد اور حجر کا سا حکم رکھتاہے کہ اسے جس طرف پھینکا جائے اسی طرف گرتا چلا جاتا ہے۔ فرقہ معتزلہ ہر فعل کا خالق چاہے وہ نیکی ہو یا بدی خود انسان ہی کو جانتے ہیں۔ اگر ان کی اس بات کو مان بھی لیا جائے تو جب انسان نماز، چوری، زنا، قتل وغیرہ قسم کے افعال کرتا ہے تو اس طرح انسانی شکل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ بہت سے شریک پیدا ہو جائیں گے، ابو شکور سالمی نے کہا ہے کہ بعض اشیاء میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مؤثر ہے اور بعض اشیاء میں بندہ۔ (نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک)

اہل سنت وجماعت نے ان عقائد کے بارے میں درمیانی راہ کا انتخاب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ اپنے میلان واختیار سے اس کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کا یہ فعل وعمل دو قوتوں سے اثر پذیر ہوتا ہے ایک تو قوائے تخلیقی ہے اور دوسری قوتِ کسبی ہے جو کہ بندے کا قصد ہے۔

یعنی فعل کی تخلیق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمائی ہے اور اس فعل کا کاسب خود بندہ ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ بندوں کے افعال میں بعض وہ افعال ہیں جن میں بندہ کسی قسم کا دخل نہیں رکھتا بلکہ وہ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مربوط ہے اور بس۔ جس طرح ارتعاش (ایک عصبی بیماری ہے جس میں کوئی عضو بے ارادہ حرکت کرتا اور بے اختیار لرزتا اور کانپتا ہے) کے فعل

میں جس میں مرتعش شخص کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ مگر بندوں کے اکثر افعال بندوں کے کسب اور اس کی تخلیق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہوتی ہے اور بندہ اپنے اختیار سے خود ان کاموں کو کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

[شاید اس وجہ سے اہلِ سُنت نے فرمایا کہ بندوں کے افعالِ اختیاریہ خلق اور ایجاد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں، اور دوسرے اعتبار سے یعنی کسب اور اکتساب کے تعلق کے اعتبار سے بندوں کی قدرت کے تحت ہیں۔ پس بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کے اعتبار سے خلق اور ایجاد کہتے ہیں اور بندے کی قدرت کے ساتھ ربط اور تعلق کے اعتبار سے کسب واکتساب کہتے ہیں۔]

تشریح

قدریہ کہتے ہیں کہ بُرائیوں کا خالق حق تعالیٰ وتقدس نہیں ہے بلکہ یہ گروہ بُرائیوں کا خالق اسی بندے ہی کو جانتے ہیں لیکن اس گروہ کا یہ نظریہ اور خیال درست نہیں ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ ذات پر خالقیت کا اطلاق درست ہے کہ جو اپنی مخلوق کی عاقبت سے آگاہی اور معلومات رکھتا ہے جبکہ بندہ اپنے عاقبتِ کار سے آگاہی نہیں رکھتا۔ اسی لئے وہ اپنے اعمال کا خالق بھی نہیں ہو سکتا۔ اس نظریئے کی تردید کرنے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس بُرائیوں کا خالق نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر حق تعالیٰ وتقدس بُرائیوں کا خالق نہ ہوتا تو پھر شیطان کا خالق کون ہوگا؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ”کسب اور اکتساب کے تعلق کے اعتبار سے بندوں کی قدرت کے تحت ہیں۔ پس بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کے اعتبار سے خلق اور ایجاد کہتے ہیں، الخ“ یعنی بندے کی حرکت میں دو چیزیں پائی

جاتی ہیں۔ ایک حق تعالیٰ وتقدس کی تخلیق اور دوسرا بندے کا اپنا قصد اور ارادہ۔ جب تک بندہ کسی ایک عمل کا قصد وارادہ نہ کرے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس ارادہ کی ہوئی چیز کو خلق نہیں فرماتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بندہ اپنے قصد وارادہ کو حاصل کرنے کے لئے بس چیزوں کو ظاہر ونمودار کرتا ہے اور جن چیزوں کے لئے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا تخلیقی ارادہ ہوجاتا ہے انسان اس کو حاصل کرسکتا ہے۔ اسی لئے بندہ اپنے افعال واعمال کا خالق نہیں ہوتا بلکہ اسے کاسبِ عمل کہا جاتا ہے۔ اور بندہ کے اس عمل کا خالق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ کیونکہ جس چیز کے لئے حق تعالیٰ وتقدس کا ارادہ نہ ہو بندہ اس کو نہیں کر سکتا۔

[لیکن اہلِ سنت میں سے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے اختیار کو اُن کے افعال میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی عادت کے مطابق اُن کے اختیار کے پیچھے اُن کے فعل کو ایجاد فرمادیتا ہے۔ اس لئے کہ امام ابوالحسن اشعری اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نزدیک فانی اور حادث وقدرت کی کچھ تاثیر نہیں۔ اور یہ مذہبِ جبر کی طرف مائل ہے۔ اسی لئے اسے جبرِ متوسط کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور استاذ ابواسحاق اسفرائنی نے فرمایا ہے کہ اصل فعل اور حصولِ فعل میں بندے کی قدرت کو دخل ہے۔ اور بندے کا فعل دو قدرتوں سے وجود میں آتا ہے۔ (ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور دوسری بندے کی قدرت) اور اس بزرگ نے دو مختلف جہتوں سے ایک اثر پر دو مؤثروں کے اجتماع کو جائز قرار دیا ہے۔

اور قاضی ابوبکر الباقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ بندے کی قدرت وصف فعل میں بایں طور پر تاثیر کرتی ہے کہ فعل کو طاعت یا معصیت کے ساتھ موصوف کردیا جاتا ہے۔

اور اس عبدِ ضعیف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل فعل اور وصفِ فعل میں بیک وقت بندے کی قدرت کی تاثیر کا دخل ہے۔ اس لئے کہ اصل میں تاثیر کے بغیر وصف میں تاثیر کا کوئی معنی نہیں۔ اس لئے کہ وصف کا اثر اصل پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر ایک زائد تاثیر کا محتاج ہے۔ کیونکہ وصف کا وجود اصل کے وجود پر زائد ہوتا ہے اور بندے کی تاثیر کے قائل ہونے میں کوئی خرابی نہیں۔ اگرچہ یہ بات اشعری کو ناگوار گزرے۔ اس لئے کہ قدرت میں تاثیر بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے ہوتی ہے، جس طرح نفسِ قدرت اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے ہے، اور تاثیرِ قدرت کا قائل ہونا ہی درستی کے زیادہ قریب ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اہلِ سُنت میں سے امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے اختیار کو ان کے افعال میں کچھ دخل نہیں، الخ" یعنی امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ وتقدس کی عادات اس پر جاری وساری ہیں کہ بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو پیدا فرما دیتا ہے اور بندے کا اپنے اس فعل کا ارادہ کرنے میں کسی قسم کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

سوال: اشعریہ کے اس دعویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماد اور انسان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں ہے؟

جواب: اشعریہ مندرجہ بالا سوال کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ جماد اور انسان کے درمیان بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے، جس طرح جماد کسی قسم کا قصد وارادہ نہیں رکھتا اور اس جماد پر جو بھی فعل جاری ہو جائے وہ اس فعل کے صادر ہونے میں کسی قسم کا دخل نہیں رکھتا مگر اس کے برعکس انسان ہر

عمل اور ہر کام کرنے سے پہلے اس کا ارادہ کرتا ہے اور بعد میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کام کو خلق فرمادیتا ہے۔یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق بندہ کے ارادہ کے ساتھ موقوف ہوتی ہے اسی لئے بندہ ارادۂ عمل اور بُرائی کے کاموں پر ذمہ دار اور ملامت وتعذیب کا حق دار ہوتا ہے اس لئے کہ بندہ کا ارادہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا موقوف علیہ ارادہ و تخلیق بن گیا ہے، اگرچہ بندہ کا ارادہ فعل کے صادر ہونے میں کوئی تاثیر نہیں رکھتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایاہے کہ اصل فعل اور حصولِ فعل میں بندے کی قدرت کو دخل ہے۔ اور بندے کا فعل دو قدرتوں سے وجود میں آتا ہے، الخ" یعنی ابو اسحاق مذکور نے دراصل بندہ کے فعل کو فعلِ مؤثر سمجھا ہے اور فعل کو مقدور وقدرت جانا ہے اور کہا ہے کہ دو مختلف جہتوں سے ایک اثر پر دو مؤثروں کا اجتماع جائز ہے۔ مگر ماتریدیہ نے فرمایاہے کہ اشعری کا قول یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندہ کو ظالم سمجھاہے،یعنی ایک فعل حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کرنے کو مخلوق اور بندہ کے ارادہ کی طرف نسبت کرنے کو مکسوب جانا ہے۔ مقصد یہ کہ ایک ہی فعل اور امرِ واحد میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق اور بندہ کے کسب جو کہ دو مؤثر ہیں دونوں ہی موجود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس گفتگو میں ابو اسحاق کا نظریہ اشعری کے قول کے مخالف ہے اس لئے کہ اشعری نے بندہ کے ارادہ کو فعل کے صادر ہونے میں ذی دخل نہیں جانا اور ابو اسحاق نے ذی دخل جانا ہے، ان دونوں اقوال میں ابو اسحاق کا قول زیادہ صحیح ہے۔

[اور اشعری کا مذہب فی الحقیقت دائرۂ جبر میں داخل ہے، کیونکہ اُس کے نزدیک بندے کو کوئی اختیار حاصل نہیں، اور نہ ہی اُس کے نزدیک بندے کی فانی قدرت کو تاثیر حاصل ہے۔ مگر اتنی بات

ہے کہ جبریہ کے نزدیک فعلِ اختیاری کی نسبت فاعل کی طرف حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہوتی ہے۔ اور اشعری کے نزدیک فاعل کی طرف حقیقتاً نسبت ہوتی ہے۔ اگرچہ بندے کے لئے حقیقتاً کچھ اختیار ثابت نہیں اس لئے کہ فعل بندے کی قدرت کی طرف حقیقتاً منسوب ہوتا ہے، چاہے یہ قدرت تھوڑی بہت ہی مؤثر ہو۔ جیسا کہ اشعری کے علاوہ دوسرے اہل سنت کا مذہب ہے۔ یا مدارِ محض ہو، جیسا کہ اشعری کا مذہب ہے۔ اور اس فرق کے ساتھ اہل حق کا مذہب اہلِ باطل کے مذہب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور فعل کو فاعل سے حقیقتاً نفی اور مجازی طور پر اس کا بندے کے لئے ثبوت جیسا کہ فرقۂ جبریہ کا مذہب ہے، کفرِ محض اور بدیہی امر کا انکار ہے۔

صاحبِ تمہید (ابو المعین معمون بن محمد النسفی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۵۰۸ھ) نے فرمایا ہے کہ جبریہ میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ فعل کا صدور بندے سے صرف ظاہراً اور مجازاً ہوتا ہے۔ حقیقتاً اسے کوئی استطاعت اور قدرت حاصل نہیں۔ بلکہ وہ بندہ درخت کی مانند ہے کہ جب اُسے ہوا حرکت دیتی ہے تو وہ حرکت میں آتا ہے، بعینہٖ درخت کی طرح بندہ بھی مجبورِ محض ہے۔ یہ قول کفر ہے، اور جو اس طرح کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

اور صاحبِ تمہید نے فرقہ جبریہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ اُن کا یہ قول ہے کہ حقیقتاً بندوں کے اپنے افعال کا وجود ہی نہیں ہے، نہ خیر میں اور نہ ہی شر میں۔ اور جو کچھ بندہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے فی الحقیقت اُس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بھی کُفر ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ جب بندے کی قدرت کے لئے افعال میں کچھ تاثیر نہیں اور اُسے حقیقتاً کچھ اختیار بھی نہیں تو پھر امام اشعری کے نزدیک بندے کی طرف حقیقتاً افعال کی نسبت کے کیا معنی ہیں؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ اگرچہ بندے کی قدرت کو افعال کے صدور میں کچھ تاثیر نہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندے کی قدرت کو وجودِ افعال کا مدار ضرور قرار دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق بندوں کے افعال کی طرف اپنی قدرت اور اختیار صرف کرنے کے متصل بعد افعال کو پیدا کرتا ہے۔ اور قدرتِ بندہ وجودِ افعال کے لئے علتِ عادیہ بن جاتی ہے۔ تو اس طرح عادتاً صدورِ افعال میں قدرت کے لئے دخل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ عادتہً افعال قدرت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا اگرچہ قدرت کے لئے افعال کی کچھ تاثیر ثابت نہیں۔ تو علتِ عادیہ کے اعتبار سے حقیقتاً افعالِ عباد کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے۔ مذہبِ اشعری کی تصحیح میں یہ انتہائی کوشش ہے، لیکن اب بھی اس کلام میں غور و تامل کی گنجائش ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جبریہ کے نزدیک فعلِ اختیاری کی نسبت فاعل کی طرف حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہوتی ہے، اور اشعری کے نزدیک فاعل کی طرف حقیقتاً نسبت ہوتی ہے، الخ" یعنی اشعری اور جبریہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ اشعری فعل کی نسبت کو بندہ کی طرف حقیقتاً جاننے کے عقیدہ پر ہیں جبکہ جبریہ فعل کی نسبت کو بندہ کی طرف مجازاً۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فعل بندہ سے منسوب ہے اور فعل کی یہ نسبت حقیقت کی وجہ سے ہے نہ کہ مجاز کی وجہ سے، اگرچہ بندہ کی قدرت مؤثر فی الجملہ ہے اور یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور اشعری بندہ کی قدرت کو محض موقوف علیہ جانتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ یہ فرق اہلِ حق کے مذہب کو اہلِ باطل کے مذہب سے جُدا کرتا ہے۔ یعنی اہلِ حق کے

مذہب میں فعل کی نسبت فاعل کی طرف مجاز کی وجہ سے ہے۔یعنی جبریہ بندہ کو مجبورِ مطلق جانتے ہیں اور اس کی طرف فعل کی نسبت کو مجازی جانتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور فعل کو فاعل سے حقیقتًا نفی اور مجازی طور پر اس کا بندے کے لئے ثبوت جیسا کہ فرقہ جبریہ کا مذہب ہے، کفرِ محض اور بدیہی امر کا انکار ہے، الخ" یعنی مشاہدہ میں آیا ہے کہ بندہ اپنے فعلِ اختیاری میں مختار ہوتا ہے، چنانچہ اگر بندہ چاہتا ہے کہ آرام کرے تو آرام کرلیتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس جو چیز چاہتا ہے کرلیتا ہے اور اگر نہیں چاہتا نہیں کرتا اور یہ ایک بدیہی اَمر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور صاحبِ تمہید نے فرقہ جبریہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ اُن کا یہ قول ہے کہ حقیقتًا بندوں کے اپنے افعال کا وجود ہی نہیں ہے، نہ خیر میں اور نہ ہی شر میں، الخ" یعنی صاحبِ تمہید نے بندہ کی مجبوری کے ان اقوال کو جو کہ جبریہ کا مذہب ہے کفر جانا ہے۔اس لئے کہ بہت سی آیات واحادیث پر غور کرنے سے بندے کا مختار ہونا ثابت ہے۔

جس طرح کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ (الکھف ۲۹)

ترجمہ: توجو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ بندہ اپنے فعل میں اختیار رکھتا ہے اور اس کی قدرت تاثیر کی حامل ہوتی ہے۔

[جاننا چاہیئے کہ اہلِ سُنت و جماعت تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس امر کے قائل ہیں کہ خیر وشر، کڑوی اور میٹھی (خوشگوار اور ناخوشگوار) تقدیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ کیونکہ قدر وتقدیر کے معنیٰ احداث اور ایجاد کے ہیں، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ محدث اور مؤجد صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہے، اُس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، وہی ہر شئ کا خالق ہے، تو بس اُسی کی عبادت کرو۔]

تشریح

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے بغیر کوئی دوسرا ایجاد نہیں کر سکتا، پس قدریہ جو کہ خود بندہ کو اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں انہوں نے اس میں خطا کی ہے کیونکہ بندہ نہ تو ایجاد کی قابلیت رکھتا ہے اور نہ ہی اپنی عاقبت کے افعال کی معلومات رکھتا ہے تو اسی لئے بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہو سکتا۔ خالقِ افعال تو وہ ہے جو اپنی عاقبتِ کار سے باخبر ہو اور اس قسم کا علم صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی صفت ہو سکتی ہے اور کسی کی نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "کیونکہ قدر وتقدیر کے معنیٰ احداث اور ایجاد کے ہیں۔۔۔۔ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات مقدس ہے، الخ"۔

حضرت ابو الحسن علی بن سلطان محمد نور الدین ہروی معروف بہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْإِرَادَةُ لَا تَسْتَلْزِمُ الرِّضَا، ثُمَّ الْقَضَاءُ هُوَ الْحُكْمُ بِنِظَامِ جَمِيعِ الْمَوْجُودَاتِ عَلَى تَرْتِيبٍ خَاصٍّ فِي أُمِّ الْكِتَابِ أَوَّلًا، ثُمَّ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ ثَانِيًا عَلَى سَبِيلِ الْإِجْمَالِ، وَالْقَدَرُ تُعَلِّقُ الْإِرَادَةِ بِالْأَشْيَاءِ فِي أَوْقَاتِهَا، وَهُوَ تَفْصِيلُ قَضَائِهِ السَّابِقِ بِإِيجَادِهَا فِي الْمَوَادِّ الْجُزْئِيَّةِ الْمُسَمَّاةِ بِلَوْحِ الْمَحْوِ، وَالْإِثْبَاتِ كَمَا يُسَمَّى الْكِتَابُ بِلَوْحِ الْقَضَاءِ، وَاللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ بِلَوْحِ الْقَدَرِ فِي

وَجْهِ هَذَا تَحْقِيقُ كَلَامِ الْقَاضِي. وَلَمَّا كَانَ الْإِيمَانُ بِالْقَدَرِ مُسْتَلْزِمًا لِلْإِيمَانِ بِالْقَضَاءِ لَمْ يَتَعَرَّضْ لَهُ، وَذَكَرَ الرَّاغِبُ أَنَّ الْقَدَرَ هُوَ التَّقْدِيرُ، وَالْقَضَاءَ هُوَ التَّفْصِيلُ، فَهُوَ أَخَصُّ، وَمَثَّلَ هَذَا بِأَنَّ الْقَدَرَ مَا أُعِدَّ لِلُّبْسِ، وَالْقَضَاءَ بِمَنْزِلَةِ اللُّبْسِ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا ذَكَرَهُ الْحَكِيمُ التِّرْمِذِيُّ. كَانَ فِي الْبَدْءِ عِلْمٌ، ثُمَّ ذِكْرٌ، ثُمَّ مَشِيئَةٌ، ثُمَّ تَدْبِيرٌ، ثُمَّ مَقَادِيرُ، ثُمَّ إِثْبَاتٌ فِي اللَّوْحِ، ثُمَّ إِرَادَةٌ، ثُمَّ قَضَاءٌ، فَإِذَا قَالَ: كُنْ فَكَانَ عَلَى الْهَيْئَةِ إِلَى عِلْمٍ فَذِكْرٍ، ثُمَّ شَاءَ فَدَبَّرَ، ثُمَّ قَدَّرَ، ثُمَّ أَثْبَتَ، ثُمَّ قَضَى، فَعُلِمَ مِنْهُ أَنَّهُ مَا مِنْ شَيْءٍ مِنْ حَيْثُ اسْتَقَامَ فِي الْعِلْمِ الْأَزَلِيِّ إِلَى أَنِ اسْتَقَامَ فِي اللَّوْحِ، ثُمَّ اسْتَبَانَ إِلَّا يَتَعَلَّقُ بِهِ أُمُورٌ مِنَ اللهِ تَعَالَى. قَالَ بَعْضُ الْعَارِفِينَ: إِنَّ الْقَدَرَ كَتَقْدِيرِ النَّقَّاشِ الصُّورَةَ فِي ذِهْنِهِ، وَالْقَضَاءَ كَرَسْمِهِ تِلْكَ الصُّورَةَ لِلتِّلْمِيذِ بِالْأُسْرُبِ، وَوَضْعُ التِّلْمِيذِ الصِّبْغَ عَلَيْهَا مُتَّبِعًا لِرَسْمِ الْأُسْتَاذِ هُوَ الْكَسْبُ، وَالِاخْتِيَارُ، وَهُوَ فِي اخْتِيَارِهِ لَا يَخْرُجُ عَنْ رَسْمِ الْأُسْتَاذِ كَذَلِكَ الْعَبْدُ فِي اخْتِيَارِهِ لَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجُ عَنِ الْقَضَاءِ، وَالْقَدَرِ، وَلَكِنَّهُ مُتَرَدِّدٌ بَيْنَهُمَا، هَذَا وَالْقَدَرِيَّةُ فَسَّرُوا الْقَضَاءَ بِعِلْمِهِ بِنِظَامِ الْمَوْجُودَاتِ، وَأَنْكَرُوا تَأْثِيرَ قُدْرَةِ اللهِ تَعَالَى فِي أَفْعَالِ الْمَخْلُوقَاتِ، وَمُعْتَقَدُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ أَفْعَالَ الْعِبَادِ خَيْرَهَا، وَشَرَّهَا مَخْلُوقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالَى مُرَادَةٌ لَهُ، وَمَعَ ذَلِكَ هِيَ مُكْتَسَبَةٌ لِلْعِبَادِ لِأَنَّ لَهُمْ نَوْعَ اخْتِيَارٍ فِي كَسْبِهَا، وَإِنْ رَجَعَ ذَلِكَ فِي الْحَقِيقَةِ إِلَى إِرَادَتِهِ وَخَلْقِهِ، وَلَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ، وَهُمْ يُسْأَلُونَ. وَهَذَا أَوْسَطُ الْمَذَاهِبِ، وَأَعْدَلُهَا، وَأَوْفَقُهَا لِلنُّصُوصِ، فَهُوَ الْحَقُّ، وَالصَّوَابُ۔

ترجمہ: قضاء وقدر وہ حکم ہے جو پہلے اُم کتاب میں تھا پھر لوحِ محفوظ میں علی سبیل الاجمال خاص ترتیب پر تمام موجودات کا نظام ہے۔ قدر اشیاء کا اپنے اوقات میں ارادہ سے متعلق ہونا ہے اور وہ اس کے قضاء سابق کی تفصیل ہے مواد جزئی میں اس کو موجود کر کے جس (موادِ جزئیہ) کا نام لوح المحو والاثبات ہے جس طرح الکتاب کا نام "لوح القضاء" اور "اللوح المحفوظ" کا نام لوح القدر رکھا گیا ہے۔ یہ قاضی کے کلام کی تحقیق ہے۔

جب ایمان بالقدر، ایمان بالقضاء کو مستلزم ہے تو اس کے درپے نہیں ہوئے، راغب نے ذکر کیا ہے کہ قدر تقدیر ہے اور قضاء تفصیل ہے پس وہ اَخص ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''قدر'' لباس پہننے کی تیاری کرنا ہے اور ''قضاء'' بمنزلہ لباس پہننے کے ہے۔ جو کچھ حکیم ترمذی نے ذکر کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ ابتداء میں علم تھا پھر ذکر پھر مشیت پھر تدبیر پھر مقادیر پھر لوح میں اثبات پھر ارادہ پھر قضاء۔ لہٰذا جب وہ کہتا ہے کُنْ (ہو جا) تو وہ ایسی ہیئت پر ہو جاتا ہے جس کا علم تھا اور ذکر کیا پھر چاہا اور تدبیر کی گئی پھر مقدر کیا پھر اثبات کیا پھر قضاء (حکم) کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز بھی علمِ ازل میں مستقیم ہوئی یہاں تک کہ لوح میں مستقیم ہو گئی پھر واضح ہوئی تو ضرور اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمور متعلق ہوتے ہیں۔

بعض عارفین نے کہا: قدر کی مثال نقاش کا اپنے ذہن میں صورت بنانا ہے اور قضاء کی مثال اس کا شاگردوں کے لئے ''اسرب'' سے خط کھینچنا ہے اور شاگرد کا اُستاد کے خط کے پیچھے اس پر انگلی رکھنا ہے۔ وہ کسب واختیار ہے، اس کے اختیار میں ہے کہ اُستاد کے خط سے نہ نکلے اس طرح بندے کا اختیار ہے کہ اس کا قضاء سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا، لیکن وہ ان دونوں کے درمیان تردد میں ہوتا ہے۔

اور قدریہ نے قضاء کی تفسیر یہ کی ہے کہ قد اس کا موجودات کے نظام کو جاننا ہے۔ انہوں نے مخلوقات کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر کا انکار کیا ہے۔ اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ بندوں کے خیر وشر کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور چاہے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ بندوں کے لئے کسبی ہیں۔ اس لئے کہ ان کو ان کے کسب میں ایک قسم کا اختیار ہے۔ اگرچہ حقیقت میں وہ اس کے ارادے اور خلق کی طرف راجع ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس سے نہیں

پوچھا جائے گا، اور بندوں سے پوچھا جائے گا۔ یہ مذہب اوسط واعدل اور نصوص کے زیادہ موافق ہے۔یہی حق اور درست ہے۔[1]

[اور معتزلہ اور قدریہ قضاوقدر کے منکر ہیں، اور ان کا گمان ہے کہ افعالِ عباد صرف بندوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے شر اور بُرائی کا فیصلہ کرتا، اور پھر اُن کو اُس پر عذاب دیتا تو یہ اُس ذاتِ سُبحانہٗ کی طرف ظلم اور جبر قرار پاتا۔ لیکن یہ شبہ ان لوگوں کی جہالت کے باعث ہے۔ کیونکہ قضائے الٰہی بندے کی قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قضا اس طرح کی ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یا چھوڑے گا۔ غایۃً مافی الباب یہ ہے کہ قضا اختیار کو واجب اور لازم کرتی ہے اور یہ چیز اختیار کو ثابت کرتی ہے، اختیار کے منافی نہیں۔

نیز ان لوگوں کا یہ قول افعالِ باری تعالیٰ سے بھی مردود قرار پاتا ہے۔ کیونکہ قضا کے اعتبار سے اللہ سبحانہٗ کا فعل یا تو واجب ہے یا ممتنع۔ اس لئے کہ قضا کا تعلق اگر وجود سے ہوگا تو واجب ہے، یا عدم سے تعلق ہوگا تو وہ ممتنع ہوگا۔ تو اگر واجب فعل بالاختیار اختیار کے منافی ہو تو باری تعالیٰ مختار نہ رہے گا، اور یہ کفر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "معتزلہ اور قدریہ قضاء وقدر کے منکر ہیں، اور ان کا گمان ہے کہ افعالِ عباد صرف بندوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں، الخ" یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قضاوقدر اس طرح سے ہے کہ فلاں بندہ فلاں وقت فلاں کام کو اپنے اختیار

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۹۵، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

سے کرے گا اور اس کام کو اپنے اختیار ہی سے ترک کرے گا تو اسی لئے قضا اختیار کی ضد نہیں ہے بلکہ مثبت اختیار ہے اور اس کی تقدیر آئندہ کا وقت ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آئندہ کے افعال واعمال کو دیکھتا اور سمجھتا ہے اس کے بعد ان کو قضا وقدر میں ثبت کرتا ہے، اور حق تعالیٰ وتقدس کا یہ دیکھنا قضا وقدر کے ثبت کرنے سے قبل ہوتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قضا وقدر بھی ایک امرِ حادث ہے قدیم نہیں ہے بلکہ قدیم صرف اور صرف حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں اس کے علاوہ اور کوئی چیز قدیم نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "نیز ان لوگوں کا یہ قول افعالِ باری تعالیٰ سے بھی مردود قرار پاتا ہے۔ کیونکہ قضا کے۔۔۔ یا عدم سے تعلق ہوگا تو وہ ممتنع ہوگا، الخ" یعنی معتزلہ اور قدریہ کا یہ گروہ قضا وقدر کو بے اختیاری سبب جانتے ہیں اور حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے افعال بھی قضا میں تثبیت ہیں جس وقت کہ قضا وقدر سلبِ اختیار کا سبب ہو تو پھر چاہیئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بھی اپنے افعال کے صدور میں اختیار نہ رکھے اور یہ کفرِ محض ہے کیونکہ حق تعالیٰ وتقدس اپنے افعال کے صدور میں فعالِ مایشاء ہے اور کوئی بھی کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارادہ کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ جس طرح قضا وقدر میں تثبیت ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارادہ سے فلاں دن فلاں وقت بارش ہوگی اور اسی دن اور اسی وقت حق تعالیٰ وتقدس کی مشیت سے بارش ہوتی ہے۔ اگرچہ اس گروہ کے دعویٰ کے مطابق حق سبحانہٗ وتعالیٰ قضا وقدر میں اختیار نہیں رکھتا تو چاہیئے تھا کہ بارش بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارادہ کے بغیر برستی اور ان کا یہ دعویٰ مردود اور کفرِ محض ہے کیونکہ کوئی بھی عمل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارادہ کے بغیر امکان پذیر نہیں ہو سکتا۔

[اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بندے کے ایجادِ فعل میں بندے کی قدرت کے کمزور ہونے کے باوجود اُسے مستقل تسلیم کرنا نہایت رکیک (گھٹیا اور بے ہودہ) بات ہے اور نہایت بے وقوفی اُس کا منشا ہے۔ اسی لئے ماوراء النہر کے مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اس مسئلہ میں معتزلہ اور قدریہ کو گمراہ کہنے میں مبالغہ کیا ہے۔ چنانچہ مشائخ ماوراء النہر نے یہاں تک کہا ہے کہ مجوسیوں کا حال ان سے بہتر ہے کہ انہوں نے تو ایک شریک ثابت کیا ہے اور ان معتزلہ نے لاتعداد شریک ثابت کئے ہیں۔

اور جبریہ فرقہ کا گمان ہے کہ بندے کا فعل ہے ہی نہیں۔ بلکہ بندے کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک بندوں کو نہ تو قدرت ہے، نہ ارادہ اور نہ اختیار۔ اور ان کا گمان ہے کہ بندے کو نہ تو نیکی پر ثواب ملتا ہے اور نہ بُرائی پر عذاب۔ اور کفار اور نافرمان لوگ معذور ہیں، ان سے کوئی پوچھ نہ ہوگی۔ کیونکہ سارے افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس بارے میں مجبور ہے، جبریہ کا یہ عقیدہ کفر ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بندے کے ایجادِ فعل میں بندے کی قدرت کے۔۔۔ اور نہایت بے وقوفی اُس کا منشا ہے، الخ"۔ یعنی معتزلہ وقدریہ جو کہ بندہ کو اس کے ضعف وعاجزی کے باوجود اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق کو بندہ کے فعل میں دخل نہیں دیتے، ان کا یہ دعویٰ ان کی بے وقوفی اور دانش مندی سے دُور ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اسی لئے ماوراء النہر کے مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اس مسئلہ میں معتزلہ اور قدریہ کو گمراہ کہنے میں۔۔۔ کہ مجوسیوں کا

حال ان سے بہتر ہے، الخ" یعنی مجوسیوں کا گروہ صرف آگ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شریک جانتے ہیں جبکہ معتزلہ تمام بندوں کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ شریک جانتے ہیں۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ معتزلہ بندہ کو اپنے اجرائے عمل میں فعل کا خالق جانتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ فعل کا خالق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات ہے اور بندہ اس فعل کا کاسب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "جبریہ قدریہ کا گمان ہے کہ بندے کا فعل ہے ہی نہیں۔ بلکہ بندے کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک بندوں کو نہ تو قدرت ہے، نہ ارادہ اور نہ اختیار، الخ" یعنی جبریہ بندہ کو پتھر کی مانند جانتے ہیں کہ اسے جس طرف بھی پھینکا جائے اسی طرف گرتا چلا جاتا ہے، اس گروہ کے نزدیک بندہ بھی بے ارادگی میں جمادات کی مانند ہے اور جس کام کے لئے بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارادہ ہو وہ بندہ کے ارادہ کے بغیر ہی جاری ہو جاتا ہے اور بندہ کی تمام حرکات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ مربوط ہیں اور بس۔ اس گروہ کے نزدیک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے تمام اوامر ونواہی ایک بے تاثیر چیز کو قبول کرنا ہے ان کے اس دعویٰ کو کفرِ محض کہا گیا ہے یعنی یہ گروہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کو بے تاثیر، بے ثمرہ اور بے فائدہ جانتا ہے۔

جبریہ کا گروہ معتزلہ وقدریہ کا معکوس ہے کیونکہ معتزلہ وقدریہ بندہ کو افعال کا خالق جانتے ہیں مگر جبریہ بندہ کو افعال کے صدور میں بے اختیار جانتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس فرقہ قدریہ کا ذکر کیا گیا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

لعنت القدرية على لسان سبعين نبيا، منهم نبينا محمد صلى الله عليه وسلم، وإذا كان يوم القيامة، وجمع الله الناس في صعيد واحد نادى مناد يسمع الأولين والآخرين، أين خصماء الله، فيقوم القدرية۔

ترجمہ: فرقہ قدریہ پر ستر انبیاء علیہم السلام نے لعنت کی ہے، ان میں سے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی ہیں، جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کرے گا ایک آواز دینے والا آواز دے گا اس آواز کو اولین وآخرین سُنیں گے کہ کہاں ہیں اللہ تعالیٰ سے جھگڑنے والے؟ تو قدریہ اٹھیں گے۔[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا بَعَثَ اللّٰہُ تَعَالَی نَبِیًّا قَطُّ إِلاَّ فِي أُمَّتِهِ قَدَرِيَّةٌ وَمُرْجِئَةٌ إِنَّ اللهَ لَعَنَ الْقَدَرِيَّةَ وَالْمُرْجِئَةَ عَلَى لِسَانِ سَبْعِينَ نَبِيًّا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی علیہ السلام نہیں بھیجا جس کی اُمت میں قدریہ اور مرجیہ نہ ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے قدریہ اور مرجیہ پر ستر انبیاء علیہم السلام کی زبان سے لعنت فرمائی ہے۔[2]

[اور یہ لعنتی مرجیہ کہتے ہیں کہ معصیت کوئی ضرر اور نقصان نہیں دیتی، اور نافرمان کو سزا نہیں ہو گی۔

[1] (المعجم الأوسط، ج۷، ص ۱۲۶، الناشر: دار الحرمين-القاهرة)

[2] (السنة لابن ابی عاصم، ج ۱، ص ۱۴۲، الناشر: المكتب الإسلامي-بيروت)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

لُعِنَتِ الْمُرْجِئَۃُ عَلٰی لِسَانِ سَبْعِینَ نَبِیًّا۔

ترجمہ: مرجیہ فرقہ پر ستر نبیوں نے لعنت فرمائی ہے۔[1]

اور ان لوگوں کا مذہب بالبداہۃ باطل ہے۔ اس لئے کہ اپنے اختیار سے حرکت دینے اور مرضِ رعشہ سے حرکت پیدا ہونے میں فرق ہے۔ اور ہم یقین سے جانتے ہیں کہ پہلی حرکت بندے کے اختیار سے ہے اور دوسری غیر اختیاری ہے۔ اور نصوصِ قطعیہ بھی اس مذہب کی نفی کرتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جَزَاءًۢ بِمَا کَانُوا یَعْمَلُونَ (السجدۃ ۱۷)

ترجمہ: صلہ اُن کے کاموں کا۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ (الکھف ۲۹)

ترجمہ: تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

وغیر ذلک

جاننا چاہیئے کہ بہت سے لوگ اپنی کمزور ہمتوں اور ناقص نیتوں کے باعث مختلف حیلے بہانے اور عذر تلاش کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ سے سوالِ آخرت کو دفع کرتے ہیں۔ تو یہ لوگ اشعری کے مذہب بلکہ جبریہ کے مذہب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ بندے کو حقیقتًا کچھ اختیار نہیں۔ اور فعل کی اس کی طرف نسبت مجازًا ہے۔ اور کبھی جبر کو مستلزم ضعیف اختیار کے قائل ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اس مقام میں بعض صوفیہ کے کلام کو سُنتے ہیں کہ فاعل صرف ایک ہے۔ اور بندے کے افعال میں اس کی قدرت کا کچھ دخل نہیں۔ اور بندے کی حرکات

---

[1] (مسند الرویانی، ج ۱، ص ۳۶۹، الناشر: مؤسسۃ قرطبۃ-القاھرۃ)

جمادات کی حرکات کی مانند ہیں۔ بلکہ بندے کی ذات اور صفت کا وجود سراب کی طرح ہے جسے پیاسا آدمی پانی گمان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کوئی شئ نہیں پاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے پاس پاتا ہے۔ اور اسی طرح کی اور باتیں جب سنتے ہیں تو اقوال وافعال میں مداہنتوں اور سستیوں پر جرأت میں وہ اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور یہ لعنتی مرجیہ کہتے ہیں کہ معصیت کوئی ضرر اور نقصان نہیں دیتی، اور نافرمان کو سزا نہیں ہوگی، الخ" یعنی مرجیہ بندہ کو افعال کے صدور میں بے اختیار جانتے ہیں، لہٰذا اپنے اسی دعویٰ کو ہوا دینے کی وجہ سے بندہ کو قابلِ سزا اور گنہگار بھی نہیں جانتے اور اسی طرح اسے ثواب کا مستحق بھی نہیں جانتے۔

مکتوباتِ شریفہ میں مرجیہ کے بارے میں دو قول ہیں ایک قول وہ ہے جس میں مرجیہ بندہ کو ثواب وعذاب کا مستحق نہیں جانتے اور دوسرا قول وہ ہے جس میں مرجیہ بندہ کو ثواب کا مستحق تو جانتے ہیں مگر عذاب کا مستوجب نہیں جانتے۔

مرجیہ کے ان دونوں اقوال کی وجہ اول یہ ہے: اگرچہ بندہ کی قدرت خیر کے اعمال کے صدور میں تاثیر نہیں رکھتی مگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے اس بندہ کو ثواب عطا کیا جاتا ہے۔

دوم: یہ بندہ کو نہ تو ثواب کا مستحق جانتے ہیں اور نہ ہی عذاب کا مستوجب۔ اس کی دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ جس وقت بندہ افعال کے صدور میں اختیار ہی نہیں رکھتا تو پھر وہ خیر کے کاموں میں ثواب کا مستحق اور شر کے کاموں میں عذاب کا مستوجب کیوں ہوگا۔

مختصر یہ کہ خیر وشر کے کاموں میں ثواب وعذاب کے بارے میں بہت سی روایات ونصوص موجود ہیں۔

جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدۃ ۱۷)

ترجمہ: صلہ اُن کے کاموں کا۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح معلوم ہے کہ اگر بندہ کا عمل بندہ کے اختیار کے بغیر ہوتا تو پھر کیوں اس کے نیک اعمال جنت کے دخول کا سبب اور اس کے برے اعمال دوزخ میں دخول کا سبب بنتے۔ اس آیتِ کریمہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ایمان اور کفر بندہ کے ارادہ پر مربوط ہیں پس مرجیہ جو کہ بندہ کے ارادہ وقدرت کو بے تاثیر جانتے ہیں انہوں نے حقیقت سے انکار کیا ہے اور ان کی یہ گفتار نصوص کے سراسر خلاف ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "اور اس کے ساتھ اس مقام میں بعض صوفیہ کے کلام کو سُنتے ہیں کہ فاعل صرف ایک ہے۔ اور بندے کے افعال میں اس کی قدرت کا کچھ دخل نہیں، الخ" یعنی بعض لوگ صوفیہ وجودیہ کے قول کو اپنے لئے سند قرار دیتے ہیں جبکہ صوفیہ وجودیہ کا قول استناد کے قابل نہیں ہے، اس لئے کہ صوفیہ وجودیہ کی گفتار سُکر کے احوال میں ہے اور سُکر کا کلام تاویل چاہتا ہے تو اسی وجہ سے صوفیہ وجودیہ کے ظاہری گفتار کی تقلید و پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔

اگرچہ صوفیہ وجودیہ کا کلام ظاہر میں شریعت کے خلاف تلقی ہوتا ہے چونکہ یہ تاویل کا حامل ہوتا ہے جو سُکر کے وقت ان کی زبان سے صادر ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ احباب معذور ہیں اور نیز ان

احباب کی گفتار میں عقیدہ کا بیان نہیں بلکہ ان کی گفتار میں احوالی بیان ہے جو ان کو اس میں آگے تک لے جاتا ہے اور ان احباب کے اس قسم کے احوال وقتی ہوتے ہیں نہ کہ دائمی کیونکہ یہ احباب بعد میں اس مرتبہ سے ترقی فرمالیتے ہیں۔

[تو ہم اس مقام کی تحقیق میں کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ مقصد کو بہتر جانتا ہے کہ اگر بندے کے لئے حقیقتًا اختیار ثابت نہ ہوتا جیسا کہ اشعری کا مذہب ہے، تو اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف ظلم کی نسبت نہ کرتا۔ کیونکہ انہیں تو کوئی اختیار ہی نہیں اور نہ اُن کی قدرت کے لئے کچھ تاثیر ہے۔ بلکہ وہ قدرت تو اس کے نزدیک مدارِ محض ہے۔ حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ مجید میں بہت مقامات پر ظلم کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔ تاثیر کے بغیر قدرت کا محض مدار ہونا اگرچہ فی الجملہ ہی ہو، بندوں سے صدورِ ظلم کو ثابت نہیں کرتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا بندوں کو تکلیف یا عذاب دینا بغیر اس کے لئے اختیار ثابت ہو ہرگز ظلم نہیں۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے، اپنے سارے ملک میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ لیکن بندوں کی طرف ظلم کی نسبت کرنا ضرور ان کے اختیار کو ثابت کرتا ہے۔ اور اس نسبت میں مجاز کا احتمال متبادر کے خلاف ہے۔ بلا ضرورت اس کا مرتکب نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن ضعف اختیار کا قول تو وہ اس امر سے خالی نہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلے ضعف نسبت مراد ہے۔ اگر یہی مراد ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اسی طرح ضعف بمعنی صدورِ افعال میں عدمِ استقلال بھی مسلّم ہے۔ لیکن ضعف کا یہ معنی مسلّم نہیں کہ صدورِ افعال میں بندے کے اختیار کا کچھ دخل نہیں۔ اور یہ اوّل مسئلہ ہے جس میں نزاع ہے، اور منع کی سند تفصیل کے ساتھ اس سے قبل مذکور ہو چکی ہے۔

یہ بات بھی علم میں ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اُن کی طاقت اور استطاعت کے مطابق مکلف بنایاہے اور اُن کے ضعفِ خلقت کے باعث تکلیف میں اُن کے لئے آسانی بھی رکھی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء۲۸)

ترجمہ: اللہ چاہتاہے کہ تم پر تخفیف (آسانی) کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے آسانیاں کیوں نہ ہوں، حالانکہ وہ ذاتِ سبحانہٗ حکم، رؤف اور رحیم ذات ہے۔ اس کی حکمت، نرمی اور رحمت کے یہ لائق نہیں کہ بندے کو اُس امر کی تکلیف دے جو اُس کی استطاعت سے باہر ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو بہت بڑی چٹان اٹھانے کی تکلیف نہیں دی جس کے اٹھانے پر بندہ قادر نہیں۔ بلکہ ایسے اُمور کی تکلیف دی ہے جو بندے کے لئے بہت آسان ہیں جیسے نمازیں جو قیام، رکوع، سجود اور آسان قرأت پر مشتمل ہیں۔ اور یہ سب نہایت ہی آسان کام ہیں۔ اسی طرح روزوں میں بھی بہت سہولت ہے اور زکوٰۃ کی بھی یہی نوعیت ہے۔ چنانچہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے، سارا یانصف مال دینالازم نہیں کیا گیا تاکہ بندوں کو گراں اور بھاری محسوس نہ ہو۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال کرم نوازی ہے کہ ہر مامور بہ کا اس کے ادانہ ہونے کی صورت میں بدل اور عوض مقرر کر دیا۔ چنانچہ وضو کے بدلے تیمم جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح یہ حکم بھی دیا کہ جو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اور جو بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو لیٹ کر نماز

ادا کرلے، اور جو رکوع اور سجود پر قدرت نہ رکھتا ہو اشارہ سے نماز ادا کرلے، **وغیر ذلک**۔ جیسا کہ نظرِ انصاف واعتبار سے احکامِ شرعیہ کو دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں۔

تو ایسا شخص دیکھے گا کہ تمام تکلیفاتِ شرعیہ میں نہایت آسانی اور سہولت ہے۔ اور اوراق کے صفحات میں اللہ تعالیٰ کمال نرمی کا مطالعہ کرے گا، تکلیفاتِ شرعیہ کے آسان ہونے کی گواہی اس سے ملتی ہے عوام زیادہ تکلیفاتِ شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض یہ آرزو رکھتے ہیں کہ فرض روزے ایک ماہ سے زیادہ ہونے چاہئیں اور بعض فرض نمازوں میں زیادہ ہونے کے آرزومند ہیں، علیٰ ہذاالقیاس۔ اور اس تمنا کی وجہ صرف یہی ہے کہ احکامِ شرعیہ میں نہایت آسانی کو ملحوظ رکھا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ مجید میں بہت مقامات پر ظلم کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔۔۔۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے، الخ" یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں درج ذیل آیت میں ظلم کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی ہے۔

وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (البقرة۵۷)

ترجمہ: ہاں اپنی ہی جانوں کا بگاڑ کرتے تھے۔

فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا (النساء۱۶۰)

ترجمہ: تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے۔

وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ (البقرة ۵۱)

ترجمہ: اور تم ظالم تھے۔

إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ (البقرة۵۴)

ترجمہ: اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

وَاللّٰہُ عَلِیمٌ بِالظّٰلِمِینَ (البقرۃ ۹۵)

ترجمہ: اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

اس جگہ پر دو موضوعات ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بندہ کو کسی جرم ومعصیت کا ارتکاب کئے بغیر عذاب دے تو اس میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے مِلک میں فعالِ مایشاء ہے۔ دوسرا یہ کہ بندوں کی طرف ظلم کی نسبت کرنا ضرور ان کے اختیار کو ثابت کرتا ہے، اگر بندے افعال کے صدور میں اختیار نہ رکھتے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی طرف ظلم کی نسبت نہ کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کا کسی گناہ کا ارتکاب کئے بغیر اس کو عذاب دینا اور چیز ہے اور بندہ کو ظلم کی نسبت کرنا چیز دیگر۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "لیکن ضعف اختیار کا قول تو وہ اس امر سے خالی نہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلے ضعف نسبت مراد ہے، الخ" یعنی بندہ کا ضعفِ اختیار دو حال سے خالی نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ بندہ کا اختیار ضعیف ہے اسی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد کون سا ضعف ہے؟

اول: اگر ضعفِ بندہ سے ان کی مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا مقابلِ اختیار ہو تو ان کا یہ دعویٰ کرنا درست ہے۔

دوم: اگر بندہ کے ضعفِ اختیار سے ان کی مراد یہ ہو کہ بندہ کا اختیار فعل کے صادر ہونے میں کوئی تاثیر نہیں رکھتا تو ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔

یعنی جو لوگ بندہ کے اختیار کو ضعیف جانتے ہیں اگر ان کی مراد یہ ہو کہ بندہ کا اختیار حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اختیار کی بہ نسبت ضعیف ہے تو ان کی یہ گفتار اور دعویٰ درست ہے۔ اور اگر ان کی ضعفِ بندہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ اختیارِ افعال کے صدور میں کسی قسم کی تاثیر نہیں رکھتا تو ان کا یہ دعویٰ معقول نہیں ہے۔ اگر بندہ کے ضعفِ اختیار سے ان کی مراد یہ ہو کہ بندہ فعل کے صدور میں استقلال نہیں رکھتا تو ان کا یہ دعویٰ بجا ہے، کیونکہ بندہ کے فعل کا صدور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تخلیق اور بندہ کے کسب سے صورت پذیر ہوتا ہے فعل کے صدور میں صرف بندہ کا اختیار کافی نہیں ہے، کیونکہ بندہ کا فعل بندہ کے کسب کا اثر اور حق تعالیٰ وتقدس کی تخلیق کا اثر ہے اور بندہ کا فعل صرف بندہ کے کسب کا اثر نہیں۔

[بعض حضرات کو احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی کا محسوس نہ ہونا ان کی نفسانی تاریکیوں اور طبعی میل کچیل کی وجہ سے ہے۔ نیز نفسِ امارہ کی خواہش کی وجہ سے جو خدا تعالیٰ سبحانہٗ کی عداوت میں ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (البقرۃ ۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ ''بعض حضرات کو احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی کا محسوس نہ ہونا ان کی نفسانی تاریکیوں اور طبعی میل کچیل کی وجہ سے ہے، الخ'' یعنی ہوائے نفسانی نہ رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے تمام اوامر کو بخوبی ادا کرنا بہت آسان اور بے تکلیف ہوتا ہے اور اس کے برعکس جو لوگ ہوائے نفسانی رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے تمام اوامر کو بخوبی ادا کرنا بہت مشکل اور سخت ہوتا ہے۔ چنانچہ توحید اور نماز کی ادائیگی جو کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر ہے بہت آسان ہوتا ہے لیکن کفار کے حق میں جو کہ کدوراتِ نفس کے حامل ہوتے ہیں بہت زیادہ سخت اور دُشوار ہوتا ہے۔ حالانکہ نماز حق تعالیٰ وتقدس کا ذکر اور اس کی یاد ہے اور حق تعالیٰ وتقدس کا ذکر بہت زیادہ لذت کا سبب ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خاص بندے جو ہوائے نفسانی سے فارغ اور نجات پاچکے ہوتے ہیں وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد کو تمام دُنیوی لذتوں سے لذیر تَر سمجھتے ہیں اگر ہم نیکی کی طرف متوجہ ہوں تو ہم عقل کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرنے کی خوشی کا دَرک بھی کرسکتے ہیں اس لئے کہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تمام دُنیوی لذائذ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے ظلال کا اثر ہیں۔ اور اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے ظلال کا اثر اس قدر لذت آور ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ان صفات کا منبع ومنشاء کس قدر لذت بخش ہوگا۔

مستئ بادۂ عشق اش زمن مست مپرس
ذوق این مے نشناسی بخدا تانہ چشی

ترجمہ: شرابِ عشق کی مستی کے بارے میں مجھ مست سے نہ پوچھو۔ خُدا کی قسم! اس شراب کا ذائقہ چکھنے سے پہلے تم اسے نہیں پہچان سکتے۔

[تو جس طرح ظاہری مرض کام کرنے میں مشکل پیدا کرتا ہے بالکل اسی طرح باطنی مرض بھی مشکلات پیدا کرتا ہے اور شرع شریف نفسِ امارہ اور اس کی برائیوں کے نشانات کو مٹانے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ تو خواہشِ نفس اور متابعتِ شریعت ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ لہٰذا احکامِ شرعیہ کے بجالانے میں مشکل اور تنگی محسوس کرنا خواہشِ نفس کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ تو جس قدر شرع پر عمل مشکل محسوس ہوگا اتنی ہی مقدار میں خواہش بھی موجود ہوگی۔ تو جس وقت خواہشِ نفس بالکلیہ مٹ جائے گی اشکال اور تنگی بھی بالکل ختم ہو جائے گی۔

لیکن بعض صوفیہ کا نفی اختیار یا ضعفِ اختیار میں گزشتہ کلام کا یہ جواب ہے کہ اُن کا کلام اگر احکامِ شرعیہ کے مطابق نہ ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس لئے وہ دلیل یا تقلید کی صلاحیت کیسے رکھتا ہے۔ دلیل اور تقلید کے لائق تو علمائے اہل سنت وجماعت کے اقوال ہیں۔ تو صوفیہ کا جو کلام علمائے اہلِ سُنت وجماعت کے اقوال کے موافق ہوگا وہ مقبول ہوگا اور غیر موافق غیر مقبول ہوگا۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "تو جس طرح ظاہری مرض کام کرنے میں مشکل پیدا کرتا ہے، بالکل اسی طرح باطنی مرض بھی مشکلات پیدا کرتا ہے، الخ" یعنی غشاوۂ قلبی (قلبی پردے) اور کدوراتِ نفسانی جو کہ قلب کی غفلت اور نفس کی امارگی سے پیدا ہوتے ہیں یہ شرعی اَوامر میں تکلفات اور عوامل کو سنگین جانتے ہیں مگر جس وقت قلب تصفیہ اور نفس تزکیہ

حاصل کر لے تو پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر اور شرعی احکامات کی تعمیل ایک اَمرِ ذوقی اور لذیذ ہو جاتے ہیں۔

یعنی خواہشاتِ نفسانی اور متابعتِ شریعت دو نقیض و متضاد چیزیں ہیں، پس شرعی اوامر کو سخت و مشکل جاننا ہوائے نفسانی اور خواہشاتِ نفسانی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے جس قدر کدوراتِ نفسانی موجود ہوں گی، اسی اندازے سے شرعی اوامر کی ادائیگی بھی سنگین اور تکلیف پیدا کرے گی لیکن جس وقت ہوائے نفسانی درمیان سے زائل ہو جائیں تو پھر شرعی احکام واوامر کو ادا کرنا ایک اَمرِ ذوقی بن جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکام واوامر کی بجا آوری تزکیۂ نفس کا اثر اور معنوی التذاذ کا سبب ہوتا ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکام واوامر کی بجا آوری نہ کرنا کدوراتِ نفسانی کے غلبہ کا سبب ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "لیکن بعض صوفیہ کا نفی اختیار یا ضعف اختیار میں گزشتہ کلام کا یہ جواب ہے، الخ" یعنی مدارِ اعتبار اور دلیلِ گفتار اہلِ سُنت وجماعت ہیں جو چیز ان کے اقوال کے موافق ہو وہ قابلِ قبول ہو گی اور جو چیز ان کے اقوال کے مخالف ہو گی وہ مردود ہے، یعنی چونکہ صوفیہ وجودیہ کے اقوال سُکر کی حالت میں صادر ہوئے ہیں لہٰذا ان کے یہ اقوال دلیل اور مدارِ اعتبار نہیں ہیں اور نہ ہی یہ تائید و پیروی کے قابل ہیں۔

[علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ نے شریعت سے بالکل تجاوز نہیں کیا، نہ احوال میں نہ اعمال میں اور نہ اقوال میں اور نہ ہی علم و معارف میں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ شریعت سے تھوڑی سی مخالفت کا باقی رہنا بھی حال میں سقم اور خلل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر حال سچا ہوتا تو شریعتِ حقہٗ کے بالکل خلاف نہ ہوتا۔

مختصر یہ کہ شریعت کے خلاف ہونا بے دینی اور الحاد کی دلیل ہے۔ غایۃً مافی الباب یہ ہے کہ کسی صوفی سے اگر ایسا کلام صادر ہوا، جو شریعت کے مخالف ہو، جو غلبۂ حال اور سُکرِ وقت میں کشف کے باعث ہو تو اس کو معذور قرار دیا جائے گا۔ اور اس کا یہ کشف غیر صحیح ہو گا۔ اور تقلید و پیروی کے لائق نہ ہو گا۔ بلکہ مناسب ہے کہ اس کے کلام کو ظاہری معنی سے پھیرا جائے۔ اس لئے کہ اہلِ سُکر کے کلام کو بہتر معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں لئے جاتے۔

یہ ہے جو مجھے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مدد اور اس کی حُسنِ توفیق سے اس مقام میں میسر آیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ فرمان کہ "علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ نے شریعت سے بالکل تجاوز نہیں کیا، نہ احوال میں نہ اعمال میں اور نہ اقوال میں اور نہ ہی علم و معارف میں، الخ" یعنی صوفیاء کرام دو قسم کے ہیں ایک صوفیانِ منتہی جنھوں نے صوفیہ کے مراحل کو طے کر لیا ہوتا ہے اور اوامرِ شرعی کے صدق مصداقات کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھا ہوا ہوتا ہے، اور تمام شرعی اَوامر جو کہ شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں وارد ہیں اُن کا مشاہدہ کیا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ فاسق و کافر قبر میں عذاب میں مبتلا ہیں اور صالح و زاہد کا طبقہ قبر میں مسرور اور اُن کا مسکن جنت کے باغ ہیں۔ دوسرے صوفیہ مبتدی اور نارسیدہ ہیں جو اپنے علم کی قلت اور احوال کے نقص سے اوامرِ شرعی کے صدق و مصداقات کو نہیں دیکھ سکتے۔ لہٰذا اس قسم کے صوفیہ اپنے مکشوفات میں ناقص ہوتے ہیں اور ان کی گفتار تقلید و پیروی کے قابل نہیں ہے۔ مگر صوفیہ وجودیہ اور نارسیدہ کے قول کے بیانِ حال ہیں نہ کہ ان کا عقیدہ۔

اس سارے مکتوب کا حاصل یہ ہے کہ بندہ مجبور نہیں ہے اور اس کا ارادہ اس کے فعل میں مؤثر ہے اسی وجہ سے یہ صاحبِ ثواب اور مستحقِ عذاب ہوتا ہے اور اشعری کا قول بھی درست نہیں ہے اور مرجیہ، جبریہ، قدریہ اور معتزلہ کے اقوال مردود ہیں اور صوفیہ وجودیہ کی گفتار اعتبار کے قابل نہیں ہے ان کی گفتار سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر محمول ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ کے فعل کی تخلیق حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اور اس کا کسب بندہ سے ہے پس بندہ کا فعل اثر میں دو قوتوں (یعنی قوائے تخلیقی اور قوہ کسبی) سے وجود میں آیا ہے اور آرہا ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولاساتذتھم ولاھل بیتھم اجمعین اٰمین

(نورالخلائق، جلد پنجم)

۱۴ ربیع الاول ۱۴۴۶ھ

بمطابق

۹ ستمبر ۲۰۲۵

مفتاح السلوک، جلد شانزدہم مکمل ہوئی۔